سیرت
رسولِ عربی

تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، کراچی، راولپنڈی
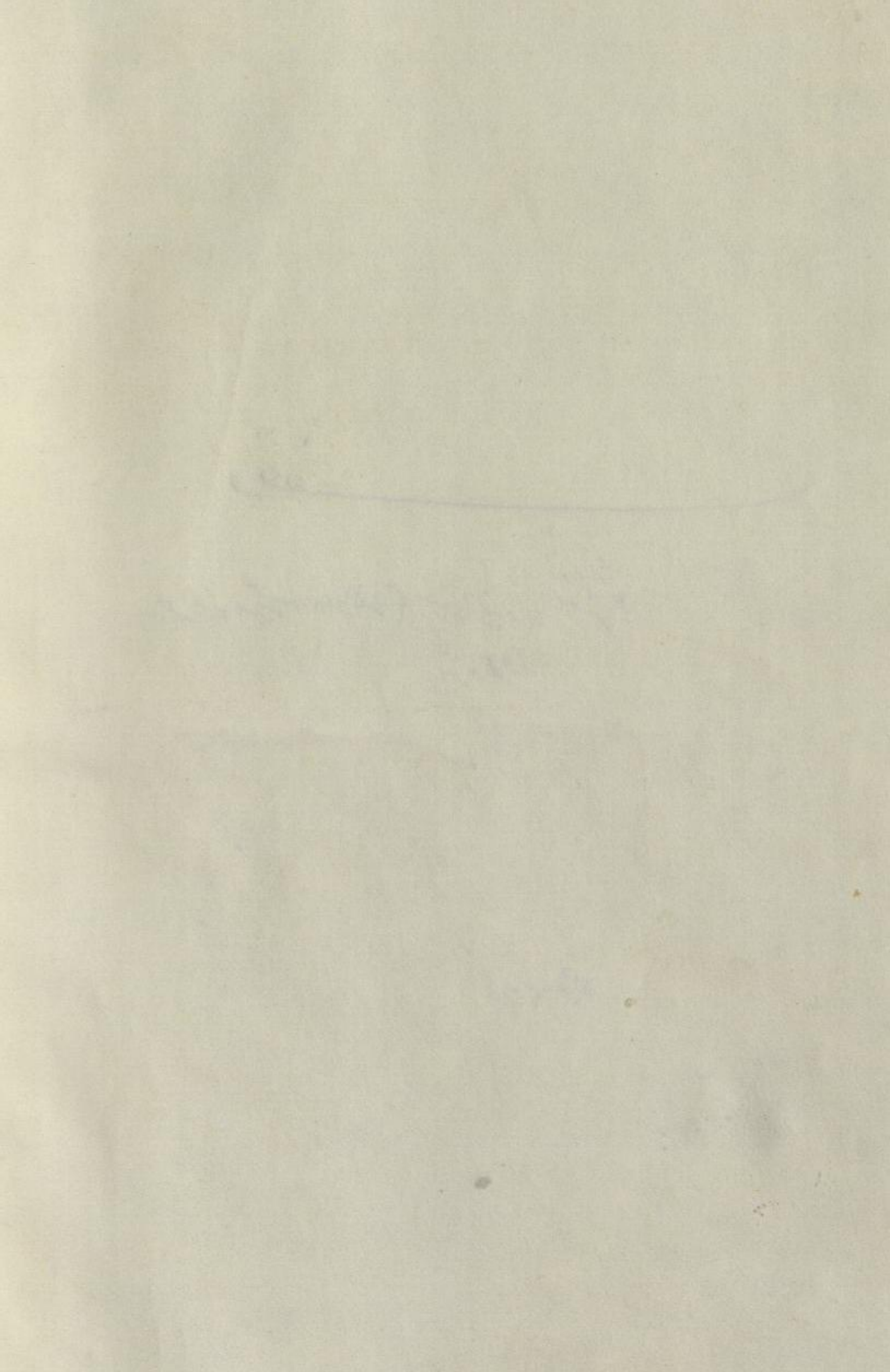
تحفہ از
جناب علامہ مظہر عباسی

قولہ تعالیٰ ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبیؐ

سیرت رسول عربی

از علامہ نور بخش صاحب توکلی

تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ ذی الجلال والاکرام۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا و مولٰنا و وسیلتنا فی الدارین محمد خیر الانام۔ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ و ازواجہٖ و ذریتہٖ واتباعہٖ الیٰ یوم البعث والقیام۔

امّا بعد گورنمنٹ کالج لاہور کی پروفیسری سے سبکدوش ہونے کے کچھ عرصہ بعد فقیر توکلی نے حضرات خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے حالات لکھنے شروع کئے۔ پہلے یہ ارادہ تھا کہ ان کے شروع میں چند صفحے وقفِ حالاتِ مبارک حضور امام الاولیاء محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلّم کر دیئے جائیں گے۔ مگر جب وہ کتاب اختتام کے قریب پہنچی تو یہ شوق پیدا ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوانح اقدس میں ایک مستقل کتاب لکھوں۔ چنانچہ سیرت کا ایک نہایت مختصر سا خاکہ ذہن نشین کر کے طبع آزمائی کرنے لگا۔ عنایت الٰہی اور حضور تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی مدد شاملِ حال ہوئی۔ پھر کیا بیان کروں، حالات تھے پیارے پیارے۔ جذبۂ شوق میرے قلم کو کشاں کشاں کہیں سے کہیں لے گیا اور غایتِ اختصار کے باوجود یہ کتاب تیار ہو گئی جو قارئینِ کرام کے سامنے ہے۔

حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت سے واقف ہونا ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب ارشادِ الٰہی مسلمانوں کیلئے واجب التقلید نمونہ ہیں۔ اسی واسطے حضور کے اقوال وافعال، اخلاق وعادات، حرکات و

سکنات، وضع وقطع، رفتار وگفتار اور طریق معاشرت وغیرہ سب کے سب بطریق اسناد نہایت صحت کے ساتھ محفوظ ہیں۔ تاکہ وہ قیامت تک آپ کے نام لیواؤں کے لئے دستور العمل بنیں۔

اسی دستور العمل میں رضائے مولیٰ کریم جل شانہٗ اور مسلمانوں کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ مسلمان اگر اغیار کی غلامی سے آزادی چاہتے ہیں تو وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کریں اور جمیع امور میں آپ کے ارشادات کی تعمیل، آپ کے طرز عمل کا اتباع، آپ کے قوانین کی پابندی، آپ کے اطوار وعادات کی پیروی، اور آپ کی ذات منبع البرکات کی انتہائی محبت اور تعظیم و توقیر ملحوظ رکھیں۔ حضور بابی ہو وامی تو یہاں تک فرما رہے ہیں، کہ "تم میں سے کوئی مومن نہیں بن سکتا۔ جب تک کہ میں اس کی نظر میں اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں" کامل و حقیقی ایمان اسی کا نام ہے۔ ایسے ہی مومنوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کا مژدہ سنایا ہے۔ عرب کو دیکھئے۔ پہلے ان کی مذہبی، اخلاقی سیاسی اور تمدنی حالت کیسی گری ہوئی اور ناگفتہ بہ تھی۔ مگر جب وہ درس گاہِ محمدیؐ سے اس حقیقت کی سند لے کر نکلے، تو کیا کیا بن گئے۔ معارفِ ربّانی کے عارف اور اسرار فرقانی کے ماہر بن گئے، شب بیدار عابد بن گئے، فاتح عالم بن گئے مبلغ اسلام بن گئے، معلّم اخلاق بن گئے علوم وفنون کے موجد بن گئے۔ غرض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم وصحبت نے ان کی کایا ہی پلٹ دی۔ دنیا انکی اس بے نظیر ترقی پر حیران تھی اور ہے۔ چنانچہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فارس میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے بھیجا تو

یزدگرد شاہ فارس نے اپنے سپہ سالار رستم بن ہرمز کو مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ رستم مذکور نے حضرت سعدؓ کو ایک تہدید آمیز نامہ میں یوں لکھا:۔

زشیر شتر خوردن و سوسمار　　عرب را بجائے رسید است کار
کہ تاجِ کیاں راکند آرزو　　تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

(شاہنامہ فردوسی)

حضرت سعدؓ نے جواب میں رستم کو دعوتِ اسلام دی۔ مگر وہ رو براہ نہ ہوا۔ اور مقابلہ میں حضرت سعدؓ ہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ کاش زمانہ موجودہ کے مسلمان بھی اسوۂ حسنۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے عامل بن کر قرونِ اولیٰ کی برکات کا مشاہدہ کریں۔

اس پُر آشوب زمانہ میں ملکِ ہند میں کئی فتنے برپا ہیں، جو سب کے سب صراط مستقیم یعنی مسلک اہل سنت و جماعت سے منحرف ہیں۔ اردو میں سیرت پر جو چند کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں سے شاید ہی کوئی بہمہ وجوہ اہل السنت و الجماعت کے معیار پر پوری اترے۔ فقیر نے بتوفیقِ الٰہی اس کتاب میں مسلک اہلِ سنت کی پابندی کا پورا التزام رکھا ہے۔ اور مستند اور معتبر روایات مع حوالہ درج کی ہیں۔ آیات واحادیث وغیرہ کا ترجمہ بالعموم لفظ بلفظ دیا گیا ہے اور عبارت آرائی کا چنداں لحاظ نہیں رکھا گیا۔ قارئین کرام اثنائے مطالعہ میں جہاں کسی صحابی یا اور بزرگ کا نام پائیں، رضی اللہ عنہ یا اور مناسب فقرہ استعمال کریں۔

جب اس کتاب کا مسودہ تیار ہو چکا تو اس کی طبع و اشاعت کا مرحلہ پیش آیا۔ میں نے اپنے برادر عزیز عالی جناب فیض مآب چودھری محمد سلیمان صاحب

گیا ہے۔ اور بعض دیگر مقامات پر بھی قدرے تقدیم وتاخیر اور ردّو بدل عمل میں آیا ہے جو مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ رہا نقشۂ عرب، سو اس کے لئے وقت درکار ہے اور فقیر اس وقت مراکزِ علم وتہذیب سے دور اپنے گاؤں میں بیٹھا ہے۔ لہٰذا فی الحال بجائے نقشہ کے مکّہ معظّمہ وروضہ منورہ کا فوٹو شروع میں منضم کر دیا گیا ہے۔

اس کتاب کی تکمیل کے لئے ابھی کئی اور امور کے اضافہ کی ضرورت ہے جن پر بشرطِ زندگی تیسرے ایڈیشن میں غور کیا جائے گا۔ اب تو بڑے امتحان کی فکر دامنگیر ہے۔ اپنی بے بضاعتی و بے اعتدالیاں پیش نظر ہیں ؎

بجائے کہ دہشت خورند انبیار

تو عذرِ گنہ را چہ داری بیا

مگر جب خیال آتا ہے کہ معاملہ تو آخر خدا ورسول سے ہے اور وہ دونوں کریم ہیں تو ڈھارس بندھ جاتی ہے اور زبان یوں گویا ہو جاتی ہے ؎

یارب تو کریمی و رسولِ تو کریم

صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

جمعۃ الوداع ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ
مطابق ۷ ستمبر ۱۹۴۵ء

محمد نور بخش توکّلی عفی عنہ

دیباچہ طبع سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مرشدی وسیدی حضرت علامہ محمد نور بخش صاحب توکلی رحمۃ اللہ علیہ مصنف سیرتِ رسول عربی کے وصال (بتاریخ ۱۲ جمادی الاول ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء) یہ مبارک ومقبول کتاب تیسری مرتبہ زیر اہتمام تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی عکسی بلاکوں کیساتھ چھپ رہی ہے۔ اسکی مقبولیت کا ثبوت کئی نوع سے مل چکا ہے۔ ان میں سے ایک تو نہایت شاندار ہے۔ محترمی مفتی عبد الحمید صاحب نقشبندی مجددی لودھیانوی جو ایک عابد، صالح، بزرگ ہستی ہیں۔ سال ۱۹۴۸ء میں ملتان شریف رہائش رکھتے تھے نے بندہ کو ایک چھٹی بدیں مضمون تحریر فرمائی جب کہ حضرت صاحب توکلی کے انتقال کو تقریباً ایک ماہ گذر چکا تھا۔ "ایک رات خواب میں مَیں نے دیکھا کہ حضرت مولٰنا ایک خوبصورت معطر باغ میں ایک سنہری تخت پر جلوہ افروز ہیں"۔ مَیں نے دریافت کیا کہ مولٰنا صاحب یہ سرفرازی کیسے نصیب ہوئی؟" فرمانے لگے کہ "مفتی صاحب یہ انعام سیرت رسول عربی کی وجہ سے نصیب ہوا ہے۔" حضور پر نور کی خواہش کے مطابق نقشۂ عرب و فوٹو مکہ معظمہ و مدینہ منورہ منضم کر دیے جا رہے ہیں۔

عاصی:- چودھری محمد سلیمان نوری توکلی
سجادہ نشین آستانہ نوریہ

۵ جنوری ۱۹۵۷ء

پہلا مقدمہ

مُلکِ عرب کا جغرافیہ

ملکِ عرب برِّاعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ چونکہ اس کو تین طرف سے تو سمندر نے اور چوتھی طرف سے دریائے فرات نے جزیرے کی طرح گھیرا ہوا ہی اسلئے اسے جزیرۂ عرب کہتے ہیں۔

اس کے شمال میں بلادِ شام و عراق ہیں۔ مغرب میں بحرِ احمر یعنی بحیرۂ قلزم جنوب میں بحرِ ہند اور مشرق میں خلیج عمان اور خلیج فارس ہیں۔

اس کا طول شمالاً جنوباً پندرہ سو میل کے قریب اور اوسط عرض شرقاً غرباً آٹھ سو میل ہے۔ اس کا رقبہ ایک لاکھ بیس ہزار مربع میل یعنی برِّاعظم یورپ کی ایک تہائی کے قریب ہے۔

علمائے جغرافیہ نے بربنائے طبیعت ارضی اس ملک کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے جن کا بیان بطریقِ اختصار نیچے لکھا جاتا ہے۔

۱۔ **اقلیم حجاز** جو مغرب میں بحرِ احمر کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ حجاز سے ملحق ساحل بحر کو جو نشیب ہے تہامہ یا غور کہتے ہیں۔ اور حجاز سے مشرق کو جو حصۂ ملک ہے وہ نجد (زمین مرتفع) کہلاتا ہے۔ حجاز چونکہ نجد و تہامہ کے درمیان حاجز و حائل ہے۔ اس لئے اسی نام سے موسوم ہے۔

حجاز کے مشہور شہروں میں مکّہ مشرفہ ہے جو مشرق میں جبل ابوقبیس اور مغرب میں جبل قعیقعان کے درمیان واقع ہے۔ اس شہر مبارک میں نوشیرواں کی تخت نشینی کے بیالیسویں سال سالِ فیل میں ربیع الاول کی بارھویں تاریخ کو سیدنا و مولٰنا محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ خانہ کعبہ (بیت اللہ شریف) اسی شہر میں ہے۔ مناسک حج کے مشہور مقامات میں سے صفا اور مروہ تو بیت اللہ شریف کے عین قریب ہی ہیں۔ منٰی تین میل مشرق کو ہے۔ منٰی سے اسی قدر فاصلے پر مشرق کی طرف مزدلفہ اور مزدلفہ سے مشرق کو اتنے ہی مسافت پر عرفات ہے۔

مکہ مشرفہ سے شمال کی طرف قریباً دوسو میل کے فاصلہ پر مدینہ منورہ ہے۔ جہاں حضور سرورِ کائنات علیہ الوف التحیۃ والصلوٰۃ کا مزار مقدس واقع ہے۔ مدینہ منورہ سے قریباً تین میل شمال کو جبلِ احد ہے۔ جہاں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک ہے۔

مکہ مشرفہ کا بندرگاہ جدہ ہے جو ۴۴ میل کے فاصلے پر بحیرۂ قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔ مدینہ منورہ کا بندرگاہ ینبوع ہے جو مدینہ سے ۱۳۰ میل کے فاصلے پر بحیرۂ قلزم کے ساحل پر ہے۔ حجاز ریلوے لائن ۱۹۰۸ء میں دمشق سے مدینہ منورہ تک تیار ہوگئی تھی۔ مدینہ منورہ سے مکہ مشرفہ تک اِس وقت تک تیار نہیں ہوئی۔

اس اقلیم میں حرمین شریفین کے علاوہ بدر، اُحد، خیبر، فدک، حنین، طائف، تبوک اور غدیر خم اسلامی تاریخ میں بہت مشہور ہیں۔ حضرت شعیب

علیہ السلام کا شہر مدین تبوک کے محاذ میں ساحل بحر احمر پر واقع ہے۔ حجر میں جو وادی القریٰ میں ہے آثار ثمود اب تک پائے جاتے ہیں۔ طائف اہل مکہ کا مصیف ہے۔ یہاں کے میوے مشہور ہیں۔

۲۔ اقلیم یمن جو حجاز کے جنوب میں بحر احمر اور بحر ہند کے ساحل سے متصل واقع ہے اس کی یُمن و برکت یا کعبۃ اللہ سے جانب یمین ہونے کے سبب سے اس نام سے موسوم ہے۔

اس اقلیم میں نجران، صنعاء اور سبا و مآرب مشہور تاریخی مقامات ہیں۔ مخہ، حدیدہ اور زبید تجارتی حیثیت رکھتے ہیں۔

صنعاء دار السلطنت ہے جو عدن سے ۱۶۸ میل ہے۔ کنیسہ قلیس اسی شہر میں تھا۔ اس کا بندرگاہ حدیدہ ہے۔ جہاں سے بُن اور چمڑے بیرونی ممالک کو جاتے ہیں۔ صنعاء سے چار دن کی مسافت پر سبا و مآرب کے آثار پائے جاتے ہیں۔ جن کا ذکر قرآنِ کریم میں آیا ہے۔

نجران ایک بڑا شہر تھا جس کے متعلق ۷۳ گاؤں تھے۔ یہ شہر ملک عرب میں عیسائیت کا مرکز تھا۔ یہاں ایک بڑا گرجا تھا۔ جسے بنو عبد المدان بن الدیان حارثی نے کعبۃ اللہ کے مقابلہ میں بنایا تھا۔ وہ کعبۃ اللہ کی طرح اس کی تعظیم کرتے تھے اور اسے کعبۂ نجران کہا کرتے تھے۔ اسی گرجا کے بڑے بڑے پادری ہجرت کے بارھویں سال حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے اور حضور نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تھی۔ نجران ہی کے ایک گاؤں میں قصۂ اصحابِ اُخدود وقوع میں آیا تھا۔ جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک

میں پایا جاتا ہے۔

۳۔ اقلیم حضر موت جو یمن کے مشرق میں بحرِ ہند کے ساحل سے متصل واقع ہے۔ اس کے مشہور شہر تریم اور شبام ہیں۔ شبام دار السلطنت ہے۔ ان کے علاوہ مرباط، ظفار، شحر اور مکلّہ ساحل پر واقع ہیں۔ مکلّہ سے لوبان بیرونی ممالک کو جاتا ہے۔

۴۔ اقلیم مہرہ جو حضر موت کے مشرق میں واقع ہے۔ یہاں کے اونٹ مشہور ہیں۔ جنہیں قبیلہ مہرہ کی طرف نسبت کر کے اِبلِ مہریہ بولتے ہیں۔ یہاں کے باشندوں کی غذا عموماً مچھلی ہے۔

۵۔ اقلیم عمان جو مہرہ سے متصل بحرِ ہند و بحرِ عمان کے ساحل سے ملحق ہے۔ اس کے مشہور شہروں میں سے مسقط اور صحار ہیں۔ یہاں کے باشندے عموماً خوارج اباضیہ ہیں۔

۶۔ اقلیم الاحساء جسے بحرین بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ بحرِ فارس و بحرِ عمان کے ساحل پر واقع ہے۔ اس طرف کے جزائر میں موتیوں کے مغاص ہیں۔ اس کے مشہور شہروں میں سے قطیف۔ ہفوف اور ہَجَر ہیں۔ یہاں کے باشندے عموماً رافضی تبرائی ہیں۔

۷۔ اقلیم نجد جو حجاز کے مشرق اور صحرائے شام کے جنوب میں ہے۔ اسی اقلیم کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔ یہ پیشینگوئی محمد بن عبدالوہاب اور فرقہ وہابیہ کے ظہور سے پوری ہو گئی۔ اسی اقلیم کے شمالی حصے میں حرب واحس اور حرب بسوس وقوع میں آئیں۔

جن میں سے ہر ایک چالیس سال تک جاری رہی۔ وہابیہ کا دار السلطنت ریاض ہے۔

۸۔ **اقلیم الاحقاف** جو عمان و احسا و نجد و حضر موت و مہرہ کے درمیان میں ایک وسیع بے آباد صحرا ہے، اس کا حال معلوم نہیں۔ حضرت ہُود علیہ السلام کی قبر مبارک حضر موت کے متصل احقاف ہی میں ہے۔

پیداوار

یمن وغیرہ میں بُن کے پیڑ اور صمغِ عربی کے درخت (اقاقیا) ہوتے ہیں حضر موت میں نباتات عطریہ اور مشمومات اور عُود قاقلی ہوتا ہے۔ کھجور، کپاس، مکّی اور چاول یمن میں خصوصیت سے ہوتے ہیں۔ سنا جنوبی حجاز اور تہامہ میں ہوتی ہے۔ بلسان مکّہ مشرفہ کے قریب اور حنا مغربی ساحل پر پائی جاتی ہے۔ نجد کے گھوڑے اور مہرہ کے اونٹ مشہور ہیں۔ گدھے، دنبے، بکریاں اور مویشی کثرت سے ہیں۔ عرب میں وحوش میں سے شتر مرغ، چیتا، پلنگ، سیاہ گوش اور کفتار ہیں۔

دُوسرا مقدمہ

عرب کی تاریخ قدیم پر طائرانہ نظر

زمانہ قدیم میں طوفانِ نوح کے بعد جزیرہ عرب میں سام بن نوح کی نسل کے لوگ آباد تھے۔ چنانچہ بنو یعرب بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام یمن میں بستے تھے۔ بنو جرہم بن قحطان اور بنو عملیق بن لوذ بن سام حجاز میں رہتے تھے۔ بنو طسم بن لوذ اور بنو جدیس بن عامر بن آرم بن سام یمامہ میں بحرین تک پھیلے ہوئے تھے۔ قوم عاد بن عوض بن آرم شحر و عمان و حضرموت کے مابین احقاف میں آباد تھی۔ اس قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا تھا۔ قوم ثمود بن جاثر بن آرم حجاز و شام کے درمیان حجر میں آباد تھی۔ انکی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔

ایک زمانہ گذرنے پر عاد و ثمود و جدیس و عمالیق و جرہم فنا ہو گئے۔ اس واسطے ان کو عرب بائدہ بولتے ہیں۔ ان میں سے جو باقی رہے وہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں مل جل گئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی قبیلہ جرہم میں ہوئی تھی۔ اس واسطے ان کی اولاد کو عرب مستعربہ کہتے ہیں اور بنو قحطان کو عرب عاربہ یعنی اصلی عرب بولتے ہیں۔ القصہ مذکورہ بالا تباہی و اختلاط کے بعد عرب میں دو بڑے قبیلے رہ گئے۔ بنو قحطان اور بنو عدنان (بنو اسمٰعیلؑ)

ان دونوں کی بہت سی شاخیں تھیں۔ اب عرب کا بڑا حصہ خاندان اسمٰعیل سے ہے۔ اور خود حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اسی خاندان سے ہیں۔

قدیم الایام سے عربوں کی تجارت مصر و شام کے ساتھ تھی۔ چنانچہ جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کوئیں میں گرا دیا تو انہوں نے دیکھا کہ گلعاد سے اسماعیلیوں کا قافلہ آرہا ہے۔ جن کے اونٹوں پر ادویہ و بلسان و مُر لدے ہوئے ہیں اور وہ مصر کو جارہے ہیں[1]۔ یہ چیزیں لاشوں کے معطر بنانے میں مصریوں کے کام آیا کرتی تھیں۔ اسکے مدتوں بعد وہ اہالیٔ صور کے ساتھ مویشیوں اور ادویہ اور بیش بہا پتھروں اور سونے کی تجارت کرتے دیکھے جاتے ہیں[2]۔

قرون ماضیہ میں عربوں پر بہت سے بیرونی حملے ہوئے۔ مگر وہ کسی کے ماتحت نہ رہے چنانچہ مصری فاتح شیشک ان کو زیر نہ کرسکا۔ قیروش فارسی (متوفی ۵۲۹ سنہ قبل مسیح) نے عرب کے شمالی حصے کے بعض عربوں کو مغلوب کیا۔ مگر مؤرخ ہیرودوتس (متوفی ۴۲۴ سنہ قبل مسیح) ہمیں یقین دلاتا ہے کہ دارا ہشتاسپ (جس نے سلطنت فارس کی توسیع کی تھی) کے عہد میں عرب خراج سے بری تھے۔ بُخت نصر بابلی نے ان پر حملہ کیا۔ اور ان کے بہت سے شہر فتح کیے۔ مگر غنیمت لے کر اپنے وطن کو چلا آیا[3]۔ سکندر اعظم کا جانشین انطیغونس (متوفی ۳۰۱ سنہ قبل مسیح) ان پر حملہ آور ہوا۔ مگر اسے ان کے ساتھ اُن ہی کی شرائط پر صلح کرنی پڑی۔ رومی فاتح پومپے (مولود ۱۰۶ سنہ قبل مسیح) نے ملک عرب کے

---

[1] کتاب پیدائش باب ۳۷- آیہ ۲۵

[2] حزقیل باب ۲۷- آیہ ۲۰ تا ۲۲-

[3] تاریخ کامل ابن اثیر-

ایک حصے کو تاخت و تاراج کیا۔ مگر اس کی فوج پسپا ہوئی تو عربوں نے شدت سے تعاقب کیا۔ اور وہ کچھ عرصے تک شام میں رومیوں کو تنگ کرتے رہے۔ ولادت مسیح سے تقریباً ۲۳ سال پہلے رومی سپہ سالار الیوس گالس بحیرۂ قلزم تک آیا۔ اس نے چاہا کہ عرب کو فتح کرلے، مگر ناکام رہا۔ طراجان رومی نے سنہ ۱۲۰ء کے قریب ان پر حملہ کیا اور شہر حجر کا محاصرہ کرلیا مگر رعد و ژالہ و گرد باد اور مکھیوں کے جھنڈ کے سبب سے اس کا لشکر کامیاب نہ ہوا۔ جب وہ حملہ کرتے تو یہی آفتیں پیش آتیں۔ سنہ ۲۰۰ء کے قریب سیوا روس رومی نے لشکر کثیر اور سامان حرب کے ساتھ شہر حجر کا دوبارہ محاصرہ کیا مگر لشکر و شاہ کے درمیان ایک بے وجہ تنازع نے شاہ کو محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور کردیا[۱]۔

شاہ فارس شاپور نے ذوالاکتاف نے عرب پر حملہ کیا۔ تو بحرین و ہجر و یمامہ میں کشت و خون کرتا ہوا مدینہ تک پہنچ گیا۔ سرداران عرب جو گرفتار ہو کر آتے تھے۔ وہ ان کے مونڈھے نکال دیتا تھا۔ اس لئے اسے ذوالاکتاف کہتے تھے[۲]۔ مگر اسی بادشاہ نے سنہ ۳۶۰ء کے قریب تکریت پر جو خود مختار عربوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا حملہ کیا۔ تو ناکام رہا[۳]۔

دسویں صدی قبل مسیح میں یمن میں ملوک حمیر بن سبا میں سے ایک فاسق خبیث بادشاہ مالک نام تھا۔ وہ باکرہ عورتوں کو بلاکر ان کی آبروریزی کرتا تھا

۱؎ لغت بائبل مصنفہ پادری جان براون مطبوعہ نیویارک سنہ ۱۸۳۳ء تحت لفظ عرب۔

۲؎ تاریخ کامل ابن اثیر ذکر شاپور ذوالاکتاف۔

۳؎ تنزل و زوال روما الکبریٰ مصنفہ ایڈورڈ گبن در چہار جلد۔ جلد اول ص ۵۲۵

چنانچہ اس نے اپنی چچازاد بہن بلقیس سے بھی یہی ارادہ ظاہر کیا۔ بلقیس نے کہا کہ میرے محل میں آجانا۔ اور اس کے قتل کرنے کے لیے اپنے اقربا میں سے دو آدمی مقرر کیئے۔ جب وہ محل میں داخل ہؤا۔ تو ان آدمیوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ اہلِ یمن نے اسی سبب سے بلقیس کو اپنا حکمران بنایا۔ ورنہ وہ عورت کی حکومت کو پسند نہ کرتے تھے۔ یہ وہی بلقیس ہے جس کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

بلقیس کے بعد خاندان حمیر کے بہت سے بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت یمن پر متمکن ہوئے۔ جب اہلِ یمن نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ تو ان پر سیلِ عرم بھیجا گیا۔ جس سے ان کے باغات وغیرہ برباد ہو گئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے وہ رزق و معاش کی تلاش میں مختلف اطراف کو ہجرت کر کے چلے گئے۔ چنانچہ بنو لخم بن عدی کی ایک جماعت خراسان کی طرف نکلی۔ انہوں نے دریائے فرات کے قریب شہر حیرہ کی بنا ڈالی۔ جو بعد میں اسی خاندان کا دار السلطنت رہا۔ ملوک لخمیہ و مناذرہ سنہ ۶۳۴ء تک اکاسرہ کی طرف سے عراق پر گورنر ہوتے رہے۔ اس کے بعد اسلام کا تسلّط ہو گیا۔

بنو لخم کی طرح بنو قحطان کی ایک جماعت ہجرت کر کے دمشق کے متصل ایک چشمہ پر جسے غسّان کہتے تھے جا اتری۔ وہ آخر کار شام کے حکمران بن گئے۔ ملوک غسّان جنہیں مؤرخینِ عرب عرب متنصرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ قیاصرہ روم کی طرف سے قریباً ۲۰۰ء سے سنہ ۶۳۶ء تک ملک شام میں حکمرانی کرتے رہے۔

۱؎ کامل ابن اثیر جز اول ص ۷۹

اس خاندان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم تھا۔ جو بھاگ کر قیصر کے ہاں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ ملک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

بنو قحطان میں سے قبیلہ ازد کے دو بھائی اوس و خزرج مدینہ میں آبسے۔ انصار ان ہی کی اولاد میں سے ہیں۔ قحطانیوں میں سے بعضے اندرون جزیرۂ عرب میں چلے گئے۔ چنانچہ ملوک کندہ نے نجد میں اپنی سلطنت قائم کی۔ ان کے علاوہ عرب میں اور متفرق ملوک تھے جن کے ذکر کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔

سیلِ عرم کے بعد جو لوگ یمن میں رہ گئے ان بنو قحطان بدستور حکمرانی کرتے رہے۔ ان بادشاہوں میں سے ایک کا نام شمر بن افریقیس بن ابرہہ تھا کہتے ہیں کہ شمر مذکور بڑا عالی ہمت تھا۔ اس نے عراق پر لشکر کشی کی۔ اور اسے فتح کرکے چین کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں جب وہ صُغد میں پہنچا تو اس نواح کے باشندے ایک مقام میں پناہ گزین ہو گئے۔ شمر نے چاروں طرف سے محاصرہ کرکے ان کو قتل کیا۔ اور اس مقام کو کھدوا کر ویران کر دیا۔ اس واسطے اس مقام کو شمر کند کہنے لگے۔ جسے عرب، معرّب کر کے سمرقند بولتے تھے شمر وہاں سے چین کی طرف بڑھا مگر وہ اور اس کی فوج پیاس سے ہلاک ہو گئی۔[1]

تبابع[2] یمن میں سے تبان اسعد ابو کرب تھا۔ وہ بلاد مشرق کو فتح کرکے واپس آتا ہوا مدینہ میں اترا۔ جہاں وہ جاتا ہوا اپنے بیٹے کو چھوڑ گیا تھا۔ مگر اسکو

---

[1] معجم البلدان یاقوت حموی۔ تحت سمرقند۔

[2] یہاں سے سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہے۔

کسی نے ناگہان قتل کر دیا تھا۔ اس لئے تبّع مذکور نے مدینہ اور اہلِ مدینہ کو تباہ کرنا چاہا۔ مگر یہود بنی قریظہ سے دو عالموں نے تبّع کو منع کیا۔ اس نے وجہ دریافت کی۔ تو عالموں نے کہا کہ آخر زمانہ میں قریش میں سے ایک پیغمبر پیدا ہو گا۔ جسکی ہجرت اسی شہر مدینہ کی طرف ہو گی۔ وہ یہ سن کر باز آیا اور اس نے مذہب یہود اختیار کر لیا۔

تبّع مذکور مدینہ سے اپنے وطن یمن کی طرف روانہ ہوا راستے میں اس نے مکہ میں چھ دن قیام کیا۔ اور طواف کر کے کعبہ پر بُرد یمانی چڑھائی۔ یہ تبّع پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے کعبۃ اللہ پر پردہ چڑھایا۔ مکہ سے وہ یمن میں آیا۔ دونوں عالم اس کے ساتھ تھے۔ اس نے اپنی قوم یعنی حمیر کو یہودیت کی دعوت دی۔ حمیر اس وقت تک بت پرست تھے۔ انہوں نے تبّع کی دعوت سے آخر کار مذہب یہود اختیار کر لیا۔

تبان اسعد کے بعد اس کے بیٹے حسان کو عمرو بن تبان اسعد نے ملک کے لالچ میں قتل کر دیا۔ عمرو مذکور بھی جلد ہی ہلاک ہو گیا۔ اور حمیر کی سلطنت کا شیرازہ پراگندہ ہو گیا۔ لخنیعہ ینوف ذو شناتر جو شاہی خاندان میں سے نہ تھا ان کا بادشاہ بن بیٹھا۔ وہ فاسق خبیث تھا۔ ابنائے ملوک سے لواطت کیا کرتا تھا۔ تاکہ وہ بادشاہ نہ بن جائیں۔ کیونکہ اس زمانے میں عرب کی عادت تھی کہ ایسے شہزادے کو بادشاہ نہ بناتے تھے۔ زرعہ بن تبان اسعد اپنے بھائی حسان کے قتل کے وقت بچہ ہی تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھا۔ اس کے سر کے بال پیٹھ تک پہنچتے تھے۔ اس واسطے اس کا لقب ذو نواس تھا۔ خوبصورتی

کے سبب سے لوگ اسے یوسف کہا کرتے تھے۔ ذوشناتر نے اسے بلا بھیجا۔
ذونواس سمجھ گیا اور ایک تیز چھری جوتے میں پاؤں تلے چھپا کر لے گیا۔ جب وہ
خلوت میں پہنچا تو اسی چھری سے ذوشناتر کا کام تمام کر دیا۔ یہ شجاعت دیکھ کر
حمیر نے ذونواس ہی کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اہلِ نجران اس وقت عیسائی تھے۔
ذونواس لشکر سمیت نجران میں گیا۔ اور اس نے اہلِ نجران کو یہودیت کی دعوت
دی۔ ذونواس نے ایک خندق کھدوا کر آگ سے بھر دی۔ جو لوگ یہودی ہونے
سے انکار کرتے وہ ان کو آگ میں گرا دیتا تھا۔ قرآن کریم میں اسی ذونواس اور اُس
کے اصحاب کو سورۂ بروج میں اصحاب الاخدود کہا گیا ہے۔ نجران کے عیسائیوں
میں سے ایک شخص دوس ذو ثعلبان قیصرِ روم جسٹینین (متوفی ۵۶۵ء) کے
پاس پہنچا۔ اور اسے سب ماجرا کہہ سنایا۔ قیصر نے جواب دیا کہ تمہارا ملک ہم
سے بہت دور ہے۔ ہم شاہ حبشہ نجاشی کو جو عیسائی ہے تمہاری مدد کے لئے
لکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ دوس قیصر کا نامہ نجاشی کے پاس لایا۔ نجاشی نے اپنے
ایک امیر ارياط کو لشکر جرار دے کر دوس کے ساتھ روانہ کیا۔ اس لشکر میں
ابرہہ اشرام بھی تھا۔ ذونواس کو شکست ہوئی۔ وہ بدیں خیال کہ مبادا دشمن
کے ہاتھ گرفتار ہو جائے ۵۲۸ء میں سمندر میں ڈوب کر مر گیا۔ ارياط ۵۲۹ء
سے ۵۴۹ء تک یمن میں حکمران رہا۔ وہ کمزوروں پر تعدی کیا کرتا تھا۔ اس
لئے بہت سی رعیت اس کے خلاف ابرہہ سے مل گئی۔ ابرہہ نے ارياط
سے کہا کہ ہم دونوں سمجھ لیں۔ چنانچہ دونوں لڑنے لگے۔ ابرہہ نے پس پشت
ایک غلام کو مقرر کیا تھا۔ جب ارياط نے حربہ مارا تو ابرہہ کی پیشانی پر پڑا۔ اور

اس کی آنکھ، ناک اور ہونٹ کاٹ دیئے۔ اسی سبب سے اس کو ابرہہ اشرم کہتے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس غلام نے ابرہہ کی پشت کی طرف سے نکل کر اریاط کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح حبشہ اور یمن نے ابرہہ کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ نجاشی یہ حال سن کر ابرہہ پر ناراض ہوا۔ مگر ابرہہ نے معافی مانگ کر اس کو راضی کر لیا۔ اسی ابرہہ نے صنعاء میں ایک گرجا بنایا تھا۔ تاکہ عرب بجائے کعبۃ اللہ کے اسکا طواف کیا کریں۔ مگر بنو کنانہ میں سے ایک شخص نے اس میں بول و براز کر دیا۔ اس پر ابرہہ ہاتھی لے کر خانہ کعبہ کو ڈھانے آیا۔ مگر وہ اور اس کی فوج تباہ ہو گئی۔ یہ قصہ اصحاب فیل قرآن مجید میں مذکور ہے۔ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا تولد شریف اس واقعہ کے پچپن دن بعد ہوا۔

ابرہہ کے بعد اس کا بیٹا یکسوم تخت یمن پر بیٹھا۔ مگر جلد ہی ہلاک ہو گیا۔ پھر یکسوم کا بھائی مسروق تخت نشین ہوا۔ اہل یمن اجنبیوں کی حکومت سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اس لئے سیف بن ذی یزن حمیری قیصر روم کے پاس گیا اور اپنے ملک کو غیروں کی غلامی سے آزاد کرنے کے لئے اس سے مدد مانگی۔ قیصر نے مدد دینے سے انکار کر دیا۔ اس لئے وہ کسریٰ نوشیرواں کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ ہمارے ملک پر اجنبیوں کی حکومت ہے اگر آپ مدد دیں تو ہمارا ملک آپ کے زیر فرمان ہو جائیگا۔ کسریٰ کے ایک مرزبان نے یہ مشورہ دیا۔ کہ بادشاہ کے قید خانہ میں آٹھ سو آدمی واجب القتل موجود ہیں ان کو بھیج دیا جائے۔ اگر وہ ہلاک ہو گئے فہو المراد۔ اور اگر فتحیاب ہو گئے تو علاقہ مفتوحہ آپ کے قبضہ میں آجائیگا۔ چنانچہ قیدیوں میں سے

ایک شخص وہرز کی سرکردگی میں وہ سب مہم یمن پر بھیج دیئے گئے۔ اہلِ فارس کو فتح نصیب ہوئی۔ اور مسروق مارا گیا۔ اس طرح حبشہ کا تصرف یمن پر بہتر سال (۵۲۹ء سے ۶۰۱ء تک) رہا۔

وہرز کے بعد کسریٰ کی طرف سے مرزبان بن وہرز پھر تینجان بن مرزبان نائب السلطنت مقرر ہوا۔ تینجان کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ مگر کسریٰ نے اسے معزول کر کے باذان کو اپنا نائب مقرر کیا۔ جب حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس وقت یہی باذان حاکم یمن تھا۔ جب کسریٰ (خسرو پرویز) کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر پہنچی تو اس نے باذان کو لکھا کہ تم اس مدعیٔ نبوت کے پاس جاؤ اور اسے کہہ دو کہ اپنے دعوے سے باز آجائے۔ ورنہ اس کا سر قلم کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ باذان نے وہ خط رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیج دیا۔ حضور نے باذان کو جواب میں لکھا کہ کسریٰ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو قتل ہو جائے گا۔ جب یہ نامہ باذان کو ملا۔ تو کہنے لگا کہ اگر وہ نبی ہیں تو ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ کسریٰ کو اس کے بیٹے شیروز نے اسی مہینے اور اسی تاریخ کو قتل کر دیا۔ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ یہ دیکھ کر باذان اور دیگر اہلِ فارس جو یمن میں تھے مشرف باسلام ہوئے۔

حروبِ عرب کی جنہیں ایام عرب سے تعبیر کیا جاتا ہے اس مختصر مقدمہ میں گنجائش نہیں۔ عرب جاہلیت کی دینی واخلاقی حالت کا بیان آگے آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

پہلا باب

برکاتِ نُورِ محمدیؐ

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے بلاواسطہ اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پیدا کیا، پھر اسی نور کو خلقِ عالم کا واسطہ[1] ٹھہرایا۔ اور عالمِ ارواح ہی میں اس روح سراپا نور کو وصفِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ ایک روز صحابہ کرام نے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ آپ کی نبوت کب ثابت ہوئی آپ نے فرمایا:۔ وآدم بین الروح والجسد[2] یعنی مَیں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم کی روح نے جسم سے تعلق نہ پکڑا تھا۔ بعد ازاں اسی عالم میں اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی روحوں سے وہ عہد لیا جو[3] وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیہ میں مذکور ہے۔ جس وقت ان پیغمبروں کی روحوں نے عہدِ مذکور

---

[1] مصنف عبد الرزاق (متوفی ۲۱۱ھ) بروایت حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری۔

[2] ترمذی شریف۔

[3] اس آیت کا ترجمہ یوں ہے "اور جب لیا اللہ نے اقرار پیغمبروں کا کہ البتہ جو کچھ مَیں نے تم کو دیا کتاب وحکمت سے پھر آوے تمہارے پاس رسول سچا کرنے والا اس چیز کو کہ تمہارے ساتھ ہے البتہ تم ایمان لاؤ گے اس پر اور البتہ مدد دو گے اس کو۔ کہا خدا نے کیا اقرار کیا تم نے اور لیا اس پر عہد میرا۔ کہا انہوں نے اقرار کیا ہم نے۔ فرمایا خدا نے تم گواہ رہو اور مَیں تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔ انتہٰے (آل عمران۔ رکوع ۵)

کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت وامداد کا اقرار کر لیا۔ تو نورِ محمدی کے فیضان سے ان روحوں میں وہ قابلیتیں پیدا ہو گئیں کہ دنیا میں اپنے اپنے وقت میں ان کو منصب نبوت عطا ہوا اور ان سے معجزات ظہور میں آئے امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے۔

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِهٖ بِهِمْ

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

ترجمہ منظوم

معجزے جتنے کہ لائے تھے رسولانِ کرام لڑ اُسی کے نور سے جا ملتی ہے سب کی بہم

آفتابِ فضل ہے وہ سب کواکب اُس کے تھے ظلمتوں میں نور پھیلایا جنہوں نے بیش و کم

اسی عہد کے سبب سے حضرات انبیائے سابقین علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو حضور نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد و بشارت اور ان کے اتباع وامداد کی تاکید فرماتے رہے ہیں۔ اگر حضور نبی امی بابی ہو وامی کی نبوت دنیا میں ظاہر نہ ہوتی۔ تو تمام انبیائے سابقین علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوتیں باطل ہو جاتیں اور وہ تمام بشارتیں ناتمام رہ جاتیں۔ پس دنیا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری نے تمام انبیائے سابقین علیہم السلام کی نبوتوں کی تصدیق فرما دی ہے۔ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ[1]۔

جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ازہر منبعِ انوار الانبیا تھا۔ اسی طرح آپکے

---

[1] بلکہ لایا ہے حق کو اور سچا کیا ہے پیغمبروں کو (صافات۔ رکوع ۲)

جسمِ اطہر کا مادہ بھی لطیف ترین اشیاء تھا۔ چنانچہ حضرت کعب احبار سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا چاہا۔ تو جبرئیل کو حکم دیا کہ سفید مٹی لاؤ۔ پس جبرئیل بہشت کے فرشتوں کے ساتھ اُترے اور حضرت کی قبر شریف کی جگہ سے مٹھی بھر خاک سفید چمکتی دمکتی اٹھا لائے۔ پھر وہ مشتِ خاک سفید بہشت کے چشمۂ تسنیم کے پانی سے گوندھی گئی۔ یہاں تک کہ سفید موتی کی مانند ہو گئی۔ جس کی بڑی شعاع تھی بعد ازاں فرشتے اسے لیکر عرش و کرسی کے گرد اور آسمانوں اور زمین میں پھرے یہاں تک کہ تمام فرشتوں نے آپ (روحِ انور و مادۂ اطہر) کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے پہچان لیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا۔ تو اپنے حبیب پاک کے نور کو ان کی پشتِ مبارک میں بطور ودیعت رکھا۔ اس نور کے انوار ان کی پیشانی میں یوں نمایاں تھے جیسے آفتاب آسمان میں اور چاند اندھیری رات میں۔ اور ان سے عہد لیا گیا کہ یہ نورِ انور پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوا کرے۔ اسی واسطے جب وہ حضرت حوّا علیہا السلام سے مقاربت کا ارادہ کرتے، تو اُنہیں پاک و پاکیزہ ہونے کی تاکید فرماتے یہاں تک کہ وہ نور حضرت حوّا علیہا السلام کے رحم پاک میں منتقل ہو گیا۔[1] اس وقت وہ انوار جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تھے حضرت حوّا کی پیشانی میں نمودار ہوئے۔ ایام حمل میں حضرت آدم علیہ السلام نے بپاسِ ادب و تعظیم حضرت حوّا سے مقاربت ترک کر دی۔ یہاں تک کہ حضرت شیث علیہ

---

[1] وفاء الوفاء فی فضائل المصطفےٰ لابن الجوزی۔

السلام پیدا ہوئے۔ تو وہ نور ان کی پشت میں منتقل ہو گیا۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ تھا کہ حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ آپ کے بعد ایک بطن میں جوڑا (لڑکا لڑکی) پیدا ہوتا رہا۔ اس طرح یہ نور پاک، پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا ہوا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد حضرت عبداللہ تک پہنچا۔ اور ان سے بنا بر قول اصح ایام تشریق میں جمعہ کی رات کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے رحم پاک میں منتقل ہوا۔

اسی نور کے پاک وصاف رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت کے تمام آباؤ امہات کو شرک وکفر کی نجاست اور زنا کی آلودگی سے پاک رکھا ہے۔ اسی نور کے ذریعہ سے حضرت کے تمام آباؤ اجداد نہایت حسین ومرجع خلائق تھے۔ اسی نور کی برکت سے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ملائک کے مسجود بنے اور اسی نور کے وسیلہ سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی طوفان میں غرق ہونے سے بچی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر آتش نمرود گلزار ہو گئی۔ اور اسی نور کے طفیل سے حضرات انبیائے سابقین علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات پر اللہ تعالیٰ کی عنایات بے غایت ہوئیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

اجازت سے آپ کی مدح میں چند اشعار عرض کئے[1]۔ جن میں مذکور ہے کہ کشتیِ نوح کا طوفان سے بچنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود کا گلزار ہو جانا حضور کے نور ہی کی برکت سے تھا۔ حضرت امام الائمہ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت تابعی کوفی رضی اللہ عنہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یوں[2] فرماتے ہیں :-

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاکَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ	آپ کی وہ مقدس ذات ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہرگز کوئی آدمی
کَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاکَا	پیدا نہ ہوتا۔ اور نہ کوئی مخلوق پیدا ہوتی۔ اگر آپ نہ ہوتے
اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُّوْرِکَ الْبَدْرُ اکْتَسٰی	آپ وہ ہیں کہ آپ کے نور سے چاند کو روشنی ہے
وَالشَّمْسُ مُشْرِقَۃٌ بِنُوْرِ بَہَاکَا	اور سورج آپ ہی کے نورِ زیبا سے چمک رہا ہے
اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ	آپ وہ ہیں کہ جب آدمؑ نے لغزش کے سبب سے آپ کا
مِنْ زَلَّۃٍ بِکَ فَازَ وَھُوَ اَبَاکَا	وسیلہ پکڑا تو وہ کامیاب ہو گئے حالانکہ وہ آپ کے باپ ہیں
وَبِکَ الْخَلِیْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُہٗ	آپ ہی کے وسیلہ سے خلیلؑ نے دعا مانگی، تو آپ کے
بَرْدًا وَّقَدْ خَمِدَتْ بِنُوْرِ سَنَاکَا	روشن نور سے آگ ان پر ٹھنڈی ہو گئی اور بجھ گئی۔
وَدَعَاکَ اَیُّوْبُ لِضُرٍّ مَّسَّہٗ	اور ایوبؑ نے اپنی مصیبت میں آپ ہی کو پکارا
فَاُزِیْلَ عَنْہُ الضُّرُّ حِیْنَ دَعَاکَا	تو اس پکارنے پر ان کی مصیبت دور ہو گئی۔
وَبِکَ الْمَسِیْحُ اَتٰی بَشِیْرًا مُّخْبِرًا	اور مسیح آپ ہی کی بشارت اور آپ ہی کی صفات حسنہ
بِصِفَاتِ حُسْنِکَ مَادِحًا لِّعُلَاکَا	کی خبر دیتے اور آپ کی مدح کرتے ہوئے آئے۔

---

[1] خصائص کبریٰ للسیوطی بحوالہ حاکم وطبرانی۔
[2] مجموعہ قصائد ص ۴

كَذٰلِكَ مُوْسٰى لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلاً	اسی طرح موسٰیؑ آپ کا وسیلہ پکڑنے والے
بِكَ فِي الْقِيٰمَةِ مُحْتَمًا بِحِمَاكَا	اور قیامت میں آپ کے سبزہ زار میں پناہ لینے والے ہیں
وَالْاَنْبِيَاءُ وَكُلُّ خَلْقٍ فِي الْوَرٰى	اور انبیاء اور مخلوقات میں سے ہر مخلوق
وَالرُّسُلُ وَالْاَمْلَاكُ تَحْتَ لِوَاكَا	اور پیغمبر اور فرشتے آپ کے جھنڈے تلے ہونگے۔

مولٰنا جامی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں :-

وصلی اللہ علیٰ نورٍ کزو شد نورہا پیدا

زمیں از حبِ او ساکن فلک در عشقِ او شیدا

محمد احمد و محمود وے را خالقش بستود

کزو شد بود ہر موجود زو شد دیدہا بینا

اگر نامِ محمد را نیاوردے شفیع آدم

نہ آدم یافتے توبہ، نہ نوح از غرق نجّینا

نہ ایُوب از بلا راحت نہ یوسف حشمت وجاہت

نہ عیسٰی آں مسیحادم نہ موسٰی آں یدِ بیضا

دوسرا باب

حالاتِ نسب و ولادت شریف تا بعثت شریف

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سیدنا محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معدّ بن عدنان۔ اور عدنان حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد سے ہیں۔

خاندانی شرافت وسیادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان عرب میں ہمیشہ سے ممتاز ومعزز چلا آتا تھا۔ نضر (یا فہر) کا لقب قریش تھا۔ اس وجہ سے اس کی اولاد کو قریشی اور خاندان کو قریش کہنے لگے اور اس سے اوپر والے کنانی کہلائے۔ قریش کی وجہ تسمیہ میں بہت سے مختلف اقوال ہیں جنکے ایراد کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مَیں بنی آدم کے بہترین طبقات سے بھیجا گیا۔ ایک قرن بعد دوسرے قرن کے یہاں تک کہ مَیں اس قرن سے ہوا جس سے کہ ہوا۔" حدیث مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے کنانہ کو برگزیدہ بنایا۔

اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ بنایا۔ اسی طرح ترمذی شریف میں بہ سند حسن آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو مجھ کو ان کے سب سے اچھے گروہ میں بنایا۔ پھر قبیلوں کو چنا، تو مجھ کو سب سے اچھے قبیلہ میں بنایا۔ پھر گھروں کو چنا، تو مجھے ان کے سب سے اچھے گھر میں بنایا۔ پس میں روح و ذات اور اصل کے لحاظ سے ان سب سے اچھا ہوں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے:۔

لَمْ یَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ	خدا نے حضرت محمد کا مثل کبھی پیدا نہیں کیا
اَبَدًا وَّ عِلْمِیْ اَنَّهٗ لَا یَخْلُقُ	اور مجھے علم ہے کہ وہ آپ کا مثل پیدا نہ کریگا

نضر کے بعد فہر اپنے وقت میں رئیسِ عرب تھا۔ اس کا ہمعصر حسان بن عبد کلال حمیری چاہتا تھا کہ کعبہ کے پتھر اٹھا کر یمن میں لے جائے۔ تاکہ حج کے لئے وہیں کعبہ بنا دیا جائے۔ جب وہ اس ارادے سے حمیر وغیرہ کو ساتھ لیکر یمن سے آیا۔ اور مکہ سے ایک منزل پر مقامِ نخلہ میں اترا۔ تو فہر نے قبائلِ عرب کو جمع کر کے اسکا مقابلہ کیا۔ حمیر کو شکست ہوئی۔ حسان گرفتار ہوا اور تین برس کے بعد فدیہ دے کر رہا ہوا۔ اس واقعہ سے فہر کی ہیبت و عظمت کا سکہ عرب کے دلوں پر جم گیا۔

فہر کے بعد قصیٰؓ[1] بن کلاب نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا۔ قصی مذکور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ خامس ہیں۔ ان کا اصلی نام زید تھا۔ کلاب کی وفات کے بعد ان کی والدہ فاطمہ نے بنو عذرہ میں سے ایک شخص ربیعہ بن حزام سے شادی کر لی تھی۔ وہ فاطمہ کو اپنی ولایت یعنی ملک شام کو

---

[1] قصی کے حالات کے لئے دیکھو سیرت ابن ہشام اور سیرت حلبیہ

لے گیا۔ فاطمہ اپنے ساتھ زید کو بھی لے گئی۔ چونکہ زید ابھی بچہ ہی تھے اور اپنے وطن مالوف سے دور جارہے تھے اس لئے ان کو قصی (تصغیر اقصیٰ بمعنی بعید) کہنے لگے۔ جب قصی جوان ہو گئے تو پھر مکہ میں اپنی قوم میں آگئے۔ اور وہیں حلیل خزاعی کی بیٹی حبّی سے شادی کرلی۔ حلیل اس وقت کعبہ کا متولی تھا۔ اس کے مرنے پر تولیت قصی کے ہاتھ آئی۔ اس نے خزاعہ کو بیت المال سے نکال دیا۔ اور قریش کو گھاٹیوں پہاڑیوں اور وادیوں سے جمع کر کے مکہ کے اندر اور باہر آباد کیا۔ اس وجہ سے قصی کو مجتمع بھی کہتے ہیں۔

قصی نے کئی کارہائے نمایاں کئے۔ چنانچہ ایک کمیٹی گھر قائم کیا جسے دار الندوہ کہتے تھے۔ مہمات امور میں مشورے یہیں کرتے۔ لڑائی کے لئے جھنڈا یہیں تیار ہوتا۔ نکاح اور دیگر تقریبات کی مراسم یہیں ادا کرتے۔ حرم کی رفادت[1] وسقایت کا منصب بھی قصی ہی نے قائم کیا۔ چنانچہ موسم حج میں قریش کو جمع کر کے یہ تقریر کی۔ "تم خدا کے پڑوسی اور خدا کے گھر کے متولی ہو۔ اور حجاج خدا کے مہمان اور خدا کے گھر کے زائرین ہیں۔ وہ اور مہمانوں کی نسبت تمہاری میزبانی کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لئے ایام حج میں ان کے کھانے پینے کے لئے کچھ مقرر کرو۔" اس پر قریش نے سالانہ رقم مقرر کی۔ جس سے ہر سال ایام منیٰ میں غریب حاجیوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ سقایت کے لئے قصی نے چرمی حوض بنائے جو ایام حج میں کعبہ کے صحن میں رکھے جاتے تھے۔ ان حوضوں کے بھرنے کے لئے مکہ کے کوؤں کا پانی مشکوں میں

---

[1] رفادت حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا۔ سقایت حاجیوں کو آب زمزم پلانا۔

اونٹوں پر لایا جاتا تھا۔ ان مناصب کے علاوہ قریش کے باقی شرف بھی یعنی حجابت (کعبہ کی کلید برداری و تولیت) اور لواء (علم بندی) اور قیادت (امارت لشکر) قصی کے ہاتھ میں تھے۔ اور قصی ہی پہلے شخص ہیں، جنہوں نے مزدلفہ پر روشنی کی تاکہ لوگوں کو عرفات سے نظر آجائے۔

قصی کے چار لڑکے (عبد الدار، عبد مناف، عبد العزیٰ، عبد) اور دو لڑکیاں (تخمر، برہ) تھیں۔ عبد الدار اگرچہ عمر میں سب سے بڑا تھا۔ مگر شرافت و وجاہت میں اپنے بھائیوں کے ہم پایہ نہ تھا۔ اور عبد مناف تو سب سے اشرف تھے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدّ رابع تھے۔ ان کا اصلی نام مغیرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی جھلک ان کی پیشانی میں ایسی تھی کہ ان کو قمر البطحا (وادیٔ مکہ کا چاند) کہا کرتے تھے۔ جب قصی بہت بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے عبد الدار سے کہا کہ مَیں تجھے تیرے بھائیوں کے برابر کرتا ہوں۔ یہ کہکر حرم شریف کے تمام مناصب اس کے سپرد کر دیئے۔ قصی کی ہیبت کے سبب سے اس وقت کسی نے اعتراض نہ کیا۔ مگر قصی کے بعد جب عبد الدار اور عبد مناف کا بھی انتقال ہو چکا تو عبد مناف کے بیٹوں (ہاشم، عبد شمس، مطلب، نوفل) نے اپنا استحقاق ظاہر کیا اور چاہا کہ حرم شریف کے وظائف عبد الدار کی اولاد سے چھین لیں۔ اس پر قریش میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بنو اسد بن عبد العزیٰ اور بنو زہرہ بن کلاب اور بنو تیم بن مرہ اور بنو حارث بن فہر یہ سب بنو عبد مناف کی طرف اور بنو مخزوم اور بنو سہم اور بنو جمح اور بنو عدی بن کعب دوسری طرف ہو گئے۔ بنو عبد مناف اور ان کے احلاف نے قسمیں کھا کر معاہدہ کیا کہ ہم ایک دوسرے

کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ اور یک جہتی کے اظہار کے لئے ایک پیالہ خوشبو سے
بھر کر حرم شریف میں رکھا۔ اور سب نے اس میں اپنی انگلیاں ڈبوئیں۔ اس لئے
ان پانچ قبائل کو مطیبین کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے فریق نے باہم معاہدہ کیا
اور ایک پیالہ خون سے بھر کر اس میں اپنی انگلیاں ڈبو کر چاٹ لیں۔ اس لئے
ان پانچ قبائل کو لعقۃ الدم (خون کے چاٹنے والے) کہتے ہیں۔ غرض ہر دو فریق
لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر اس بات پر صلح ہو گئی کہ سقایت و رفادت و
قیادت بنو عبد مناف کو دی جائے۔ اور حجابت و لواء و ندوہ بدستور بنو عبد الدار
کے پاس رہے۔ چنانچہ ہاشم کو جو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے سقایت
و رفادت ملی۔ ہاشم کے بعد مطلب کو اور مطلب کے بعد عبد المطلب اور عبد المطلب
کے بعد ابو طالب کو ملی۔ اور ابو طالب نے اپنے بھائی عباس کے حوالہ کر دی۔
قیادت عبد شمس کو دی گئی۔ عبد شمس کے بعد اس کے بیٹے امیہ کو پھر امیہ کے بیٹے
حرب کو پھر حرب کے بیٹے ابو سفیان کو عطا ہوئی۔ اس لئے جنگِ اُحد اور
احزاب میں ابو سفیان ہی قائد تھا۔ جنگِ بدر کے وقت وہ قافلۂ قریش کے
ساتھ تھا۔ اس لئے عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس امیر الجیش تھا۔ دار الندوہ
عبد الدار کی اولاد میں رہا۔ یہاں تک کہ عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف
بن عبد الدار نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ انہوں
نے اسے دار الامارت بنا لیا اور آخر کار حرم میں شامل ہو گیا۔ حجابت آج تک
عبد الدار کی اولاد میں ہے۔ اور وہ بنو شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ بن عبد العزیٰ
بن عثمان بن عبد الدار ہیں۔ لواء بھی اسی کی اولاد میں رہا۔ چنانچہ جنگ احد میں

جھنڈا ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ جب ایک قتل ہو جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لیتا۔ اس طرح ان کی ایک جماعت قتل ہو گئی۔[1]

ہاشمؓ نے منصب رفادت و سقایت کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو صبح کے وقت کعبہ سے پشت لگا کر یوں خطاب کرتے تھے۔ "اے قریش کے گروہ تم خدا کے گھر کے پڑوسی ہو۔ خدا نے بنی اسمٰعیل میں سے تم کو اس کی تولیت کا شرف بخشا ہے اور تم کو اس کے پڑوس کیلئے خاص کیا ہے۔ خدا کے زائرین تمہارے پاس آرہے ہیں جو اس کے گھر کی تعظیم کرتے ہیں۔ پس وہ خدا کے مہمان ہیں۔ اور خدا کے مہمانوں کی میزبانی کا حق سب سے زیادہ تم پر ہے۔ اس لئے تم خدا کے مہمانوں اور اس کے گھر کے زائرین کا اکرام کرو۔ جو ہر ایک شہر سے تیروں جیسی لاغر اور سبک اندام اونٹنیوں پر ژولیدہ مُو اور غبار آلودہ آرہے ہیں۔ اس گھر کے رب کی قسم اگر میرے پاس اس کام کے لئے کافی سرمایہ ہوتا تو مَیں تمہیں تکلیف نہ دیتا میں اپنے کسب حلال کی کمائی میں سے دے رہا ہوں۔ تم میں سے بھی جو چاہے ایسا کرے۔ مَیں اس گھر کی حرمت کا واسطہ دے کر گزارش کرتا ہوں کہ جو شخص بیت اللہ کے زائرین کو اپنے مال سے دے، وہ بجز حلال کی کمائی کے نہ ہو۔" اس تقریر پر قریش اپنے حلال مالوں میں سے دیا کرتے اور دار الندوہ میں جمع کر دیتے۔

ہاشم کا اصلی نام عمرو تھا علو رتبہ کے سبب عمرو العلا کہلاتے تھے۔ نہایت مہمان نواز تھے، ان کا دستر خوان ہر وقت بچھا رہتا تھا۔ ایک سال قریش میں سخت قحط

---

[1] کامل ابن اثیر و سیرت حلبیہ۔

پڑا۔ یہ ملک شام سے خشک روٹیاں خرید کر ایام حج میں مکہ میں پہنچے۔ اور روٹیوں کا چورہ کر کے اونٹوں کے گوشت کے شوربے میں ڈال کر ثرید بنایا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر کھلایا۔ اس دن سے ان کو ہاشم (روٹیوں کا چورہ کرنے والا) کہنے لگے۔

عبد مناف کے صاحبزادوں نے قریش کی تجارت کو بہت ترقی دی اور دولِ خارجہ کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے ان سے کاروانِ قریش کے لئے فرامینِ حفظ و امن حاصل کئے۔ چنانچہ ہاشم نے قیصر روم اور ملکِ غسان سے اور عبد شمس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے اور نوفل نے اکاسرہ عراق سے اور مطلب نے یمن کے شاہ حمیر سے اسی قسم کے فرمان لکھوا لئے۔ اس کے بعد ہاشم نے قریش کے لئے سال میں دو تجارتی سفر مقرر کئے اس لئے قریش موسم سرما میں یمن و حبشہ میں اور گرما میں عراق و شام میں جاتے اور ایشیائے کوچک کے مشہور شہر انقرہ (انگورہ) تک پہنچ جاتے۔

ہاشم کی پیشانی میں نور محمدیؐ چمک رہا تھا۔ احبار میں سے جو آپ کو دیکھتا آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا۔ قبائل عرب و احبار میں سے آپ کو شادی کے پیام آتے مگر آپ انکار کر دیتے۔ ایک دفعہ بغرض تجارت آپ ملک شام کو گئے۔ راستے میں مدینہ میں بنو عدی بن نجار میں سے ایک شخص عمرو بن زید بن لبید خزرجی کے ہاں ٹھیرے۔ اس کی صاحبزادی سلمٰی حسن و صورت و شرافت میں اپنی قوم کی تمام عورتوں میں ممتاز تھی۔ آپ نے اس سے شادی کر لی۔ مگر عمرو نے ہاشم سے یہ عہد لیا کہ سلمٰیؓ جو اولاد جنے گی وہ اپنے میکے میں جنے گی۔ شادی کے بعد ہاشم سلمٰی کو

---

[1] سلمٰی ہاشم سے پہلے احیحہ بن جلاح کے تحت میں تھی جس سے عمرو بن احیحہ پیدا ہوا۔

چلے گئے۔ جب واپس آئے تو سلمیٰ کو اپنے ساتھ مکہ میں لے آئے۔ حمل کے آثار بخوبی محسوس ہوئے تو سلمیٰ کو مدینہ میں چھوڑ کر آپ شام کو چلے گئے۔ اور وہیں غزہ[1] میں پچیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اور غزہ ہی میں دفن ہوئے۔ سلمیٰ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کے سر میں کچھ سفید بال تھے۔ اس لئے اس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ اور شیبۃ الحمد بھی کہتے تھے۔ حمد کی نسبت اس کی طرف اس امید پر کی گئی کہ اس سے افعال نیک سرزد ہونگے۔ جس کے سبب سے لوگ اس کی تعریف کیا کریں گے۔ شیبہ سات یا آٹھ سال مدینہ ہی میں رہے۔ پھر مطلب کو خبر لگی تو بھتیجے کو لینے کے لئے مدینہ میں پہنچے۔ جب مدینہ سے واپس آئے تو شیبہ کو اپنے پیچھے اونٹ پر سوار کر لیا۔ شیبہ کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ جب چاشت کے وقت مکہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے مطلب سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ مطلب نے کہا۔ یہ میرا عبد (غلام) ہے۔ اس وجہ سے شیبہ کو عبد المطلب کہنے لگے۔ وجہ تسمیہ میں بعضوں نے اور قول بھی نقل کئے ہیں۔

مطلب کے بعد اہل مکہ کی ریاست عبد المطلب[2] کو ملی۔ اور رفادت وسقایت ان کے حوالہ ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ان کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ ان سے کستوری کی سی خوشبو آتی تھی۔ جب قریش کو کوئی حادثہ پیش آتا تو عبد المطلب کو کوہ شبیہ پر لے جاتے اور ان کے وسیلہ سے بارگاہ رب العزت میں

---

[1] یہ شہر مصر کی طرف اقصائے شام میں واقع ہے۔ مطلب نے رومان میں۔ عبد شمس نے مکہ میں اور نوفل نے سلمات میں وفات پائی جو عراق سے مکہ کے راستے میں ایک قطعہ آب ہے۔

[2] ان کے حالات کے لئے دیکھو سیرت شامیہ اور سیرت نبویہ للسید احمد زینی المشہور بدحلان۔

دعا مانگتے۔ اور ایام قحط میں ان کے واسطہ سے طلب باراں کرتے اور وہ دعا قبول ہوتی۔ عبد المطلب پہلے شخص ہیں جو تحنث کیا کرتے تھے۔ یعنی ہر سال ماہ رمضان میں کوہ حرا میں جاکر خدا کے گیان دھیان میں گوشہ نشین رہا کرتے۔ وہ موحد تھے شراب و زنا کو حرام جانتے تھے۔ نکاح محارم سے اور بحالت برہنگی طواف کعبہ سے منع کرتے۔ لڑکیوں کے قتل سے روکتے۔ چور کا ہاتھ کاٹ دیتے۔ بڑے مجاب الدعوات اور فیاض تھے۔ اپنے دسترخوان سے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پرند چرند کو کھلایا کرتے تھے۔ اس لئے انہیں مطعم الطیر (پرندوں کو کھلانے والے) کہتے تھے۔ یہ سب کچھ نور محمدی کی برکت سے تھا۔

عبد المطلب نے چاہ زمزم کو نئے سرے سے کھدوا کر درست کیا۔ اسکا قصہ یوں ہے کہ حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کعبہ کی تولیت نابت بن اسمٰعیل کے سپرد ہوئی نابت کے بعد نابت کا نانا مضاض بن عمرو جرہمی متولی ہوا۔ جب بنو جرہم حرم شریف کی بے حرمتی کرنے اور کعبہ کے مال اپنے خرچ میں لانے لگے تو بنو بکر بن عبد مناف بن کنانہ اور غبشان خزاعی نے ان کو مکہ سے یمن کی طرف نکال دیا۔ اس وقت سے خزاعہ متولی ہوئے۔ خزاعہ میں سے اخیر متولی حلیل بن حبشیہ تھا جس کے بعد تولیت قصی کے ہاتھ آئی جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ عمرو بن حارث بن مضاض جرہمی نے جاتے وقت کعبہ کے ہر دو غزال طلائی اور حجر رکن کو زمزم میں ڈال کر اسے ایسا بند کر دیا تھا کہ مدت گذرنے پر کسی کو اس کا نشان تک معلوم نہ رہا۔ آخر کار عبد المطلب کو خواب میں اسکے کھودنے کا اشارہ ہوا۔ عبد المطلب کے ہاں اس وقت صرف ایک صاحبزادہ حارث تھا۔ اسی کو ساتھ لیکر کھودنے لگے۔

جب کوئیں کا بالائی حصہ نظر آیا تو خوشی میں تکبیر کہی۔ کھودتے کھودتے ہر دو غزال اور کچھ تلواریں اور زرہیں برآمد ہوئیں۔ یہ دیکھ کر قریش نے کہا کہ اس میں ہمارا بھی حق ہے۔ عبدالمطلب نے بجائے مقابلہ کے اس معاملہ کو قرعہ اندازی پر چھوڑا چنانچہ ہر دو غزال کا قرعہ کعبہ پر اور تلواروں اور زرہوں کا قرعہ عبدالمطلب پر پڑا اور قریش کے نام کچھ نہ نکلا۔ اس طرح عبدالمطلب نے زمزم کو کھود کر درست کیا۔ اس وقت سے زمزم ہی کا پانی حاجیوں کے کام آنے لگا۔ اور مکہ کے کوؤں کے پانی کی ضرورت نہ رہی۔

زمزم کے کھودنے میں عبدالمطلب نے اپنے معاونین کی قلت محسوس کرکے یہ منت مانی تھی کہ اگر میں اپنے سامنے دس بیٹوں کو جوان دیکھ لوں۔ تو ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں قربان کرونگا۔ جب مراد برآئی تو ایفائے نذر کیلئے دسوں بیٹوں کو لیکر کعبہ میں آئے۔ اور پجاری سے اپنی نذر کا حال بیان کیا اور کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو، دیکھو کس کا نام نکلتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے اپنے نام کا قرعہ دیا۔ ایک طرف پجاری قرعہ نکال رہا تھا۔ دوسری طرف عبدالمطلب یوں دعا کر رہے تھے "یا اللہ میں نے ان میں سے ایک کی قربانی کی منت مانی تھی اب میں ان پر قرعہ اندازی کرتا ہوں، تو جسے چاہتا ہے اس کا نام نکال"۔ اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور عبدالمطلب کو سب بیٹوں میں پیارے تھے۔ عبدالمطلب چھری ہاتھ میں لے کر ان کو قربانگاہ کی طرف لے چلے مگر قریش اور عبداللہ کے بھائی مانع ہوئے۔ آخر کار عبداللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا اتفاق یہ کہ عبداللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ پھر عبداللہ اور بیس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا

مگر نتیجہ وہی نکلا۔ بڑھاتے بڑھاتے سو اونٹوں پر نوبت پہنچی تو قرعہ اونٹوں پر نکلا۔ چنانچہ عبد المطلب نے سو اونٹ قربانی کیے، اور عبد اللہ بچ گئے۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انا ابن الذبیحین یعنی میں دو ذبیح (اسمٰعیل و عبد اللہ) کا بیٹا ہوں۔

جب عبد المطلب اونٹوں کی قربانی سے فارغ ہوئے تو عبد اللہ کی شادی کی فکر ہوئی۔ عبد اللہ نور محمدیؐ کے سبب کمال حسن و جمال رکھتے تھے۔ قضیۂ ذبح سے اور مشہور ہو گئے۔ قریش کی عورتیں ان کی طرف مائل تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو پردۂ عفت و عصمت میں محفوظ رکھا۔ عبد المطلب انکے لئے ایسی عورت کی تلاش میں تھے جو شرف نسب و حسب و عفت میں ممتاز ہو۔ اس لئے وہ ان کو بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کے ہاں لے گئے۔ وہب کی بیٹی آمنہ زہریہ قرشیہ نسب و شرف میں قریش کی تمام عورتوں سے افضل تھیں۔ عبد المطلب نے وہب کو عبد اللہ کی شادی کا پیغام دیا۔ اور وہیں عقد ہو گیا۔ بعضے[1] کہتے ہیں کہ آمنہ اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھیں۔ عبد المطلب نے وہیب کو پیغام دیا اور نکاح ہو گیا اور اسی مجلس میں خود عبد المطلب نے وہیب کی صاحبزادی ہالہ سے شادی کی

عبد المطلب کے ہاں بقول ابن ہشام پانچ بیویوں سے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں جن کی تفصیل یوں ہے:۔

---

[1] استیعاب ابن عبد البر۔

زوجہ کا نام	اولاد
سمرا بنت جندب ہوازنیہ	حارث[1]
لبنیٰ بنت ہاجرہ خزاعیہ	ابولہب (اصلی نام عبدالعزیٰ)
فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ	ابوطالب (اصلی نام عبدمناف) زبیر۔ عبداللہ والد رسول اللہ صلعم بیضاء۔ عاتکہ۔ برّہ امیمہ۔ اروی رضی۔
ہالہ بنت وہیب زہریہ	حمزہ رض۔ مقوم۔ حجل۔ صفیہ رض۔
نتیلہ بنت خباب خزرجیہ	عباس رض۔ ضرار

جب نور محمدی صلعم حضرت آمنہ کے رحم مبارک میں منتقل ہو گیا تو کئی عجائبات ظہور میں آئے۔ اس سال قریش میں سخت قحط سالی تھی۔ اس نور کی برکت سے زمین پر جابجا روئیدگی کی مخملی چادر نظر آنے لگی۔ درختوں نے اپنے پھل جھکا دیئے اور مکہ میں اس قدر فراخ سالی ہوئی کہ اس سال کو سنۃ الفتح والابتہاج کہنے لگے۔ قریش کا ہر ایک چارپایہ فصیح عربی زبان میں حضرت آمنہ کے حمل کی خبر دینے لگا۔ بادشاہوں کے تخت اور بت اوندھے گر پڑے۔ مشرق و مغرب کے وحشی چرند پرند اور دریائی جانوروں نے ایک دوسرے کو خوشخبری دی۔ جن پکار اُٹھے کہ حضرت کا زمانہ قریب آگیا۔ کہانت کی آبرو جاتی رہی اور رہبانیت پر خوف طاری ہوا۔ حضرت کی والدہ ماجدہ نے خواب میں سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے "تیرے پیٹ میں جہان کا سردار ہے۔ جب وہ پیدا ہوں تو ان کا نام محمد رکھنا"

حضرت عبداللہ کی وفات

جب قول مشہور کے موافق حمل شریف کو دو مہینے پورے ہو گئے تو حضرت کے دادا

[1] بقول واقدی حارث کی ماں کا نام صفیہ بنت جندب ہے اور اروی حارث کی سگی بہن ہے۔

عبد المطلب نے آپ کے والد حضرت عبد اللہ کو مدینہ میں کھجوریں لانے کیلئے بھیجا۔ حضرت عبد اللہ وہاں اپنے والد کے ننھیال بنو عدی بن نجار میں ایک ماہ بیمار رہ کر انتقال فرما گئے۔ اور وہیں دار نابغہ میں دفن ہوئے۔ بعضے کہتے ہیں کہ عبد المطلب نے حضرت عبد اللہ کو تجارت کے لئے ملک شام بھیجا تھا۔ وہ واپس آتے ہوئے مدینہ میں بنو عدی میں ٹھیرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے۔ حضرت عبد اللہ کا ترکہ ایک لونڈی ام ایمن برکہ حبشیہ اور پانچ اونٹ اور کچھ بکریاں تھیں۔

واقعہ اصحابِ فیل

تولد شریف سے ۵۵ دن پہلے ایک واقعہ پیش آیا جو اصحاب فیل کا واقعہ کر کے مشہور ہے۔ اس واقعہ کی کیفیت بطریق اختصار یوں ہے کہ اس وقت شاہ حبشہ کی طرف سے ابرہہ یمن کا گورنر تھا۔ اس نے شہر صنعا میں ایک کلیسا بنایا اور شاہِ حبشہ کو لکھا کہ میں نے آپ کے لئے ایک بے نظیر کلیسا بنوایا ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ عرب کے لوگ آئندہ خانہ کعبہ کو چھوڑ کر یہیں حج و طواف کیا کریں۔ جب یہ خبر عرب میں مشہور ہو گئی تو بنی کنانہ میں سے ایک شخص نے غصہ میں آ کر اس کلیسا میں بول و براز کر دیا۔ یہ دیکھ کر ابرہہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے قسم کھائی کہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دوں تو میرا نام ابرہہ نہیں۔ اسی وقت فوج و ہاتھی لیکر کعبہ پر چڑھائی کی۔ یہاں تک کہ مقام مغمس میں جو مکہ مشرفہ سے دو میل ہے جا اترا۔ اور ایک سردار کو حکم دیا کہ اہلِ مکہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کرے۔ چنانچہ وہ سردار قریش کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہانک لایا۔ جن میں دو سو اونٹ عبد المطلب بن ہاشم کے بھی تھے۔ بعد ازاں ابرہہ کی طرف سے

حناطہ حمیری گیا اور عبد المطلب کو ابرہہ کے پاس لے آیا۔ ابرہہ نے عبد المطلب کا بڑا اکرام کیا اور دونوں میں بذریعہ ترجمان یہ گفتگو ہوئی۔

ابرہہ۔ تم کیا چاہتے ہو؟

عبد المطلب ۔میرے اونٹ واپس کر دو۔

ابرہہ (متعجّب ہو کر) تمہیں اونٹوں کا تو خیال ہے، مگر خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین ہے اور جسے مَیں ڈھانے آیا ہوں اس کا نام تک نہیں لیتے۔

عبد المطلب ۔مَیں اونٹوں کا مالک ہوں۔ خانہ کعبہ کا مالک اور ہے۔ وہ اپنے گھر کو بچائے گا۔

ابرہہ۔ خانہ کعبہ مجھ سے بچ نہیں سکتا۔

عبد المطلب ۔پھر تم جانو اور وہ۔

اس گفتگو کے بعد عبد المطلب اپنے اونٹ لیکر مکّہ میں واپس آگیا اور قریش سے کہنے لگا کہ شہر مکہ سے نکل جاؤ اور پہاڑوں کے دروں میں پناہ لو۔ یہ کہکر خود چند آدمیوں کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ میں گیا اور دروازے کا حلقہ پکڑ کر یوں دعا کی۔

لاھمّ ان العبد یمنع رحله فامنع دارك

لایغلبن صلیبھم ومحالھم غدوًا محالك

ان کنت تارکھم وقبلتنا فأمر مابدالك

ترجمہ اشعار

اے اللہ بندہ اپنے گھر کو بچایا کرتا ہے تو بھی اپنا گھر بچا۔

ایسا نہ ہو کہ کل کو ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر غالب آجائے۔

اگر تو ہمارے قبلہ کو ان پر چھوڑنے لگا ہے، تو حکم کر جو چاہتا ہے۔

اِدھر عبدالمطلب یہ دعا کر کے اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑوں کے درے میں پناہ گزیں ہوا۔ اُدھر صبح کو ابرہہ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے فوج اور ہاتھی لیکر تیار ہوا۔ جب اس نے ہاتھی کا منہ مکہ کی طرف کیا تو وہ بیٹھ گیا۔ بہتیرے آنکس مارے مگر نہ اٹھا۔ آخر مکہ کی طرف سے اس کا منہ موڑ کر اٹھایا تو اٹھا اور تیز بھاگنے لگا۔ غرض جب مکہ کی طرف اس کا منہ کرتے تو بیٹھ جاتا۔ اور کسی دوسری طرف کرتے تو اٹھ کر بھاگتا۔ اسی حال میں اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف سے ابابیلوں کے غول بھیجے۔ جن کے پاس کنکریاں تھیں۔ ایک ایک چونچ میں اور دو دو پنجوں میں۔ انہوں نے کنکروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ جس پر کنکر گرتی ہلاک ہو جاتا۔ یہ دیکھ کر ابرہہ کا لشکر بھاگ نکلا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر دشمن سے بچا لیا۔ قرآن مجید سورۂ فیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

قصۂ اصحاب فیل میں دو طرح سے حضرت کی کرامت ظاہر ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر اصحاب فیل غالب آتے تو وہ حضرت کی قوم کو قید کر لیتے اور غلام بنا لیتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو ہلاک کر دیا۔ تاکہ اس کے حبیب پاک پر حمل و طفولیت کی حالت میں اسیری و غلامی کا دھبہ نہ لگے۔ دوسرے یہ کہ اصحاب فیل نصاریٰ اہل کتاب تھے جن کا دین قریش کے دین سے جو بت پرست تھے یقیناً بہتر تھا۔ مگر یہ کہ حضرت کے وجود باجود کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی حرمت قائم رکھنے کے لئے قریش کو باوجود بت پرست ہونے کے اہل کتاب پر فتح دی۔ یہ واقعہ حضرت کی نبوت کا پیش خیمہ

تھا۔ کیونکہ آپ کے دین میں اسی بیت اللہ کی تعظیم اسی کے حج اور اسی کی طرف نماز کا حکم ہوا۔

تولد شریف

جب حمل شریف کو چاند کے حساب سے پورے نو مہینے ہو گئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن فجر کے وقت کہ ابھی بعض ستارے آسمان پر نظر آرہے تھے پیدا ہوئے۔ دونوں ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے۔ سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے (جس سے آپ اپنے علوِ مرتبہ کی طرف اشارہ فرما رہے تھے) بدن بالکل پاکیزہ اور تیز بو کستوری کی طرح خوشبودار ختنہ کئے ہوئے۔ ناف بریدہ۔ چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح نورانی۔ آنکھیں قدرت الٰہی سے سرمگیں۔ دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت درخشاں۔ آپکی والدہ نے آپ کے دادا عبد المطلب کو جو اس وقت خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے بلا بھیجا۔ وہ حضرت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور بیت اللہ شریف میں لیجا کر آپ کے لئے صدق دل سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے ابولہب کو تولد شریف کی خبر دی تو اس نے اس خوشی میں ثوبیہ کو آزاد کر دیا۔

حضرتؐ جس مہینے میں پیدا ہوئے۔ اس کا نام تو ربیع تھا ہی۔ مگر وہ موسم بھی ربیع (بہار) کا تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ربیعٌ فی ربیعٍ فی ربیعٍ   ونورٌ فوق نورٍ فوق نورٍ

ماہ مبارک، موسم بہار، نبی کریم

تولد شریف کی خوشی کا ثمرہ

ابولہب کی موت کے ایک سال بعد حضرت عباس نے خواب میں ابولہب کو بُرے حال میں دیکھا۔ پوچھا تجھے کیا ملا؟ ابولہب نے جواب دیا:۔

لم الق بعدکم غیر انی سقیت فی ھٰذہ بعتاقتی ثوبیۃ	تمہارے بعد مجھے کچھ آرام نہیں ملا سوائے اس کے کہ ثوبیہ کو آزاد کرنے کے سبب سے بمقدار اس (مغاک میان ابہام وسبابہ) کے پانی مل جاتا ہے جسے میں پی لیتا ہوں[1]

اِس حدیث عروہ بن زبیر کا مطلب یہ ہے کہ ابولہب بتا رہا ہے کہ میرے تمام اعمال رائگاں گئے سوائے ایک کے اور وہ یہ کہ مَیں نے حضرت کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا۔ اس ایک عمل کا فائدہ باقی رہ گیا۔ اور وہ یوں ہے کہ اس کے بدلے ہر دوشنبہ کو ابہام وسبابہ کے درمیانی مغاک کی مقدار مجھے پانی مل جاتا ہے جسے مَیں انگلیوں سے چُوس لیتا ہوں اور عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ یہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے۔ ورنہ کافر کا کوئی عمل فائدہ نہ دے گا۔

فقیر توکلی گذارش کرتا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تولد شریف پر خوشی منانے سے ایک کافر کو یہ فائدہ پہنچا تو قیاس کیجئے کہ ایک مسلمان جو ہر سال مولود شریف کراتا اور حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے تولد شریف پر خوشیاں مناتا اس دارِ فانی سے رخصت ہو جائے تو اسے کس قدر فائدہ پہنچے گا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح باب وامہٰتکم الّتی ارضعنکم۔ نیز زرقانی علی المواہب (جزء اول ص۲۶۰)

تولد شریف کے وقت خوارق

تولد شریف کے وقت غیب سے عجیب وغریب اور خارق عادت امور ظاہر ہوئے
تاکہ آپ کی نبوت کی بنیاد پڑ جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے
برگزیدہ و پسندیدہ ہیں۔ چنانچہ ستارے تعظیم کے لئے جھک کر آپ کے قریب آ گئے اور
ان کے نور سے حرم شریف کی پست زمین اور ٹیلے روشن ہو گئے۔ آپ کے ساتھ
ایسا نور نکلا کہ مکہ مشرفہ کے رہنے والوں کو ملک شام کے قیصری محل نظر آ گئے۔ شیاطین
پہلے آسمانوں پر چلے جاتے اور کاہنوں کو بعض مغیبات کی خبر دے دیتے تھے۔
اور وہ لوگوں کو کچھ اپنی طرف سے ملا کر بتا دیا کرتے تھے۔ اب آسمانوں میں ان کا
آنا جانا بند کر دیا گیا۔ اور آسمانوں کی حفاظت شہاب ثاقب سے کر دی گئی۔
اس طرح وحی وغیر وحی میں خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ جاتا رہا۔ شہر مدائن میں محل
کسریٰ پھٹ گیا اور اسکے چودہ کنگرے گر پڑے۔ اس میں اشارہ تھا کہ چودہ حکمرانوں
کے بعد ملک فارس خادمان اسلام کے قبضہ میں آجائے گا[1]۔ فارس کے
آتشکدے ایسے سرد پڑ گئے کہ ہر چند اُن میں آگ جلانے کی کوشش کی جاتی تھی
مگر نہ جلتی تھی۔ بحیرۂ ساوہ جو ہمدان و قم کے درمیان چھ میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا
اور جس کے کناروں پر شرک و بُت پرستی ہوا کرتی تھی یکایک بالکل خشک ہو گیا۔ وادیٔ

---

[1] چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ ان حکمرانوں کے نام یہ ہیں۔ نوشیرواں، ہرمز بن نوشیرواں، خسرو پرویز
بن ہرمز، شیرویہ بن خسرو پرویز، اردشیر بن شیرویہ، شہریار یا شہریراز، کسریٰ بن شیرویہ (بقول بعض بن پرویز)
ملکہ بوران ہمشیرہ شیرویہ فیروز خنش، ارزمیدمنت ہمشیرہ شیرویہ، خرزاد خسرو از اولاد پرویز بن ہرمز،
ابن جھنس از نسل اردشیر بن بابک، فیروز بن مہران جھنس، یزد بن شہریار بن پرویز۔ ۱۲

ساوہ (شام وکوفہ کے درمیان) کی ندی جو بالکل خشک پڑی تھی لبالب بہنے لگی۔

رضاعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ ماجدہ نے کئی دن دودھ پلایا۔ پھر ابولہب کی آزاد کی ہوئی لونڈی ثوبیہ نے چند روز ایسا ہی کیا۔ بعد ازاں حلیمہ سعدیہ نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی۔

قریش میں دستور تھا کہ شہر کے لوگ اپنے شیر خوار بچوں کو بدوی آبادی میں بھیج دیا کرتے تھے تاکہ بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت اور عرب کی خالص خصوصیات حاصل کریں۔ اور مدت رضاعت کے ختم ہونے پر عوضانہ دے کر واپس لے آتے تھے۔ اس لئے نواح مکہ کے قبائل کی بدوی عورتیں سال میں دو دفعہ ربیع و خریف میں بچوں کی تلاش میں شہر مکہ میں آیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس دفعہ قحط سالی میں حلیمہ سعدیہ اپنے قبیلہ کی دس عورتوں کیساتھ اسی غرض سے شہر میں آئی۔ حلیمہ کے ساتھ اسکا شیر خوار بچہ عبداللہ نام، اسکا شوہر حارث بن عبدالعزیٰ سعدی، ایک دراز گوش اور ایک اونٹنی تھی۔ بھوک کے مارے نہ اونٹنی دودھ کا ایک قطرہ دیتی تھی اور نہ حلیمہ کی چھاتیوں میں کافی دودھ تھا۔ اس لئے بچہ بے چین رہتا تھا۔ اور رات کو اسکے رونے کے سبب سے میاں بیوی سو بھی نہ سکتے تھے۔ اب قسمت جاگی تو حلیمہ کو جو شرف و کمال میں مشہور تھی ایسا مبارک رضیع مل گیا کہ ساری زحمت کافور ہو گئی۔ دیکھتے ہی دائیں چھاتی سے لگا لیا۔ دودھ نے جوش مارا۔ حضرت نے پیا اور بائیں چھاتی چھوڑ دی جس سے حلیمہ کے بچے نے پیا۔ اس کے بعد بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ یہ عدل جبلی کا نتیجہ تھا۔ ڈیرے پر پہنچی تو پھر دونوں بچوں نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ حارث نے اٹھ کر اونٹنی کو جو دیکھا تو اس کے

تھن دُودھ سے بھرے ہوئے تھے جس سے میاں بیوی سیر ہو گئے اور رات آرام سے کٹی۔ اس طرح تین راتیں مکہ میں گزار کر حضرت آمنہ کو وداع کر دیا گیا اور حلیمہ اپنے قبیلہ کو آئی۔ اس نے حضرت کو اپنے آگے دراز گوش پر سوار کر لیا۔ دراز گوش نے پہلے کعبہ کی طرف تین سجدے کر کے سر آسمان کی طرف اٹھایا گویا شکریہ ادا کیا کہ اس سے یہ خدمت لی گئی۔ پھر روانہ ہوئی۔ اور حضرتؐ کی برکت سے ایسی چُست و چالاک بن گئی کہ قافلہ کے سب چوپایوں سے آگے چل رہی تھی حالانکہ جب آئی تھی تو کمزوری کے سبب سب سے پیچھے رہ جاتی تھی۔ ساتھ کی عورتیں حیران ہو کر پوچھتیں ابو ذویب کی بیٹی! کیا یہ وہی دراز گوش ہے؟ حلیمہ جواب دیتی، واللہ یہ وہی ہے۔

بنو سعد میں اس وقت سخت قحط تھا۔ مگر حضرتؐ کی برکت سے حلیمہ کے مویشی سیر ہو کر آتے اور خوب دُودھ دیتے۔ اور دوسروں کے مویشی بھوکے آتے اور وہ دُودھ کا ایک قطرہ بھی نہ دیتے۔ اس طرح حلیمہ کی سب تنگدستی دور ہو گئی[۱]۔

حلیمہ حضرتؐ کو کسی دور جگہ نہ جانے دیتی تھی۔ ایک روز وہ غافل ہو گئی اور حضرتؐ اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ دوپہر کے وقت بھیڑوں کے ریوڑ میں تشریف لے گئے۔ مائی حلیمہ تلاش میں نکلی۔ اور آپ کو شیماء کے ساتھ پایا۔ کہنے لگی، ایسی تپش میں؟ شیماء[۲] بولی۔ "اماں جان! میرے بھائی نے تپش محسوس نہیں کی۔ بادل آپ پر سایہ کرتا تھا۔ جب آپ ٹھیر جاتے تو بادل بھی ٹھیر جاتا۔ اور جب چلتے تو بادل بھی چلتا۔ یہی حال رہا یہاں تک کہ ہم اس جگہ آپہنچے ہیں"۔

جب حضرتؐ دو سال کے ہو گئے تو مائی حلیمہ نے آپ کا دُودھ چھڑا دیا اور

---

[۱] مواہب و زرقانی۔ [۲] ابن سعد و ابو نعیم وغیرہ۔

آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لیکر آئی اور کہا۔ کاش تو اپنے بیٹے کو میرے پاس اَور رہنے دے تاکہ قوی ہو جائے۔ کیونکہ مجھے اس پر وبائے مکہ کا ڈر ہے۔ یہ سن کر بی بی آمنہ نے آپ کو حلیمہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ حلیمہ کا بیان ہے کہ ہمیں واپس آئے دو یا تین مہینے گزرے تھے کہ ایک روز حضرتؐ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ساتھ ہمارے گھروں کے پیچھے ہماری بھیڑوں میں تھے کہ آپ کا بھائی دوڑتا آیا۔ کہنے لگا کہ میرے اس قریشی بھائی کے پاس دو شخص آئے جن پر سفید کپڑے ہیں۔ انہوں نے پہلو کے بل لٹا کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ یہ سُن کر میں اور میرا خاوند دوڑے گئے۔ دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں اور چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ ہم دونوں آپ کے گلے لپٹ گئے اور پوچھا، بیٹا! تجھے کیا ہوا۔ آپ نے بیان کیا کہ دو شخص میرے پاس آئے جن پر سفید کپڑے تھے۔ انہوں نے پہلو کے بل لٹا کر میرا پیٹ پھاڑ دیا۔ اور اس میں سے ایک خون کی پھٹکی نکال کر کہا ھذا حظ الشیطان منک (یہ تجھ سے شیطان کا حصہ ہے) پھر اسے ایمان و حکمت سے بھر کر سی دیا۔ پس ہم آپ کو اپنے خیمہ میں لے آئے۔ میرے خاوند نے کہا، حلیمہ! مجھے ڈر ہے اس لڑکے کو کچھ آسیب ہے۔ آسیب ظاہر ہونے سے پہلے اسے اس کے کنبے میں چھوڑ آ۔ میں آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لائی اور بڑے اصرار کے بعد اس سے حقیقت حال بیان کی۔ ماں نے کہا۔ اللہ کی قسم ان پر شیطان کو دخل نہیں۔ میرے بیٹے کی بڑی شان ہے۔

تعدّدِ شقِّ صدر

واضح رہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شقِ صدر چار مرتبہ ہوا ہے ایک

وہ جس کا ذکر اوپر ہوا - یہ اس واسطے تھا کہ حضور انور وساوس شیطان سے جن میں بچے مبتلا ہوا کرتے ہیں محفوظ رہیں - اور بچپن ہی سے اخلاق حمیدہ پر پرورش پائیں - دوسری مرتبہ دس برس کی عمر میں ہوا تاکہ آپ کامل ترین اوصاف پر جوان ہوں - تیسری مرتبہ غارِ حرا میں بعثت کے وقت ہوا تاکہ آپ وحی کے بوجھ کو برداشت کر سکیں - چوتھی مرتبہ شبِ معراج میں ہوا تاکہ آپ مناجات الٰہی کے لئے تیار ہو جائیں -

حضرت آمنہ کی وفات

حضرتؐ کی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو ساتھ لیکر مدینہ میں آپ کے دادا کے ننہال بنو عدی بن نجار میں ملنے گئیں - بعضے کہتے ہیں کہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھیں - ام ایمن بھی ساتھ تھی - جب واپس آئیں تو راستے میں مقام ابوا میں انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن ہوئیں -

ہجرت کے بعد جب حضرتؐ کا گذر بنو نجار پر ہوا تو اپنے قیامِ مدینہ کا نقشہ سامنے آگیا اور اپنے قیامگاہ کو دیکھ کر فرمایا - "اس گھر میں میری والدہ مکرمہ مجھے لے کر ٹھہری تھیں - میں بنی عدی بن نجار کے تالاب میں تیرا کرتا تھا" (مواہب لدنیہ)

عبد المطلب و ابو طالب کی کفالت

ام ایمن حضرت کو مکہ میں لائیں اور آپ کے دادا عبد المطلب کے حوالہ کیا - عبد المطلب آپ کی پرورش کرتا رہا - مگر جب آپکی عمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو اس نے بھی وفات پائی اور حسب وصیت آپ کا چچا ابو طالب جو حضرت علیؑ کا باپ اور آپ کے والد عبد اللہ کا ماں جایا بھائی تھا - آپ کی تربیت کا کفیل ہوا - ابو طالب نے آپ کی کفالت کو بہت اچھی طرح انجام دیا - اور آپ کو اپنی ذات اور بیٹوں

پر مقدم رکھا۔

طفولیت میں حضرتؐ کی دُعا سے نزول باراں

ایک دفعہ ابو طالب نے حضرتؐ کو ساتھ لیکر بارش کے لئے دعا کی تھی جو حضور کی برکت سے فوراً قبول ہوئی تھی۔ چنانچہ ابن عساکر جلہمہ بن عرفطہ سے ناقل ہے کہ اُس نے کہا کہ مَیں مکہ میں آیا۔ اہل مکہ قحط میں مبتلا تھے۔ ایک بولا کہ لات وعزّیٰ کے پاس چلو۔ دوسرا بولا کہ منات کے پاس چلو۔ یہ سن کر ایک خوبرو جیّد الرائے بوڑھے نے کہا۔ تم کہاں الٹے جارہے ہو حالانکہ ہمارے درمیان باقیۂ ابراہیم وسلالۂ اسماعیل موجود ہے۔ وہ بولے کیا تمہاری مراد ابو طالب ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ پس وہ سب اٹھے اور مَیں بھی ساتھ ہولیا۔ جاکر دروازے پر دستک دی ابو طالب نکلا تو کہنے لگے "ابو طالب! جنگل قحط زدہ ہوگیا۔ ہمارے زن وفرزند قحط میں مبتلا ہیں چل مینہ مانگ"۔ پس ابو طالب نکلا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکا تھا۔ گویا آفتاب تھا جس سے ہلکا سیاہ بادل دور ہوگیا ہو۔ اس کے گرد اور چھوٹے چھوٹے لڑکے تھے۔ ابو طالب نے اس لڑکے کو لیا اور اس کی پیٹھ کعبہ سے لگائی۔ اس لڑکے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے التجا کرنیوالے کی طرح اپنی انگلی سے آسمان کیطرف اشارہ کیا۔ حالانکہ اس وقت آسمان پر کوئی بادل کا ٹکڑا نہ تھا۔ اشارہ کرنا تھا کہ چاروں طرف سے بادل آنے لگے۔ برسا اور خوب برسا جنگل میں پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ اور آبادی ووادی سب سرسبز وشاداب ہوگئے۔ اسی بارے میں ابُوطالب نے کہا ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ	اور گورے رنگ والے جن کی ذات
ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل	کے وسیلہ سے نزول باراں طلب

کیاجاتا ہے یتیموں کے ملجا و ماویٰ۔ رانڈوں اور درویشوں کے نگہبان بعثت کے بعد جب قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستا رہے تھے تو ابو طالب نے ایک قصیدہ لکھا تھا جو سیرت ابن ہشام میں دیا ہوا ہے۔ شعر مذکور اسی قصیدے میں سے ہے۔ اس شعر میں ابو طالب قریش پر بچپن سے حضرتؐ کے احسانات جتا رہا ہے۔ اور گویا کہہ رہا ہے کہ ایسے قدیم بابرکت محسن کے درپئے آزار کیوں ہوئے؟ (مواہب و زرقانی)

شام کا پہلا سفر

جب حضرتؐ کی عمر مبارک بارہ سال کی ہوئی تو ابو طالب حسب معمول قافلہ قریش کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام کو جانے لگا۔ یہ دیکھ کر آپ اُس سے لپٹ گئے۔ اس لئے اس نے آپ کو بھی ساتھ لے لیا۔ جب قافلہ شہر بُصرےٰ میں پہنچا تو وہاں بحیرا راہب نے آپ کو دیکھ کر پہچان لیا۔ اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا، یہ سارے جہان کا سردار ہے۔ رب العالمین کا رسول ہے۔ اللہ اس کو تمام جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گا۔ قریشیوں نے پوچھا تجھے یہ کیونکر معلوم ہوا۔ اس نے کہا کہ جس وقت تم گھاٹی سے چڑھے کوئی درخت اور پتھر باقی نہ رہا مگر سجدے میں گر پڑا۔ درخت اور پتھر پیغمبر کے سوا کسی دوسرے شخص کو سجدہ نہیں کرتے۔ اور میں انکو مُہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو ان کے شانے کی ہڈی کے نیچے سیب کی مانند ہے۔ پھر اس راہب نے کھانا تیار کیا۔ جب وہ ان کے پاس کھانا لایا تو حضرتؐ اونٹوں کے چرانے میں مشغول تھے۔ اس نے کہا، آپ کو بلالو۔ آپ آئے تو بادل نے آپ پر سایا کیا ہوا تھا۔ جب آپ قوم کے نزدیک آئے تو ان کو درخت کے سایہ کی طرف آگے

بڑھے ہوئے پایا جس وقت آپ بیٹھ گئے تو درخت کا سایا آپ کی طرف ہٹ آیا۔ پھر کہا۔ "تمہیں خدا کی قسم بتاؤ ان کا ولی کون ہے؟ انہوں نے کہا ابو طالب پس اس نے ابو طالب سے بتاکید تمام کہا کہ ان کو مکہ واپس لے جاؤ۔ کیونکہ اگر تم آگے بڑھو گے تو ڈر ہے کہیں یہودی ان کو قتل کر دیں۔ لہٰذا ابو طالب آپ کو واپس لے آیا۔ اور شہر بُصرا سے آگے نہ بڑھا۔ اور اس راہب نے حضرت کو خشک روٹی اور زیتون کا تیل زاد راہ دیا[1]۔

حرب فجار میں شرکت

آغاز اسلام سے پہلے عرب میں جو لڑائیاں ان مہینوں میں پیش آتی تھیں جنمیں لڑنا ناجائز تھا حروب فجار کہلاتی تھیں۔ چوتھی یعنی اخیر حرب فجار میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ نعمان بن منذر شاہ حیرہ ہر سال اپنا تجارتی مال بازار عکاظ میں فروخت ہونے کے لئے اشرافِ عرب میں سے کسی کی پناہ میں بھیجا کرتا تھا۔ اس دفعہ جو اس نے اونٹ لدوا کر تیار کئے۔ اتفاقاً عرب کی ایک جماعت اس کے پاس حاضر تھی جن میں بنی کنانہ میں سے براض اور ہوازن میں سے عروہ رحال موجود تھا۔ نعمان نے کہا۔ اس قافلہ کو کون پناہ دیگا؟ براض بولا میں بنی کنانہ سے پناہ دیتا ہوں۔ نعمان نے کہا میں ایسا شخص چاہتا ہوں جو اہلِ نجد و تہامہ سے پناہ دے۔ یہ سن کر عروہ نے کہا۔ اکلب[2] خلیع یجیر ھالك میں اہلِ نجد و تہامہ سے پناہ دیتا ہوں۔ براض نے کہا اے عروہ کیا تو بنی کنانہ سے پناہ دیتا ہے؟ عروہ نے کہا۔ تمام مخلوق سے۔ پس عروہ اس قافلہ

---

[1] ترمذی شریف [2] کیا راندہ قوم کتا تیرے قافلہ کو پناہ دے گا؟ دیکھو عبد عقد الفرید لابن عبدربہ

کے ساتھ نکلا۔ براض بھی اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ اور موقع پاکر عروہ کو ماہ حرام میں قتل کرڈالا۔ ہوازن نے قصاص میں براض کو قتل کرنے سے انکار کیا۔ کیونکہ عروہ ہوازن کا سردار تھا۔ وہ قریش کے کسی سردار کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ مگر قریش نے منظور نہ کیا۔ اس لئے قریش وکنانہ اور ہوازن میں جنگ چھڑ گئی۔ کنانہ کا سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا۔ جو ابوسفیان کا باپ اور حضرت امیر معاویہ کا دادا تھا۔ اور ہوازن کا سپہ سالار اعظم مسعود بن معتب ثقفی تھا۔ لشکر کنانہ کے ایک پہلو پر عبداللہ بن جدعان اور دوسرے پر کریز بن ربیعہ اور قلب میں حرب بن امیہ تھا۔ اس جنگ میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے ایک میں حضرت کے چچا آپ کو بھی لے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک چودہ سال کی تھی۔ مگر آپ نے خود لڑائی نہیں کی۔ بلکہ تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے رہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ وکنت[1] أُنبِّل علیٰ اعمامی۔ بعضے کہتے ہیں آپ نے بھی تیر پھینکے تھے۔ بہر حال اخیر میں فریقین میں صلح ہوگئی۔

حلف الفضول میں شرکت

جب قریش حرب فجار سے واپس آئے تو یہ واقعہ پیش آیا کہ شہر زبید کا ایک شخص اپنا مال تجارت مکہ میں لایا جسے عاص بن وائل سہمی نے خرید لیا۔ مگر قیمت نہ دی۔ اس پر زبیدی نے اپنے احلاف عبدالدار و مخزوم و جمح و سہم و عدی بن کعب سے مدد مانگی۔ مگر ان سب نے مدد دینے سے انکار کیا۔ پھر اس نے جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر فریاد کی۔ جسے قریش کعبہ میں سن رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرتؐ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنو ہاشم زہرہ اور بنو اسد بن عبدالعزیٰ نے سب عبداللہ بن جدعان کے گھر

---

[1] اور میں تیر اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دے رہا تھا۔

میں جمع ہوئے۔ اور باہم عہد کیا کہ ہم ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کیا کرینگے۔ اور مظالم واپس کرا دیا کریں گے۔ اسکے بعد وہ سب عاص بن وائل کے پاس گئے اور ان سے زبیدی کا مال واپس کرایا۔ اس معاہدہ کو حلف الفضول اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ اس معاہدہ کے مشابہ تھا جو قدیم زمانہ میں جرہم کے وقت مکہ میں بدیں مضمون ہوا تھا کہ ہم ایک دوسرے کی حق رسانی کیا کریں گے۔ اور قوی سے ضعیف کا اور مقیم سے مسافر کا حق لے کر دیا کریں گے۔ چونکہ جرہم کے وہ لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے ان سب کا نام فضل تھا۔ جن میں سے فضل بن حارث اور فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ تھے۔ اس لئے اس کو "حلف الفضول" سے موسوم کیا گیا تھا۔

اس معاہدۂ قریش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔ اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدے کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں اسے نہ توڑتا اور ایک روایت میں ہے کہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایسے معاہدے میں حاضر ہوا کہ اگر اس سے غیر حاضری پر مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں پسند نہ کرتا۔ اور آج اسلام میں بھی اگر کوئی مظلوم یا آل حلف الفضول کہہ کر پکارے تو میں مدد دینے کو حاضر ہوں۔

شام کا دوسرا سفر

جب حضرتؐ کی عمر مبارک پچیس سال کی ہوئی تو آپ کے صدق و امانت کا شہرہ دور دور تک پہنچ چکا تھا۔ یہاں تک کہ زبان خلق نے آپ کو امین کا لقب دیدیا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت خدیجہ نے جو ایک معزز مالدار خاتون تھیں آپ کے پاس

پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں۔ جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں، آپ کو اس کا مضاعف دوں گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبول فرمایا۔ اور مال تجارت لیکر شام کو روانہ ہوئے۔ حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ آپ کے ساتھ تھا جو آپ کی خدمت کرتا تھا اور آپ کی ضروریات کا متکفل تھا۔ جب آپ شام میں پہنچے تو بازار بُصرے میں ایک راہب نسطورا نام کی خانقاہ کے نزدیک اترے۔ وہ راہب میسرہ کی طرف آیا اور اسے جانتا تھا۔ کہا "اے میسرہ! یہ کون ہے جو اس درخت کے نیچے اترا ہے۔" میسرہ نے کہا۔ اہلِ حرم میں سے قریش سے ہی راہب نے کہا۔ سوائے نبی کے اس درخت کے نیچے کبھی کوئی نہیں اترا۔ پھر اس نے پوچھا۔ کیا اس کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے۔ میسرہ نے جواب دیا ہاں۔ اور کبھی دور نہیں ہوتی۔ یہ سن کر راہب بولا۔ "یہ وہی ہیں اور یہی آخر الانبیاء ہیں۔ کاش میں ان کو پاؤں جس وقت یہ مبعوث ہونگے۔" اور میسرہ سے کہا کہ "ان سے جدا نہ ہونا اور نیک نیتی سے ان کے ساتھ رہنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کا شرف عطا کیا ہے۔" حضرت بازار بُصرے میں خرید و فروخت کر کے مکہ واپس آئے جب حضرت خدیجہ نے جو عورتوں کے درمیان ایک بالاخانے میں بیٹھی تھی آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو دو فرشتے آپ کے سر مبارک پر دھوپ سے سایہ کیئے ہوئے تھے۔ میسرہ نے حضرت خدیجہ سے بیان کیا کہ میں نے تمام سفر میں آپ کا یہی حال دیکھا ہے۔ اور اس راہب کے قول و وصیت کی خبر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس تجارت میں مضاعف نفع دیا۔ حضرت خدیجہ نے جو دیکھا اور سنا اس سے ظاہر ہو گیا کہ آپ بیشک ساری مخلوق کی طرف اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

اس وقت حضرت خدیجہ بیوہ تھیں۔ ان کی دو شادیاں پہلے ہو چکی تھیں۔ انکی پاکدامنی کے سبب لوگ جاہلیت میں ان کو طاہرہ کہا کرتے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے حضرت خدیجہ نے امور مذکورہ بالا کو مدنظر رکھکر واپس آنے کے قریباً تین مہینے بعد یعلے بن منیہ کی بہن نفیسہ کی وساطت سے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ نے اس درخواست کی خبر اپنے چچاؤں کو دی۔ انہوں نے قبول کیا۔ پس تاریخ معین پر ابو طالب اور امیر حمزہؓ اور دیگر رؤسائے خاندان حضرت خدیجہؓ کے مکان پر گئے۔ اور ان کے چچا عمرو بن اسد نے اور بقول بعض ان کے بھائی عمرو بن خویلد نے ان کا نکاح کر دیا۔ شادی کے وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی۔ ابو طالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور پانسو درہم مہر قرار پایا۔ یہ آنحضرت کی پہلی شادی تھی۔ حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد آنحضرت نے چند شادیاں اور کیں۔ تمام ازواج مطہرات کا مہر پانسو درہم ہی مقرر ہوا۔ آنحضرت کی تمام اولاد حضرت خدیجہ ہی کے بطن سے ہوئی۔ صرف ایک صاحبزادے جن کا نام ابراہیم تھا حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے سنہ آٹھ ہجری میں پیدا ہوئے اور سنہ دس ہجری میں انتقال فرما گئے۔

تعمیر کعبہ

جب حضرت کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی تو قریش نے کعبہ کو از سر نو بنایا۔ علامہ ازرقی[1] (متوفی ۲۲۳ھ) نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پتھروں سے جو تعمیر کی تھی اس کا طول و عرض حسب ذیل تھا:۔

---

[1] اعلام باعلام بیت اللہ الحرام للعلامۃ قطب الدین الحنفی ص ۱۲

ارتفاع ———————— ۹ گز[1]

طول (سامنے کی طرف) حجر اسود سے رکن شامی تک - ۳۲ گز (۳۲ ہاتھ)

عرض (میزاب شریف کیطرف) رکن شامی سے رکن غربی تک - ۲۲ گز (۲۲ ہاتھ)

طول (پچھواڑے کی طرف) رکن غربی سے رکن یمانی تک - ۳۱ گز (۳۱ ہاتھ)

عرض رکن یمانی سے حجر اسود تک ۲۰ گز (۲۰ ہاتھ)

اس عمارت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کر رہے تھے - اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کندھے پر پتھر لاد کر لا رہے تھے جب دیواریں اونچی ہو گئیں تو مقام پر کھڑے ہو کر کام کرتے رہے - جب حجر اسود کی جگہ تک پہنچ گئے تو آپ نے حضرت اسمٰعیل سے فرمایا کہ ایک پتھر لاؤ - میں اسے یہاں نصب کردوں، تاکہ لوگ طواف یہاں سے شروع کیا کریں - حضرت اسمٰعیل پتھر کی تلاش میں گئے تو حضرت جبرئیل حجر اسود لیکر حاضر ہوئے اس بنا میں دروازہ سطح زمین کے برابر تھا - مگر چوکھٹ بازو نہ تھے - نہ کواڑ تھے نہ چھت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد عمالقہ[2] وجرہم وقصی نے اپنے اپنے وقت میں اس عمارت کی تجدید کی - چونکہ عمارت نشیب میں واقع تھی - وادیٔ مکہ کی رَوؤں کا پانی حرم میں آجاتا تھا - اس پانی کی روک کے لئے بالائی حصہ پر بند بھی بنوا دیا گیا تھا - مگر وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا - اس دفعہ ایسے زور کی رَو آئی کہ کعبہ کی دیواریں پھٹ گئیں - اس لئے قریش نے پرانی عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے مضبوط و مسقف بنانے کا ارادہ کیا - حسن اتفاق یہ کہ ایک رومی تاجر باقوم کا جہاز ساحل جدہ پر کنارے سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا - باقوم مذکور معمار و نجار بھی تھا - قریش کو جو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ چند

---

[1] شرعی گز ۲۴ - انگل کا ہوتا ہے -

[2] تفصیل اعلام باعلام بیت اللہ الحرام میں ہے

اور قریشیوں کے ساتھ وہاں پہنچا۔ اُس نے چھت کیلئے جہاز کے تختے مول لے لئے۔
اور باقوم کو بھی ساتھ لے آیا۔ دیواروں کے لئے قریش کے ہر ایک قبیلہ نے الگ الگ
پتھر ڈھونے شروع کئے۔ مرد دو دو مل کر دور سے پتھروں کو کندھوں پر اٹھا کر لاتے تھے۔
چنانچہ اس کام میں حضرت اپنے چچا عباس کے ساتھ شریک تھے۔ اور کوہ صفا کے متصل
اجیاد سے پتھر لا رہے تھے۔ جب سامانِ عمارت جمع ہو گیا تو ابو وہب بن عمرو بن عائذ
مخزومی کے مشورے سے قبائل قریش نے تعمیر کے لئے بیت اللہ کی چاروں طرفیں
آپس میں تقسیم کر لیں۔ ابو وہب مذکور حضرت کے والد ماجد عبداللہ کا ماموں تھا۔ اسی
نے قریش سے کہا تھا کہ کعبہ کی تعمیر میں کسبِ حلال کی کمائی کے سوا اور مال صرف نہ
کیا جائے۔ جب عمارت حجر اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو قبائل میں سخت جھگڑا پیدا
ہوا۔ ہر ایک قبیلہ چاہتا تھا کہ ہم ہی حجر اسود کو اٹھا کر نصب کرینگے۔ اسی کشمکش میں
چار دن گذر گئے اور تلواروں تک نوبت پہنچ گئی۔ بنو عبدالدار اور بنو عدی بن کعب
نے تو اس پر جان دینے کی قسم کھائی۔ اور حسب دستور اس حلف کی تاکید کے لئے
ایک پیالہ میں خون بھر کر اپنی انگلیاں اس میں ڈبو کر چاٹ لیں۔ پانچویں دن سب
مسجد حرام میں جمع ہوئے۔ ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی نے جو حضرت ام المومنین ام سلمہ
کا والد اور قریش میں سب سے معمر تھا یہ رائے دی کہ کل صبح جو شخص اس مسجد کے باب
بنی شیبہ سے حرم میں داخل ہو وہ ثالث قرار دیا جائے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق
کیا۔ دوسرے روز سب سے پہلے داخل ہونے والے ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ
وسلم تھے۔ دیکھتے ہی سب پکار اُٹھے "یہ امین ہیں۔ ہم ان پر راضی ہیں"۔ جب انہوں
نے آپ سے یہ معاملہ ذکر کیا تو آپ نے ایک چادر بچھا کر اس میں حجر اسود کو رکھا۔ پھر

فرمایا کہ ہر طرف والے ایک ایک سردار انتخاب کر لیں۔ اور وہ چاروں سردار چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اٹھائیں۔ اس طرح جب وہ چادر مقامِ نصب کے برابر پہنچ گئی تو حضرت نے حجرِ اسود کو اپنے مبارک ہاتھ سے اٹھا کر دیوار میں نصب فرما دیا۔ اور وہ سب خوش ہو گئے۔

قریش نے اس تعمیر میں بہ نسبت سابق کئی تبدیلیاں کر دیں۔ بنائے خلیل میں ارتفاع نو گز تھا۔ اب اٹھارہ گز ارتفاع کر کے عمارت مسقف کر دی گئی۔ مگر سامانِ تعمیر کے لئے نفقہ حلال کافی نہ ملا۔ اس لئے بنائے خلیل میں سے جانبِ غرب کا کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا۔ اور اس کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی کہ پھر موقع ملے گا تو کعبہ کے اندر لے لیں گے۔ اس حصہ کو حجر یا حطیم[1] کہتے تھے۔ بنائے خلیل میں کعبہ کا دروازہ سطح زمین کے برابر تھا۔ مگر اب قریش نے زمین سے اونچا کر دیا۔ تاکہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں۔ عہد نبوت میں حضرت کا ارادہ ہوا کہ حجر کو عمارت کعبہ میں ملا لیں اور دروازہ سطح زمین کے برابر کر دیں۔ مگر بدیں خیال ایسا نہ کیا کہ قریش نئے نئے مسلمان ہیں، کہیں دیوار کعبہ کے گرانے سے بدظن ہو کر دین اسلام سے نہ پھر جائیں۔

---

[1] بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حجر کو حطیم نہ کہنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ نام ایام جاہلیت میں وضع ہوا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں وہاں باہم قسم کھایا کرتے تھے اور عقد حلف کی علامت یہ ہوا کرتی تھی کہ معاہدین اپنا جوتا یا چابک یا کمان حجر کی طرف پھینک دیا کرتے تھے۔ اس واسطے حجر کو حطیم کہا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

تیسرا باب

حالاتِ بعثت شریف تا ہجرت

اس عنوان پر قلم اٹھانے سے پہلے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عرب اور باقی دنیا کی دینی اور اخلاقی اور روحانی حالت جو تھی اسکا مجمل بیان پیش کیا جائے جس سے حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ضرورت واہمیت ثابت ہو جائے۔

دنیا کی حالت

عرب پہلے دین ابراہیم علیہ السلام پر تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت نابت کعبہ کے متولی ہوئے۔ ان کے بعد قبیلہ جرہم متولی ہوا۔ اس قبیلہ کو عمرو بن لحمی نے جو قبیلہ خزاعہ کا مورث اعلیٰ تھا۔ بیت اللہ شریف سے نکال دیا اور خود متولی بن گیا۔ اس کا اصلی نام عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ازدی تھا۔ عرب میں بت پرستی کا بانی یہی شخص تھا۔ اسی نے سائبہ وصیلہ بحیرہ حامیہ کی رسم ایجاد کی تھی۔ ایک دفعہ یہ سخت بیمار ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ بلقاء واقع شام میں ایک گرم پانی کا چشمہ ہے، اگر تم اس میں غسل کرو تو تندرست ہو جاؤ گے۔ اس لئے یہ بلقاء میں پہنچا اور اس چشمہ میں غسل کرنے سے اچھا ہو گیا۔ وہاں اس نے لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا۔ پوچھا کہ یہ کیا ہیں۔ انہوں نے

کہا کہ ہم ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے ہیں۔ اور ان ہی کے وسیلہ سے دشمن پر فتح پاتے ہیں۔ یہ سن کر اس نے درخواست کی کہ ان میں سے کچھ مجھے بھی عنایت کیجئے۔ غرض اس نے وہ بت لا کر کعبہ کے گرد نصب کر دیئے اور عرب کو انکی پوجا[1] کی دعوت دی۔ اس طرح عرب میں بت پرستی شائع ہو گئی۔ جس کا اجمالی خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

بت کا نام	مقام جہاں بت تھا	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا	کیفیت
وَدّ	دومۃ الجندل جو دمشق و مدینہ کے وسط میں ہے	کلب	یہ بت بشکل انسان بزرگ جثہ تھا۔ جس پر دو[2] حُلّہ منقوش تھے ایک حُلّہ بطور آزار دوسرا بطور چادر۔ تلوار آڑے لٹکائے ہوئے اور کمان شانے پر۔ سامنے ایک تھیلے میں نیزہ اور جھنڈا تھا اور ایک ترکش تھی جس میں تیر تھے۔ حارثہ اجداری اپنے بیٹے مالک کو دودھ دیکر اس بت کے پاس بھیجا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اپنے معبود کو پلا لاؤ۔
سُواع	رہاط	ہُذیل	بنو لحیان اس بت کے خادم یا پجاری تھے۔
یغوث	مذحج	مذحج و اہل جرش	مذحج یمن میں ایک ٹیلہ کا نام ہے
یعوق	خیوان	ہمدان اور اسکے نواح کے لوگ یمن میں	خیوان صنعاء یمن سے مکہ کی طرف دو دن کا راستہ ہے

[1] یہ خاکہ ابو المنذر ہشام کلبی (متوفی سنہ ۲۰۴ھ) کی تصنیف کتاب الاصنام سے ماخوذ ہے جو مصر میں سنہ ۱۳۴۳ھ میں چھپ چکی ہے۔

بت کا نام	مقام جہاں وہ بت تھا	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا	کیفیت
نسر	بلخع	حمیر	بلخع سرزمین سبا واقع یمن میں ہے۔ حمیر نسر کو پوجتے رہے یہاں تک کہ وڈ نواس نے انکو یہودی بنالیا۔ اسی طرح حمیر کے لئے تبدیل مذہب سے پہلے صنعا یمن میں ایک مندر ریام تھا جس پر وہ قربانیاں چڑھاتے تھے
فلس (بشکل انسان)	اجا	طیٔ	قبیلہ طیٔ کے دو پہاڑ اجا و سلمیٰ مدینہ منورہ سے جانب شمال تین مرحلہ کے فاصلہ پر ہیں۔ اس بت پر قربانی چڑھاتے تھے۔ اگر کوئی جانور بھاگ کر اسکی پناہ میں آتا تو وہ اسی کا ہو جاتا۔ ایک روز اسکا پجاری صیفی نام ایک عورت کی اونٹنی بھگا لایا اور اس بت کے پاس لاکر باندھ دی۔ عورت نے اپنے ہمسایہ سے شکایت کی۔ وہ اونٹنی کو کھولکر لے گیا۔ پجاری نے بت سے فریاد کی۔ مگر کچھ نہ بنا۔ عدی بن حاتم نے یہ دیکھ کر بت پرستی چھوڑ دی اور عیسائی ہو گئے۔ پھر سنہ ۹ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
منات	قدید کے قریب ساحل بحر پر کوہ مشلل کے نواح میں	اوس و خزرج ہذیل و خزاعہ	قریش اور باقی تمام عرب اسکی عبادت کرتے تھے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے اوس و خزرج جب مدینہ سے حج کرنے آتے تو ارکان حج ادا کرکے اپنے سر اس بت کے پاس منڈواتے تھے اور اسکے بغیر حج کو ناتمام سمجھتے تھے۔

بت کا نام	مقام جہاں وہ بت تھا	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا	کیفیت
لات	طائف	ثقیف	مربع پتھر تھا۔ تمام عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔
عُزّٰی	وادیٔ حراض واقع نخلۂ شامیہ (مکہ سے جانبِ شمال دو دن کا راستہ)	قریش	یہ ایک شیطانہ تھی۔ جس کا تھان ببول کے تین درختوں میں تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید نے ان درختوں کو کاٹ دیا اور عزّٰی کو قتل کر دیا قریش دیگر اصنام کی نسبت اسکی تعظیم زیادہ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے حرم کعبہ کی طرح وادیٔ حراض میں ایک درہ کو اس کا حرم قرار دیا تھا۔ اس درہ کا نام سقام تھا۔ اور قربانیوں کیلئے ایک مذبح بنایا تھا جسے غبغب کہتے تھے۔ عرب لات و منات و عزّٰی کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ ہماری شفاعت کرینگی۔
ذو الخلصہ	تبالہ	خثعم۔ بجیلہ ازو سراۃ	تبالہ مکہ و یمن کے درمیان مکہ سے سات یا آٹھ دن کی راہ ہے۔ یہ بت سفید پتھر پر منقوش تھا۔ جس پر تاج کی مثل کوئی شے تھی۔
سعد	ساحل جدّہ	مالک و ملکان پسران کنانہ	طویل پتھر تھا۔ اس پر خون بہایا جاتا تھا۔
ذو الکفلین	ارض دوس واقع یمن	دوس	فتح مکہ کے بعد حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے اس بت کو بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگ سے جلا دیا تھا۔

بت کا نام	مقام جہاں وہ بت تھا	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا	کیفیت
ذوالشریٰ	ذوالشریٰ	بنو حارث بن یشکر ازدی	ذوالشریٰ مکہ معظمہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے
اُقیصر	مشارف شام	قضاعہ۔ لخم۔ جذام عاملہ۔ غطفان	اس کا حج کرتے۔ قربانی دیتے اور اسکے پاس اپنا سر منڈایا کرتے سر منڈوانے والا ہر بال پر گیہوں کے آٹے کی ایک مٹھی پھینکا کرتا تھا۔
نُہم	×	مزینہ	اس کا پجاری خزاعی بن عبد نہم مزنی تھا۔ اس نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سنا تو اس بت کو توڑ کر حاضر خدمت ہوا اور ایمان لایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
عائم	×	ازوسرات	×
رُضاء یا رُضیٰ	×	بنو ربیعہ بن کعب بن سعد تمیمی	اس بت کا ذکر صنعار کے پرانے کتبوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کو مستوغر یعنی عمرو بن ربیعہ تمیمی نے زمانۂ اسلام میں منہدم کر دیا۔
سُعَیر		غزہ	اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔
عُمیانس	موضع خولان واقعہ یمن	خولان	مویشیوں اور کھیتوں کو اس بت اور خدا تعالیٰ کے درمیان تقسیم کیا کرتے تھے بقول ہشام کلبی وَجَعَلُوا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا الآیہ خولان ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

بت کا نام	جہاں وہ بت تھا	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا	کیفیت
ہُبُل	مکہ	قریش	کعبۃ اللہ جو خانۂ خدا تھا بت خانہ بنا ہوا تھا۔ اس میں تین سو ساٹھ بت تھے جن میں ہبل بہت بڑا اور جوف کعبہ میں نصب کیا ہوا تھا۔ یہ بت بشکلِ انسان عقیق احمر کا بنا ہوا تھا۔ اس کا بایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش کو اسی حالت میں ملا تھا۔ انہوں نے اسکے لئے سونے کا ہاتھ بنا دیا تھا۔ اسکے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے جن سے پجاری قرعہ اندازی کیا کرتا تھا۔ اساف اور نائلہ دونوں زمزم کی جگہ پر تھے قریش ان کے پاس قربانیاں دیا کرتے تھے۔ قریش کا ایک بت مناۃ تھا۔ علاوہ انکے مکہ کے گھر گھر میں ایک ایک بت تھا۔ جب کوئی سفر کو جاتا تو بطور تبرک اسکو مسح کرتا۔ جب واپس آتا تو گھر میں داخل ہو کر سب سے پہلے اس کو مسح کرتا۔

مندرجہ بالا بتوں کے علاوہ عرب میں اور بھی بت تھے۔ ستاروں کی بھی پوجا ہوتی تھی۔ چنانچہ قبیلہ حمیر سورج کی پرستش کرتا تھا۔ کنانہ چاند کو۔ بنو تمیم وبران کو۔ قیس شعریٰ کو۔ اسد عطارد کو اور لخم وجذام مشتری کو پوجتے تھے۔[1]

---

[1] طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی مطبوعہ بیروت ۱۹۱۲ء صفحہ ۴۳

عرب میں درخت پرستی بھی پائی جاتی تھی۔ مکہ مشرفہ کے قریب ایک بڑا سبز درخت تھا۔ جاہلیت میں لوگ سال میں ایک دفعہ وہاں آتے اور اس درخت پر اپنے ہتھیار لٹکاتے اور اس کے پاس حیوانات ذبح کرتے۔ کہتے ہیں کہ عرب جب حج کو آتے تو اپنی چادریں اس درخت پر لٹکا دیتے اور حرم میں بغرض تعظیم بغیر چادروں کے داخل ہوتے۔ اس لئے اس درخت کو انواط کہتے تھے[1]۔ ابن اسحاق نے حدیث وہب بن منبہ میں ذکر کیا ہے کہ جب فیمیون نصرانی اپنی سیاحت میں نجران میں بطور غلام فروخت ہوا تو اس وقت اہل نجران ایک بڑے درخت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اس درخت کے پاس سال میں ایک دفعہ عید ہوا کرتی تھی۔ وہ عید کے موقع پر اپنے اچھے سے اچھے کپڑے اور عورتوں کے زیورات اس درخت پر ڈال دیا کرتے تھے۔ پھر وہ فیمیون کی کرامت دیکھ کر عیسائی ہو گئے[2]۔

بتوں پر عموماً حیوانات کا خون بہایا جاتا تھا۔ مگر بعض دفعہ انسان کو بھی ذبح کر دیتے تھے۔ چنانچہ نیلوس ایک قسم کی قربانی کا ذکر جو ۴۱۰ء میں دی گئی تھی بدیں الفاظ کرتا ہے :۔

حجاز کے وحشی عربوں کے ہاں دیوتا کی کوئی صورت نہ تھی۔ صرف ان گھڑ پتھروں کی ایک قربانگاہ ہوا کرتی تھی۔ اس پر وہ ستارۂ صبح (زہرہ) کے لئے کوئی انسان یا سفید اونٹ بڑی جلدی سے ذبح کیا کرتے تھے۔ یہ قربانی طلوعِ آفتاب سے پہلے بظاہر بدیں وجہ ہوا کرتی تھی کہ وہ ستارہ اس عمل میں پیش نظر رہے۔ وہ مقام متبرک کے گرد بھجن گاتے ہوئے تین بار طواف کرتے۔ تب سردار قوم یا بوڑھا پجاری

---

[1] معجم البلدان یاقوت حموی۔ تحت انواط۔ [2] سیرت ابن ہشام۔ قصۂ اصحاب الاُخدود۔

اس بھینٹ پر پہلا وار کرتا اور اس کا کچھ خون پیتا - بعد ازاں حاضرین کودپڑتے اور اس جانور کو کچا اور صرف نیم پوست کندہ طلوع آفتاب سے پہلے کھا جاتے - خود نیلوس کا بیٹا زہرہ کی بھینٹ چڑھنے کو تھا کہ ایک اتفاقی امر سے بچ گیا - نیلوس سے پیشتر پورفری بیان کرتا ہے کہ عرب میں دومہ کے باشندے سال میں ایک بار ایک لڑکے کی بھینٹ دیتے - اور اسے قربانگاہ کے نیچے دفن کر دیتے۔[1]

اوپر کے بیان سے ظاہر ہے کہ عرب کے طول و عرض میں بت پرستی کا جال بچھا ہوا تھا - اس کے علاوہ یہودیت و نصرانیت و مجوسیت بھی کہیں کہیں رائج تھی - چنانچہ[2] حمیر، کنانہ، بنو حارث بن کعب اور کندہ میں یہودیت تھی - مدینہ میں یہودیوں کا زور تھا - خیبر میں بھی یہودی بستے تھے - ربیعہ، غسان اور بعض قضاعہ میں نصرانیت تھی - مجوسیت بہت کم تھی - وہ بت پرستی و یہودیت و عیسائیت میں جذب ہوتے ہوتے صرف بنو تمیم میں رہ گئی تھی - جن کے منازل نجد سے یمامہ تک پائے جاتے تھے - حضرت حاجب بن زرارہ تمیمی اسی قبیلہ سے تھے - جنہوں نے کسریٰ کے ہاں اپنی کمان رہن رکھی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فک کرا کر بطور ہدیہ خدمت اقدس میں بھیجی تھی -

عرب میں ازدواج کی کثرت تھی - چنانچہ جب حضرت غیلان ثقفی ایمان لائے تو ان کے تحت میں دس عورتیں تھیں - جمع بین الاختین جائز سمجھتے تھے - چنانچہ ضحاک بن فیروز کا بیان ہے کہ جب میرا باپ اسلام لایا تو اسکے تحت میں دو سگی

---

[1] مذہب واخلاق کی انسائیکلوپیڈیا - تحت عرب قدیم -

[2] حیٰوۃ الحیوان للدمیری (جز اول ص ۱۶۹) بحوالہ بصائر القدماء و سرائر الحکماء للشیخ ابی حیان التوحیدی المتوفی ۳۸۰ھ

بہنیں تھیں۔ جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کا سب سے بڑا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کو میراث میں پاتا۔ چاہتا تو اس سے شادی کرلیتا۔ ورنہ اپنے کسی اور بھائی یا رشتہ دار کو شادی کے لئے دے دیتا۔ زنا کاری کا عام رواج تھا۔ اور اسے جائز خیال کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جاہلیت میں نکاح چار طرح[1] کا تھا۔ ایک نکاح متعارف جیسا کہ آج کل ہے کہ زوج و زوجہ کے ولی مہر معین پر متفق ہو جائیں اور ایجاب و قبول ہو جائے۔ دوسرا نکاح استبضاع۔ بدیں طور کہ شوہر اپنی عورت کو حیض سے پاک ہونے کے بعد کہتا کہ تو فلاں سے استبضاع (طلب ولد) کرلے اور خود اس سے مقاربت نہ کرتا۔ یہاں تک کہ اس شخص سے حمل ظاہر ہو جاتا۔ اس وقت چاہتا تو وہ اپنی زوجہ سے مجامعت کرتا یہ استبضاع بغرض نجابت ولد کیا جاتا تھا۔ تیسرا نکاح جمع۔ بدیں طور کہ دس سے کم مرد ایک عورت پر یکے بعد دیگرے داخل ہوتے۔ یہاں تک کہ وہ حاملہ ہو جاتی۔ وضع حمل کے چند روز بعد وہ عورت ان سب کو بلاتی اور ان سے کہتی کہ تم نے جو کیا وہ تمہیں معلوم ہے۔ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کرکے کہتی کہ یہ تیرا بچہ ہے۔ پس وہ اسی کا سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ شخص انکار نہ کرسکتا تھا۔ چوتھا نکاح بغایا۔ بدیں طور کہ بہت سے مرد جمع ہو کر بغایا (زنا کار عورتیں) میں سے کسی پر بے روک ٹوک داخل ہوتے۔ یہ بغایا بطور علامت کے اپنے دروازوں پر جھنڈے نصب کرتی تھیں۔ جو چاہتا ان کے پاس جاتا جب ان میں سے کوئی حاملہ ہو جاتی تو وضع حمل کے بعد وہ سب مرد اس کے ہاں جمع ہوتے اور قافہ کو

---

[1] کشف الغمہ للقطب الشعرانی۔ جزء ثانی ص ۵۶

بلاتے وہ قافہ اس بچہ کو (اس کے اعضار دیکھ کر فراست سے) جس سے منسوب کرتا اسی کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ اور اس سے انکار نہ ہو سکتا تھا۔

شراب خوری اور قمار بازی بھی عرب میں کثرت سے رائج تھیں۔ مہمان نوازی کی طرح ان دونوں میں مال و دولت لٹانے پر فخر کیا کرتے تھے۔ ملک عرب میں انگوروں یا کھجوروں وغیرہ سے جو شراب بناتے تھے وہ ان کیلئے کافی نہ تھی۔ اس لئے شراب کا بہت بڑا حصہ دیگر ممالک سے منگایا جاتا تھا۔ وہ بہت تیز ہوتی تھی۔ پانی میں ملا کر استعمال کیا کرتے تھے۔ شراب کی دکانوں پر جھنڈے لہرایا کرتے تھے۔ جب کسی دکان میں شراب کا ذخیرہ ختم ہو جاتا تو جھنڈا اتار لیا جاتا تھا۔ اشعار عرب میں جن مقامات کی شراب کا ذکر آیا ہے، ان کی تفصیل یوں ہے:۔

ملک کا نام	مقامات جو شراب کیلئے مشہور تھے	کیفیت
سیریا یعنی شام	جدر، حمص، بیت راس، خُصّ، اندرین، بُصرے، صرخد، مآب	بیت راس دو شہروں کا نام ہے ایک بیت المقدس میں دوسرا انواع حلب میں ہے۔ دونوں میں انگور بکثرت اور شراب کے لئے مشہور تھے۔ جدر کی شراب کو جدریہ کہتے تھے۔
فلسطین	مقدر۔ عوز۔ بیسان	مقدر کی شراب کو مقدری یا مقدریہ اور بیسان کی شراب کو بیسانیہ بولتے تھے۔
الجزیرہ	عانہ	عانہ کی شراب کو عانیہ کہتے تھے۔
کلدتیہ یا بابلونیا	بابل، صریفون، قُطرُبل	صریفون عکبرا کے قریب ہے اور قُطرُبل بغداد و عکبرا کے درمیان ہے۔ ان مقامات کی شراب کو بابلیہ و صریفیہ و قطربلیہ کہتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ دینِ ابراہیمی جو عرب کا اصلی دین تھا۔ سوائے چند رسموں کے جن سے عقلِ سلیم کو قطع نظر ارشاد انبیاء علیہم السلام کے انکار نہیں ہو سکتا عرب میں معدوم ہو گیا تھا۔ بجائے توحید کے عموماً شرک و بت پرستی تھی۔ وہ معبودانِ باطل کو قادرِ مطلق کی طرح اپنے حاجت روا جانتے تھے۔ بعضے اجرامِ فلکیہ، آفتاب، ماہتاب وستارگان کی پُوجا کرتے تھے۔ بعضے تشبیہ کے قائل تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی پوجا کرتے اور خدا کے ہاں ان کی شفاعت کے امیدوار تھے۔ شرک و تشبیہ کا کیا ذکر بعض کو خدا کی ہستی ہی سے انکار تھا۔ وہ شب و روز شراب خوری، قمار بازی، زنا کاری اور قتل و غارت گری میں مشغول رہتے تھے۔ قساوتِ قلب کا یہ حال تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھانے سے دریغ نہ کرتے۔ لڑائیوں میں آدمیوں کو زندہ جلا دینا، مستورات کا پیٹ چاک کرنا اور بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز سمجھتے تھے۔ ان کے درمیان جو یہود و نصاریٰ تھے ان کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ ان کی کتابیں محرّف ہو چکی تھیں۔ یہود خدا کو مغلولۃ الید اور حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اور نصاریٰ تین خدا مانتے تھے۔ اور مسئلہ کفّارہ کی آڑ میں اعمالِ حسنہ کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے تھے۔

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ بلکہ تمام دنیا میں اسی طرح کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ چنانچہ اہلِ فارس آگ کے پُوجنے اور ماؤں کے ساتھ وطی کرنے میں مشغول تھے۔ تُرک شب و روز بستیوں کے تباہ کرنے اور بندگانِ خدا کو

---

[1] شرح فقہ اکبر لعلی القاری۔

اذیت دینے میں مصروف تھے۔ ان کا دین بتوں کی پوجا اور ان کی عادت مخلوقات پر ظلم کرنا تھا۔ ہندوستان کے لوگ بتوں کی پوجا اور خود کو آگ میں جلانے کے سوا کچھ نہ جانتے تھے۔ اور نیوگ کو جائز سمجھتے تھے۔

یہ عالمگیر ظلمت اس امر کی مقتضی تھی کہ حسب عادت الٰہی ملک عرب میں جہاں دنیا بھر کے ادیان باطلہ و عقائد قبیحہ و اخلاق ردیہ موجود تھے۔ ایک ہادی تمام دنیا کے لئے مبعوث ہو۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

عرب جیسی قوم میں جسکی حالت اوپر بیان ہوئی سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بعثت تک ہر پہلو کے لحاظ سے بالکل بے لوث رہی۔ آپ اخلاق حمیدہ سے متصف اور صدق و امانت میں مشہور تھے۔ حتیٰ کہ قوم نے آپ کو امین کا لقب دیا ہوا تھا۔ آپ مجالس لہو و لعب میں کبھی شریک نہ ہوئے۔ وہ افعالِ جاہلیت جن کی آپ کی شریعت میں ممانعت وارد ہے، آپ کبھی ان کے مرتکب نہ ہوئے جو جانور بتوں پر ذبح کئے جاتے، آپ ان کا گوشت نہ کھاتے۔ فسانہ گوئی شراب خوری قمار بازی اور بت پرستی جو قوم میں عام شائع تھیں، آپ ان سب سے الگ رہے۔ سال میں ایک بار ماہ رمضان میں کوہ حرا میں جو مکہ مشرفہ سے تین میل کے فاصلہ پر منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں طرف کو ہے اعتکاف فرمایا کرتے۔ اور وہاں ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ چند راتوں کا توشہ ساتھ لے جاتے۔ وہ ختم ہو چکتا تو گھر تشریف لاتے۔ اور اسی قدر توشہ لے کر حرا میں جا معتکف ہوتے۔

ابتداءِ وحی

جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب

نبوت سے سرفراز فرمایا۔ وحی کی ابتدا رویائے صادقہ سے ہوئی۔ جو کچھ آپ رات کو خواب میں دیکھتے، بعینہٖ وہی ظہور میں آتا۔ چھ ماہ اسی حالت میں گذر گئے کہ ایک روز آپ حسب معمول غار حرا میں مراقب تھے کہ فرشتہ (جبرئیل) آپ کے پاس آیا۔ اس نے آپ سے کہا۔ اِقْرَأْ (پڑھو) آپ نے فرمایا۔ مَا اَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں) آپ کا بیان ہے کہ اس پر فرشتہ نے مجھے پکڑ کر بھینچا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے غایت وسع و طاقت کو پہنچا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا اقرأ میں نے کہا ما انا بقارئ اس پر اس نے مجھے پکڑ کر دوسری بار بھینچا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے غایت وسع و طاقت کو پہنچا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا اقرأ میں نے کہا ما انا بقارئ پس اس نے مجھے پکڑ کر تیسری بار بھینچا یہاں تک کہ وہ مجھ سے غایت وسع اور طاقت کو پہنچا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝	پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَ	کیا۔ پیدا کیا آدمی کو لہو کی پھٹکی سے۔
رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝	پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝	سکھایا قلم سے۔ سکھایا آدمی کو جو کچھ
	نہ جانتا تھا۔

یہ سبق پڑھ کر آپ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے سارا قصہ بیان کیا وہ آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو عیسائی اور تورات و انجیل کا ماہر تھا۔ اس نے یہ ماجرا سنکر کہا کہ یہ وہی ناموس و فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ پر اترا تھا۔[1]

---

[1] تفصیل کے لئے صحیح بخاری کتاب التفسیر دیکھو۔

اس کے بعد کچھ مدت تک وحی بند رہی تاکہ آپ کا شوق وانتظار زیادہ ہو جائے پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں:-

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝	اے لحاف میں لپٹے اٹھ کھڑا ہو۔ پس ڈر
وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝	سنا اور اپنے رب کی بڑائی کر اور اپنے کپڑے
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝	پاک رکھ۔ اور پلیدی کو چھوڑ دے۔

آغازِ دعوت

قُمْ فَأَنذِرْ سے آپ پر انذار اور دعوت الی اللہ فرض ہو چکی تھی۔ مگر اعلانِ دعوت کا حکم نہ آیا تھا۔ اس لئے آپ نے پہلے خفیہ طور سے ان لوگوں کو دعوت اسلام دی جن پر آپ کو اعتماد تھا اور جو آپ کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ اس دعوت پر کئی مرد و زن ایمان لائے۔ چنانچہ مردوں میں سب سے پہلے جو آپ پر ایمان لائے وہ حضرت ابو بکر صدیق ہیں۔ لڑکوں میں سب سے پہلے ایمان لانیوالے حضرت علی المرتضیٰؓ ہیں۔ اور عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ۔ آزاد کئے ہوئے غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ۔ اور غلاموں میں حضرت بلال ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایمان لاتے ہی دعوت اسلام شروع کر دی۔ عشرہ مبشرہ میں سے پانچ یعنی حضرات عثمان غنی۔ سعد بن ابی وقاص طلحہ بن عبید اللہ۔ عبد الرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام آپ ہی کی ترغیب سے مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے بعد حضرات سعید بن زید۔ ابو ذر غفاری۔ ارقم بن ابی ارقم۔ عبد اللہ بن مسعود۔ عثمان بن مظعون۔ ابو عبیدہ بن الجراح۔ عبیدہ بن حارث۔ حصین والد عمران بن حصین۔ عمار بن یاسر۔ خباب بن الارت۔ خالد بن سعید بن العاص اور صہیب رومی وغیرہم سابقینِ اولین کے زمرہ میں شامل

ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور عورتوں میں فاطمہ بنت خطاب ہمشیرہ عمر فاروق اسمار بنت ابی بکر۔ اسمار بنت سلامہ تمیمیہ۔ اسمار بنت عمیس خثعمیہ۔ فاطمہ بنت المجلل قرشیہ عامریہ۔ فکیہہ بنت یسار۔ رملہ بنت ابی عوف اور امینہ بنت خلف خزاعیہ۔ سابقات الی الاسلام میں سے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ لیکن یہ سب کچھ جو ہوا پوشیدہ طور پر ہوا۔ نماز بھی شعاب مکہ میں چھپ کر پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور کچھ اصحاب مکہ کے کسی شعب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین نے دیکھ کر اس فعل کو برا کہا۔ پس باہم لڑائی ہو گئی۔ حضرت سعد نے اونٹ کے تالو کی ہڈی ان نابکاروں میں سے ایک پر ماری اور سر توڑ ڈالا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب دارِ ارقم میں جو کوہِ صفا کے نشیب میں تھا رہتے اور وہیں نماز پڑھتے۔

تبلیغ علی الاعلان

خفیہ دعوت کو جب تین سال ہو چکے تو اعلان کا حکم اس طرح آیا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (سورۂ حجر)

پس تو کھول کر بیان کر دے جو تجھے حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں سے کنارہ کر۔

نیز حکم آیا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ (شعرا)

اور ڈرا اپنے نزدیک کے ناطے والوں کو

اسؑ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر قبیلہ قریش کے بطون کو یوں پکارا۔ یا بنی فہر یا بنی عدی۔ یہاں تک کہ وہ جمع ہو گئے۔ جو خود نہ آسکتا تھا۔

ؑ صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ شعرا۔

وہ اپنی طرف سے کسی اور کو بھیجتا تاکہ دیکھے کہ یہ پکار کیسی ہے۔ پس ابولہب اور قریش آ گئے۔ آپ نے فرمایا "بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ وادیٔ مکہ سے ایک سواروں کا لشکر تم پر تاخت و تاراج کرنا چاہتا ہے۔ تو کیا تمہیں یقین آ جائے گا؟" وہ بولے "ہاں۔ کیونکہ ہم نے تم کو سچ ہی بولتے دیکھا ہے۔" آپ نے فرمایا "تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔" اس پر ابولہب بولا "تجھ پر آئندہ ہمیشہ ہلاک و زیاں ہو۔ کیا اس کے لئے تو نے ہم کو جمع کیا ہے؟" تب یہ آیتیں نازل ہوئیں:۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى	ہلاک ہوجیو ہاتھ ابولہب کے اور ہلاک ہو
عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝	وہ۔ کام نہ آیا اس کو مال اسکا اور نہ جو کچھ کمایا

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو سردارانِ قریش عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ بن عبد شمس، ابوسفیان، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل سہمی اور اسود بن مطلب وغیرہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تیرا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتاتا ہے اور ہمیں احمق ٹھہراتا ہے۔ تم اس کو منع کردو۔ یا بیچ میں سے ہٹ جاؤ۔ ہم اس سے سمجھ لیں گے۔ ابوطالب نے انہیں نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ آپ نے تبلیغ کو جاری رکھا۔ مگر قریش بجائے روبراہ ہونے کے آپ سے حقد و عداوت زیادہ کرنے لگے۔ اور ایک دوسرے کو آپ سے لڑنے پر اُبھارنے لگے۔ وہ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے "ابوطالب! بے شک ہم میں تیری قدر و منزلت ہے ہم نے تم سے کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو منع کردو۔ مگر تم نے

ایسا نہیں کیا۔ خدا کی قسم! ہم اپنے معبودوں اور آباؤاجداد کی توہین گوارا نہیں کر سکتے۔ تم اسکو روک دو، ورنہ وہ اور تم میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے"

وہ یہ کہہ کر چلے گئے۔ ابوطالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا کر کہا "اے میرے بھتیجے! تیری قوم نے میرے پاس آکر ایسا ایسا کہا ہے۔ تُو اپنے آپ پر اور مجھ پر رحم کر۔ اور مجھے امر مالا یطاق کی تکلیف نہ دے" یہ سن کر حضور نے بدیں خیال کہ اب میرے چچا نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور میری مدد سے عاجز آگیا ہے یوں فرمایا "اے میرے چچا! اللہ کی قسم اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تاکہ میں اس کام کو چھوڑ دوں۔ تب بھی میں اس کو نہ چھوڑونگا۔ یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کر دے یا میں خود اس میں ہلاک ہو جاؤں"[1]

دست از طلب ندارم تا کامِ من بر آید

یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

پھر آپ آبدیدہ ہوئے اور رو پڑے۔ آپ واپس ہوئے تو ابوطالب نے بلا کر کہا۔ "اے میرے بھتیجے! جو کچھ آپ چاہیں کہیں میں کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا" جب قریش نے دیکھا کہ ابوطالب اس طرح نہیں مانتا۔ تو عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ساتھ لیکر اس کے پاس آئے، کہنے لگے۔ اے ابوطالب! یہ عمارہ قریش میں نہایت قوی اور خوبصورت نوجوان ہے۔ ہم یہ تجھے دیتے ہیں۔ تو اس کو اپنا بیٹا بنالے۔ اور اسکے عوض میں اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دے۔ ابوطالب نے کہا "اللہ کی قسم تم مجھے بڑی تکلیف دیتے ہو۔ کیا تم مجھے اپنا بیٹا دیتے ہو کہ میں اسے تمہارے واسطے

---

[1] سیرت ابن ہشام۔

پالوں اور اپنا بیٹا تمہیں دوں کہ اسے قتل کر ڈالو! اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا۔" یہ سن کر قریش اور بھی برافروختہ ہو گئے۔ وہ ایک روز ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے۔ ولید مذکور فصاحت و بلاغت میں ان کا سردار تھا۔ ایام حج قریب تھے ولید و قریش میں یوں گفتگو ہوئی:۔

ولید۔ اے گروہ قریش! حج کا موسم آگیا ہے۔ عرب کے قبائل تمہارے پاس آئینگے جنہوں نے تمہارے صاحب کا حال سن لیا ہے۔ اس کے بارے میں ایک رائے پر اتفاق کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم ایک دوسرے کی تکذیب کرو۔

قریش۔ آپ ہی ایک رائے قائم کر دیں۔ ہم اسے تسلیم کر لیں گے۔

ولید۔ نہیں، تم ہی کہو مَیں سنتا ہوں۔

قریش۔ ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہے۔

ولید۔ اللہ کی قسم وہ کاہن نہیں۔ ہم نے کاہن دیکھے ہوئے ہیں۔ اس کا کلام نہ کاہن کا زمزمہ ہے نہ سجع۔

قریش۔ ہم کہیں گے کہ وہ دیوانہ ہے۔

ولید۔ وہ دیوانہ نہیں۔ ہم نے دیوانگی دیکھی ہوئی ہے۔ وہ دیوانہ کا غیظ و غضب نہیں نہ دیوانہ کا خلجان و وسوسہ ہے۔

قریش۔ ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔

ولید۔ وہ شاعر نہیں۔ ہمیں تمام اقسام شعر رجز، ہزج، قریض، مقبوض اور مبسوط معلوم ہیں۔ اس کا کلام شعر نہیں۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔

قریش - ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے۔

ولید - وہ جادوگر نہیں - ہم نے جادوگر اور ان کے جادو دیکھے ہوئے ہیں - یہ جادوگروں کا پھونک مارنا نہیں - اور نہ ان کا رسیوں یا بالوں کو گرہ دینا ہے۔

قریش - ابو عبد شمس! پھر تم بتاؤ ہم کیا کہیں؟

ولید - اللہ کی قسم، اس کے کلام میں بڑی حلاوت ہے - اس کلام کی اصل مضبوط جڑ والا درخت خرما ہے اور اس کی فرع پھل ہے - ان باتوں میں سے جو بات تم کہو گے - وہ ضرور پہچان لی جائے گی کہ جھوٹ ہے - اس کے بارے میں صحت سے قریب تر قول یہ ہے کہ تم کہو - وہ جادوگر ہے - اور ایسا کلام لایا ہے جو جادو ہے - اس کلام میں وہ باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، میاں بیوی میں اور خویش و اقارب میں جدائی ڈال دیتا ہے۔

ولید کا کلام سن کر وہ مجلس سے چلے گئے - جب موسم حج میں لوگ آنے لگے تو وہ ان کے راستوں میں بیٹھتے - جو کوئی ان کے پاس سے گزرتا وہ اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرا دیتے اور آپ کا حال بیان کر دیتے - اللہ تعالیٰ نے ولید کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں :-

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ۝ وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ۝ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ۝ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ۝ (مدثر ع)

چھوڑ دے مجھ کو اور اسکو جو میں نے بنایا اکیلا - اور دیا میں نے اسکو مال پھیلا کر اور بیٹے موجود (یعنی زندگی والے) اور تیاری کر دی اسکو خوب تیاری - اور پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور دوں - کوئی نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف

ان کے بعد کی اور کئی آیتیں ولید ہی کے بارے میں ہیں۔

اسی طرح ایک دن جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے سردار قوم عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس اور قریش میں یوں گفتگو ہوئی:۔

عتبہ۔ اے گروہ قریش! کیا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤں تاکہ اس سے کلام کروں اور چند باتیں اس کے آگے پیش کروں۔ شاید وہ ان میں سے ایک بات کو پسند کرے۔ پس ہم وہ کر دیں اور وہ ہم سے باز رہے۔

قریش۔ ہاں اے ابو الولید۔ آپ جائیے اور اس سے گفتگو کیجئے۔

عتبہ (حضرت سے مخاطب ہو کر) بھائی کے بیٹے! آپ کو معلوم ہے کہ خویش و اقارب میں آپ بزرگ و برگزیدہ اور نسب میں عالی رتبہ ہیں۔ آپ اپنی قوم میں ایک نیا مذہب لائے ہیں جس سے آپ نے ان کی جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ آپ نے ان کے داناؤں کو نادان بتایا۔ ان کے معبودوں اور ان کے دین کو برا کہا۔ اور ان کے گزشتہ آباء و اجداد کو کافر بتایا۔ سنئے میں چند باتیں پیش کرتا ہوں۔ شاید آپ ان میں سے ایک بات پسند فرمائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابو الولید! بیان کر میں سنتا ہوں۔

عتبہ۔ بھائی کے بیٹے! اس نئے مذہب سے آپ کا مقصود اگر مال ہے تو ہم آپ کے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ ہم سب سے زیادہ مالدار بن جائیں۔ اگر اس سے ہم پر شرف مقصود ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ آپ کے بغیر کوئی کام نہ کیا کرینگے۔ اگر آپ کو ملک مطلوب ہے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر ہم آپ سے اس جن کو نہ روک سکیں جو آپ کے پاس آتا ہے

سله سیرت ابن ہشام

تو آپ کا علاج کرائینگے۔ اور علاج میں اپنا خرچ کرینگے۔ یہاں تک کہ وہ جن بھاگ جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابو الولید! کیا تو کہہ چکا جو کہنا تھا؟

عتبہ۔ ہاں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ مجھ سے سن۔

عتبہ۔ سنائیے۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ حٰمٓ السجدہ کی آیات تا آیہ سجدہ تلاوت فرما کر سجدہ کیا اور عتبہ کھڑا سنتا رہا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابو الولید! تُو نے سنا؟

عتبہ۔ مَیں نے سن لیا۔ آپ جانیں اور آپ کا کام۔

قریش (عتبہ کو آتا دیکھ کر ایک دوسرے سے) اللہ کی قسم ابو الولید وہ چہرہ لے کر نہیں آیا جو لے کر گیا تھا۔ (عتبہ کو پاس بیٹھا دیکھ کر) ابو الولید! وہاں کا حال سنائیے۔

عتبہ۔ اللہ کی قسم مَیں نے ایسا کلام سنا کہ اس کی مثل کبھی نہیں سنا۔ اللہ کی قسم وہ شعر نہیں۔ نہ جادو ہے۔ نہ کہانت۔ اے گروہ قریش! میرا کہا مانو۔ اس شخص کو کرنے دو جو کرتا ہے۔ اور اس سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم مَیں نے جو کلام اس سے سنا ہے اس کی بڑی عظمت وشان ہو گی۔ اگر عرب اس کو مغلوب کر لیں تو تم غیر کے ذریعے اس سے بچ گئے۔ اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس کا ملک تمہارا ملک ہے۔ اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے تم اسکے

سبب سے خوش نصیب ہو جاؤ گے۔

قریش۔ ابوالولید! اللہ کی قسم اس نے اپنی زبان سے تجھے بھی جادو کر دیا۔

عتبہ۔ اس کی نسبت میری یہی رائے ہے۔ تم جو چاہو کرو۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلاد عرب میں دور دور پہنچ چکا تھا قریش روز بروز تشدد میں زیادتی کرتے جاتے تھے۔ انہوں نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ کمینے لوگوں کو آپ پر برانگیختہ کیا۔ آپ کی تکذیب کی۔ آپ پر استہزا کیا۔ آپ کو شاعر کہا۔ جادوگر بتایا۔ کاہن کہا۔ سڑی اور پاگل بتایا مگر آپ برابر تبلیغ فرماتے رہے۔

ایک روز آپ خانہ کعبہ کے نزدیک نماز پڑھ رہے تھے۔ حرم شریف میں اس وقت قریش کی ایک جماعت موجود تھی۔ عقبہ بن ابی معیط نے ابوجہل کی ترغیب سے ذبح کئے ہوئے اونٹوں کی اوجھ سجدے کی حالت میں آپ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی۔ یہ دیکھ کر وہ سب نابکار قہقہہ مار کر ہنسے۔ کسی نے آپ کی صاحبزادی بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر کر دی۔ وہ فوراً دوڑی آئیں اور آپ کی پشت مبارک سے وہ پلیدی دور کر دی اور ان کو برا بھلا کہا۔ یہ نابکار حرمات اللہ کی بے حرمتی بھی کیا کرتے تھے۔ اس لئے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو یوں بددعا فرمائی[1]۔ "یا اللہ! تو گروہ قریش کو پکڑ۔ یا اللہ! تو ابوجہل بن ہشام۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف کو پکڑ۔" اس حدیث کے راوی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سب کو بدر کے دن مقتول دیکھا

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب طرح جیف المشرکین فی البئر۔

اور امیہ کے سوا سب چاہ بدر میں پھینک دیئے گئے۔ امیہ موٹا تھا۔ جب اسے کھینچنے لگے تو چاہ میں ڈالنے سے پہلے ہی اس کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

اسی طرح شیاطینِ قریش ایک دن خانہ کعبہ میں جمع تھے۔ ابو جہل ایک بھاری پتھر اٹھا کر سجدے کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک کو کچلنے کیلئے آگے بڑھا۔ جب وہ نزدیک پہنچا تو وہ خوف زدہ اور رنگ بدلا ہوا پیچھے بھاگا۔ اور پتھر ہاتھ سے نہ پھینک سکا۔ قریش نے پوچھا۔ ابو الحکم! تجھے کیا ہوا؟ بولا جب میں نزدیک گیا تو مَیں نے اس کے ورے ایک اونٹ دیکھا۔ اللہ کی قسم مَیں نے اس کا وہ سر اور گردن اور دانت دیکھے کہ کبھی کسی اونٹ کے دیکھنے میں نہیں آئے۔ وہ اونٹ مجھے کھانے لگا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] "وہ جبرئیل تھے۔ اگر ابو جہل اور نزدیک آتا تو اسے پکڑ لیتے"۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ نابکار کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن مبارک میں چادر ڈال لی۔ پھر اسے کھینچا یہاں تک کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے آئے اور فرمانے لگے[2] "کیا تم ایک شخص کو اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے"۔ یہ سن کر وہ ہٹ گئے۔

یہ اذیتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک محدود نہ تھیں۔ بلکہ آپ کے اصحاب بھی طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا تھے۔ وہ غریب مسلمان جن کا مکہ میں کوئی

---

[1] سیرت ابن ہشام
[2] صحیح بخاری۔ مناقب ابو بکرؓ

قبیلہ اور یار و یاور نہ تھا۔ خصوصیت سے قریش کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ اذیتیں مختلف انواع کی تھیں۔ مثلاً آگ پر لٹا دینا۔ تپتی ریت پر لٹا کر بھاری پتھر سینہ پر رکھ دینا تا کہ کروٹ نہ لے سکے۔ چابک سے اس قدر مارنا کہ ٹوٹ جائے۔ چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دینا۔ جکڑ کر کوٹھڑی میں بند کر دینا۔ پاؤں میں رسی باندھ کر تپتی ریت پر گھسیٹنا۔ گلا اس قدر گھونٹنا کہ دم نکل جانے کا گمان ہو جائے۔ زدوکوب سے بیہوش و مختل الحواس کر دینا۔ نیزہ مار کر ہلاک کر دینا وغیرہ۔

۵ سنہ نبوت

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمانوں کا مکہ میں رہنا مشکل ہو گیا ہے تو آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ ملک حبشہ کا بادشاہ اپنے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ تم میں سے جو چاہیں وہاں چلے جائیں۔ چنانچہ اس سال ماہ رجب میں اول اول گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ جن میں حضرت عثمان غنی رضؓ اور ان کی زوجہ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھیں۔ حسن اتفاق سے جب یہ بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی جہاز حبشہ کو جا رہے تھے۔ جہاز والوں نے ان کو سستے کرایہ پر بٹھا لیا۔ قریش کو خبر لگی تو انہوں نے بندرگاہ تک تعاقب کیا۔ مگر موقع نکل چکا تھا۔

مہاجرین قریباً تین ماہ حبشہ میں امن و امان سے رہے۔ ماہ شوال میں ان کو یہ غلط خبر پہنچی کہ اہل مکہ ایمان لے آئے ہیں۔ اس لئے ان میں سے اکثر مکہ میں واپس آ گئے۔

۶ سنہ نبوت

اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا امیر حمزہ ایمان لائے۔ اور ان کے تین

دن بعد حضرت عمر فاروق بھی مشرف باسلام ہوئے جو لوگ حبشہ سے واپس آئے تھے قریش نے ان کو اور دوسرے مسلمانوں کو زیادہ ستانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ اس دفعہ ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت سے ہجرت کر کے حبشہ چلی گئیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو مہاجرین حبشہ میں سے کچھ لوگ فوراً واپس آ گئے۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب وغیرہ جو وہاں رہ گئے تھے وہ فتح خیبر کے وقت مدینہ میں واپس آئے۔ جب حضرت جعفرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے ان سے معانقہ کیا۔ اور پیشانی کو بوسہ دے کر فرمایا[1] "میں نہیں بتا سکتا کہ فتح خیبر سے مجھے زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آنے سے"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بارادہ ہجرت حبشہ کی طرف نکلے تھے۔ برک الغماد تک جو مکہ سے یمن کی طرف پانچ دن کی راہ ہے پہنچے تھے کہ قبیلہ قارہ کا سردار ابن الدغنہ ملا۔ اُس نے پوچھا، کہاں جا رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ میری قوم نے مجھے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ سا فیاض و مہمان نواز اپنوں سے نیک سلوک کرنے والا۔ غریب پرور اور حوادث حق میں لوگوں کا مددگار مکہ سے نکل جاتے یا نکالا جائے۔ میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ اس لئے آپ ابن الدغنہ کے ساتھ مکہ میں واپس آ گئے[2]۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف بحوالہ شرح السنہ باب المصافحۃ والمعانقہ۔ [2] تفصیل کیلئے دیکھو صحیح بخاری باب ہجرت مدینہ

جب قریش کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے مشورہ کرکے ایک سفارت بسر کردگی عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ (یا عمارہ بن ولید) نجاشی کی خدمت میں مع تحائف بھیجی۔ سفراء وہاں پہنچ کر پہلے بادشاہ کے بطارقہ سے ملے۔ اور نذریں پیش کرکے کہا کہ ہم میں چند نادان لونڈوں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت و بت پرستی دونوں سے جدا ہے۔ وہ بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہو گئے ہیں ہمیں اشراف قریش نے آپ کے بادشاہ کے پاس بھیجا ہے کہ ان کو واپس کردے۔ درخواست پیش ہونے پر آپ ہماری تائید کردیں۔ چنانچہ سفراء نے نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوکر تحائف پیش کئے۔ اور سارا قصہ بیان کیا۔ بادشاہ نے مہاجرین کو طلب کیا۔ بطارقہ نے کہا "حضور! یہ لوگ ان کے حال سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ ان کے حوالہ کردیں"۔ بادشاہ نے کہا "نہیں پہلے ہم ان سے دریافت کرلیں"۔ چنانچہ جب مہاجرین دربار میں حاضر ہوئے تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے ان کی طرف سے اس طرح تقریر شروع کی[1]۔

شاہا! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ اپنوں سے دشمنی رکھتے تھے۔ پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے۔ قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ ہم اس حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول ہماری طرف بھیجا۔ جس کے نسب اور صدق و امانت اور پرہیزگاری سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہم کو یہ دعوت دی کہ ہم خدا کو ایک جانیں۔ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں

---

[1] سیرت ابن ہشام

بتوں کی پوجا جو ہم اور ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے چھوڑ دیں۔ سچ بولا کریں۔ امانت ادا کریں۔ اپنوں سے محبت و سلوک رکھیں۔ ہمسایوں سے نیک سلوک کریں۔ محارم اور خونریزی سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ عفیف عورتوں پر تہمت نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں۔ صدقہ دیں۔ روزے رکھیں۔ پس ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ شرک و بت پرستی چھوڑ دی۔ حرام کو حرام اور حلال کو حلال جاننے لگے۔ اس جرم پر ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی۔ اور اذیت دے کر مجبور کرنے لگی کہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر پھر بتوں کو پوجنے لگ جائیں۔ اور خبائث کو بدستور سابق حلال سمجھیں۔ جب انہوں نے ہم پر قہر و ظلم کیا اور ہمارے فرائض مذہبی کی بجا آوری میں سدّ راہ ہو گئے۔ تو ہم آپ کے ملک میں آپ کی پناہ میں آ گئے ہمیں امید ہے کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہ ہو گا۔"

یہ تقریر سن کر نجاشی نے کہا کہ تمہارے پیغمبر پر جو کلام اترا ہے اس میں سے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں پڑھیں۔ نجاشی سن کر اتنا رویا کہ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اور اس کے اساقفہ بھی روئے۔ پھر نجاشی نے کہا۔ "یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں" اس کے بعد سفیروں سے کہا کہ تم واپس چلے جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں ان کو تمہارے حوالہ نہ کرونگا۔

دوسرے دن عمرو بن العاص نے حاضر دربار ہو کر عرض کیا۔ "حضور! یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی نسبت بُرا عقیدہ رکھتے ہیں۔" نجاشی نے مسلمانوں کو طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا کہ "تم حضرت عیسیٰ کی نسبت کیا عقیدہ رکھتے ہو؟" حضرت جعفرؓ نے کہا ہم اعتقاد رکھتے ہیں جیسا کہ ہمارے پیغمبر نے فرمایا ہے کہ عیسیٰ خدا کے بندے

اور پیغمبر اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا لیا اور کہا۔ "واللہ! جو تم نے کہا حضرت عیسیٰ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔"[1] جب نجاشی کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تو بطارقہ حاضرین کے نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی۔ مگر نجاشی نے پروانہ کی۔ اور سفارت بالکل ناکام واپس آگئی۔

۷ ؁ نبوت

قریش نے جب دیکھا کہ باوجود تشدد و مزاحمت کے اسلام قبائل عرب میں پھیل رہا ہے۔ حضرت حمزہؓ و عمرؓ جیسے لوگ ایمان لا چکے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے اور سفارت بھی بے نیل و مرام واپس آگئی ہے تو انہوں نے بالاتفاق یہ قرار[2] دیا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو علانیہ قتل کر دیا جائے۔ ابوطالب کو یہ خبر پہنچی تو اس نے بنی ہاشم و بنی مطلب کو جمع کر کے کہا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بغرض حفاظت اپنے شعب (درہ) میں لے چلو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب قریش کو معلوم ہوا کہ ہاشم و مطلب کی اولاد نے (سوائے ابولہب کے) بلا امتیاز مذہب حضرت کو اس طرح اپنی پناہ میں لے لیا ہے تو انہوں نے مقام محصب میں جو کہ مکہ و منیٰ کے درمیان ہے آپس میں یہ عہد کیا کہ ہاشم و مطلب کی اولاد سے مناکحت اور لین دین سب موقوف کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ تنگ آ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لئے ہمارے حوالہ کر دیں[2]۔ اور تاکید مزید کے لئے یہ معاہدہ تحریر کر کے کعبۃ اللہ کی چھت میں لٹکا دیا۔ کفار قریش نے نہایت سختی سے اس معاہدہ پر عمل کیا۔ باہر سے جو غلہ مکہ میں آتا وہ خود ہی خرید لیتے اور مسلمانوں تک نہ پہنچنے دیتے۔ اگر ان میں سے

---

[1] خصائص کبریٰ للسیوطی بحوالہ بیہقی و ابونعیم [2] صحیح بخاری۔ باب نزول النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ۔

کوئی بطور صلہ رحم اپنے کسی مسلمان رشتہ دار کو اناج بھیجتا تو اس کے بھی سد راہ ہوتے۔ غرض بنو ہاشم شعب ابی طالب میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ ابو طالب کا یہ معمول تھا کہ جب لوگ سو جاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بغرض حفاظت آپ کے بستر سے اٹھاتا تاکہ دوسرے بستر پر جا لیٹیں اور آپ کے بستر پر اپنے کسی بیٹے یا بھائی کو لٹاتا۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابو طالب آپ کی مراعات و مدد کیا کرتا تھا۔ اور آپ کے لئے ناراض ہوا کرتا تھا۔ کیا یہ عمل اس کو فائدہ دے گا؟ آپ نے فرمایا:۔

نعم وجدتہ فی غمرات من النار	ہاں میں نے اسے سرتاپا بڑی آگ میں پایا۔
فاخرجتہ الی ضحضاح	پس اسکو نکال کر تھوڑی آگ میں کر دیا جو اس کے ٹخنوں تک پہنچتی ہے۔

یہ تو عذاب قبر میں تخفیف ہے قیامت کو بھی اس کی یہی حالت ہو گی۔ چنانچہ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ابو طالب کا ذکر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لعلہ تنفعہ شفاعتی یوم القیمۃ	مجھے امید ہے قیامت کو میری شفاعت
فیجعل فی ضحضاح من النار	اسے فائدہ دیگی۔ پس اسکو تھوڑی آگ
یبلغ کعبیہ یغلی منہ دماغہ	میں کر دیا جائے گا جو اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے اسکا دماغ جوش کھائے گا۔

بعض علماء نے خلاف احادیث صحاح ابو طالب کا ایمان ثابت کرنے کی کوشش

کی ہے۔ واللہ اعلم عند اللہ۔

جب تین سال اسی حالت میں گذر گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ اس معاہدے کو دیمک اس طرح چاٹ گئی ہے کہ اللہ کے نام کے سوا اس میں کچھ باقی نہیں رہا۔ آپ نے یہ خبر ابو طالب کو دی۔ اس نے کفار قریش کو جا کر کہا۔ "اے گروہ قریش! میرے بھتیجے نے مجھ کو اس طرح خبر دی ہے۔ تم اپنا معاہدہ لاؤ۔ اگر یہ خبر صحیح نکلی تو تم قطعِ رحم سے باز آؤ۔ اور اگر غلط نکلی تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کر دونگا۔" وہ اس پر راضی ہو گئے۔ جب معاہدہ دیکھا گیا تو ویسا ہی پایا گیا جیسا کہ خبر دی گئی تھی۔ اسی وقت پانچ اشخاص (ہشام بن عمرو۔ زہیر بن ابی امیہ مخزومی۔ معطم بن عدی۔ ابو البختری۔ زمعہ بن الاسود) کچھ قیل و قال کے بعد اس معاہدے کو چاک کرنے پر متفق ہو گئے۔ اور آخر کار ابو البختری نے لے کر پھاڑ ڈالا۔ باقی سب بجائے رو براہ ہونے کے مزید ایذا کے درپے ہو گئے۔

سنہ ۱۰ نبوت

اس سال ماہ رمضان میں ابو طالب نے وفات پائی۔ اور اس کے تین روز بعد خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی انتقال فرما گئیں۔ اب کفار قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی پر اور دلیر ہو گئے۔ ایک روز ایک نابکار نے راہ میں آپ کے سر مبارک پر خاک ڈال دی۔ آپ اسی حالت میں گھر تشریف لے گئے۔ آپ کی صاحبزادی نے دیکھا۔ تو پانی لے کر سر مبارک کو دھونے لگیں۔ اور روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ "جان پدر! اللہ تعالیٰ تیرے باپ کو بچائے گا۔[۱]

---

[۱] سیرت ابن ہشام۔

آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ آکر اس خیال سے کہ اگر ثقیف ایمان لے آئے تو قریش کے برخلاف میری مدد کرینگے، طائف کا قصد کیا۔ زید بن حارثہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر اشراف ثقیف یعنی عبدیالیل اور اس کے بھائی مسعود حبیب کو دعوت اسلام دی۔ مگر انہوں نے آپ کی دعوت کا بری طرح جواب[1] دیا۔ ایک بولا "اگر تجھے خدا نے پیغمبر بنایا ہے تو وہ کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے" دوسرے نے کہا "کیا خدا کو پیغمبری کے لئے تیرے سوا کوئی اور نہ ملا؟" تیسرے نے کہا "میں ہرگز تجھ سے کلام نہیں کر سکتا۔ اگر تو پیغمبری کے دعویٰ میں سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ اور اگر جھوٹا ہے تو قابلِ خطاب نہیں" جب آپ مایوس ہو کر واپس ہوئے تو انہوں نے کمینے لوگوں اور غلاموں کو آپ پر ابھارا۔ جو آپ کو گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے تھے۔ اتنے میں لوگ جمع ہو گئے۔ وہ آپ کے راستہ میں دو رویہ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب آپ درمیان سے گذرے تو قدم اٹھاتے وقت آپ کے پاؤں پر پتھر برسانے لگے۔ یہاں تک کہ نعلینِ مبارک خون سے بھر گئے۔ جب آپ کو پتھروں کا صدمہ پہنچتا تو بیٹھ جاتے۔ مگر وہ بازو تھام کر کھڑا کر دیتے۔ جب پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے اور ساتھ ساتھ ہنستے جاتے۔ اس طرح انہوں نے عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ کے باغ تک آپ کا تعاقب کیا۔ آپ نے باغ میں ایک انگور کی شاخ کے سایہ میں پناہ لی۔ عتبہ اور شیبہ اگرچہ آپ کے سخت دشمن تھے۔ مگر آپ کی اس حالت پر ان کو بھی رحم آگیا۔ انہوں نے اپنے نصرانی غلام عداس سے کہا کہ انگور کا ایک خوشہ تھال میں رکھ کر ان کے پاس لے جا اور کہہ دے کہ کھا لیں۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کر کھایا۔ عداس متعجب ہو کر کہنے لگا کہ ان شہروں کے لوگ ایسا نہیں کہتے۔ آپ نے

---

[1] سیرت ابن ہشام

پُوچھا۔ تو کہاں سے ہے؟ اس نے کہا نینوے سے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ نیک بندے یونس بن متّے کا شہر ہے۔ پھر اس نے آپ سے یونس کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ وہ بھی میری طرح پیغمبر تھے۔ یہ سُن کر وہ آپ کے ہاتھ پاؤں چُومنے لگا اور اسلام لایا۔

اسی سفر میں مقام نخلہ میں جو مکہ مشرفہ سے ایک رات کا راستہ ہے شہر نصیبین[1] کے جن حاضر ہوئے۔ آپ رات کو نماز میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ وہ سن کر ایمان لائے۔ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ الآیہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ نخلہ میں چند روز قیام رہا۔ وہاں سے آپ حرا میں تشریف لائے۔ اور مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ کیا تم مجھے اپنی پناہ و امان میں لے سکتے ہو؟ مطعم نے قبول کیا۔ آپ رات کو مطعم کے ہاں رہے۔ جب صبح ہوئی تو مطعم اور اس کے بیٹوں نے ہتھیار لگائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ طواف کیجئے۔ اور خود تلواریں لگائے ہوئے مطاف میں موجود رہے۔ جب حضرت طواف سے فارغ ہوئے تو اسی ہیئت میں آپ کے دولت خانہ تک آپ کے ساتھ آئے۔

اس سفر طائف کے مدتوں بعد ایک روز عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن آیا ہے جو اُحد کے دن سے سخت ہو۔ فرمایا بیشک میں نے تیری قوم سے دیکھا جو دیکھا۔ اور جو مَیں نے ان سے دیکھا اس میں سب سے سخت عقبہ کا دن تھا۔ جب کہ مَیں نے اپنے آپ کو عبد یالیل بن کلال پر پیش کیا۔ اس نے دعوت اسلام کو قبول نہ کیا۔ پس مَیں غم کی حالت میں گردن جھکائے چلا۔ مجھے ہوش نہ آیا مگر قرن الثعالب میں۔ سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادل نے مجھے سایہ کیا

---

[1] یہ مقام موصل سے چھ دن کا راستہ ہے۔ اور موصل سے شام کو قافلہ کا راستہ ہے اس پر واقع ہے۔

ہوا ہے۔ مَیں نے نظر اٹھائی تو اس بادل میں حضرت جبرئیل دکھائی دیئے۔ حضرت جبرئیل نے مجھے آواز دی اور کہا بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول سُن لیا ہے۔ اور انہوں نے جو آپ کو جواب دیا وہ بھی سن لیا ہے۔ آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا گیا ہے۔ تاکہ آپ اسے حکم دیں جو کچھ آپ اپنی قوم میں چاہتے ہیں۔ حضور کا بیان ہے کہ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی اور سلام کے بعد کہا اے محمدؐ! بیشک اللہ نے آپ کی قوم کا قول سن لیا ہے۔ مَیں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ مجھ کو آپ کے رب نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مَیں اخشبینؐ کو ان پر الٹ دوں۔ (تو الٹ دیتا ہوں) آپ نے جواب دیا "نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے بندے پیدا کریگا جو صرف اللہ کی عبادت کرینگے اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔"[۲]

۱۱ تا ۱۳ سنہ نبوت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ ہر سال موسم حج میں تمام قبائل عرب کو جو مکہ اور نواح مکہ میں موجود ہوتے دعوتِ اسلام دیا کرتے تھے۔ اسی غرض سے ان کے میلوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے۔ ان میلوں میں سے عکاظ و مجنہ و ذو المجاز کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ عکاظ جو ان سب سے بڑا تھا نخلہ و طائف کے درمیان طائف سے دس میل کے فاصلہ پر لگا کرتا تھا۔ یہ عرب کی تجارت کی بڑی منڈی اور شعراء کا دنگل تھا۔ ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے بیس تک رہا کرتا تھا۔ پھر مجنہ جو مرالظہران کے متصل

---

[۱] اخشبین دو پہاڑ ہیں جن کے درمیان مکہ مشرفہ واقع ہے انکے نام یہ ہیں۔ ابو قبیس اور قیقعان۔
[۲] صحیح بخاری و صحیح مسلم

مکہ سے چند میل پر تھا۔ اخیر ذلقیعدہ تک لگتا۔ اور ذوالمجاز جو عرفہ کے متصل تھا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے آٹھویں تک قائم رہتا۔ بعد ازاں لوگ حج کو نکلتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ڈیروں پر جاکر تبلیغ فرماتے۔ مگر کوئی آپ کی نصرت کا دم نہ بھرتا تھا۔ عرب کے قبائل جن کے پاس حضرت بغرض تبلیغ تشریف لے گئے یہ ہیں۔ بنو عامر محارب، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نضر، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ۔ ان سب کو آپ نے دعوت اسلام دی۔ مگر کوئی ایمان نہ لایا۔ ابولہب لعین ہر جگہ ساتھ جاتا۔ جب آپ کہیں تقریر فرماتے تو وہ برابر سے کہتا "اس کا کہنا نہ مانیو۔ یہ بڑا دروغ گو دین سے پھرا ہوا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے دین اور اپنے رسول کا اعزاز منظور تھا۔ اس لئے نبوت کے گیارھویں سال ماہ رجب میں جب آپ نے حسب عادت منیٰ میں عقبہ کے نزدیک جہاں اب مسجد عقبہ ہے قبیلہ خزرج کے چھ آدمیوں کو اسلام کی دعوت دی تو وہ ایمان لے آئے۔

واضح رہے کہ مدینہ کا اصلی نام یثرب تھا۔ بہت قدیم زمانہ میں یہاں قوم عمالقہ کے لوگ آباد تھے۔ ان کے بعد شام سے یہود آ بسے۔ اور انہوں نے یثرب اور اس کے نواح میں اپنی سکونت کے لئے آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے۔ جب مارب واقع یمن میں سیل عرم آیا تو وہاں کے لوگ یمن سے نکل کر مختلف جگہوں میں چلے گئے۔ چنانچہ قبیلہ ازد بن غوث قحطانی کے دو بھائی اوس و خزرج یثرب میں آ بسے۔ تمام انصار ان ہی دو کے خاندان سے ہیں۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔ یہود کا چونکہ بڑا اقتدار و زور تھا اس لئے قبیلہ اوس و خزرج آخر کار ان کے حلیف بن گئے۔ یہود اہل کتاب اور صاحب علم تھے۔ اوس و خزرج نے جو بت پرست تھے ان سے سنا ہوا تھا کہ ایک اور پیغمبر عنقریب مبعوث

ہونے والا ہے۔ اس لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول دعوتِ اسلام دی تو خزرج کے چھ اشخاص نے آپ کے حالات پر غور کر کے ایک دوسرے سے کہا کہ "واللہ! یہ تو وہی ہیں جن کا ذکر ہم نے یہود مدینہ سے سنا ہوا ہے۔ کہیں یہود ہم سے سبقت نہ لے جائیں"۔ اس لئے وہ سب آپ پر ایمان لائے۔ انہوں نے مدینہ میں پہنچ کر اپنے بھائی بندوں کو اسلام کی دعوت دی۔ آیندہ سال بارہ مرد ایام حج میں مکہ میں آئے اور انہوں نے عقبہ کے متصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر عورتوں کی طرح بیعت کی۔ کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ چوری نہ کرینگے۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ زنا نہ کریں گے۔ بہتان نہ لگائیں گے۔ کسی امر معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کرینگے۔ چونکہ عورتوں سے ان ہی باتوں پر بیعت ہوئی تھی اس لئے بیعت مذکورہ کو عورتوں کی سی بیعت کہا گیا۔ اسکو بیعت عقبہ اولیٰ یعنی عقبہ میں اول مرتبہ بیعت بولتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بارہ کے ساتھ مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف کو بدیں غرض بھیجا کہ ان کو تعلیم اسلام دیں۔ حضرت مصعب نے سعد بن زرارہ کے مکان پر قیام کیا۔ پھر ان کو ساتھ لے کر بنی عبد الاشہل اوسی میں آئے۔ اس قبیلہ کے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر آپ کے سمجھانے سے ایمان لائے اور ان کے ایمان لانے سے سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ بقول مشہور اسی سال ماہ رجب کی ستائیسویں رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ بیداری میں جسد شریف کے ساتھ معراج شریف ہوا اور پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

نبوت کے تیرھویں سال ایام حج میں انصار کے ساتھ ان کی قوم کے بہت سے مشرک بھی بغرضِ حج مکہ میں آئے۔ جب حج سے فارغ ہوئے تو ان میں سے تہتر مرد اور

دو عورتیں اپنی قوم سے چھپ کر ایام تشریق میں رات کے وقت عقبہ منیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت عباس بن عبد المطلب جو اب تک اسلام نہ لائے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ سب سے پہلے وہی بولے "اے گروہ خزرج! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم میں معزز ہیں۔ اور اپنے شہر میں مددگاروں کی ایک جماعت ساتھ رکھتے ہیں۔ ہم نے ان کو دشمنوں سے بچایا ہے۔ اگر تم اپنے عہد کو پورا کر سکو اور ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر۔ ورنہ ابھی سے ان کا ساتھ چھوڑ دو۔" اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوتِ اسلام دی اور فرمایا کہ مَیں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم مجھ سے وہ چیز باز رکھو گے جو اپنے اہل و عیال سے باز رکھتے ہو۔ یہ سُن کر سب سے پہلے برا بن معرور انصاری خزرجی نے آپ کا دست مبارک پکڑ کر کہا "ہمیں منظور ہے۔ یا رسول اللہ ہمیں بیعت کر لیجئے۔ واللہ ہم اہل حرب و اہلِ سلاح ہیں۔ یہی چیزیں باپ دادا سے ہمیں ورثہ میں ملی ہیں۔" ابو الہیثم بن تیہان انصاری اوسی نے قطع کلام کر کے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! یہود سے ہمارے تعلقات ہیں جو بیعت سے ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب اللہ آپ کو غلبہ دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں چلے جائیں۔" آپ نے مسکرا کر فرمایا "نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے۔ میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے۔ مَیں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ تمہارا دشمن میرا دشمن اور تمہارا دوست میرا دوست ہے۔" اس طرح جب وہ بیعت کے لئے آمادہ ہو گئے تو عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری خزرجی نے ان سے کہا۔ "یہ بھی خبر ہے تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ عرب و عجم سے جنگ پر بیعت ہے۔ اگر تمہارا خیال ہے

کہ جب تمہارے مال تاراج ہوں اور تمہارے اشراف قتل ہوں۔ تم ان کا ساتھ چھوڑ دو گے۔ تو ابھی سے چھوڑ دو۔ اور اگر ایسی مصیبت پر بھی ساتھ دے سکو تو بیعت کرلو"

سب بولے ہم اسی بات پر بیعت کرتے ہیں۔ مگر یا رسول اللہ! اگر ہم اس عہد پر ثابت رہیں تو ہمیں کیا ملے گا؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بہشت۔ یہ سُن کر سب نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اسے عقبہ کی بیعت[1] ثانیہ کہتے ہیں۔ بیعت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ اشخاص کو نقیب مقرر کیا۔ جن کے نام خود انصار نے پیش کئے۔ اور ان سے یوں خطاب فرمایا۔ "تم اپنی اپنی قوم کے حالات کے کفیل ہو۔ جیسا کہ حواری حضرت عیسٰی ابن مریم (علیہما السلام) کے تھے۔ اور میں اپنی قوم کا کفیل ہوں"۔ وہ بولے کہ ہاں! منظور ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے اپنے ڈیروں پر چلے گئے۔ صبح کو قریش ان سے کہنے لگے۔ ہم نے سنا ہے کہ تم نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر بیعت کی ہے۔ ان کے مشرک ساتھیوں نے کہا کہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ یہ سُن کر قریش واپس چلے گئے۔ مگر تفتیش کے بعد حقیقت حال جو ان کو معلوم ہوئی تو انہوں نے انصار کا تعاقب کیا۔ صرف سعد بن عبادہ ان کے ہاتھ آئے۔ ظالموں نے ان ہی کے اونٹ کے تنگ سے ان کے ہاتھ گردن سے جکڑ لئے۔ اور مارتے پیٹتے اور سر کے بالوں سے گھسیٹتے ہوئے ان کو مکّہ میں لے آئے۔ وہاں جبیر بن مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ نے ان کو چھڑایا۔

---

[1] اس بیعت کے حالات سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہیں۔

چوتھا باب

حالات ہجرت تا وفات شریف

قریش کی اذیت رسانی کے سبب سے اب مکہ میں مسلمانوں کا قیام نہایت دشوار ہوگیا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ہجرت کرکے مدینہ چلے جاؤ۔ چنانچہ صحابہ کرام متفرق طور پر رفتہ رفتہ چوری چھپے مدینہ پہنچ گئے۔ اور مکہ میں حضور انور بابی ہو و اُمّی کے علاوہ حضرات ابوبکرؓ و علیؓ اور کچھ بیمار وعاجز رہ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کی اجازت مانگی تو حضور نے فرمایا۔ "امید ہے کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل جائیگی"۔ عرض کیا۔ "میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ یہ امید ہے؟" فرمایا "ہاں"۔ یہ سُن کر حضرت صدیق ہمراہی کی امید پر حاضر خدمت رہے۔

خبر دار الندوہ

قریش نے جب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار مکہ سے باہر مدینہ میں بھی ہوگئے ہیں اور مہاجرین مکہ کو انصار نے اپنی حمایت و پناہ میں لے لیا ہے تو وہ ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بھی وہاں چلے جائیں اور اپنے مددگاروں کو ساتھ لیکر حملہ آور ہوں۔ اس لئے تمام قبائل قریش کے سردار عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ۔ ابوسفیان۔ طعیمہ بن عدی۔ جبیر بن مطعم۔ نضر بن حارث۔ ابوالبختری بن ہشام۔

زمعہ بن اسود - ابوجہل - بنیہ و منبہ پسران حجاج اور امیہ بن خلف وغیرہ دار الندوہ[1] میں مشورہ کے لئے جمع ہوئے - ابلیس لعین بھی کمبل اوڑھے اور شیخ پارسا کی صورت بنائے دروازہ پر آموجود ہوا - انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ بولا "میں نجد ول سے ایک شیخ ہوں - مَیں نے سن لیا ہے جس امر کے لئے تم جمع ہوئے ہو - اس لئے مَیں بھی حاضر ہوا ہوں تاکہ سنوں کہ تم کیا کہتے ہو - اور مجھے تم سے اپنی رائے اور نصیحت سے بھی دریغ نہ ہوگا" وہ بولے بہت اچھا - آئیے - جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ پیش ہوا تو ایک بولا - کہ اس کے ہاتھ پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈالکر ایک کوٹھڑی میں بند کردو اور کھانے پینے کو کچھ نہ دو - خود ہلاک ہو جائے گا - شیخ نجدی نے کہا - یہ رائے اچھی نہیں - اللہ کی قسم! اگر تم اس کو اس طرح کوٹھڑی میں قید بھی کردو - تو اس کی خبر بند دروازے میں سے اسکے اصحاب تک پہنچ جائے گی - وہ تم پر حملہ کر کے اس کو چھڑالیں گے - دوسرا بولا کہ اسکو شہر سے نکال دو - جہاں چاہے چلا جائے - ہمیں اس کا خوف نہ رہے گا - شیخ نجدی نے کہا اللہ کی قسم! یہ رائے اچھی نہیں - کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کا کلام کیسا شیریں اور دلفریب ہے - اگر تم ایسا کرو گے تو ممکن ہے وہ کسی قبیلہ میں چلا جائے اور اپنے کلام سے اسے اپنا تابع بنالے - اور پھر انہیں ساتھ لیکر تم پر حملہ کردے - ابوجہل بولا - میرے ذہن میں ایک رائے ہے جو اب تک کسی کو نہیں سوجھی - انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ ابوجہل نے کہا - "وہ یہ ہے کہ ہم ہر قبیلہ میں سے ایک ایک عالی قدر دلیر خاندانی جوان لیں - اور ہر نوجوان کے ہاتھ میں ایک ایک تیز تلوار دیدیں - پھر وہ سب

---

[1] سیرت ابن ہشام - خبر دار الندوہ -

مل کر اس کو قتل کردیں۔ اس طرح جرم خون تمام قبائل پر عائد ہوگا۔ عبد مناف کی اولاد تمام قبائل سے لڑ نہیں سکتی۔ اس لیئے وہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائینگے اور ہم آسانی سے خون بہا دے دینگے"۔ یہ سُن کر شیخ نجدی بولا "یہی بات درست ہے، اس کے سوا کوئی اور رائے نہیں"۔ سب نے اس رائے پر اتفاق کیا اور مجلس برخاست ہو گئی۔ قرآن مجید کی آیۂ ذیل میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے:-

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ۝ (انفال، ع ۴)	اور جس وقت کافر تیرے حق میں بدسگالی کرتے تھے کہ تجھ کو قید رکھیں یا تجھ کو مار ڈالیں یا تجھ کو جلاوطن کردیں۔ اور وہ بدسگالی کرتے تھے اور اللہ بدسگالی کرتا تھا۔ اور اللہ اچھا بدسگالی کرنے والوں کا ہے۔

قصّۂ ہجرت

جب قریش قتل پر اتفاق کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو حضرت جبرئیلؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور قریش کے ارادہ کی آپ کو اطلاع دی اور عرض کیا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ عین دوپہر کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ دروازے پر دستک دی۔ اجازت کے بعد اندر داخل ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا "جو تمہارے پاس ہیں ان کو نکال دو"۔ حضرت صدیق نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! میرا باپ آپ پر قربان، آپکے اہل کے سوا کوئی اور نہیں"۔ آپ

---

[1] قصۂ ہجرت کیلئے دیکھو صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ۔

نے فرمایا کہ مجھے ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے" حضرت صدیق رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر قربان! میں آپ کی ہمراہی چاہتا ہوں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا۔ حضرت صدیق رضؓ نے پھر عرض کیا " یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر قربان! آپ ان دو اونٹنیوں میں سے[1] ایک پسند فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیمت سے لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو شادی کے بعد سے اس وقت تک اپنے والد بزرگوار کے گھر میں تھیں بیان فرماتی ہیں کہ ہم نے سفر کی ضروریات کو جلدی تیار کر دیا اور دونوں کے لئے کچھ کھانا توشہ دان میں رکھ دیا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے اپنے نطاق (پٹکے) کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے توشہ دان کا منہ اور دوسرے سے مشکیزہ کا منہ باندھا۔ جس کی وجہ سے ان کو ذات النطاقین کہا جاتا ہے۔ ایک کافر عبداللہ بن اریقط دئلی جو راستہ سے خوب واقف تھا رہنمائی کے لئے اجرت پر نوکر رکھ لیا گیا۔ اور دونوں اونٹنیاں اسکے سپرد کر دی گئیں تاکہ تین راتوں کے بعد غار پر حاضر کر دے۔ اس انتظام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ کو تشریف لے گئے۔

ایک تہائی رات گذری تھی کہ قریش نے حسب قرارداد دولت خانہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور اس انتظار میں رہے کہ آپ سو جائیں تو حملہ آور ہوں۔ اس وقت آپ کے پاس صرف حضرت علی المرتضیٰ رضؓ تھے۔ قریش کو اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت تھی۔ مگر آپ کی امانت و دیانت پر انہیں اس قدر اعتماد تھا کہ جس کے پاس کچھ مال و اسباب ایسا ہوتا کہ اسے خود اپنے پاس رکھنے میں جوکھم نظر

---

[1] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان اونٹنیوں کو چار ماہ سے ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

آتی، وہ آپ ہی کے پاس امانت رکھتا۔ چنانچہ اب بھی آپؐ کے پاس کچھ امانتیں تھیں۔ اس لئے آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میری سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور حکم دیا کہ یہ امانتیں واپس کر کے چلے آنا۔ اور خود خاک کی ایک مٹھی لیؐ۔ اور سورۂ یٰسٓ شریف کے شروع کی آیات فھم لا یبصرون تک پڑھتے ہوئے کفار پر پھینک دی اور اس مجمع میں سے صاف نکل گئے۔ کسی نے آپؐ کو نہ پہچانا۔ ایک مخبر نے جو اس مجمع میں نہ تھا ان کو خبر دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو یہاں سے نکل گئے۔ اور تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے سروں پر جو ہاتھ پھیرا۔ تو واقع میں خاک پائی۔ مگر حضرت علیؓ کو سبز چادر اوڑھے ہوئے سوتے دیکھ کر خیال کیا کہ رسول اللہ سو رہے ہیں۔ جب صبح کو حضرت علیؓ بیدار ہوئے تو وہ کہنے لگے کہ اس مخبر نے سچ کہا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولتخانہ سے نکل کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ راستے میں بازار حزورہ میں جو بعد میں مسجد حرام میں شامل کر لیا گیا ٹھہر کر یوں خطاب[2] فرمایا۔ "اے بطحائے مکہ، تو پاکیزہ شہر ہے اور میرے نزدیک کیسا عزیز ہے۔ اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا۔" اسی رات آپ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر گھر کے عقب میں ایک دریچہ سے نکلے اور کوہ ثور کی غار پر پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ غار میں داخل ہوں۔ مگر صدیق اکبرؓ نے عرض کی کہ آپ داخل نہ ہوں جب تک کہ میں پہلے داخل نہ ہو لوں۔ تاکہ اگر اس میں کوئی سانپ بچھو وغیرہ ہو۔ تو وہ مجھ کو کاٹے

---

[1] سیرت ابن ہشام

[2] معجم البلدان لیاقوت الحموی تحت حزورہ۔

آپ کو نہ کاٹے۔ اس لئے حضرت صدیق رضؓ پہلے داخل ہوئے۔ غار میں جھاڑو دی۔ اس کے ایک طرف میں کچھ سوراخ پائے۔ اپنا شلوار پھاڑ کر ان کو بند کیا۔ مگر دو سوراخ باقی رہ گئے، ان میں اپنے دونوں پاؤں ڈال دیئے۔ پھر عرض کیا اب تشریف لائیے آپ داخل ہوئے۔ اور سر مبارک حضرت صدیق اکبر رضؓ کی گود میں رکھ کر سو گئے۔ ایک سوراخ سے کسی چیز نے حضرت صدیق رضؓ کو کاٹا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے کہ مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ اٹھیں۔ حضرت صدیق رضؓ کے آنسو جو آپ کے چہرۂ مبارک پر گرے تو فرمایا۔ "ابو بکر تجھے کیا ہوا؟ عرض کی۔ "میرے ماں باپ آپ پر فدا، مجھے کسی چیز نے کاٹ کھایا۔" آپ نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ فوراً سب درد جاتا رہا۔ اس غار میں دونوں تین راتیں رہے۔ حضرت ابو بکر رضؓ کے بیٹے عبد اللہ جو نوخیز جوان تھے رات کو غار میں ساتھ سوتے صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے۔ اور قریش جو مشورہ کرتے یا کہتے شام کو غار میں آ کر اس کی اطلاع دیتے۔ حضرت ابو بکر رضؓ کا غلام عامر بن فہیرہ دن کو بکریاں چراتا۔ اور رات کو وہ بکریاں غار پر لے جاتا۔ ان کا دودھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضؓ کے کام آتا۔ عامر منہ اندھیرے بکریوں کو عبد اللہ کے نقش پا پر ہانک لے جاتا تاکہ نقشِ قدم مٹ جائے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے دولتخانہ سے نکل آئے تو صبح کو کفار نے حضرت علی رضؓ سے پوچھا کہ تیرا یار کہاں گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں اس لئے پائے مبارک کے نشان کے ذریعے سے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا۔ جب وہ کوہ ثور کے پاس پہنچے تو پائے مبارک کا نشان ان پر مشتبہ

ؔ۱ مشکوٰۃ شریف۔ باب مناقب ابی بکر رضؓ

ہو گیا- وہ پہاڑ پر چڑھ گئے اور غار کے دہانہ پر پہنچ گئے- مگر غار پر اس وقت خدائی پہرہ لگا ہوا تھا- دہانہ پر مکڑی نے جالا تنا ہوا تھا- اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے- یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ اگر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں داخل ہوتے تو مکڑی جالا نہ تنتی اور کبوتری انڈے نہ دیتی- اسی حال میں آہٹ پاکر حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی "یارسول اللہ! اگر ان میں سے کسی کی نظر اپنے قدم پر پڑ جائے تو ہمیں دیکھ لے گا" آپؐ نے فرمایا "غم نہ کر- خدا ہمارے ساتھ ہے"

قصہ کوتاہ غار میں تین راتیں گذار کر شبِ دوشنبہ یکم ربیع الاول کو اونٹنیوں پر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے عامر بن فہیرہ کو حضرت ابوبکرؓ نے بغرض خدمت اپنے ساتھ سوار کر لیا تھا- بدرقہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا- راستے میں اگر کوئی حضرت صدیقؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پوچھتا تھا کہ یہ کون ہیں تو جواب دیتے کہ یہ میرے ہادیٔ طریق ہیں-

حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ (دوشنبہ کی) رات کو روانہ ہو کر ہم برابر چلتے رہے یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی اور راستہ میں آمدورفت بند ہو گئی- ہمیں ایک بڑا پتھر نظر آیا- ہم اس کے نزدیک اتر پڑے- مَیں نے اس کے سایہ میں اپنے ہاتھوں سے جگہ ہموار کی- اس پر پوستین بچھادی اور عرض کی "یارسول اللہ! آپ سوجائیں- مَیں آپ کے اردگرد پاسبانی کرتا ہوں" آپ سو گئے، مَیں نکلا کہ دیکھوں اِدھر اُدھر کوئی دشمن تو نہیں آرہا- کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چرواہا اپنی بکریاں اسی پتھر کی طرف سایہ میں آرام پانے کے لئے لارہا ہے- مَیں نے پوچھا- تُو کس کا غلام ہے؟ اس نے

---

[1] مشکوٰۃ شریف- باب فی المعجزات فصل ثالث-

قریش کے ایک شخص کا نام لیا تو میں نے اسے پہچان لیا، اور پوچھا۔ کیا تیری بکریوں میں دودھ دینے والی ہیں؟ وہ بولا کہ ہاں۔ میں نے کہا۔ کیا تو دودھ کر دے سکتا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ہاں۔ پس اس نے ایک بکری پکڑ لی۔ میں نے کہا۔ اسکا تھن گرد و غبار سے صاف کر لے۔ پھر کہا کہ تو اپنا ہاتھ صاف کر لے۔ اُس نے ایک پیالہ چوبین میں دودھ دوہا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ایک مطہرہ ساتھ لے گیا تھا جس سے آپ وضو کرتے۔ میں نے ٹھنڈا کرنے کے لیئے دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا کر خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ آپ نے خوب پیا۔ جس سے میری طبیعت خوش ہوئی۔ پھر فرمایا۔ کیا چلنے کا وقت نہیں آیا؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ دن ڈھل چکا تھا کہ ہم وہاں سے چلے۔[1]

دوسرے روز یعنی سہ شنبہ کے دن جب قدید کے قریب پہنچے تو سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی تعاقب میں نکلا۔ جس کی کیفیت وہ خود یوں بیان کرتا ہے "کفارِ قریش کے قاصد ہمارے پاس آئے۔ کہنے لگے کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکر کو قتل کرے گا یا گرفتار کر کے لائے گا اُسے ایک خونبہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائے گا۔ میں اپنی قوم بنو مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان میں سے ایک شخص نے آ کر کہا۔ "سراقہ! میں نے ابھی ساحل پر چند اشخاص دیکھے ہیں۔ میرے خیال میں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی ہیں۔" میں سمجھ گیا کہ وہی ہیں۔ مگر میں نے اس سے کہا کہ وہ نہیں ہیں۔ تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہے جو ہمارے سامنے سے گئے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد میں مجلس سے اٹھ کر گھر آیا۔ اور اپنی

---

[1] صحیح بخاری۔ باب علامات النبوت فی الاسلام۔ نیز باب مناقب المہاجرین وفضلہم۔

لونڈی سے کہا کہ میرے گھوڑے کو پشتہ کے پیچھے (بطن وادی میں) لے جا کر ٹھہرا۔ میں نیزہ لے کر اپنے گھر کے عقب سے نکلا۔ اور بُنِ نیزہ سے زمین میں خط کھینچا اور نیزے کے بالائی حصّہ کو نیچا کئے ہوئے گھوڑے کے پاس پہنچا۔ میں نے سوار ہو کر گھوڑے کو ذرا دوڑایا یہاں تک کہ مَیں ان کے قریب جا پہنچا میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ مَیں گر پڑا۔ اٹھ کر مَیں نے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا، اور اس میں سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیئے یا نہیں۔ مگر جواب خلاف مراد نکلا مَیں نے تیر کی بات نہ مانی۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ جب مَیں نے رسول اللہ کی قرأت کی آواز سنی حالانکہ آپ (میری طرف) نہ دیکھتے تھے[۱] اور ابوبکر اکثر پیچھے دیکھتے تھے تو میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ مَیں نے اتر کر گھوڑے کو زجر و توبیخ کی۔ اُس نے چاہا کہ اٹھے۔ مگر وہ پاؤں زمین سے نہ نکال سکا۔ جب وہ (بمشکل تمام) سیدھا کھڑا ہوا تو ناگاہ اس کے پاؤں کے نشان سے دھوئیں کی مانند غبار آسمان کی طرف اٹھا۔ مَیں نے پھر تیروں سے فال لی۔ مگر خلاف مراد ہی جواب ملا۔ میں نے پکارا۔ امان! امان! یہ سن کر وہ ٹھہر گئے۔ مَیں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ مکرر تجربہ سے میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ رسول اللہ کا بول بالا ہوگا۔ مَیں نے آپ سے قریش کے ارادے اور انعام کا ذکر کیا۔ اور زاد و متاع پیش کیا۔ مگر انہوں نے

۱؎ آپ کو اپنے پروردگار پر اعتماد تھا۔ اس لئے آپ کو سراقہ کی کچھ پروا نہ تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو اپنا تو خیال نہ تھا مگر محبت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا خیال تھا۔ اس لئے ازروئے شفقت پیچھے دیکھتے تھے کہ سراقہ کی طرف سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

کچھ نہ لیا۔ اور صرف یہی درخواست کی کہ ہمارا حال پوشیدہ رکھنا۔ اس کے بعد میں نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے کتاب امن تحریر فرما دیجئے۔ آپ کے حکم سے عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر فرمانِ امن لکھ دیا ۱؎ ۔ سراقہ نے فرمان امن اپنی ترکش میں رکھ لیا اور واپس ہوا۔ راستے میں جس سے ملتا، یہ کہہ کر واپس کر لیتا کہ مَیں نے بہت ڈھونڈا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف نہیں ہیں۔ حسنِ اتفاق سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کا ایک قافلہ ملا جو شام سے مال تجارت لا رہا تھا۔ اس قافلہ میں حضرت زبیرؓ بن العوام بھی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو سفید کپڑے پہنائے۔

قدید ہی میں سہ شنبہ کو دوپہر کے وقت ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے ہاں گزر ہوا۔ ام معبد کی قوم قحط زدہ تھی۔ وہ اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھا کرتی۔ اور آنے جانے والوں کو پانی پلاتی اور کھانا کھلاتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ صحیح بخاری۔ باب الہجرۃ الی المدینۃ۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ سے فرمایا۔ کیف بک اذا لبست سوارِی کسرٰی (تیرا کیا حال ہوگا جب تو کسرٰی کے دو کنگن پہنایا جائیگا) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین و طائف سے واپس ہوئے تو جِعرانہ میں سراقہ نے وہ فرمانِ امن پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ آج وفا و احسان کا دن ہے۔ سراقہ آگے بڑھے اور ایمان لائے۔ جب عہد فاروقی میں ایران فتح ہوا۔ اور کسرٰی ہرمز کے کنگن حضرت فاروقؓ کے ہاتھ آئے تو آپؓ نے قول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و تحقیق کے لئے وہ کنگن سراقہ کو پہنا دیئے اور فرمایا الحمد للہ الذی سلبھما کسرٰی والبسھما سراقۃ (یعنی سب ستائش اللہ کو ہے جس نے کسرٰی جیسے شاہِ عجم کے کنگن چھین کر سراقہ جیسے غریب بدوی کو پہنا دیئے۔ سراقہ نے ۲۴ھ میں بعہد حضرت عثمان غنیؓ وفات پائی۔

نے اس سے گوشت اور کھجوریں خریدنے کا قصد کیا مگر اس کے پاس ان میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے خیمہ کی ایک جانب ایک بکری دیکھی۔ پوچھا یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ لاغری و کمزوری کے سبب دوسری بکریوں سے پیچھے رہ گئی ہے۔ پھر پوچھا۔ کیا دودھ دیتی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو مجھے اجازت دیتی ہے کہ اسے دوہ لوں۔ اُس نے عرض کی "میرے ماں باپ آپ پر قربان، اگر آپ اس کے نیچے دُودھ دیکھتے ہیں تو دوہ لیں۔" آپ نے اس کے تھن پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا اور بسم اللہ پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ بکری نے آپ کے لئے دونوں ٹانگیں چوڑی کردیں۔ دُودھ اتار لیا اور جگالی کی۔ آپ نے برتن طلب کیا جو جماعت کو سیراب کردے۔ پس آپ نے اس میں خوب دوہا۔ یہاں تک کہ اس پر جھاگ آگئی۔ پھر ام معبد کو پلایا یہاں تک کہ سیر ہوگئی۔ اور اپنے ساتھیوں کو پلایا یہاں تک کہ سیر ہوگئے۔ سب کے بعد آپ نے پیا۔ بعد ازاں دوسری بار دوہا۔ یہاں تک کہ برتن بھر دیا۔ اور اس کو (بطور نشان) ام معبد کے پاس چھوڑا اور اس کو اسلام میں بیعت کیا۔ پھر سب وہاں سے چل دیئے[1]۔ تھوڑی دیر کے بعد ام معبد کا خاوند گھر آیا۔ اس نے دودھ جو دیکھا تو حیران ہو کر کہنے لگا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ حالانکہ گھر میں تو کوئی ایسی بکری نہیں جو دودھ کا ایک قطرہ بھی دے۔ ام معبد نے جواب دیا کہ ایک مبارک شخص آیا تھا کہ جس کا حلیہ شریف ایسا ایسا تھا۔ وہ بولا۔ وہی تو قریش کے سردار ہیں جن کا چرچا ہو رہا ہے۔ میں نے قصد کر لیا ہے کہ انکی صحبت میں رہوں۔

---

[1] مشکوٰۃ۔ باب فی المعجزات فصل ثالث۔

جب مدینہ کے قریب موضع غمیم میں پہنچے جو رابغ وجحفہ کے درمیان ہے تو بریدہ اسلمی قبیلہ بنی سہم کے ستر سوار لے کر حصول انعام کی امید پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں بریدہ ہوں۔ یہ سن کر آپ نے حضرت ابو بکرؓ سے بطور تفاؤل فرمایا۔ ابو بکر! ہمارا کام خوش وخنک اور درست ہو گیا۔ پھر آپ نے بریدہ سے پوچھا کہ تو کس قبیلہ سے ہے۔ اس نے کہا کہ بنو اسلم سے۔ آپ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا ہمارے لئے خیر و سلامتی ہے۔ پھر پوچھا کون سے بنو اسلم سے؟ اس نے کہا کہ بنو سہم سے۔ آپ نے فرمایا، تُو نے اپنا حصّہ (اسلام سے) پالیا۔ بعد ازاں بریدہ نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول محمد بن عبد اللہ ہوں۔ بریدہ نے نام مبارک سُن کر کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ جو سوار بریدہ کے ساتھ تھے وہ بھی مشرف باسلام ہوئے۔ بریدہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ مدینہ میں آپ کا داخلہ جھنڈے کے ساتھ ہونا چاہئے۔ پس اپنا عمامہ سر سے اتار کر نیزہ پہ باندھ لیا اور حضرت کے آگے آگے روانہ ہوا۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کس کے ہاں اتریں گے؟ فرمایا، یہ میرا ناقہ مامور ہے۔ جہاں یہ بیٹھ جائے گا وہی میری منزل ہے۔ بریدہ نے کہا۔ الحمد للہ کہ بنو سہم بطوع و رغبت مسلمان ہو گئے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی۔ لوگ ہر روز صبح کو شہر سے نکل کر حرہ میں جمع ہوتے۔ انتظار کرتے کرتے جب دوپہر

---

[1] استیعاب لابن عبد البر۔ وفاء الوفاء للسمہودی۔

ہو جاتی تو واپس چلے جاتے۔ ایک دن انتظار کر کے گھروں میں واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے ایک قلعہ پر سے کسی مطلب کے لئے نظر دوڑائی۔ اُسے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے ہمراہی سفید لباس پہنے ہوئے نظر پڑے جو سراب کے آگے حائل تھے۔ وہ یہودی نہایت زور سے بے ساختہ پکار اٹھا۔ "اے معشرِ عرب! لو تمہارا مقصد و مقصود جس کا تم انتظار کر رہے تھے وہ آ گیا"۔ یہ سُن کر مسلمانوں نے فوراً ہتھیار لگا کر حرۂ قبار کے عقب میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا استقبال کیا۔ اور اظہارِ مسرت کے لئے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ جس کی آواز بنی عمرو بن عوف میں پہنچی۔ یہ قبیلہ موضع قبار میں جو مدینہ سے جنوب کی طرف دو میل کے فاصلہ پر ہے آباد تھا۔ اس خاندان کا سردار کلثوم بن ہدم انصاری اوسی تھا۔ اس سے پہلے اکثر اکابر صحابہ اسی کے ہاں اترے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی کو شرف نزول بخشا۔

ہجرت کا پہلا سال

تعمیر مسجدِ قبار

قبار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول ۱۲ ربیع الاول یوم دوشنبہ کو ہوا۔ یہی تاریخ اسلامی کی ابتدا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے تین دن بعد مکّہ سے چلے تھے یہاں آ ملے۔ اور یہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کی بنا رکھی جس کی شان میں یہ آیت وارد ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ   البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے

اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ؕ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ○ (سورۂ توبہ)	پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اس میں وہ مرد ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے

کلثوم بن ہدم کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں خشک ہونے کے لئے پھیلا دی جاتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ زمین لے کر مسجد مذکور کی بنیاد رکھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں دیگر اصحاب کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی بغرض تشویق و ترغیب کام کرتے تھے۔ شموس بنت نعمان انصاریہ مدنیہ کا بیان ہے کہ میں دیکھ رہی تھی کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا بھاری پتھر اٹھاتے کہ جسم اطہر خم ہو جاتا اور بطن شریف پر مجھے مٹی کی سفیدی نظر آجاتی۔ آپ کے اصحاب میں سے اگر کوئی عقیدتمند آکر عرض کرتا۔ "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا! چھوڑ دیجئے۔ میں اٹھاتا ہوں"۔ تو آپ فرماتے "نہیں۔ تم ایسا اور پتھر اٹھالو۔ اور خود اسی کو عمارت میں لگاتے"۔ اس تعمیر میں حضرت جبرئیلؑ آپ کو سمت قبلہ بتا رہے تھے۔ اسی واسطے کہا جاتا تھا کہ اس مسجد کا قبلہ اعدل واقوم[1] ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی شاعر بھی تعمیر مسجد میں شامل تھے اور کام کرتے ہوئے یوں کہتے جاتے تھے ؎

اَفْلَحَ مَنْ یُّعَالِجُ الْمَسَاجِدَا	وہ کامیاب ہے جو مسجدیں تعمیر کرتا ہے

---

[1] اصابہ للحافظ ابن حجر۔ ترجمہ شموس بنت نعمان۔ نیز وفاء الوفاء۔

وَیَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَائِمًا وَّقَاعِدًا — اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے۔

وَلَا یَبِیْتُ اللَّیْلَ عَنْہُ رَاقِدًا — اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔[1]

مدینہ میں نزولِ رحمت

قبا میں چار (چودہ یا بیس) روز قیام رہا۔ یہاں سے جمعہ کے دن باطن مدینہ کو روانہ ہوئے۔ مہاجرین و انصار ساتھ تھے۔ انصار کے جس قبیلہ پر سے گزر ہوتا اس کے سربرآوردہ عقیدتمند عرض کرتے "یا رسول اللہ! ہماری نصرت و حمایت میں اتریے۔" آپ اظہارِ منت و دعائے خیر کے بعد فرماتے کہ "میرا ناقہ مامور ہے۔ اسکا راستہ چھوڑ دو۔" راستے میں بنو سالم خزرجی کے محلہ میں جمعہ کا وقت آگیا۔ آپ نے وادیٔ ذی صلب کی مسجد میں نماز جمعہ مع خطبہ ادا کی۔ یہ آپ کا پہلا جمعہ اور پہلا خطبہ تھا۔ اس طرح بنی بیاضہ، بنی ساعدہ اور بنی حارث بن خزرج سے گزرتے ہوئے بنی عدی بن نجار میں پہنچے جو آپ کے دادا عبدالمطلب کے ننہال تھے۔ سلیط بن قیس نجاری خزرجی وغیرہ نے ننہالی رشتہ کو یاد دلا کر اقامت کے لئے عرض کیا۔ مگر ان کو بھی وہی جواب ملا۔ بعد ازاں آپ کا ناقہ محلہ مالک بن نجار میں اس جگہ بیٹھ گیا جہاں اب مسجد نبوی ہے۔ پھر اٹھ کر قدرے آگے بڑھا۔ اور مڑ کر پہلی جگہ بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا ان شاء اللہ یہی منزل ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری نجاری خزرجی آپ کی اجازت سے آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرما کر المرء مع رحلہ وہیں تشریف فرما

---

[1] وفاء الوفاء جز اول صد ۱۸۱

ہوئے ؎

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے جو خوشی مدینہ میں مسلمانوں کو ہوئی اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ حضورِ انور کی سواری نزدیک پہنچی تو جوشِ مسرت کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین عورتیں چھتوں پر نکل آئیں اور یوں گانے لگیں ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا	ہم پر چاند نکل آیا
مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ	وداع کی گھاٹیوں سے
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے
مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ	جب تک دعا مانگنے والا دعا مانگے

آپ کے ناقہ کا بیٹھنا تھا کہ بنو نجار کی لڑکیاں دف بجاتی نکلیں اور یوں گانے لگیں :-

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِی النَّجَّارِ	ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَارٍ	اے نجاریو! محمدؐ کیسا اچھا ہمسایہ ہے

آپ نے یہ سن کر ان لڑکیوں سے پوچھا۔ کیا تم مجھ کو دوست رکھتی ہو؟ وہ بولیں۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ میں بھی تم کو دوست رکھتا ہوں۔

اسی خوشی میں زن و مرد، چھوٹے بڑے گلی کوچوں میں پکار رہے تھے جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ جَاءَ نَبِیُّ اللّٰہِ۔ حبشی غلام آپ کے قدوم میمنت لزوم کی خوشی میں ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے۔ انسانوں پر کیا موقوف ہے وحوش بھی اپنی

حرکات وسکنات سے خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

جب مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا انتظام ہو چکا تو آپ نے زید بن حارثہ اور اپنے غلام ابو رافع کو پانسو درہم اور دو اونٹ دے کر مکہ میں بھیجا کہ آپ کے عیال کو مدینہ میں لے آئیں۔ اسی وقت حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ بن اریقط وئلی (جو کہ مکہ کو واپس جا رہا تھا) کے ہاتھ اپنے صاحبزادے عبداللہ کو رقعہ دے دیا کہ میرے عیال کو مدینہ میں لے آؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے حضرت زینب کو ان کے خاوند ابوالعاص نے آنے نہ دیا حضرت رقیہ حبشہ میں تھیں۔ اس لئے زید و ابو رافع حضور کی صاحبزادیوں حضرات ام کلثوم و فاطمہ اور زوجۂ محترمہ حضرت سودہ کو اور ام ایمن زوجۂ زید اور اسامہ بن زید کو لے آئے۔ اور ان کے ساتھ عبداللہ بن ابی بکر حضرت عائشہؓ اور ان کی والدہ ام رومان اور حضرت اسماء بنت ابی بکر کو لائے۔ یہ سب حارثہ بن نعمان کے ہاں اترے۔[1]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام سات ماہ تک حضرت ابو ایوبؓ کے ہاں ہی رہا جب مسجد نبوی کے ساتھ حجرے تیار ہو گئے تو نقل مکان فرمایا۔ اس عرصہ میں بنو نجار نے مہمانی کا حق کما حقہٗ ادا کیا۔ حضرات ابو ایوب اور سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے خصوصیت سے اس میں حصہ لیا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

تعمیر مسجد نبوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ جہاں بیٹھا تھا۔ وہ جگہ دو نجاری یتیموں

---

[1] زاد المعاد۔ وفاء الوفاء

(سہیل وسہل) کی تھی۔ جن کے ولی حضرت اسعد بن زرارہ نجاری خزرجی تھے۔ وہ اس زمین میں کھجوریں خشک کرنے کے لئے پھیلا دیا کرتے تھے۔ اس کے ایک حصہ میں حضرت اسعد نے نماز کے لئے ایک مختصر جگہ بنائی ہوئی تھی۔ جس پر چھت نہ تھی۔ یہاں وہ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ باقی زمین میں کھجور کے درخت اور مشرکوں کی قبریں اور گڑھے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں مسجد جامع بنانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے ان یتیم بچوں کو بلا بھیجا اور ان سے قیمت پر زمین طلب کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم بلا قیمت آپ کی نذر کرتے ہیں۔ آپ نے قبول نہ فرمایا اور قیمت دے کر خرید لی۔ تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ قبریں اکھڑوا کر ہڈیاں کسی دوسری جگہ دبا دی گئیں۔ درخت کاٹ دیئے گئے۔ اور گڑھے ہموار کر دیئے گئے۔ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کام کر رہے تھے۔ آپ اپنی چادر میں اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے اور یوں فرما رہے تھے۔

ھذا الحمال واحمال خیبر	اے ہمارے پروردگار! یہ اینٹیں خیبر
ھذا ابرّ ربنا واطھر	کے تمروزبیب سے زیادہ ثواب والی اور پاکیزہ ہیں

اور نیز فرما رہے تھے:۔

اللّٰھُمّ ان الاجر اجر الاٰخرہ	خدایا! بیشک اجر صرف آخرت کا اجر ہی
فارحم الانصار والمھاجرہ	پس تو انصار و مہاجرین پر رحم فرما۔

یہ مسجد نہایت سادہ تھی۔ بنیادیں تین ہاتھ تک پتھر کی تھیں۔ دیواریں کچی اینٹوں کی۔ چھت برگِ خرما کی قد آدم سے کچھ اونچی اور ستون کھجور کے تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ تین دروازے تھے۔ ایک جانبِ کعبہ اور دو دائیں

بائیں۔ جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو جانبِ کعبہ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور اسکے مقابل شمالی جانب میں نیا دروازہ بنا دیا گیا۔ چونکہ چھت پر مٹی کم تھی اور فرش خام تھا۔ اس لئے بارش میں کیچڑ ہو جایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ رات کو بارش بہت ہوئی۔ جو نمازی آتا کپڑے میں کنکریاں ساتھ لاتا اور اپنی جگہ پر بچھا لیتا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ "یہ خوب ہے" اور کنکروں کا فرش بنوا دیا۔

اصحابِ صُفّہ

پایان مسجد میں ایک سائبان تھا جو صُفّہ کہلاتا تھا اور ان فقراء و مساکین صحابہ کے لئے تھا۔ جو مال و منال اور اہل و عیال نہ رکھتے تھے۔ ان ہی کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے :۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ	اور روک رکھ جان اپنی ساتھ ان لوگوں
رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ	کے کہ پکارتے ہیں پروردگار اپنے کو صبح
وَجْهَهٗ (کہف ع ۴)	کو اور شام کو چاہتے ہیں رضامندی اسکی۔

ان کی تعداد میں موت یا سفر یا تزوج کے سبب سے کمی بیشی ہوتی رہتی تھی بعض وقت ان کی تعداد ستر تک پہنچ جاتی تھی۔ باہر سے مدینہ میں اگر کوئی آتا اور شہر میں اسکا کوئی شریف جان پہچان نہ ہوتا تو وہ بھی صفہ میں اترا کرتا تھا۔ حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں سو سے کچھ اوپر اہلِ صفہ کے نام گنائے ہیں۔ جن میں حضرات ابوذر غفاری۔ عمار بن یاسر۔ سلمان فارسی۔ صہیب رومی۔ بلال حبشی۔ ابوہریرہ۔ خباب بن الارت۔ حذیفہ بن الیمان۔ ابوسعید خدری۔ بشیر بن الخصاصیہ۔ ابو مویہبہ (مولےٰ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرہم مشاہیر میں سے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین[1]۔

اہلِ صفہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی نظر عنایت تھی۔ ایک دفعہ غنیمت میں کنیزیں آئی ہوئی تھیں۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آپ کی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہ اور حضرت علی المرتضیٰ دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور ایک خادمہ کے لئے درخواست کی۔ آپ نے یوں جواب دیا "اللہ کی قسم! یہ نہیں ہونے کا کہ میں تم کو خادمہ دوں اور اہل صفہ بھوکے مریں۔ ان کے خرچ کے لئے میرے پاس کچھ نہیں۔ میں ان اسیرانِ جنگ کو بیچ کر انکی قیمت اہلِ صفہ پر خرچ کروں گا[2]۔"

ازواجِ مطہرات کے حجروں کی تعمیر

ازواجِ مطہرات میں سے اس وقت صرف حضرت سودہ و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آچکی تھیں ان کیلئے مسجد سے متصل دو مکان بنا دیئے گئے۔ بعد ازاں دیگر ازواج کے آنے پر اور مکانات بنتے گئے۔ ان مکانات میں سے پانچ کھجور کی شاخوں سے بنے تھے جن پر کہگل کی ہوئی تھی۔ ان کے ساتھ کوئی حجرہ نہ تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ باقی چار مکان کچی اینٹوں کے تھے جن کی چھت پر کھجور[3] کی شاخوں کی کہگل کی ہوئی تھی۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک حجرہ کھجور کی شاخوں کا تھا۔ جس کے

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ۔ جزء خامس ص ۲۸۶ عینی شرح صحیح بخاری۔ جزء ثانی ص ۶۱۳ [2] مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی

[3] جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ دومۃ الجندل کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کی غیر حاضری میں حضرت ام سلمہ نے اپنا حجرہ بھی کچی اینٹوں کا بنا لیا۔ آپ نے واپسی پر دریافت فرمایا کہ یہ عمارت کیسی ہے؟ ام سلمہ نے جواب دیا۔ یارسول اللہ میں نے یہ اس لئے بنا لیا کہ لوگوں کی نظر نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا۔ "ام سلمہ! مسلمان کے مال کا بڑا مصرف عمارت ہے۔" وفاء الوفاء۔ جزء اول۔ صفحہ ۳۲۷۔

دروازے پر کمبل کا پردہ تھا۔ بقول داؤد بن قیس[1] حجرہ کے دروازے سے اندرونی کمرہ کے دروازے تک چھ یا سات ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ اور اندرونی کمرہ دس ہاتھ کا تھا اور ارتفاع[2] سات آٹھ ہاتھ کے درمیان تھا۔ حضرت امام حسن بصری کا بیان ہے کہ میں عہد عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مراہق تھا۔ ان مکانات کی چھت کو میں ہاتھ سے چھولیتا تھا۔

یہ مکانات[3] جانب غربی کے سوا مسجد کے گرداگرد تھے۔ ان کے دروازے مسجد ہی کی طرف تھے۔ اور مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حالت اعتکاف میں مسجد سے سر مبارک نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھی آپ کے بال مبارک دھو دیا کرتی تھیں۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دولتخانہ جانب مشرق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ سے متصل اس جگہ تھا جہاں اب آپ کی قبر شریف کی صورت بنی ہوئی ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں دوگانہ ادا کرتے۔ بعد ازاں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کا حال دریافت فرماتے۔ پھر ازواج مطہرات کے گھروں میں قدم رنجہ فرماتے۔

---

[1] الادب المفرد للبخاری صفحہ ۸۸۔
[2] اس ارتفاع میں بظاہر تین ہاتھ کی بنیاد محسوب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲
[3] تعمیر مسجد و مکانات کی تفصیل کے لئے دیکھو صحیح بخاری اور وفاء الوفاء۔

مہاجرین کے مکانات کی تعمیر

مہاجرین کی سکونت کے لئے مسجد کے قریب مکانات کا انتظام کیا گیا۔ چنانچہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو زہرہ کو مسجد کی ایک جانب میں ایک خطہ عنایت فرمایا۔ جس میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف قرشی زہری کے حصہ میں ایک خرماستان آیا جو ان کے نام سے مشہور و معروف تھا۔ حضرت عبد اللہ و عتبہ پسران مسعود ہذلی جو بنو زہرہ کے حلیف تھے۔ ان کے لئے مسجد کے پاس ایک خطہ معین کیا گیا جو ان کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت زبیر بن عوام قرشی اسدی کو ایک وسیع قطعہ ملا۔ جس میں مختلف اقسام کے درختوں کی جڑیں تھیں۔ وہ بقیع الزبیر کہلاتا تھا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ قرشی تیمی کو ان کے گھروں کی جگہ ملی۔ حضرت ابو بکر صدیق کو بھی مسجد کے قریب زمین دی گئی۔ اسی طرح حضرات عثمان بن عفان قرشی اموی۔ خالد بن ولید قرشی مخزومی۔ مقداد بن اسود کندی اور طفیل بن حارث قرشی مطلبی وغیرہم کو زمینیں دی گئیں۔

ان قطعات میں سے جو زمینیں بے آباد غیر مملوکہ تھیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خود تقسیم فرمادیں۔ اور جن قطعات میں انصار کے منازل و مکانات تھے۔ وہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیئے۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو عطا فرما دیئے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت حارثہ بن نعمان نے اپنے مکانات بطور ہدیہ پیش[1] کئے۔ بقول واقدی منازل حارثہ کی جگہ ہی حضرات امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حجرے بنے۔

---

[1] معجم البلدان للحموی۔ تحت مدینہ یثرب۔ زیادہ تفصیل وفاء الوفا میں ہے۔

مسجد نبوی میں چراغ کی ابتدا،

مسجد نبوی اور حجرات میں راتوں کو چراغ نہیں[1] جلتے تھے۔ حضرت تمیم داری کے غلام سراج کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں کھجور کی ٹہنیوں اور تیوں سے روشنی کی جاتی تھی۔ ہم قنادیل و روغن زیتون اور رسیاں لائے۔ اور میں نے (قندیلوں کو ستونوں پر لٹکا کر) مسجد میں روشنی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر پوچھا۔ کہ ہماری مسجد کو کس نے روشن کیا ہے؟ تمیم نے کہا۔ میرے اس غلام نے۔ آپ نے پوچھا۔ اس کا کیا نام ہے؟ تمیم نے کہا۔ فتح۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلکہ اس کا نام سراج ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام سراج[2] رکھا۔

مواخات

مہاجرین اپنے وطن سے اہل وعیال اور بھائی بندوں کو چھوڑ کر بے سروسامان چھپ کر نکلے تھے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد جامع کی تعمیر کے بعد مہاجرین و انصار میں رشتۂ اخوت قائم کیا۔ تاکہ مہاجرین غربت کی وحشت اور اہل وعیال کی مفارقت محسوس نہ کریں اور ایک کو دوسرے سے مدد ملے۔ مہاجرین کی تعداد پینتالیس یا پچاس تھی۔ آپ ہر دو فریق میں سے دو دو کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ درحقیقت بھائی بن گئے۔ چنانچہ جب حضور انور بابی ہو امی نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف قرشی زہری اور حضرت سعد بن ربیع انصاری خزرجی میں رشتۂ برادری قائم کر دیا۔ تو حضرت سعد نے حضرت

---

[1] صحیح بخاری۔ باب الصلوٰۃ علی الفراش

[2] استیعاب و اصابہ۔ ترجمہ سراج التمیمی۔

عبدالرحمٰن سے کہا کہ انصار میں میرے پاس سب سے زیادہ مال ہے۔ میں اپنا مال آپ کو بانٹ دیتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک کو جو آپ پسند کریں میں طلاق دے دیتا ہوں۔ عدت گزرنے پر آپ اس سے نکاح کر لیجئے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا کہ آپ کے اہل اور آپ کا مال آپ کو مبارک ہو۔ کیا یہاں کوئی بازارِ تجارت ہے؟ انہوں نے بنو قینقاع کے بازار کا راستہ بتا دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن شام کو نفع کا پنیر اور مکھن ساتھ لائے۔ اسی طرح ہر روز بازار میں چلے جایا کرتے تھوڑے عرصہ میں وہ مالدار ہو گئے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان کے بدن پر خوشبو کا نشان تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کی کہ میں نے انصار کی ایک عورت سے شادی کی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ مہر کتنا دیا؟ عرض کی کہ پانچ درہم بھر سونا۔ فرمایا کہ "ولیمہ دو خواہ ایک بکری ہو"۔[1] حضرت عبدالرحمٰن کی طرح کئی اور مہاجرین نے بھی تجارت کا کام شروع کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ عقدِ برادری کے بعد انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہمارے نخلستان ہمارے بھائیوں اور ہم میں تقسیم فرما دیں۔ آپ نے فرمایا، نہیں۔ یہ سُن کر انصار نے مہاجرین سے کہا کہ کام (درختوں کو پانی دینا وغیرہ) تم کیا کرو۔ ہم تمہیں پھل میں شریک کر لیں گے۔ اس پر سب نے کہا بسر و چشم۔[2] یہ مساقات کی صورت تھی۔ مگر بعض نخلستان محض منیحہ کے طور پر بھی دیئے ہوئے

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب۔ باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المہاجرین والانصار ۱۲

[2] صحیح بخاری۔ ابواب الحرث والمزارعۃ۔

ہوئے تھے۔ جن میں کام بھی خود انصار کرتے تھے۔ اور مہاجرین کو پیداوار کا نصف دیتے تھے۔

یہ عقد برادری نصرت ومواسات وتوارث پر تھا۔ اس لئے جب کوئی انصاری وفات پاتا تھا تو اس کی جائداد ومال مہاجر کو ملتا تھا۔ اور قریبی رشتہ دار محروم رہتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(حشر۔ ع ۱)

اور (فی رہے واسطے) ان لوگوں کے جنہوں نے مہاجرین سے پہلے دار السلام (مدینہ) اور ایمان میں جگہ پکڑی۔ وہ دوست رکھتے ہیں ان کو جو وطن چھوڑ کر ان کے پاس آتے ہیں۔ اور اپنے دلوں میں کوئی دغدغہ نہیں پاتے اس چیز سے جو مہاجرین کو دی گئی۔ اور ان کو اپنی جانوں سے اول رکھتے ہیں اگرچہ خود ان کو تنگی ہو۔ اور جو کوئی اپنے نفس کے حرص سے بچایا جائے۔ وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے

صحیح بخاری میں یہ قصہ مذکور ہے کہ ایک بھوکا سائل جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ نے گھر میں دریافت کیا کہ کچھ کھانے کو ہے جواب آیا کہ صرف پانی۔ آپ نے فرمایا کہ کون ہے جو اس کو اپنا مہمان بنائے۔ ایک انصاری نے کہا میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ اسے اپنے گھر لے گیا۔ اور بیوی

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب ویؤثرون علیٰ انفسھم

سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کو کھانا کھلاؤ۔ وہ بولی کہ صرف بچوں کی خوراک موجود ہے۔ کہا کہ تو وہ کھانا تیار کر۔ اور چراغ روشن کر کے کھانے کے وقت بچوں کو سُلا دینا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ جب میاں بیوی اور مہمان کھانے پر بیٹھے تو بیوی نے بتی اکسانے کے بہانہ سے اٹھ کر چراغ گل کر دیا۔ میاں بیوی بھوکے رہے۔ اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں۔ صبح کو وہ انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ رات اللہ تعالیٰ تمہارے نیک کام سے راضی ہوا۔ اور وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ الآیہ نازل فرمائی۔

جب ۴ھ میں بنو نضیر جلا وطن ہوئے اور ان کے اموال (اراضی و نخلستان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آئے تو آپ نے تمام انصار کو بلا کر فرمایا[1]۔ اگر تم چاہتے ہو تو میں بنو نضیر کے اموال تم میں اور مہاجرین میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ اور مہاجرین تمہارے گھروں اور اموال میں بدستور رہیں گے۔ اور اگر تم چاہتے ہو تو یہ اموال مہاجرین کو بانٹ دیتا ہوں اور وہ تمہارے گھروں اور اموال سے بے دخل ہو جائیں گے۔ حضرات سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ان اموال کو آپ مہاجرین میں تقسیم کر دیجئے۔ وہ ہمارے گھروں اور اموال میں بدستور رہیں گے۔ یہ سُن کر انصار بولے۔ یا رسول اللہ! ہم اس پر راضی ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "خدایا! تو انصار اور ابنائے انصار پر رحم فرما۔" اس طرح

---

[1] زرقانی علی المواہب۔ غزوۂ بنی نضیر۔ بحوالہ اکلیل حاکم نیشاپوری۔ نیز دیکھو فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر صفحہ ۲۶۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اموال بنی نضیر صرف مہاجرین میں تقسیم فرما دیئے۔

سنہ ۸ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن الحضرمی کو بغرض تبلیغ ولایت بحرین میں بھیجا۔ منذر بن ساوی حاکم بحرین اور وہاں کے تمام عرب ایمان لائے۔ باقی اہلِ بحرین (مجوس و یہود و نصاریٰ) نے جزیہ پر صلح کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا۔ تاکہ بحرین کا جزیہ و خراج انصار کے لئے لکھ دیں۔ مگر انصار نے عرض کیا "نہیں[1]۔ اللہ کی قسم! ایسا نہ کیجئے۔ یہاں تک کہ حضور ہمارے قریشی بھائیوں کے لئے اتنا ہی مال لکھ دیں"

جب سنہ ۷ھ میں خیبر فتح ہوا تو مہاجرین کے حصہ میں اس قدر مال آیا کہ انکو انصار کے نخلستان کی حاجت نہ رہی۔ اس لئے انہوں نے وہ نخلستان جو بطور اباحت ان کے پاس تھے انصار کو واپس کر دیئے[2]۔

اذان کی ابتدار

جب مدینہ منورہ میں مسجد جامع تیار ہو چکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال آیا کہ مسلمانوں کو نماز کے لئے کس طرح جمع کیا جائے۔ آپ نے اپنے اصحاب کرام سے مشورہ کیا۔ ظاہر ہے کہ ایک وقت اور ایک مکان میں اجتماع بغیر اعلام و آگاہی کے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے صحابہ کرام نے اعلام کیلئے

۱؎ صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب ما اقطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من البحرین وما وعد من مال البحرین والجزیۃ۔ یہ حدیث کتاب المناقب اور کتاب المساقات میں بھی وارد ہے۔

۲؎ صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب رد المہاجرین الی الانصار منائحھم من الشجر والثمر حین استغنوا عنہا بالفتوح

کئی طریقے پیش کئے۔ بعض نے کہا کہ آگ روشن کر کے اونچی کر دی جائے۔
مسلمان اسے دیکھ کر جمع ہو جایا کرینگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بوجہ مشابہت
مجوس اس طریقہ کو پسند نہ فرمایا۔ بعضوں نے ناقوس تجویز کیا۔ مگر بوجہ مشابہت
نصاریٰ یہ تجویز رد کر دی گئی۔ اسی طرح بوق کو بوجہ مشابہت یہود پسند نہ کیا گیا
حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ ایک شخص کو نماز کے وقت بغرض
اعلام بھیج دیا جائے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے
فرمایا کہ اٹھ کر نماز کے لیئے ندا کر دے۔ چنانچہ حضرت بلال یوں ندا کر دیا کرتے
الصلوٰۃ جامعۃ اسی اثنا میں حضرت عبداللہ بن زید انصاری کو خواب میں ان
سب سے بہتر طریق تبلا دیا گیا۔ اور وہ مروّجہ اذان شرعی ہے۔ حضرت عبداللہ
نے اپنا خواب بارگاہِ رسالت میں عرض کیا۔ حضور انور بابی ہو وامی پر اس سے
پہلے اس بارے میں وحی آچکی تھی۔ اس لیئے آپ نے سن کر فرمایا کہ بیشک یہ
رویا حق ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ حضرت بلال
کو کلمات اذان کی تلقین کر دو۔ وہ وہ اذان دیں گے۔ کیونکہ ان کی آواز تم سے
بلند اور نرم و شیریں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

یہود سے معاہدہ

اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور یہود مدینہ کے
درمیان ایک معاہدہ تحریر فرمایا۔ جس کے شرائط کی پوری تفصیل سیرت ابن ہشام
میں ہے۔ ان شرائط کا خلاصہ یہ ہے:-

۱۔ خونبہا اور فدیہ کا طریقہ۔ سابقہ قائم رہے گا۔

۲- ہر دو فریق کو مذہبی آزادی ہوگی- ایک دوسرے کے دین سے تعرض نہ کرینگے-

۳- ہر دو فریق ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں گے-

۴- اگر ایک فریق کو کسی سے لڑائی پیش آئے تو دوسرا اس کی مدد کرے گا-

۵- اگر فریقین میں ایسا اختلاف پیدا ہو جائے کہ جس سے فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور رسول پر چھوڑ دیا جائے گا-

۶- کوئی فریق، قریش اور ان کے معاونین کو امان نہ دے گا-

۷- اگر کوئی دشمن یثرب پر حملہ آور ہو- تو ہر دو فریق مل کر اس کا مقابلہ کرینگے-

۸- اگر ایک فریق کسی سے صلح کریگا- تو اس مصالحت میں دُوسرا فریق بھی شامل ہوگا- مگر مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی-

ہجرت کا دُوسرا سال

تحویلِ قبلہ

نماز اسلام کا ایک رکن ہے- اور نماز کی روح خشوع ہے- خشوع کیلئے باطنی یکجہتی کے ساتھ ظاہری یکجہتی بھی درکار ہے- کیونکہ ظاہر کا اثر باطن پر ضرور پڑتا ہے اور مقصود اصلی کو تقویت پہنچتی ہے- نماز جماعت و جمعہ میں اتحادِ جہت کا اثر جو دوسرے نمازیوں پر پڑتا ہے محتاج بیان نہیں- اس لئے نماز میں ایک جہت کا تعین ضروری ہے- مگر اس تعیّن میں انسانی عقل کو دخل نہیں- بلکہ جو ذاتِ پاک سزاوارِ عبادت ہے یہ تعیّن اسی کا حق ہے-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مکہ میں کعبہ کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے-

ہجرت کے بعد بحکم الٰہی بنا بر حکمت و مصلحتِ وقت بیت المقدس آپ کا قبلہ مقرر ہوا۔ چنانچہ آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی۔ یہود آپ پر طعن کیا کرتے تھے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ مگر قبلہ میں ہمارے تابع ہیں۔ اس لئے آپکی یہ آرزو رہی کہ ملتِ ابراہیمی کی طرح میرا قبلہ بھی ابراہیمی ہی ہو۔ مدت مذکورہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ آرزو پوری کردی۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ (البقرہ - ع ۱۷)

بیشک ہم دیکھتے ہیں تیرے منہ کا پھرنا آسمان کی طرف پس ضرور ہم پھیریں گے تجھ کو اس قبلہ کی طرف کہ تو اسے پسند کرتا ہے پس پھیر منہ اپنا مسجد حرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو۔ پس پھیرو منہ اپنے اس کی طرف۔

اِس تحویل کی کیفیت یہ ہے کہ نصف رجب یوم دوشنبہ یا نصف شعبان یوم سہ شنبہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی سلمہ میں نماز ظہر پڑھا رہے تھے۔ تیسری رکعت کے رکوع میں تھے کہ وحیٔ الٰہی سے آپ نے نماز ہی میں کعبہ کی طرف رخ کرلیا۔ اور مقتدیوں نے بھی آپ کا اتباع کیا۔ اس مسجد کو مسجد قبلتین کہتے ہیں۔ ایک نمازی جو شامل جماعت تھا عصر کے وقت مسجد بنی حارثہ میں گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں انصار نماز عصر بیت المقدس کی طرف پڑھ رہے ہیں۔ اس نے تحویلِ قبلہ کی خبر دی۔ وہ لوگ نماز ہی میں کعبہ رخ ہو گئے۔ دوسرے روز قبا میں عین اس وقت خبر پہنچی جب کہ لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں

نے بھی اسی حال میں اپنا رخ بدل کر کعبہ کی طرف کر لیا۔

تحویلِ قبلہ یہودیوں پر سخت ناگوار گزرا۔ وہ اس پر اعتراض کرنے لگے۔ ان کا اعتراض اور اس کا جواب قرآن کریم میں یوں مذکور ہے۔

۱۔ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

اب کہیں گے لوگوں میں سے بیوقوف کس چیز نے پھیرا ان کو ان کے قبلے سے جس پر وہ تھے۔ کہہ دے اللہ کی ہی مشرق اور مغرب۔ چلاتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔

۲۔ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ ۗ

(البقرہ۔ ع ۱۷)

اور نہیں مقرر کیا ہم نے قبلہ اس کو جس پر تو پہلے تھا۔ (یعنی کعبہ) مگر اسی واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا۔ اور کون پھر جاوے گا۔ الٹے پاؤں۔ اور البتہ یہ قبلہ ہے شاق و دشوار۔ مگر ان لوگوں پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے (حکمت احکام کی)

پہلی آیت میں ان کا اعتراض نقل کر کے یوں جواب دیا گیا کہ شرق و غرب بلکہ جہات ستہ سب خدا کی ہیں۔ اس کو کسی خاص جہت سے خصوصیت نہیں کیونکہ وہ مکان و جہت سے پاک ہے۔ وہ جس جہت کو چاہے قبلہ مقرر کر دے۔ ہمارا کام اطاعت ہے۔ دوسری آیت میں مذکور ہے کہ تحویل قبلہ اس واسطے ہوا کہ ثابت و متزلزل میں تمیز ہو جائے۔

غزوات وسرایا کا آغاز

اِسی سال سلسلہ غزوات وسرایا شروع ہوتا ہے۔ محدثین واہلِ سیر کی اصطلاح میں غزوہ وہ لشکر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ اقدس شامل ہوں۔ اور اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بذات شریف شامل نہ ہوں۔ بلکہ اپنے اصحاب میں سے کسی کو دشمن کے مقابلہ میں بھیج دیں تو وہ لشکر سریہ کہلاتا ہے۔ غزوات تعداد میں ستائیس ہیں۔ جن میں سے نو میں قتال وقوع میں آیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔ بدر، احد، مریسیع، خندق، قریظہ، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف۔ سرایا کی تعداد سینتالیس ہے۔ نظر بر اختصار ہم سرایا کو پس انداز کر کے غزوات و بعض دیگر وقائع کا حال سنہ وار پیش کرتے ہیں۔

ہجرت کے بعد بھی کفار قریش مسلمانوں کے مذہبی فرائض کی بجاآوری میں مزاحم ہوتے تھے۔ اور اسلام کے مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔ بلکہ دیگر قبائل کو بھی مسلمانوں کی مخالفت پر برانگیختہ کرتے تھے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اغراض کے لئے اپنے اصحاب کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں (سرایا) اطراف مدینہ میں بھیجنی شروع کیں۔ بلکہ بعض دفعہ خود بھی شرکت فرمائی۔ کہیں دشمن کی نقل وحرکت کی خبر لانے کے لئے۔ کہیں بعض قبیلوں سے معاہدہ قائم کرنے کے لئے اور کہیں محض مدافعت کے لئے ایسا کیا گیا۔ ہاں ایک غرض یہ بھی تھی کہ قریش کی شامی تجارت کا راستہ بند کر دیا جائے۔ اور یہ وہی بات ہے جس کی دھمکی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کے بعد ابوجہل کو خاص خانہ کعبہ میں یوں دی تھی۔ کہ اگر تم نے ہم کو طواف کعبہ سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا

بقیہ برصفحہ آئندہ

راستہ بند کر دیں گے۔ چونکہ قریش بالعموم مسلمانوں کو حج و عمرہ سے روکتے تھے۔ اس لئے مجبوراً مسلمانوں کو ان کے تجارتی قافلوں سے تعرض کرنا پڑا۔ تاکہ مذہبی مداخلت سے باز آجائیں۔

غزوہ ابوا[1] اسی سال کے ماہ صفر میں۔ غزوہ بواط[2] و غزوہ بدر اولیٰ ماہ ربیع الاول میں اور غزوہ ذوالعشیرہ[3] ماہ جمادی الاخریٰ میں ہوا۔ بدر اولیٰ[4] کرز بن جابر فہری کی گوشمالی کے لئے تھا جو مدینہ منورہ کے اونٹ ہانک لے گیا تھا۔ باقی تینوں قافلہ قریش سے تعرض کے لئے تھے۔ مگر ان میں سے کسی میں بھی مقابلہ نہیں ہوا۔

غزوہ ذوالعشیرہ کے بعد ماہ رجب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آٹھ یا بقول بعض بارہ مہاجرین کی جمعیت کے ساتھ نخلہ[5] کی طرف روانہ کیا۔ وہ نخلہ میں پہنچ کر قافلہ قریش کے منتظر رہے۔ ناگاہ قریش کے اونٹوں کا قافلہ جن پر وہ شراب، منقہ اور چمڑا وغیرہ مال تجارت طائف سے لا رہے تھے ان کے قریب اترا۔ اس قافلے میں عمرو[6] بن حضرمی، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ

حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و من یقتل ببدر۔

[1] ابوا ایک قریہ ہے جو جحفہ سے ۲۳ میل ہے۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر ہے۔

[2] بواط ایک پہاڑ کا نام ہے جو ینبع سے ایک دن کی راہ ہے۔

[3] ذوالعشیرہ مکہ مدینہ کے درمیان میں ینبع کے نواح میں واقع ہے۔

[4] بدر ایک کوئیں کا نام ہے۔ بدر اور مدینہ منورہ کے درمیان سات برید (منزل) ہیں۔

[5] یہ مقام مکہ و طائف کے درمیان مکہ سے ایک دن کی راہ ہے۔

[6] عمرو بن حضرمی کا باپ عبداللہ حضرمی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اور ابوجہل کے باپ ہشام بن مغیرہ کا آزاد کردہ غلام حکم بن کیسان تھے۔ فریقین میں مقابلہ ہوا۔ اس میں حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی نے ایک تیر سے عمرو بن حضرمی کا کام تمام کر دیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔ حضرت عبداللہ بن جحش دونوں اسیروں اور مال غنیمت کو لیکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے غنیمت تقسیم فرما دی۔ حضرت حکم بن کیسان اسلام لائے۔ عثمان بن عبداللہ کو چھوڑ دیا گیا۔ وہ مکہ میں چلا گیا، اور کفر پر مرا۔

اسی سال کے ماہ شعبان میں ماہِ رمضان کے روزے فرض ہوئے اور ماہِ رمضان میں غزوۂ بدر ثانیہ وقوع میں آیا۔

غزوۂ بدر کبریٰ

غزوۂ بدر سب سے بڑا غزوہ ہے۔ اس کا سبب عمرو بن حضرمی کا قتل اور قافلۂ قریش کا شام کی طرف سے آنا تھا۔ یہ وہی قافلہ تھا جس کے قصد سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ذوالعشیرہ تک تشریف لے گئے تھے۔ امیر قافلہ ابوسفیان تھا۔ اس قافلے میں قریش کا بہت سامال تھا۔ جب یہ قافلہ بدر کے قریب پہنچا۔ تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی۔ آپ نے فوراً مسلمانوں کو نکلنے کی دعوت دی۔ اس لئے جلدی سے تیاری کر کے آپ بتاریخ ۱۲ ماہ رمضان بروز ہفتہ مدینہ سے نکلے۔ اور مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر بِرابی عتبہ پر لشکرگاہ مقرر ہوا۔ یہاں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ حرب بن امیہ کا حلیف تھا۔ اور حرب قریش کا رئیس تھا۔ اور عثمان و نوفل حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا مغیرہ کے بیٹے تھے جو رؤساء قریش کے زمرہ میں شمار ہوتا تھا۔

لشکر کا جائزہ لینے کے بعد آپ نے صغیر السن صحابہ (مثلاً ابن عمرؓ، براء بن عازبؓ، انسؓ بن مالک، جابرؓ، زید بن ثابتؓ اور رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو واپس کر دیا۔ اور باقی کو لیکر روانہ ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی عمیرؓ[1] جن کی عمر سولہ سال کی تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھ بچا رہے تھے۔ کیونکہ ان کو شہادت کا شوق تھا۔ مگر ڈرتے تھے کہ کہیں چھوٹی عمر کے سبب واپس نہ کر دیئے جائیں۔ چنانچہ جب پیش ہوئے تو واپسی کا حکم ملا۔ اس پر آپ رونے لگے۔ لہٰذا اس رحمۃ للعالمین نے شمولیت کی اجازت دیدی۔ بلکہ ان پر خود اپنی تلوار کا پرتلہ لگا دیا۔

واضح رہے کہ مسلمان محض قافلہ قریش سے تعرض[2] کے لئے نکلے تھے۔ ان کو علم نہ تھا۔ کہ فوجِ قریش سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس لئے فوری نامکمل تیاری کی گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس کا سواری کا اونٹ موجود ہو

---

[1] طبقات ابن سعد و استیعاب و اصابہ۔ ترجمہ عمیر بن ابی وقاص۔

[2] حدیث کعب بن مالک میں ہے انما خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرید عیر قریش حتی جمع اللہ بینہ وبینھم علیٰ غیر میعاد (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف قافلۂ قریش کے قصد سے نکلے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریق کو اچانک مقابل کر دیا) یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے۔ اور قرآن کریم کی آیت ذیل کی صحیح تفسیر ہے۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۙ (انفال۔ ع ۵)	اور اگر آپس میں تم وعدے کرتے۔ تو نہ پہنچتے وعدے پر۔ لیکن اللہ کو کر ڈالنا تھا ایک امر کا جو ہو چکا تھا۔

حدیث کعب کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں۔ جو اسی مضمون کی تائید کرتی ہیں۔

وہ سوار ہو کر ہمارے ساتھ چلے۔ انصار آپ سے ان اونٹوں کے لانے کے لئے جو مدینہ کے حصۂ بالائی میں تھے، اجازت مانگنے لگے۔ آپ نے فرمایا "نہیں صرف وہی ساتھ چلے جس کا سواری کا اونٹ حاضر ہے"۔[1]

آپ کے ساتھ صرف ستّر اونٹ دو گھوڑے اور تین سو آٹھ مجاہدین تھے جن میں سے مہاجرین کچھ ساٹھ سے اوپر تھے اور باقی سب انصار تھے۔ آٹھ صحابہ اور تھے۔ جو بوجہ عذر شامل نہ ہو سکے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی غنیمت میں سے پورا حصہ دیا۔ لہٰذا یہ بھی اصحاب بدر میں شمار ہوتے ہیں۔ ان آٹھ میں سے تین تو مہاجرین تھے یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنی اہلیہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمار داری کیلئے حضور ہی کے ارشاد سے مدینہ منورہ میں رہ گئے تھے۔ اور حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور سعیدؓ بن زید (ہر دو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) جنکو حضور نے روانگی سے دس روز پیشتر قافلۂ قریش کی خبر لانے کے لئے بھیج دیا تھا اور وہ آپ کی روانگی کے بعد مدینہ میں واپس آئے تھے۔ اور پانچ انصار تھے یعنی ابولبابہ بن عبد المنذر جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غیبت میں مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ عاصم بن عدی العجلانی جو روحا[2] سے ضرب شدید کے سبب واپس کر دیئے گئے اور مدینہ منورہ کی بالائی آبادی (عالیہ) کے حاکم بنائے گئے۔ حارث بن حاطب العمری جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روحا سے کسی خاص کام کے لئے بنو عمرو بن عوف کے پاس بھیج دیا۔ حارث بن الصمہ جو روحا میں ٹانگ پر ضرب شدید

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب سقوط فرض الجہاد عن المعذورین۔ حدیث انس بن مالک۔

[2] بدر سے ۳۶ میل ہے۔

آنے کے سبب واپس کر دیئے گئے۔ اور خوات بن جبیر جو اثنائے راہ میں ساق پر پتھر لگنے کے سبب مقام صفرا[۱] سے واپس کر دیئے گئے۔

سواری کے لئے تین تین مجاہدین کو ایک ایک اونٹ ملا ہوا تھا۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ اور حضرت مرثدؓ غنوی[۲] ایک اونٹ پر اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف دوسرے پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روحاء سے چل کر صفراء کے قریب پہنچے تو آپ نے حضرت بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء کو قافلۂ قریش کی خبر لانے کیلئے بھیجا وہ بدر میں پہنچے اور وہاں سے یہ خبر سُن کر آئے کہ قافلہ کل یا پرسوں[۳] بدر میں پہنچے گا۔ ابوسفیان کو شام میں خبر لگی تھی کہ حضرت قافلہ کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس لئے اس نے حجاز کے قریب پہنچ کر ضمضم بن عمرو کو بیس مثقال سونے کی اجرت پر مکہ میں قریش کے پاس بھیجا۔ تاکہ ان کو قافلہ کے بچانے کی ترغیب دے۔ چنانچہ ضمضم اونٹ پر سوار ہو کر فوراً روانہ ہو گیا۔

مکہ پہنچ کر ضمضم نے اپنے اونٹ کے ناک کان کاٹ دیئے تھے۔ کجاوہ الٹ دیا تھا۔ اور اپنی قمیص پھاڑ دی تھی۔ اس ہیئت کذائی میں وہ اپنے اونٹ

۱ے بدر سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔

۲ے مقام روحاء تک حضرت مرثد کی جگہ حضرت ابولبابہ تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ کی باری پیدل چلنے کی آتی۔ تو حضرت علی و ابولبابہ عرض کرتے کہ آپ سوار ہو لیں۔ ہم بجائے آپ کے پیدل چلتے ہیں۔ مگر حضور فرماتے۔ تم پیدل چلنے پر مجھ سے زیادہ قادر نہیں ہو اور نہ میں تمہاری نسبت اجر کا کم خواہاں ہوں۔ طبقات ابن سعد۔ غزوۂ بدر۔

۳ے سیرت ابن ہشام۔

پر سوار یُوں پکار پکار کر کہہ رہا تھا "اے گروہِ قریش[1]! قافلہ تجارت! قافلہ تجارت! تمہارا مال ابو سفیان کے ساتھ ہے۔ محمد اور اس کے اصحاب اس کے سدِ راہ ہو گئے ہیں۔ مَیں خیال نہیں کرتا کہ تم اسے بچالو گے۔ فریاد! فریاد!" یہ سن کر قریش کہنے لگے۔ کیا محمد اور اس کے اصحاب گمان کرتے ہیں۔ کہ یہ قافلہ بھی عمرو بن حضرمی کی مانند ہو گا؟ ہر گز نہیں۔ اللہ کی قسم! انہیں معلوم ہو جائیگا، کہ ایسا نہیں۔ غرض قریش جلدی نکلے۔ اور ان کے اشراف میں سے سوائے ابو لہب کے کوئی پیچھے نہ رہا۔ اور اس نے بھی اپنے عوض ابو جہل کے بھائی عاص بن ہشام کو بھیجا اور چار ہزار درہم جو بطور سُود اس سے لینے تھے۔ اس صلے میں اس کو معاف کر دیئے۔ امیہ بن خلف نے بھی پیچھے رہ جانے کا ارادہ کیا تھا۔ کیونکہ اس نے حضرت سعد بن معاذ سے ہجرت کے بعد مکہ مشرفہ میں سنا تھا کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ہاتھ سے قتل ہو گا۔ مگر ابو جہل نے کہا۔ تُو اہل وادیٔ مکہ کا سردار ہے۔ اگر تُو پیچھے رہ گیا۔ دوسرے بھی دیکھا دیکھی تیرے ساتھ رہ جائینگے۔ غرض پس و پیش کے بعد ابو جہل کے اصرار پر وہ بھی ساتھ ہو لیا[2]۔

قریش جب بڑے ساز و سامان سے اس طرح چلنے کو تیار ہو گئے۔ تو انہیں بنو کنانہ کی طرف سے اندیشہ پیدا ہوا کیونکہ بدر سے پہلے قریش و کنانہ میں لڑائی جاری تھی۔ اس لئے قریش خائف تھے۔ کہ مبادا کینہ سابق کے سبب ہمارے پیچھے ہم کو کوئی ضرر پہنچائیں۔ اس وقت ابلیس[3] بصورت سراقہ بن مالک ظاہر ہوا۔ جو کنانہ

---

[1] سیرت ابن ہشام۔

[2] صحیح بخاری۔ باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل ببدر

[3] سیرت ابن ہشام

کا سردار تھا۔ اور کہنے لگا مَیں ضامن ہوں تمہارے پیچھے بنو کنانہ سے تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ مَیں تمہارے ساتھ ہوں۔[1] اس طرح ابلیس لعین بصورتِ سراقہ لشکرِ قریش کے ساتھ تھا۔ علاوہ ازیں اہلِ مکہ کے ساتھ گانے والی عورتیں اور آلاتِ ملاہی بھی تھے۔ رسد کا انتظام یہ تھا کہ امرائے قریش عباس، عتبہ بن ربیعہ۔ حارث بن عامر، نضر بن حارث، ابوجہل امیہ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا۔

جب ابوسفیان مدینہ کے نواح میں پہنچا۔ اور قریش کی کمک اس کی مدد کو نہ پہنچی۔ تو وہ نہایت خوفزدہ ہوا۔ کہ کہیں مسلمان کمین گاہ میں نہ ہوں۔ اسی حال میں وہ بدر میں جا پہنچا۔ وہاں اس نے مجدی بن عمرو سے پوچھا۔ کیا تو نے محمد کے جاسوسوں میں سے کسی کو دیکھا ہے؟ مجدی بولا" اللہ کی قسم! مَیں نے کسی اجنبی شخص کو نہیں دیکھا۔ ہاں اس مقام پر دو سوار آئے تھے۔ یہ کہہ کر عدی و بسبس کے مناخ[2] کی کی طرف اشارہ کیا۔ ابوسفیان نے انکے اونٹوں کی مینگنیوں کو لیکر توڑا تو کیا دیکھتا ہے کہ ان میں کھجور کی گٹھلیاں ہیں۔ کہنے لگا۔ ان اونٹوں[3] نے یثرب کی کھجوریں کھائی

---

[1] قرآن مجید کی آیت ذیل میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ (الانفال۔ ع ۶)

اور جس وقت سنوارنے لگا شیطان انکی نظر میں انکے کام اور بولا کوئی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن۔ اور مَیں رفیق ہوں تمہارا۔

[2] اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ کو مناخ بولتے ہیں۔

[3] طبقات ابن سعد۔ غزوۂ بدر ۱۲

ہیں۔ وہ تو محمد کے جاسوس تھے۔ لہٰذا اس نے اپنے قافلے کے اونٹوں کے منہ پھیر دیئے۔ اور بدر کو بائیں ہاتھ چھوڑ کر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ مکہ کو روانہ ہوا۔ جب وہ قافلے کو محلِ خطر سے بچا لے گیا۔ تو اس نے قیس بن امرئ القیس کے ہاتھ قریش کو کہلا بھیجا۔ کہ میں نے قافلے کو بچا لیا ہے۔ لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔ یہ قاصد جحفہ[1] میں قریش سے ملا۔ اور انہیں ابو سفیان کا پیغام پہنچایا۔ قریش نے واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ مگر ابو جہل بولا کہ ہم بدر[2] سے ورے واپس نہ ہونگے۔ وہاں تین دن ٹھہرینگے اونٹ ذبح کرینگے۔ اور کھائیں کھلائیں گے۔ شراب پئیں گے اور راگ سنیں گے۔ اس طرح قبائلِ عرب کے اطراف میں ہماری عظمت و شوکت کا آوازہ پھیل جائے گا۔[3] اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ پس ابو جہل کی رائے پر عمل کیا گیا۔ جحفہ ہی میں اخنس[4] بن شریق الثقفی نے اپنے حلیف بنو زہرہ کو جو ایک سو اور بقول بعض تین سو مرد

---

[1] جحفہ مدینے کے راستے میں مکہ سے تین یا چار منزل ہے اور غدیر خم سے دو میل اور ساحل بحر سے قریباً تین منزل ہے معجم البلدان لیاقوت الحموی۔

[2] کامل لابن الاثیر۔ غزوۂ بدر۔ بدر موسم عرب میں ایک موسم بھی تھا جہاں ہر سال ایک دفعہ میلا لگا کرتا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر پہنچنے کے لئے جو راستہ اختیار فرمایا تھا وہ روحاء میں سے تھا روحاء اور مدینے کے درمیان چار دن کا رستہ ہے۔ پھر روحاء سے منصرف ایک برید۔ پھر ذات اجذال ایک برید۔ پھر معالات ایک برید۔ پھر اثیل ایک برید۔ اور اثیل سے بدر دو میل۔ طبقات ابن سعد۔

[3] قرآن کریم کی آیت ذیل میں اسی طرف اشارہ ہوا ہے:۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ (انفال۔ ع ٦)	اور مت ہو کہ جیسے نکلے وہ لوگ اپنے گھروں سے اتراتے۔ اور لوگوں کو دکھاتے اور روکتے اللہ کی راہ سے۔ اور اللہ کے قابو میں ہے جو وہ کرتے ہیں

[4] حاشیہ برصفحہ آئندہ

تھے۔ مشورہ دیا کہ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے اس طرح بنو عدی بن کعب جو قریش کے ساتھ آئے تھے۔ ثنیۂ لفت سے واپس لوٹ گئے۔ اور واپسی میں ابوسفیان ان سے ملا اور کہنے لگا۔ اے بنو عدی تم کیونکر لوٹ آئے۔ لا فی العیر ولا فی النفیر (نہ قافلے میں اور نہ قریش میں) وہ بولے کہ تو نے ہی تو قریش کو لوٹ جانے کا پیغام بھیجا تھا۔ غرض بنو زہرہ اور بنو عدی کے سوا تمام قریش کے قبائل لڑائی میں شامل تھے۔

مقام صفرا کے نزدیک وادیٔ ذفران میں حضور اقدس کی خدمت میں حضرت جبرئیلؑ دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ لاتے پس آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ اور پوچھا۔ کہ تم کیا چاہتے ہو عیر (قافلہ) یا نفیر (گروہ قریش) مسلمان چونکہ محض قافلہ کے قصد سے نکلے تھے۔ تعداد بھی کم تھی۔ اور سامان جنگ بھی کافی نہ تھا۔ اس لئے ایک فریق اس حالت میں لڑائی سے ہچکچاتا تھا۔ وہ بولے عیر۔ یہ سن کر حضور اقدس

حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اس کا اصلی نام ابی تھا۔ مگر جب بنو زہرہ کو لوٹا لے گیا تو کہا گیا خنس بہم (وہ ان کو واپس لے گیا) لہٰذا اسکو اخنس کہنے لگے (طبقات ابن سعد) اسکے اسلام میں اختلاف ہے۔ دیکھو اصابہ فی تمیز الصحابہ۔

۱؎ طبقات ابن سعد۔ مگر ضرب الامثال للمیدانی میں ہے۔ کہ ابوسفیان کا یہ خطاب بنو زہرہ سے تھا۔ اور اسی میں لکھا ہے۔ کہ یہ مثل سب سے پہلے ابوسفیان کی زبان سے نکلی تھی۔ بقول اصمعی اسے ایسے مقام پر بولا جاتا ہے جہاں کسی شخص کی قدرے تحقیر و تصغیر منظور ہو۔

۲؎ سورہ انفال رکوع اول میں ہے کَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ (آیہ ۵ تا ۱۱) بعض نے پانچویں آیت میں وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ کو حال حقیقیہ سمجھ کر کہا ہے۔ کہ مدینہ سے نکلنے اور اس گروہ کے جی چرانے کا وقت ایک ہی تھا۔ اور ساتویں آیت اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ کی رو سے دو فریق (کاروان تجارت و فوج قریش) میں سے ایک کا وعدہ بھی مدینہ ہی میں تھا۔ مگر یہ درست نہیں۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

صلی اللہ علیہ وسلم ناخوش ہوئے۔ لہذا ابوبکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر تقریر کی۔ اور خوب[1] کہا۔ پھر حضرت عمرؓ نے تقریر کی اور اچھی کی۔ پھر حضرت مقدادؓ بن عمرو کھڑے ہوئے اور بولے کہ "یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو بتایا ہے وہ کیجئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم نہیں[2] کہتے جیسا کہ حضرت موسیٰ کی قوم نے کہا تھا۔ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا[3] بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے لڑیں گے۔" یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور حضرت مقداد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ پھر آپ نے انصار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ مجھے مشورہ دو۔ انصار کی طرف اشارہ کی وجہ یہ تھی۔ کہ انھوں نے بیعت عقبہ کے وقت کہا تھا[4] "یا رسول اللہ!

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کیونکہ جملہ وَإِنَّ فَرِيقًا حال حقیقیہ نہیں بلکہ مقدرہ ہے جیسا کہ تمام کتب تفسیر میں مذکور ہے۔ اور وَإِذْ يَعِدُكُمْ میں واؤ عاطفہ نہیں بلکہ استیناف ہے اور اذ ظرف ہے فعل مقدر اذکر واکا نہ کہ اخرجك کا۔ اس میں شک نہیں کہ نویں آیت (إِذْ تَسْتَغِيثُونَ) میں اور گیارھویں آیت (إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ) میں اذ بدل ہے إِذْ يَعِدُكُمْ سے۔ پس بنا بر تقریر بعض مذکور خروج من البیت وعدہ احدی الطائفتین استغاثہ مسلمین نیند کا طاری ہونا اور مینہ کا برسنا یہ سب مدینہ ہی میں ہونا چاہئے وھٰذا الکما تری تفصیل کے لئے رسالہ غزوات النبی مؤلفہ خاکسار دیکھو۔

[1] سیرت ابن ہشام۔

[2] صحیح بخاری۔ غزوہ بدر۔ باب قول اللہ تعالیٰ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ الآیہ سیرت ابن ہشام میں حضرت مقداد کی تقریر میں یہ بھی ہے "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ برک الغماد کا قصد کرینگے تو ہم تلوار چلائیں گے۔ یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں۔" بعض روایتوں میں یہی الفاظ حضرت سعد بن معاذ کی طرف منسوب ہیں۔ ممکن ہے دونوں نے ایسا ہی کہا ہو۔ جیسا کہ ابن الدهینہ کا قول ہے (معجم البلدان لیاقوت الحموی) برک الغماد مکہ مشرفہ سے پانچ دن کی راہ اقصائے یمن میں حبشہ کے مقابل ایک شہر ہے۔

[3] فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ (المائدہ ع ۴) تو جا اور تیرا رب دونوں لڑو ہم یہاں ہی بیٹھے ہیں۔

[4] سیرت ابن ہشام غزوہ بدر

ہم آپ کے ذمام یعنی عہد سے بری ہیں۔ یہاں تک کہ آپ ہمارے دیار میں پہنچ جائیں جب آپ ہمارے دیار میں پہنچیں گے تو ہمارے امان و عہد میں ہونگے۔ اور ہم آپ کی حمایت کرینگے۔ ہر ایسے امر سے کہ اس سے ہم اپنی اولاد اور عورتوں کی حمایت کرتے ہیں۔" چونکہ اس عبارت سے ایک طرح کا وہم ہوتا تھا۔ کہ انصار پر صرف مدینے ہی میں حضور کی حمایت واجب تھی۔ لہٰذا آپ نے اس مقام پر محض ان کے حال سے استکشاف و استمزاج کے لئے ایسا کیا۔ انصار نے جب حضور کا ارشاد سنا تو حضرت سعد بن معاذ نے جو اکابر انصار میں سے تھے۔ یوں جواب دیا[1]۔ "ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ اور شاہد ہیں اس امر پر کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہی حق ہے اور اس تصدیق پر ہم نے آپ کو اپنی اطاعت کے عہد و مواثیق دیتے ہوئے ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ جہاں چاہیں چلیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ اس سمندر کو عبور کرنا چاہیں اور اس میں کود پڑیں تو بیشک ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں کود پڑیں گے۔ اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں یہ ناگوار نہیں۔ کہ کل کو آپ ہمیں ساتھ لیکر دشمن کا مقابلہ کریں۔ ہم لڑائی میں صابر اور دشمن کے مقابلے کے وقت صادق ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ مقابلے میں ہمارے ہاتھ سے آپ کو وہ دکھائے کہ جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ لہٰذا آپ ہم کو اللہ کی برکت سے لے چلیں۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے اس قول سے خوش ہوئے اور فرمایا۔ کہ "اللہ کی برکت سے چلو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو باتوں (قافلہ اور فوج قریش) میں سے

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ غزوۂ بدر۔

ایک[۱] کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اللہ کی قسم! گویا میں قریش کی موت کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں۔
یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈے تیار کئے۔ سب سے بڑا جھنڈا مہاجرین کا تھا۔
جو حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن
المنذر کے پاس تھا۔ اور قبیلہ اوس کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ نے اٹھایا ہوا تھا
مشرکین کے ساتھ بھی تین جھنڈے تھے۔ ایک ابوعزیز بن عمیر۔ دوسرا النضر بن حارث
اور تیسرا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بتاریخ
۱۷ ماہ رمضان جمعہ کی رات کو بدر میں قریب کے میدان میں اترے اور قریش دوسری
طرف اترے[۲]۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات علیؓ و زبیرؓ و سعدؓ بن ابی وقاص
کو مشرکین کا حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ قریش کے دو غلام پکڑ لائے۔

---

[۱] قرآن کریم میں ہے:۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (انفال۔ ع ۱)	اور جب وعدہ کرتا ہے اللہ ایک کا دو جماعتوں میں سے کہ یہ واسطے تمہارے ہے۔ اور تم دوست رکھتے ہو یہ کہ بن شوکت والا ہی ہووے واسطے تمہارے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ سچا کرے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹے پیچھا کافروں کا۔

حضور اقدس کا مطلب یہ تھا کہ کاروان اور لشکر قریش میں سے ایک کا وعدہ ہو چکا ہے۔ اب قافلہ تو ہاتھ سے جاتا رہا۔ لہٰذا قریش گرفتار ہوں گے۔

[۲] قرآن کریم میں ہے:۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ط (انفال ع ۵)	جس وقت تم تھے ورے کے ناکے پر اور وہ پرے کے ناکے پر اور قافلہ نیچے اتر گیا تم سے۔

یعنی مسلمان قریب کے میدان میں مدینے کی طرف کو اترے اور کفار پرلے ناکے پر مکہ کی طرف اترے اور قافلہ مسلمانوں سے نیچے کی طرف ساحل سمندر کے قریب تھا۔

اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ کرام نے ان غلاموں[1]
سے پوچھا۔ کیا تم ابوسفیان کے ساتھی ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہم تو قریش
کے سقّے ہیں۔ قریش نے ہمیں پانی پلانے کے لئے بھیجا ہے۔ اس پر صحابہؓ کرام
نے انہیں مارا۔ جب وہ درد سے بے چین ہوئے تو کہنے لگے۔ کہ ہم ابوسفیان کے
ساتھی ہیں۔ اتنے میں حضرت نماز سے فارغ ہوئے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے
فرمایا۔ "جب یہ تم سے سچ بولے تم نے ان کو مارا۔ اور جب تم سے جھوٹ بولے۔ تو
ان کو چھوڑ دیا۔ اللہ کی قسم! انہوں نے سچ کہا۔ وہ قریش کے ساتھی ہیں"۔ پھر حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں سے قریش کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے
جواب دیا۔ اللہ کی قسم! یہ تودۂ ریگ جو نظر آرہا ہے۔ اس کے پیچھے ہیں۔ آپ نے
دریافت فرمایا کہ قریش تعداد میں کتنے ہیں؟ وہ بولے۔ کہ ہمیں معلوم نہیں۔ پھر آپ
نے پوچھا کہ وہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن
دس اور ایک دن نو۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ہزار اور نو سو کے درمیان ہیں (واقع میں
وہ ساڑھے نو سو تھے۔ اور ان کے پاس سو گھوڑے تھے) پھر آپ نے پوچھا۔
سرداران قریش میں سے کون کون آئے ہیں؟ وہ بولے عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ
ابوجہل بن ہشام۔ ابوالبختری بن ہشام۔ حکیم بن حزام۔ نوفل بن خویلد۔ حارث بن
عامر بن نوفل۔ طعیمہ بن عدی ابن نوفل۔ نضر بن حارث۔ زمعہ بن اسود۔ امیہ
بن خلف۔ نبیہ و منبّہ پسران حجاج۔ سہل بن عمرو۔ عمرو بن عبدِ وُدّ۔ یہ سن کر حضور نے

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ مگر صحیح مسلم میں ایک غلام کا ذکر ہے۔ بظاہر حدیث مسلم کے راوی نے ایک ہی کے
ذکر پر اختصار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اپنے اصحاب سے فرمایا "لو! مکہ نے اپنے جگر پارے تمہاری طرف بھیج دیئے ہیں"۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جلدی کوچ کر کے کوؤں کی طرف آئے۔ اور جو کوآں بدر کے سب سے قریب تھا اُس پر اترے۔ حضرت حباب بن منذر نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! جہاں آپ ہیں وہ اچھی جگہ نہیں۔ آپ ہمیں اس کوئیں پر لے چلیں جو قریش کے سب سے نزدیک ہو۔ میں بدر سے اور اس کے کوؤں سے واقف ہوں وہاں ایک میٹھے پانی کا کوآں ہے۔ جس کا پانی ختم نہیں ہوتا۔ ہم اس پر ایک حوض بنالیں گے۔ اس میں سے پئیں گے۔ اور جنگ کریں گے۔ اور باقی کوؤں کو بند کر دینگے۔ تاکہ کفار کو پانی نہ ملے"۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حباب کی رائے درست ہے۔ علاوہ ازیں جہاں مسلمان اترے ہوئے تھے وہ نرم ریتلی زمین تھی۔ جس میں آدمیوں کے پاؤں اور چپاپوں کے کھر اور سُم دھنستے تھے۔ اور جہاں کفار ٹھہرے ہوئے تھے انہوں نے وہاں کوئیں کھود لئے تھے۔ اور پانی جمع کر لیا تھا۔ مسلمانوں میں سے بعض کو غسلِ جنابت اور بعض کو وضو کی حاجت تھی۔ اور پیاسے تھے۔ پانی نہ ملتا تھا۔ پس شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارا گمان ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ پیغمبر ہمارے درمیان ہیں اور ہم اللہ کے پیارے ہیں۔ حالانکہ مشرکین پانی پر قابض ہیں۔ اور تم جُنُب اور مُحدِث ہونے کی حالت میں نمازیں پڑھتے ہو۔ پھر تمہیں کس طرح امید ہو سکتی ہے۔ کہ تم ان پر غالب آجاؤ گے۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند[1] طاری کر دی۔ جس سے ان کا رنج و تعب دور ہو گیا۔ اور

---

[1] حاشیہ بر صفحہ آئندہ۔

مینہ برسا دیا۔ جس سے انہوں نے پیا۔ غسل کیا۔ اپنے چوپایوں کو پلایا۔ اور مشکیں بھر لیں۔ اور ریت سخت ہو گئی جس پر چلنا آسان ہو گیا۔ اور کفار کی زمین کیچڑ ہو گئی جس پر چلنا دشوار ہو گیا۔ اس طرح وسوسہ شیطانی جاتا رہا اور اطمینان حاصل ہو گیا۔

غرض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب وہاں سے چل کر کفار سے پہلے آب بدر پر پہنچ گئے۔ اور قریش کے سب سے قریب کوئیں پر اترے۔ اور اس پر حوض بنا کر پانی سے بھر لیا۔ اور دوسرے کوؤں کو بند کر دیا۔ پھر حضور اقدس کے لئے اونچی جگہ پر ایک عریش (کھجور کی شاخوں کا سائبان) بنایا گیا۔ اور حضرت بذاتِ خود معرکہ کی جگہ پر تشریف لے گئے۔ اور دست مبارک کے اشارے سے فرماتے تھے کہ یہ فلاں کافر کے مارے جانے کی جگہ ہے۔ اور یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا۔ لڑائی میں ویسا ہی وقوع میں آیا۔ ان میں سے کسی نے بھی اشارے کی جگہ سے سرِ مو تجاوز نہ کیا۔ یہ سب کچھ جمعہ کی رات بتاریخ ۱۷ ماہ رمضان المبارک واقع ہوا۔ کفار کیچڑ کے سبب سے اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حضرت مع صدیق اکبر رضؓ عریش میں داخل ہوئے۔ یارِ غار یہاں بھی عریش کے اندر اپنے آقائے نامدار کی حفاظت کے لئے[1] شمشیر برہنہ علم کئے ہوئے

حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ قرآن مجید میں ہے:۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاۤءِ مَاۤءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ؕ (انفال ع ۲)

اور جس وقت ڈال دی تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کو اور اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کرے اور دور کرے تم سے شیطان کی نجاست اور محکم کر دے تمہارے دلوں پر اور ثابت کرے اسکے سبب تمہارے قدم

[1] صواعق محرقہ لابن حجر المکی بحوالہ مسند بزار ص۱۷۔

تھا۔ اور دروازے پر حضرت سعد بن معاذ تلوار آڑے لٹکائے پہرہ دے رہے تھے۔[1]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات بیدار اور مصروفِ دعا رہے۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کے لئے آواز دی۔ اور نماز سے فارغ ہو کر جہاد پر وعظ[1] فرمایا۔ پھر آپ صف آرائی میں مشغول ہوئے۔ آپ کے دست مبارک میں ایک تیر کی لکڑی تھی جس سے کسی کو آپ اشارہ فرماتے کہ آگے ہو جاؤ اور کسی سے ارشاد فرماتے تھے کہ پیچھے ہو جاؤ۔ چنانچہ حضرت سواد بن[2] غزیہ انصاری جو صف سے آگے نکلے ہوئے تھے حضور اقدس نے اس لکڑی سے انکے پیٹ کو ٹھوکا دیا اور فرمایا استو یا سواد (اے سواد برابر ہو جاؤ) حضرت سواد نے عرض کی۔ یا رسول اللہ آپ نے مجھے ضرب شدید لگائی ہے۔ حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حق و انصاف کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ مجھے قصاص دیں۔ یہ سُن کر حضور نے اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا۔ اور فرمایا۔ اپنا قصاص لے لو۔ اس پر حضرت سواد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے لپٹ گئے۔ اور آپ کے شکم مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور نے پوچھا۔ اے سواد! تو نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت سواد نے عرض کی۔ یا رسول اللہ موت حاضر ہے۔ مَیں نے چاہا کہ آخر عمر میں میرا بدن آپ کے بدن اطہر سے مس کر جائے۔ یہ سُن کر آپ نے اس کے لئے دعائے خیر فرمائی اور اس نے معاف کر دیا۔ اسی اثنا میں مشرکین بھی نمودار ہوئے۔ حضور اقدس نے انکی تعداد کثیر دیکھ کر یوں دعا فرمائی "یا اللہ! یہ قریش فخر و تکبر کرتے آ پہنچے ہیں۔ اور چاہتے

---

[1] منتخب کنز الاعمال بروایت ابن عساکر۔

[2] سیرت ابن ہشام۔ غزوۂ بدر بروایت ابن اسحاق۔

ہیں۔ کہ تیرے ساتھ جنگ کریں اور تیرے رسول کو جھٹلائیں۔ اے خدا میں اس نصرت کا منتظر ہوں۔ جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے۔“

جب ہر دو فریق صف آرائی کر چکے۔ تو قریش نے عمیر بن وہب جمحی کو لشکرِ اسلام کی تعداد معلوم کرنے بھیجا۔ وہ لشکرِ اسلام میں آیا۔ اور دیکھ بھال کے بعد واپس جا کر کہنے لگا ”مسلمان کم وبیش تین سو ہیں۔ اور ان کے ساتھ ستر اونٹ اور دو گھوڑے ہیں۔ اے گروہ قریش میں نے دیکھا کہ ان کے اونٹوں کے پالان موتوں کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ یثرب کے آب کش اونٹ زہرِ قاتل سے لدے ہوئے ہیں۔ ان کو اپنی تلواروں کے سوا اور کوئی پناہ نہیں۔ وہ گونگے ہیں۔ کلام نہیں کر سکتے اور سانپوں کی طرح زبانیں منہ سے نکالتے ہیں۔ اللہ کی قسم۔ میری رائے میں ان میں سے ایک شخص بھی قتل نہیں ہو سکتا۔ تاوقتیکہ تم میں سے ایک کو قتل نہ کرے۔ پس جب وہ تم میں سے اپنی تعداد کے برابر قتل کر دیں گے تو اسکے بعد تمہارا جینا کیسا ہو گا۔ اس لئے تم آپس میں مشورہ کر لو“ جب حکیم بن حزام نے یہ سنا تو عتبہ بن ربیعہ کے پاس گیا۔ اور اس سے کہا۔ اے ابوالولید! تو قریش کا سردار ہے۔ کیا تو چاہتا ہے کہ آخر زمانے تک دنیا میں تیرا ذکرِ خیر رہے؟ وہ بولا۔ پھر میں کیا کروں؟ حکیم نے کہا لوگوں کو واپس لے جا اور اپنے حلیف عمرو بن حضرمی کا خون بہا ادا کر دے۔ عتبہ نے کہا۔ بے شک وہ میرا حلیف تھا۔ اس کا خون بہا اور اس کا نقصان مال جو ہوا، وہ سب میرے ذمہ ہے۔ تو ابن الحنظلیہ (ابوجہل) کے پاس جا۔ کیونکہ وہی ہے جس کی طرف سے مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں میں لڑائی کرا دے۔ پھر عتبہ نے کھڑے ہو کر یوں تقریر

۱؎ طبقات ابن سعد۔ غزوۂ بدر

کی "اے گروہِ قریش! تمہیں محمد اور اس کے اصحاب کے ساتھ لڑنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کی قسم اگر تم محمدؐ کو قتل کرو گے تو تم میں سے ہر ایک کو ان میں اپنے چچیرے بھائی کے قاتل یا ماموں زاد بھائی کے قاتل یا اپنے خاندان کے کسی شخص کے قاتل کا منہ ہر وقت دیکھنا پڑے گا۔ اس لئے لوٹ چلو۔ اور محمد اور باقی عرب کو خود آپس میں سمجھ لینے دو۔" حکیم مذکور کا بیان ہے کہ میں ابوجہل کے پاس گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ابوجہل نے زرہ دان میں سے اپنی زرہ نکالی ہوئی ہے۔ اُسے زیتون کے تیل کی چپڑ لگ رہا ہے۔ میں نے کہا۔ اے ابوالحکم! عتبہ نے مجھے ایسا ایسا کہہ کر تیرے پاس بھیجا ہے۔ ابوجہل نے کہا "خدا کی قسم[1]! محمد اور اس کے اصحاب کو دیکھ کر اس کا سینہ پھول گیا ہے۔ (یعنی بزدل ہو گیا ہے) خدا کی قسم ہم ہرگز واپس نہ ہونگے۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور محمد کے درمیان فیصلہ کر دے۔ عتبہ بزدل تو نہیں ہے مگر اس نے دیکھا کہ محمد اور اس کے اصحاب چند اونٹوں کا گوشت کھانے والے ہیں۔ اور ان میں ان کا بیٹا ابوحذیفہ ہے۔ اس کے بارے میں وہ تم سے ڈر گیا ہے۔" پھر ابوجہل نے عامر بن حضرمی کو کہلا بھیجا کہ تیرا حلیف عتبہ چاہتا ہے۔ کہ لوگوں کو ہٹا لے جاوے۔ اور تو قصاص چاہتا ہے۔ اس لئے اُٹھ اور اپنے بھائی کا قصاص اور عہد و پیمان یاد دلا۔ اس پر عامر مذکور اٹھا اور اپنے چوتڑ ننگے کر کے چلّایا واعمراہ واعمراہ۔ یہ دیکھ کر لوگوں کی رائے بدل گئی۔ جب عتبہ کو معلوم ہوا کہ ابوجہل نے اسکی نسبت یہ الفاظ (اللہ کی قسم اس کا سینہ پھول گیا ہے) کہے ہیں۔ تو بولا "وہ حلقۂ دبر[2]

---

[1] طبقات ابن سعد۔ غزوۂ بدر۔

[2] ابوجہل لعین کے حلقۂ دبر پر ایک برص کا داغ تھا۔ جسے وہ زعفران لگا کر زرد رکھا کرتا تھا۔ سیرت ابن ہشام۔

زرد کئے ہوئے جلدی جان لے گا کہ کس کا سینہ پھول گیا ہے میرا یا اس کا"۔ یہ کہہ کر عتبہ نے اپنے سر کے لئے خود طلب کی۔ مگر اس کی کھوپری اتنی بڑی تھی کہ تمام لشکر میں ایسی خود نہ ملی جو اس کے سر پر ٹھیک آجائے۔ اس لئے اس نے چادر سے اپنا سر ڈھانپ لیا۔ اس طرح قریش آمادہ جنگ ہو گئے۔ عتبہ نے عمیر بن وہب سے کہا کہ جنگ کرو اس لئے وہ سو سوار لے کر حملہ آور ہوا۔ مسلمان اپنی صف پر قائم رہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میری اجازت کے بغیر لڑائی نہ کرنا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نیند[1] طاری ہو گئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! قریش ہم پر آپڑے ہیں۔ حضور بیدار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خواب میں قریش تھوڑے دکھائے[2]۔ اگر بہت دکھاتا تو مسلمان تعداد کثیر کا نام سن کر ڈر جاتے۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو دیکھیے۔ کہ میدان جنگ میں التحامِ حرب سے پہلے مسلمانوں کو کفار تھوڑے[3] دکھائے تاکہ وہ جنگ پر اقدام کریں۔ اور کفار کو

---

[1] درمنثور للسیوطی بحوالہ دلائل بیہقی۔ جزء ثالث صفحہ ۱۶۷۔

[2] قرآن کریم میں ہے:۔

اِذْ یُرِیْکَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ (انفال۔ ع ۵)	جب اللہ نے ان کو دکھایا تیرے خواب میں تھوڑے۔ اگر وہ تجھ کو بہت دکھاتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور جھگڑا ڈالتے کام میں لیکن اللہ نے بچالیا۔ اسکو معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں۔

[3] قرآن مجید میں ہے:۔

وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○ (انفال۔ ع ۵)	اور جب تم کو دکھائی دی وہ فوج وقت ملاقات کے تمہاری آنکھوں میں تھوڑی۔ اور تم کو تھوڑا دکھایا انکی آنکھوں میں۔ تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو ہو چکا تھا اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی۔

مسلمان تھوڑے دکھائے جس سے انہوں نے لڑنے میں بہت کوشش نہ کی۔

مسلمانوں میں سے جو سب سے پہلے لڑائی کے لئے نکلا۔ وہ حضرت عمر فاروقؓ کا آزاد کردہ غلام مہجع نام تھا۔ جسے عامر بن حضرمی نے تیر سے شہید کیا۔ وہ مسلمانوں میں پہلا قتیل تھا۔ پھر انصار میں سے حضرت حارثہ بن سراقہ شہید ہوئے۔ بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ترغیب دی اور فرمایا۱ "بہشت کی طرف اٹھو۔ جس کا عرض آسمان و زمین ہے"۔ یہ سن کر حضرت عمیر بن حمام انصاری بولے "یا رسول اللہ! بہشت جس کا عرض آسمان و زمین ہے؟" آپ نے فرمایا ہاں۔ تب حضرت عمیر نے کہا واہ وا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تو نے واہ وا کیوں کہا۔ حضرت عمیر نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! فقط اس توقع پر کہ میں اہل بہشت سے ہو جاؤں"۔ آپ نے فرمایا۔ "تب تو بیشک اہل بہشت میں سے ہے"۔ اس پر حضرت عمیر نے اپنی ترکش سے چھوارے نکال کر کھانے شروع کئے۔ پھر کہنے لگے "اگر میں زندہ رہوں یہاں تک کہ یہ چھوارے کھالوں۔ تو البتہ یہ لمبی زندگی ہے"۔ یہ کہہ کر حضرت عمیر نے چھوارے جو پاس تھے پھینک دیئے۔ پھر جہاد کیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ دوسری جانب صفِ اعدا میں سے اسود بن عبد الاسد مخزومی جو بد خلق تھا۔ آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ "میں اللہ سے عہد کرتا ہوں۔ کہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پیوں گا۔ یا اسے ویران کردوں گا یا اس سے ورے مر جاؤنگا"۔ ادھر سے حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب نکلے۔ اسود حوض تک پہنچنے نہ پایا کہ حضرت حمزہؓ نے اس کا پاؤں نصف ساق تک کاٹ دیا۔ اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا۔ پھر وہ حوض کے قریب پہنچا۔ یہاں تک کہ اس میں گر پڑا۔

---

۱ صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب سقوط فرض الجہاد عن المعذورین۔

تاکہ اس کی قسم پوری ہو جائے۔ حضرت حمزہؓ نے اس کا تعاقب کیا۔ اور حوض ہی میں اس کا کام تمام کر دیا۔ بعد ازاں شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن ربیعہ نکلے مشرکین نے چلا کر کہا "اے محمد ہماری طرف اپنی قوم میں سے ہمارے جوڑ کے آدمی بھیجئے" یہ سن کر حضور نے فرمایا "اے بنی ہاشم! اٹھو۔ اور اس حق کی حمایت میں لڑو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا ہے۔ کیونکہ وہ باطل لائے ہیں تاکہ اللہ کے نور کو بجھا دیں" پس حضرت حمزہؓ (جن کے سینۂ مبارک پر بطور نشان شترمرغ کا پر تھا) اور علیؓ بن ابی طالب اور عبیدہؓ بن مطّلب بن عبد مناف دشمن کی طرف بڑھے۔ اور ان کے سروں پر خود تھے۔ عتبہ نے کہا "تم بولو تاکہ ہم پہچان لیں" حضرت حمزہؓ نے کہا "میں حمزہ بن عبد المطّلب شیرِ خدا اور شیرِ رسول ہوں" عتبہ بولا "یہ اچھا جوڑ ہے۔ میں حلیفوں کا شیر ہوں" پھر اس نے اپنے بیٹے سے کہا۔ ولید اٹھ پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ ولیدؓ کی طرف بڑھے۔ اور ایک نے دوسرے پر وار کیا۔ مگر حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر عتبہ اٹھا حضرت حمزہؓ اس کی طرف بڑھے اور اسے قتل کر دیا۔ پھر شیبہ اٹھا۔ حضرت عبیدہؓ جو اصحاب میں سے عمر میں سب سے بڑے تھے۔ اس کی طرف بڑھے۔ شیبہ نے تلوار کی دھار حضرت عبیدہؓ کے پاؤں پر ماری۔ جو پنڈلی کے گوشت پر لگی اور اسے کاٹ دیا۔ پھر حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ شیبہ پر حملہ آور ہوئے اور اسے قتل کر دیا۔ اور حضرت عبیدہؓ کو اٹھا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضرت عبیدہؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ!

۱؎ ابن سعد نے اس قول کو ثبت کیا ہے۔ مگر سنن ابی داؤد میں بروایت حضرت علی وارد ہے۔ کہ حضرت عبیدہ اور ولید میں مقابلہ ہوا۔ اور حضرت علی کا مقابلہ شیبہ سے ہوا۔

کیا مَیں شہید نہیں ہوں؟ حضور نے فرمایا "ہاں"۔ پھر حضرت عبیدہ نے کہا۔ اگر ابُو طالب اس حالت میں مجھے دیکھتا۔ تو مان جاتا کہ مَیں اس کی نسبت اس کے شعر ذیل کا زیادہ مستحق ہوں ۔

ونسلمہ حتّٰی نصرع حولہ — ہم محمد کو حوالہ نہ کریں گے یہاں تک کہ ان کے گرد

ونذھل عن ابنائنا والحلائل — لڑکر مرجائیں اور اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں

یہ سب کچھ ہر دو فوج کے اجتماعی حملہ سے پہلے وقوع میں آیا۔ پھر دونوں فوجیں مقابلہ کے لئے نزدیک ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تاکید فرمادی کہ میرے حکم کے بغیر حملہ نہ کرو۔ اگر تمہیں دشمن آگھیرے تو نیزوں سے اسے دور رکھو اہل اسلام نے جب جنگ سے چارہ نہ دیکھا تو اپنی تعداد کی کمی اور دشمن کی کثرت دیکھ کر خدا سے دعا کرنے لگے۔ حضرت بھی صفیں درست کرنے کے بعد عریش میں تشریف لے آئے۔ عریش میں بجز یارِ غار آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ اس وقت حضور انور قبلہ رو ہو کر یوں دست بدعا ہوئے "یا اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اُسے پُورا کر۔ یا اللہ! تو نے جو کچھ مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ عطا کر۔ یا اللہ اگر تو مسلمانوں کا یہ گروہ ہلاک کردے گا۔ تو روئے زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی"۔ حضورؐ نے دعا میں اتنا الحاح کیا کہ چادر شانۂ مبارک سے گر پڑی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے چادر اٹھا کر شانۂ مبارک پر ڈال دی۔ پھر آپ کا دست مبارک پکڑ لیا اور

---

۵۱ ان چھ (حضرت حمزہ۔ حضرت علی۔ حضرت عبیدہ بن حارث۔ عتبہ۔ شیبہ۔ ولید بن عتبہ) کے بارے میں سورۂ حج کی یہ آیت نازل ہوئی۔ ھٰذان خصمٰن اختصموا فی ربھم (صحیح بخاری۔ تفسیر سورۂ حج)

۵۲ اللّٰھم انجز لی ما وعدتنی اللّٰھم آت ما وعدتنی اللّٰھم انک ان تھلک ھٰذہ العصابۃ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض (صحیح مسلم باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم)

عرض کیا۔ "یانبی اللہ آپ کو اپنے پروردگار سے اتنی ہی درخواست کافی ہے۔[1] جو اس نے آپ سے وعدہ کیا ہے وہ جلدی پورا کر دے گا۔" عرش ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غنودگی طاری ہوئی۔ جب بیدار ہوئے تو فرمایا "ابو بکر! بشارت ہو۔ اللہ کی نصرت آ پہنچی۔ حضرت جبرئیل گھوڑے پر سوار باگ پکڑے آ رہے ہیں۔ اور ان کے دندان پیشین پر غبار ہے۔" اس انعام کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے:۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ	جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے
اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ	تو پہنچا تمہاری پکار کو کہ میں تمہاری مدد
مُرْدِفِيْنَ ○ (انفال۔ ع ۱)	بھیجوں گا ہزار فرشتے لگاتار آنے والے۔

پہلے ہزار فرشتے آئے۔ پھر تین[2] ہزار ہو گئے۔ بعد ازاں بصورت صبر و تقویٰ پانچ

---

[1] امام خطابی فرماتے ہیں۔ کہ اس سے نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس حالت میں وعدہ الٰہی پر زیادہ اعتماد تھا۔ کیونکہ یہ قطعاً ناجائز ہے۔ بلکہ حضور نے اپنے اصحابؓ پر شفقت اور انکے دلوں کی تقویت کیلئے ایسا کیا۔ اس لئے کہ یہ دشمن کے ساتھ پہلا مقابلہ تھا۔ لہٰذا دعا میں الحاح فرمایا کہ ان کے دل کو تسکین حاصل ہو۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ حضور کا وسیلہ مقبول اور انکی دعا مستجاب ہے۔ پس حضرت صدیق اکبرؓ کو قوت و طمانیت قلبی سے معلوم ہو گیا کہ حضور کی دعا قبول ہو گئی۔ تو انہوں نے عرض کی کہ بس یہ کافی ہے۔ عینی شرح بخاری۔

[2] قرآن کریم میں ہے:۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ	جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو۔ کیا تم کو کفایت نہیں
رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ○	کہ تمہاری مدد بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان
بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ	سے اترے۔ البتہ اگر تم ٹھہرے رہو اور پرہیزگاری کرو
هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ	تم۔ اور وہ آویں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے رب تمہارا
مُسَوِّمِيْنَ ○ (آل عمران۔ ع ۱۳)	پانچ ہزار فرشتے پلے ہوئے گھوڑوں پر۔

ہزار ہو گئے۔ شیطان نے جو بصورت سراقہ کفار کے ساتھ تھا۔ جب یہ آسمانی مدد دیکھی۔ تو اپنی جان کے ڈر سے بھاگ گیا[۱]۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کنکریوں کی مٹھی لے کر کفار کی طرف پھینک[۲] دی۔ کوئی مشرک ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں کنکریاں نہ ہوں۔ اب حضور نے حملہ اجتماعی کا حکم دیا۔ گھمسان کے معرکہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے کفار کو مسلمان اپنے سے دو چند[۳] دکھائے۔ جس سے ان پر رعب طاری ہو گیا۔ قتل کا بازار گرم ہوا۔ فرشتے نظر نہ آتے تھے۔ مگر ان کے افعال نمایاں تھے۔ کہیں کسی مشرک کے منہ اور ناک پر کوڑے کی ضرب کا نشان پایا جاتا۔ کہیں بے تلوار سر کٹتا

---

[۱] چنانچہ قرآن مجید میں ہے:-

فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (انفال۔ ع ۶)

پس جب سامنے ہوئیں دو فوجیں الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر۔ اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں۔ میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔

[۲] اسی کی نسبت قرآن مجید میں وارد ہے:-

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال۔ ع ۲)

اور تو نے نہیں پھینکی تھی مٹھی خاک جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی۔

[۳] چنانچہ قرآن کریم میں ہے:-

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ۝ (آل عمران۔ ع ۲)

ابھی ہو چکا ہے تم کو ایک نمونہ دو فوجوں میں جو بھڑی تھیں ایک فوج ہے لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری منکر ہے دیکھتے تھے وہ کافر مسلمانوں کو اپنے دو برابر صریح آنکھوں سے۔ اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے۔ اسمیں عبرت ہے آنکھ والوں کے لئے

نظر آتا کہیں آواز آتی۔ اقدم حیزوم۔[1] آخر کفار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے ننگی تلوار علم کیئے یہ پکارتے ہوئے نکلے سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (قمر۔ع ۳)[2]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ارشاد فرمایا[3] تھا۔ کہ "مجھے معلوم ہے۔ کہ بنو ہاشم وغیرہ میں سے چند لوگ بجبر و اکراہ کفار کے ساتھ شامل ہو کر آئے ہیں۔ جو ہم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ اگر ان میں سے کوئی تمہارے مقابل آ جائے تو تم اسے قتل نہ کرو۔" حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے نام بھی بتا دیئے تھے۔ ازانجملہ ابو البختری عاص بن ہشام تھا۔ جو مکہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی اذیت نہ دیا کرتا تھا۔ ابو البختری کے ساتھ جناوہ بن ملیحہ بھی اس کا ردیف تھا مجذر بن زیاد کی نظر جو ابو البختری پر پڑی۔ تو کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تیرے قتل سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے تجھے چھوڑتا ہوں۔" ابو البختری نے کہا۔ میرے رفیق کو بھی۔ مجذر نے کہا۔ "اللہ کی قسم! ہم تیرے رفیق کو نہیں چھوڑنے کے ہمیں رسول اللہ نے فقط تیرے چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔" ابو البختری نے کہا۔ "تب اللہ کی قسم میں اور وہ دونوں جان دیں گے۔ میں مکہ کی عورتوں کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا۔ کہ ابو البختری نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا۔" جب مجذر نے حملہ کیا۔ تو

---

[1] حیزوم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے۔ یعنی اے حیزوم آگے بڑھو۔

[2] ترجمہ۔ شتاب شکست کھاوے گی جماعت اور بھاگیں گے پیٹھ دے کر انتہی۔ اس آیت میں نبوت کا ایک نشان ہے۔ کیونکہ مکہ مشرفہ میں نازل ہوئی جس میں پہلے یہ بتایا گیا تھا کہ کفار کو ہزیمت ہو گی۔

[3] سیرت ابن ہشام۔ غزوہ بدر۔

ابوالبختری بھی یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔

لن یسلم ابن حرۃ زمیلہ — شریف زادہ اپنے رفیق کو نہیں چھوڑ سکتا۔

حتّٰی یموت اویری سبیلہ — جب تک مرنہ جائے، یا اپنے رفیق کے بچاؤ کی راہ نہ دیکھ لے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا دشمن امیہ بن خلف بھی جنگِ بدر میں شریک تھا ور اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے اسی امیہ کے غلام تھے۔ امیہ ان کو اذیت دیا کرتا تھا۔ تاکہ اسلام چھوڑ دیں۔ مکہ کی گرم ریت میں پیٹھ کے بل لٹا کر ایک بھاری پتھر انکے سینے پر پتھر رکھ دیا کرتا تھا۔ پھر کہا کرتا تھا۔ تمہیں یہ حالت پسند ہے یا ترکِ اسلام؟ حضرت بلال رض اس حالت میں بھی احد احد پکارا کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کسی زمانہ میں مکہ میں امیہ سے معاہدہ کیا تھا۔ کہ وہ مدینہ میں آئے گا۔ تو یہ اس کی جان کے ضامن ہونگے۔ عہد کی پابندی کو ملحوظ رکھکر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے چاہا کہ وہ میدانِ جنگ سے بچ کر نکل جائے۔ اس لئے اس کو اور اس کے بیٹے کو لیکر ایک پہاڑ پر چڑھے۔ اتفاق یہ کہ حضرت بلال نے دیکھ لیا۔ اور انصار کو خبر کردی۔ لوگ دفعۃً ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے امیہ کے بیٹے کو آگے کردیا۔ لوگوں نے اسے قتل کردیا۔ لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی۔ اور امیہ کی طرف بڑھے۔ امیہ چونکہ جسیم و ثقیل تھا۔ اس لئے حضرت عبدالرحمٰن نے کہا تم زمین پر لیٹ جاؤ۔ وہ لیٹ گیا تو آپ اس پر چھا گئے۔ تاکہ لوگ اسکو مارنے نہ پائیں۔ مگر لوگوں نے حضرت عبدالرحمٰن کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کردیا۔ حضرت عبدالرحمٰن کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی۔ اور زخم کا نشان مدتوں باقی رہا[1]۔

[1] صحیح بخاری کتاب الوکالۃ

جب میدان کارزار سرد ہو گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا کون ہے۔ جو ابو جہل کی خبر لائے۔ یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن مسعود گئے۔ اور اسے اس حال میں پایا کہ عفراء کے بیٹوں معاذ اور معوذ نے اسے ضرب شمشیر سے گرایا ہوا تھا اور اس میں ابھی رمق حیات باقی تھا۔ حضرت ابن مسعود اس لعین کے سینے پر بیٹھ گئے۔ اور اس کی ناپاک ڈاڑھی کو پکڑ کر کہا۔ کیا تو ابو جہل ہے؟ بتا آج تجھے اللہ نے رسوا کیا؟ اس لعین نے جواب دیا "رسوا کیا کیا؟ تمہارا مجھے قتل کرنا اس سے زیادہ[1] نہیں کہ ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر ڈالا۔ کاش مجھے کسان کے سوا کوئی اور قتل کرتا۔" اس جواب میں اس لعین کا تکبر اور انصار کی تحقیر پائی جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت معاذ اور معوذ انصار میں سے تھے۔ اور انصار کھیتی باڑی کا کام کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت ابن مسعود نے اس لعین کا کام تمام کر دیا۔ اور یہ خبر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لائے۔ حضور نے یہ سن کر تین بار اللہ الذی لا الہ الا ھو پڑھا۔ چوتھی بار یوں فرمایا اللہ اکبر الحمد للہ الذی صدق وعدہ ونصر الاحزاب وحدہ۔ پھر آپ حضرت ابن مسعود کو ساتھ لے کر اس لعین کی لاش کے پاس تشریف لے گئے۔ اور دیکھ کر یہ فرمایا۔ "یہ اس امت کا فرعون ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے فارغ ہو کر حضرت زید بن حارثہ کو اس فتح کی خوشخبری دینے کے لئے مدینہ میں بھیجا۔ اور اسی غرض کے لئے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کو اہل عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) کی طرف بھیجا۔ جب حضرت زید

---

[1] اس لعین کا مطلب یہ تھا کہ تمہارا مجھے قتل کرنا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کو اس کی قوم قتل کر دے بس اس میں نہ تمہیں کوئی فخر ہے اور نہ مجھے کوئی عار ہے۔

مدینہ میں پہنچے۔ تو بقیع میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر رہے تھے۔

اس جنگ میں مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے جن کے اسمائے مبارک یہ ہیں:۔ حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف۔ حضرت عمیر بن ابی وقاص۔ حضرت ذو الشمالین عمیر بن عبد عمرو بن نضلہ۔ حضرت عاقل بن ابی بکیر حضرت مہجع موالے عمر بن الخطاب۔ حضرت صفوان بن بیضار (یہ چھ مہاجرین میں سے ہیں) حضرت سعد بن خیثمہ۔ حضرت مبشر بن عبد المنذر۔ حضرت حارثہ بن سراقہ حضرت عوف و معوذ پسران عفرار۔ حضرت عمیر بن حمام۔ حضرت رافع بن معلیٰ۔ حضرت یزید بن حارث بن فسحم (یہ آٹھ انصار میں سے ہیں) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ مشرکین میں سے ستر مقتول اور ستر گرفتار ہوئے۔ منجملہ مقتولین یہ ہیں:۔ شیبہ بن ربیعہ عتبہ بن ربیعہ۔ ولید بن عتبہ۔ عاص بن سعید بن عاص۔ ابو جہل بن ہشام۔ ابو البختری حنظلہ بن ابی سفیان بن حرب۔ حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف۔ طعیمہ بن عدی۔ زمعہ بن اسود بن مطلب۔ نوفل بن خویلد۔ عاص بن ہشام بن مغیرہ جو حضرت عمر فاروق اعظم کا ماموں تھا۔ امیہ بن خلف۔ علی بن امیہ بن خلف۔ منبہ بن حجاج۔ معبد بن وہب۔ اور منجملہ اسیران یہ ہیں۔ نوفل بن حارث بن عبد المطلب عباس بن عبد المطلب۔ عقیل بن ابی طالب۔ ابو العاص بن ربیع۔ عدی بن خیار۔ ابو عزیز بن عمیر۔ ولید بن ولید بن مغیرہ۔ عبد اللہ بن ابی بن خلف۔ ابو عزہ عمرو بن عبد اللہ جمحی شاعر۔ وہب بن عمیر بن وہب جمحی۔ ابو وداعہ بن ضبیرہ سہمی سہیل بن عمرو عامری۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مشرکین مقتولین میں سے چوبیس رؤسار کی لاشیں ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں جس میں مردار پھینکا کرتے تھے۔ امیہ

بن خلف جو زرہ میں پھول گیا تھا۔ اس پر جہاں وہ پڑا تھا وہیں مٹی ڈال دی گئی۔ اور باقی لاشوں کو اور جگہ پھینک دیا گیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی۔ کہ جب دشمن پر فتح پاتے تو تین دن میدان جنگ میں قیام فرماتے۔ چنانچہ بدر میں بھی تیسرے روز سوار ہو کر مقتولین کے گڑھے پر تشریف لے گئے اور ان سے یوں خطاب[۱] فرمایا۔ "اے بیٹے فلاں کے۔ اے فلاں بیٹے فلاں کے۔ کیا اب تمہیں تمنا ہے۔ کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے۔ جو کچھ ہمارے پروردگار نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ ہم نے اسے سچ پایا۔ کیا تم نے بھی اسے جو تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ سچ پایا۔" یہ دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ ان بے روح جسموں سے کیا خطاب فرما رہے ہیں؟" اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "قسم ہے خدا کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے[۲]۔" پھر جناب رسالت مآب علیہ الوف التحیہ والصلوٰۃ مظفر و منصور اسیران جنگ اور غنائم کے ساتھ مدینہ کو واپس ہوئے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام صفرا میں پہنچے جو بدر سے ایک منزل ہے۔ تو آپ نے تمام غنیمت مجاہدین میں[۳] برابر برابر تقسیم فرما دی۔ اسی مقام پر حضرت

۱۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب قتل ابی جہل۔

۲۔ اس سے سماع موتیٰ ثابت ہے۔ اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو کتاب البرزخ مولفہ خاکسار دیکھو

۳۔ غنیمت کے بارے میں مجاہدین میں جھگڑا ہوا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قل الانفال للہ والرسول الآیۃ نازل فرمائی اور تقسیم کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا۔ پس حضور بابی ہو وامی نے برابر برابر تقسیم فرمائی۔

عبیدہ بن حارث نے جن کا پائے مبارک کٹ گیا تھا۔ وفات پائی[1] صفراہی میں نضر بن حارث کو قتل کر دیا گیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر جب عرق الظبیہ میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عقبہ بن معیط قتل کر دیا گیا۔ مدینہ میں اس فتح کی اتنی خوشی تھی۔ کہ لوگوں نے مبارکباد کہنے کے لئے حضور اقدس کا مقام روحا میں استقبال کیا۔ اسیرانِ جنگ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دن بعد مدینہ میں پہنچے۔ آپ نے ان کو صحابہ میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور تاکید فرما دی تھی۔ کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ چنانچہ ابو عزیز بن عمیر کا بیان ہے۔ کہ جب مجھے بدر سے لائے تو میں انصار کی ایک جماعت میں تھا۔ وہ صبح یا شام کا کھانا لاتے۔ تو روٹی مجھے دیتے۔ اور خود کھجوریں کھاتے۔ ان میں سے جس کے ہاتھ روٹی کا ٹکڑا آتا۔ وہ میرے آگے رکھ دیتا۔ مجھے شرم آتی میں اسے واپس کرتا۔ مگر وہ مجھ ہی کو واپس دیتا اور ہاتھ نہ لگاتا۔[2]

جن قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے ان کو کپڑے دلوائے گئے۔ حضرت عباس چونکہ دراز قد تھے۔ کسی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہ اترتا تھا۔ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) نے جو حضرت عباس کا ہم قد تھا۔ اپنا کرتہ منگوا کر دیا۔ صحیح بخاری[3] میں سفیان بن عیینہ کا یہ قول منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ مذکور کو قبر سے نکلوا کر جو اپنا کرتہ پہنایا تھا۔ وہ اکثر کے نزدیک اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحاب سے

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ [2] سیرت ابن ہشام۔ غزوۂ بدر

[3] صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب ہل یخرج المیت من القبر واللحد لعلۃ۔

مشورہ کیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم اور آپ کا قبیلہ ہیں۔ انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ ان سے فدیہ لیا جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی توفیق دے"! حضرت فاروق اعظمؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! میری تو وہ رائے نہیں جو ابوبکرؓ کی ہے۔ بلکہ میری رائے تو یہ ہے۔ کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں۔ تاکہ ہم ان کو قتل کر ڈالیں۔ مثلاً عقیل کو حضرت علیؓ کے حوالہ کر دیں۔ اور میرے فلاں رشتہ دار کو میرے سپرد کر دیں"۔ حضور انور بابی ہو و امی نے حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے پر عمل[2] فرمایا۔

قیدیوں میں سے ہر ایک کا فدیہ حسب استطاعت ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک تھا۔ جن کے پاس مال نہ تھا۔ اور وہ لکھنا جانتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا فدیہ یہ تھا۔ کہ انصار کے دس[3] لڑکوں کو لکھنا سکھا دے۔ چنانچہ زید بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ بعضوں مثلاً ابو عزہ جمحی شاعر کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یونہی چھوڑ دیا۔ ان قیدیوں میں سے ایک شخص سہیل بن عمرو تھا۔ جو عام مجمعوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ

۱؎ صحیح مسلم۔ باب الامداد بالملٰئکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم۔

۲؎ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (انفال۔ ع ۹)	نہ تھا لائق واسطے نبی کے یہ کہ ہوویں واسطے اس کے بندیوان یہاں تک کہ خونریزی کرے بیچ زمین کے۔ ارادہ کرتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ ارادہ کرتا ہے آخرت کا اور اللہ غالب حکمت والا ہے

۳؎ طبقات ابن سعد غزوہ بدر۔

ابن الخطاب نے عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے۔ کہ میں سہیل کے دندان پیشین اکھاڑ دوں۔ اور اس کی زبان نکال دوں۔ پھر وہ کسی جگہ آپ کے خلاف تقریر نہ کر سکے گا۔" حضور نے فرمایا "میں اس کا عضو نہیں بگاڑتا۔ ورنہ خدا اس کی جزا میں میرے اعضاء بگاڑ دے گا۔ گو میں نبی ہوں۔"[1]

حضرت عباس ان دس روسائے قریش میں تھے۔ جنہوں نے لشکر قریش کی رسد کا سامان اپنے ذمہ لیا تھا۔ اس غرض کے لئے حضرت عباس کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا۔ چونکہ ان کی نوبت کھانا کھلانے کی نہ آئی۔ اس لئے وہ سونا انہیں کے پاس رہا۔ اور غنیمت میں شامل کر لیا گیا۔ حضرت عباس رض نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ میں مسلمان ہوں۔" حضور نے فرمایا۔ "اللہ کو تیرے اسلام کا خوب علم ہے۔ اگر تو سچا ہے۔ تو اللہ تجھے جزا دیگا۔ تو اپنے فدیہ کے ساتھ عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور اپنے حلیف عمرو بن جحدم کا فدیہ بھی ادا کر۔" حضرت عباس نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی مال نہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مال کہاں ہے جو تو نے اپنی بیوی ام الفضل کے پاس رکھا تھا۔ اور اسے کہا تھا کہ اگر میں لڑائی میں مارا جاؤں۔ تو اتنا فضل کو اتنا عبد اللہ کو اتنا عبید اللہ کو ملے۔ یہ سن کر حضرت عباس[2] نے کہا۔ "قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اس مال کا علم سوائے میرے اور ام الفضل کے کسی کو نہ تھا۔ میں خوب جانتا ہوں۔ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔" حضور نے فرمایا۔ کہ تیرا یہ بیس اوقیہ سونا فدیہ میں شمار نہ ہوگا۔ یہ تو اللہ عزوجل نے ہمیں عطا کیا

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ غزوۂ بدر۔ [2] کامل ابن اثیر۔ غزوۂ بدر

ہے۔ پس حضرت عباس نے اپنا اور اپنے بھائیوں کے بیٹوں اور اپنے حلیف کا فدیہ[1] ادا کر دیا۔

شکست قریش کی خبر مکہ میں سب سے پہلے حیسمان[2] بن ایاس خزاعی لایا۔ قریش اپنے مقتولین پر نوحہ کرنے لگے۔ پھر بدیں خیال کہ مسلمان ہم پر ہنسیں گے۔ نوحہ بند کر دیا۔ شکست کی خبر پہنچنے کے نو روز بعد ابولہب مر گیا۔ اسود بن عبد یغوث کے دو بیٹے زمعہ اور عقیل اور ایک پوتا حارث بن زمعہ میدان بدر میں کام آئے۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ ان پر روئے۔ مگر ممانعت کے سبب خاموش تھا۔ ایک رات اس نے کسی عورت کے رونے کی آواز سنی۔ چونکہ اس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ اس لئے اس نے اپنے غلام سے کہا۔ کہ جاؤ، دریافت کرو۔ کیا اب رونے کی اجازت ہو گئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں بھی زمعہ پر نوحہ کروں۔ کیونکہ میرا جگر جل گیا ہے غلام نے آکر کہا۔ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ اس کے لئے رو رہی ہے۔ یہ سنکر اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر[3] نکلے ؎

اتبکی ان یضل لہا بعیر	کیا وہ اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے
ویمنعہا من النوم السھود	اور بے خوابی اسے نیند نہیں آنے دیتی

---

[1] اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (انفال۔ ع ۱۰)	اے نبی کہہ دے ان کو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی۔ اگر جانے گا اللہ تمہارے دل میں کچھ نیکی تو دیگا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھن گیا اور تم کو بخشے گا۔ اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

[2] کامل ابن اثیر۔ غزوۂ بدر۔

[3] سیرت ابن ہشام غزوۂ بدر

فلا تبکی علیٰ بکرٍ ولٰکن	سو وہ جوان اونٹ پر نہ روئے بلکہ
علیٰ بدر تقاصرت الجدود	بدر پر جہاں قسمتوں نے کوتاہی کی
وبکّی ان بکیت علیٰ عقیل	اگر تجھ کو رونا ہے۔ تو عقیل پر رو
وبکّی حارثاً اسد الاسود	اور شیروں کے شیر حارث پر رو
وبکیھم ولا تسمّی جمیعاً	اور ان سب پر رو اور نام نہ لے
وما لابی حکیمۃ من ندید	اور ابو حکیمہ (زمعہ) کا کوئی ہمسر نہیں

یوم بدر واقع میں یوم فرقان تھا۔ کہ کفر و اسلام میں فرق ظاہر ہوگیا۔ اور اللہ عزوجل نے ضعف کے بعد مسلمانوں کو تقویت دی۔ چنانچہ اس نعمت کو یوں یاد دلایا ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ	اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی
اَذِلَّةٌ ۚ (آل عمران۔ ع ۱۳)	لڑائی میں اور تم بے مقدور تھے۔

اس دن سے اسلام کا سکہ کفار کے دل پر جم گیا۔ اور اہل مدینہ میں بہت سے لوگ ایمان لائے۔ اہلِ بدر کے فضائل میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا ہے "بیشک اللہ اہلِ بدر سے واقف ہے کیونکہ اس نے فرما دیا۔ تم عمل کرو جو چاہو البتہ تمہارے واسطے جنت ثابت ہو چکی یا تحقیق میں نے تمہیں بخش دیا"[1] آخرت میں مغفور ہونے کے علاوہ دنیا میں بھی بدری ہونا خاص امتیاز کا سبب شمار کیا جاتا تھا۔ بلکہ وہ ہتھیار بھی جن سے بدر

---

[1] لعل اللہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد وجبت لکم الجنۃ او فقد غفرت لکم (صحیح بخاری۔ کتاب المغازی فضل من شھد بدراً)

میں کام لیا گیا۔ تبرک خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جو برچھی عبیدہ بن سعید بن عاص کی آنکھ میں ماری تھی۔ وہ یادگار رہی۔ بدیں طور کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر سے مستعار لی۔ پھر آپ کے چاروں خلیفوں کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ بعد ازاں حضرت عبد اللہ بن زبیر کے پاس رہی۔ یہاں تک کہ ۷۳ھ میں حجاج نے ان کو شہید کر دیا۔[1]

اہلِ بدر کے توسل سے جو دعا مانگی جائے وہ بفضلِ الٰہی مستجاب ہوتی ہے جیسا کہ مشائخ کا تجربہ ہے۔

اندلس کے مشہور سیاح محمد بن جبیر (متوفی ۲۷ شعبان ۶۱۴ھ) نے بدر کے حال میں یوں لکھا ہے[2] "اس موضع میں خرما کے بہت باغ ہیں۔ اور آبِ رواں کا ایک چشمہ ہے۔ موضع کا قلعہ بلند ٹیلے پر ہے۔ اور قلعہ کا راستہ پہاڑوں کے بیچ میں ہے۔ وہ قطعۂ زمین نشیب میں ہے۔ جہاں اسلامی لڑائی ہوئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور اہلِ شرک کو ذلت دی۔ آج کل اس زمین میں خرما کا باغ ہے اور اس کے بیچ میں گنج شہیداں ہے۔ اس آبادی میں داخل ہوتے وقت بائیں طرف جبل الرحمۃ ہے۔ لڑائی کے دن اس پہاڑ پر فرشتے اترے تھے۔ اس پہاڑ کے ساتھ جبل الطبول ہے۔ اس کی قطع ریت کے ٹیلے کی سی ہے۔ کہتے ہیں ہر شب جمعہ کو اس پہاڑ سے نقارے کی صدا آتی ہے۔ اس لئے اس کا نام جبل الطبول رکھا ہے۔ ہنوز نصرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی

---

۱ صحیح بخاری۔ باب شہود الملائکۃ ببدر۔

۲ سفر نامہ محمد بن جبیر اندلسی (اردو ترجمہ) مطبع احمدی ریاست رامپور صفحہ ۱۹۲

ایک کرامت باقی ہے۔ اس بستی کے ایک عرب باشندے نے بیان کیا کہ
مَیں نے اپنے کانوں سے نقاروں کی آواز سنی ہے۔ یہ آواز ہر جمعرات اور دوشنبہ
کو آیا کرتی ہے۔ اس پہاڑ کی سطح کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
تشریف رکھنے کی جگہ ہے۔ اور اس کے سامنے میدان جنگ ہے۔"

اللھم انی اسئلك بحبیبك سیدنا و مولٰنا محمد ِالمصطفٰی صلی
اللہ علیہ وسلم و باھل بدر رضی اللہ تعالٰی عنھم ان تبلغنی فی الدارین
اقصٰی مرامی وتغفر لی ولوالدی ولمشائخی ولاحبائی ولسائر المومنین و
المؤمنات وان تؤید الاسلام و المسلمین۔

اسی سال یوم فطر سے دو دن پہلے یا شروع شوال میں صدقہ فطر واجب
ہوا۔ عید کے دن نماز عید الفطر عید گاہ میں جماعت سے پڑھی گئی۔ اسی
وقت زکوٰۃِ مال فرض ہوئی۔

غزوۂ بنی قینقاع

نصف ماہ شوال میں غزوۂ بنی قینقاع پیش آیا۔ یہود سے پہلے معاہدہ
ہو چکا تھا جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا۔ مدینہ کے گرد یہود کے تین قبیلے تھے۔
بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ۔ ان تینوں نے یکے بعد دیگرے نقض عہد کیا۔
ان میں سب سے پہلے بنو قینقاع نے جو چھ سو مرد کارزار اور یہود میں سب سے
بہادر تھے۔ عہد کو توڑا اور باغی ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ مگر پندرہ روز کے محاصرہ کے
بعد مغلوب ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جلا وطن کر دیا۔ اور وہ
اذرعات ملک شام میں پہنچا دیئے گئے۔ جہاں وہ جلدی ہلاک و تباہ ہو گئے۔

غزوۂ سویق

ماہ ذی قعدہ میں غزوۂ سویق وقوع میں آیا۔ سویق عربی میں ستو کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس غزوہ میں کفار کی غذا ستو تھی۔ اس لئے اس نام سے موسوم ہوا۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا۔ کہ غزوۂ بدر کے بعد ابو سفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑائی نہ کرلوں جنابت سے سر نہ دھوؤنگا۔ اس لئے قسم کے پورا کرنے کے لئے وہ دو سو سوار لے کر نکلا۔ مقام عریض میں اس نے ایک نخلستان کو جلا دیا۔ اور ایک انصاری کو قتل کر ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعاقب فرمایا۔ ابو سفیان اور اس کے ہمراہی بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کے بورے پھینک کر بھاگ گئے۔ جنہیں مسلمانوں نے اٹھالیا۔ اور واپس چلے آئے۔

ہجرت کا تیسرا سال

نصف محرم کو غزوۂ قرقرۃ الکدر اور ربیع الاول میں غزوۂ انمار یا غطفان اور جمادی الاولیٰ میں غزوۂ بنی سلیم وقوع میں آیا۔ ان میں سے کسی میں مقابلہ نہیں ہوا۔ غزوۂ انمار میں دعثور غطفانی اسلام لایا۔ ماہ ربیع الاول میں کعب بن اشرف یہودی شاعر جو اسلام کی ہجو کیا کرتا تھا حضرت محمد بن مسلمہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ ماہ جمادی الاخریٰ میں ابو رافع اسلام بن ابی الحقیق یہودی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیا کرتا تھا حضرت عبداللہ بن عتیک انصاری خزرجی کے ہاتھ سے مارا گیا[1]۔

[1] حاشیہ بر صفحہ آیندہ

غزوۂ احد

ماہِ شوال میں غزوۂ احد[1] وقوع میں آیا۔ جب قریش بدر میں شکستِ فاش کھا کر مکہ میں آئے تو ابوسفیان کے قافلے کا تمام مال دار الندوہ میں رکھا ہوا پایا۔ عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ وغیرہ روسائے قریش جن کے باپ بھائی اور بیٹے جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ ابوسفیان اور دیگر شرکائے کے پاس آکر کہنے لگے۔ کہ اپنے مال کے نفع سے مدد کرو۔ تاکہ ہم ایک لشکر تیار کریں۔ اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بدلہ لیں۔ سب نے بخوشی منظور کیا چنانچہ تمام مال فروخت کر دیا گیا۔ اور حسب قرارداد راس المال مالکوں کو دیا گیا۔ اور نفع تجہیز لشکر میں کام آیا۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ	جو لوگ کافر ہیں خرچ کرتے ہیں اپنے
لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا	مال تاکہ روکیں اللہ کی راہ سے سو ابھی اور
ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ؕ۬	خرچ کرینگے پھر آخر ہوگا ان پر پچھتاؤ۔ پھر
وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ ۟	آخر مغلوب ہونگے۔ اور جو کافر ہیں دوزخ
(انفال۔ ع ۴)	کو ہانکے جائیں گے۔

قریش نے بڑی سرگرمی سے تیاری کی۔ اور قبائل عرب کو بھی دعوتِ جنگ دی۔ مردوں کے ساتھ عورتوں کی ایک جماعت بھی شامل ہوئی۔ تاکہ انکو مقتولینِ بدر کی یاد

حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اس قتل کے سنہ و ماہ میں یہ مختلف اقوال ہیں۔ رمضان سنہ ۲ھ ذوالحجہ سنہ ۲ھ ذوالحجہ سنہ ۳ھ جمادی الاخریٰ سنہ ۳ھ۔ رجب سنہ ۳ھ۔

[1] احد ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے قریباً تین میل پر ہے۔

دلا کر لڑائی پر اُبھارتی رہیں۔ چنانچہ ابو سفیان کی زوجہ ہند بنت عتبہ۔ عکرمہ بن ابو جہل کی زوجہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام۔ حارث بن ہشام بن مغیرہ کی زوجہ فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ۔ صفوان بن امیہ کی زوجہ برزہ بنت مسعود ثقفیہ۔ عمرو بن عاص کی زوجہ ربطہ بنت شیبہ سہمیہ۔ طلحہ حجبی کی زوجہ سلافہ بنت سعد۔ اپنے اپنے شوہروں سمیت نکلیں۔ اسی طرح خناس بنت مالک اپنے بیٹے ابو عزیز بن عمیر کے ساتھ نکلی۔ کل جمعیت تین ہزار تھی۔ جن میں سات سو زرہ پوش تھے۔ ان کے ساتھ دو سو گھوڑے تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔ جبیر بن مطعم نے اپنے حبشی غلام وحشی نام کو بھی یہ کہہ کر بھیج دیا۔ کہ اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا حمزہ کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے قتل کردو۔ تو میں تم کو آزاد کر دونگا۔

یہ لشکر قریش بسرکردگی ابو سفیان مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور مدینہ کے مقابل احد کی طرف بطنِ وادی میں اترا۔ حضرت عباس بن عبد المطلب نے جو اب تک مکہ میں تھے بذریعہ خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی تیاری کی خبر دی۔ حضور نے حضرت انس و مونس پسران فضالہ بن عدی انصاری کو بطور جاسوس بھیجا۔ وہ خبر لائے اور کہنے لگے۔ کہ مشرکین نے اپنے اونٹ اور گھوڑے عریض میں چھوڑ دیئے ہیں جنہوں نے چراگاہ میں سبزی کا نام ونشان نہیں چھوڑا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حباب بن منظر کو بھی بغرض تجسس بھیجا۔ وہ لشکر کی تعداد وغیرہ کی خبر لائے۔ جمعہ کی رات (۱۴ شوال) کو حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ ایک جماعت کے ساتھ مسلح ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانے پر پہرہ دیتے رہے۔ اور شہر پر بھی پہرہ لگا رہا۔ اسی رات حضور نے خواب میں دیکھا۔ کہ گویا

آپ مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہیں۔ آپ کی تلوار ذوالفقار ایک طرف سے ٹوٹ گئی ہے ایک گائے نظر پڑی جو ذبح کی جا رہی ہے۔ اور آپ کے پیچھے ایک مینڈھا سوار ہے۔ صبح کو آپ نے یہ تعبیر بیان فرمائی۔ کہ مضبوط زرہ مدینہ ہے۔ تلوار[۱] کی شکستگی ذات شریف پر مصیبت ہے۔ گائے آپ کے وہ اصحاب ہیں جو شہید ہونگے۔ اور مینڈھا کبش[۲] الکتیبہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ قتل کرے گا۔ اس خواب کے سبب سے حضور انور کی رائے تھی۔ کہ لڑائی کے لیئے مدینہ سے باہر نہ نکلیں۔ عبداللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھی۔ حضور نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ تو اکابر مہاجرین و انصار بھی آپ سے متفق ہو گئے۔ مگر وہ نوجوان جو جنگِ بدر میں شامل نہ تھے۔ آپ سے درخواست کرنے لگے۔ کہ مدینہ سے نکل کر لڑنا چاہیئے۔ ان کے اصرار پر آپ نکلنے کی طرف مائل ہوئے۔ نماز جمعہ کے بعد آپ نے وعظ فرمایا۔ اہلِ مدینہ و اہلِ عوالی جمع ہو گئے۔ آپ دولتخانہ میں تشریف لے گئے۔ اور دوہری زرہ پہن کر نکلے۔ یہ دیکھ کر وہ نوجوان کہنے لگے کہ ہمیں زیبا نہیں کہ آپ کی رائے کے خلاف کریں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ہر پیغمبر خدا کو شایاں نہیں۔ کہ جب وہ زرہ پہن لے تو اسے اتار دے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اب جو میں حکم دوں وہی کرو۔ اور خدا کا نام لے کر چلو۔ اگر تم صبر کرو گے تو فتح تمہاری ہو گی۔" پھر آپ نے تین جھنڈے تیار کیئے۔ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر کو اور خزرج کا جھنڈا

---

[۱] طبقات بن سعد۔ بخاری شریف میں ہے کہ تلوار کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا۔ جس کی تعبیر اصحاب کرام کی شکستگی و ہزیمت تھی۔

[۲] طلحہ بن ابی طلحہ کو کبش الکتیبہ کہا کرتے تھے۔

حضرت حباب بن منذر کو۔ اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو عطا فرمایا
اس طرح آپ ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ جن میں سے ایک تو آپ نے دوہری
زرہ پہنی ہوئی تھی۔ حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ زرہ پہنے ہوئے آپ کے
آگے چل رہے تھے۔ جب آپ ثنیۃ الوداع کے قریب پہنچے تو ایک فوج نظر آئی۔
آپ کے دریافت فرمانے پر صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ یہ یہودیں سے ابن ابی کے
حلیف ہیں جو آپ کی مدد کو آئے ہیں۔۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ لوٹ جائیں
کیونکہ ہم مشرکین کے خلاف مشرکین سے مدد نہیں لیتے۔ جب آپ موضع شیخان میں
اترے تو عرض لشکر کے بعد آپ نے بعض صحابہ کرام کو بوجہ صغر سنی واپس کر دیا۔ چنانچہ
اسامہ بن زید۔ ابن عمر۔ زید بن ثابت۔ برا بن عازب۔ عمرو بن حزم۔ اسید بن ظہیر
انصاری۔ ابو سعید خدری۔ عرابہ بن اوس۔ زید بن ارقم۔ سعد بن عقیب۔ سعد
بن حبتہ۔ زید بن جاریہ انصاری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم واپس ہوئے۔
حضرت سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج جو پندرہ پندرہ سال کے تھے پہلے روک
دیئے گئے۔ پھر عرض کیا گیا۔ کہ یا رسول اللہ! رافع اچھا تیر انداز ہے۔ اس لئے
وہ بھی رکھ لئے گئے۔ پھر سمرہ کی نسبت کہا گیا۔ کہ وہ کشتی میں رافع کو پچھاڑ دیتے
ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ کہ دونوں کشتی لڑیں۔ چنانچہ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ اس
طرح حضرت سمرہ بھی رکھ لئے گئے۔ رات یہیں بسر ہوئی۔ دوسرے روز باغ شوط
میں جو مدینہ اور احد کے درمیان ہے۔ فجر کے وقت پہنچے اور نماز باجماعت
ادا کی گئی۔ اسی جگہ ابن ابی اپنے تین سو آدمی لیکر لشکر اسلام سے علیحدہ ہو گیا اور
یہ کہہ کر مدینہ کو چلا آیا کہ "حضرت نے ان کا کہا مانا۔ میرا کہا نہ مانا۔ پھر ہم کس لئے

یہاں جان دیں"۔ جب یہ منافقین واپس ہوئے۔ تو صحابہ کرام کے ایک گروہ نے کہا۔ کہ ہم ان سے قتال کرتے ہیں۔ اور دوسرے گروہ نے کہا کہ ہم قتال نہیں کرتے کیونکہ یہ مسلمان ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی :۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ	پس کیا ہے واسطے تمہارے بیچ منافقوں
اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ	کے دو فرقے ہو رہے ہو۔ اور اللہ نے
اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ	الٹا کیا انکو بسبب اس چیز کے کہ کمایا
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ	انہوں نے۔ کیا ارادہ کرتے ہو تم یہ کہ راہ
سَبِيْلًا ○	پر لاؤ جس کو گمراہ کیا اللہ نے ؟ اور جسکو گمراہ
(نساء۔ ع ۱۲)	کرے اللہ پس ہرگز نہ پاویگا تو واسطے اسکے راہ

ابن ابی کا قول سن کر خزرج میں سے بنو سلمہ اور اوس میں سے بنو حارثہ نے دل میں لوٹنے کی ٹھہرائی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے :۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ	جب قصد کیا دو فریقوں نے تم میں سے
تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى	یہ کہ نامردی کریں اور دوستدار تھا ان کا اللہ
اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○	اور اوپر اللہ کے پس چاہیئے کہ توکل کریں
(آل عمران۔ ع ۱۳)	ایمان والے۔

اب حضور کے ساتھ سات سو آدمی اور دو گھوڑے رہ گئے۔ آپ نے ابو خیثمہ انصاری کو بطور بدرقہ ساتھ لیا۔ تا کہ نزدیک کے راستے سے لے چلے۔ اس طرح حضور حرۂ بنی حارثہ اور ان کے اموال کے پاس سے گذرتے ہوئے مربع بن قیظی منافق کے باغ کے پاس پہنچے۔ وہ نابینا تھا۔ اس نے جب لشکر اسلام کی آہٹ سنی تو

ان پر خاک پھینکنے لگا۔ اور حضور سے کہنے لگا۔ کہ اگر تو اللہ کا رسول ہے تو میں تجھے اپنے باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ سن کر صحابہ کرام اسے قتل کرنے دوڑے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اسے قتل نہ کرو۔ یہ آنکھ کا اندھا دل کا بھی اندھا ہے۔ مگر حضور کے منع کرنے سے پہلے ہی سعد بن زید اشہلی نے اس پر کمان ماری اور سر توڑ دیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر لشکرِ اسلام نصف شوال یوم شنبہ کو کوہ احد کی شعب (درّہ) میں کرانہ وادی میں پہاڑ کی طرف اترا۔ حضور نے صف آرائی کیلئے پہاڑ کو پس پشت اور کوہ عینین کو جو وادیٔ قنات میں ہے اپنی بائیں طرف رکھا۔ کوہ عینین میں ایک شگاف یا درّہ تھا جس میں سے دشمن عقب سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اس لئے آپ نے اس درّے پر اپنے پچاس پیدل تیرانداز مقرر کئے۔ اور حضرت عبداللہ بن جبیر کو ان کا سردار بنایا۔ اور یوں ہدایت کی۔ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو اچک لے گئے ہیں۔ تو اپنی جگہ کو نہ چھوڑو یہاں تک کہ میں تمہارے پاس کسی کو بھیجوں۔ اور اگر تم دیکھو۔ کہ ہم نے دشمن کو شکست دی ہے اور مار کر پامال کر دیا ہے۔ تو بھی ایسا ہی کرنا۔[1]

مشرکین نے بھی جو عینین میں وادیٔ قنات کے مدینہ کی طرف کے کنارے پر شورستان میں اترے ہوئے تھے صفیں آراستہ کیں۔ چنانچہ انہوں نے سواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید کو۔ میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو۔ پیدلوں پر صفوان بن امیہ کو۔ اور تیراندازوں پر جو تعداد میں ایک سو تھے، عبداللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا۔ اور جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ کہ مشرکین کا

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد۔ باب ما یکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب۔

جھنڈا ابو عبدالدار کے پاس ہے۔ تو آپ نے لشکرِ اسلام کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار کو دیا۔ اور میمنہ پر حضرت زبیر بن عوام اور میسرہ پر حضرت منذر بن عامر کو مقرر فرمایا۔

مشرکین میں سب سے پہلے جو لڑائی کے لئے نکلا۔ وہ ابو عامر انصاری اوسی تھا۔ اس کو راہب کہا کرتے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام فاسق رکھا۔ زمانۂ جاہلیت میں وہ قبیلۂ اوس کا سردار تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لے گئے۔ تو وہ آپ کی مخالفت کرنے لگا۔ اور مدینہ سے نکل کر مکہ میں چلا آیا۔ اُس نے قریش کو آپ سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ اور کہا۔ کہ میری قوم جب مجھے دیکھے گی تو میرے ساتھ ہو جائے گی۔ اس لئے اس نے پکار کر کہا "اے گروہِ اوس! مَیں ابو عامر ہوں" اوس نے جواب دیا "اے فاسق! تیری مراد پوری نہ ہو" فاسق کا نام سن کر کہنے لگا۔ کہ میری قوم میرے بعد بگڑ گئی ہے۔ اس کے ساتھ غلامانِ قریش کی ایک جماعت تھی۔ وہ مسلمانوں پر تیر پھینکنے لگے مسلمان بھی ان پر سنگباری کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ابو عامر اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔

مشرکین کا عَلَم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا "مسلمانو! تم سمجھتے ہو کہ ہم میں سے جو تمہارے ہاتھوں مر جاتا ہے۔ وہ جلد دوزخ میں پہنچ جاتا ہے۔ اور تم میں جو ہمارے ہاتھوں مر جاتا ہے۔ وہ جلد بہشت میں پہنچ جاتا ہے۔ کیا تم میں کوئی ہے جس کو مَیں جلد بہشت میں پہنچا دوں۔ یا وہ مجھے جلد دوزخ میں پہنچا دے" حضرت علی ابن ابی طالب نکلے اور طلحہ کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ کھوپڑی پھاڑ دی اور وہ گر پڑا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کبش الکتیبہ کے مارے جانے پر خوش ہوئے

آپ نے تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے بھی آپ کا اقتدا کیا۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ اس کے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں۔ اور وہ ان کے آگے یہ رجز پڑھتا تھا:۔

اِنَّ عَلٰی اَھْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا — بیشک علم برداروں پر واجب ہے
اَنْ تُخْضَبَ الصَّعْدَۃُ اَوْ تَنْدَقَّا — کہ نیزہ خون سے سرخ ہو جائے یا ٹوٹ جائے

حضرت حمزہ بن عبد المطلب مقابلے کے لئے نکلے۔ اور عثمان کے دو شانوں کے درمیان اس زور سے تلوار ماری کہ ایک بازو اور شانے کو کاٹ کر سرین تک جا پہنچی۔ حضرت حمزہ واپس آئے اور زبان پر یہ الفاظ تھے:۔

انا ابن ساقی الحجیج — مَیں ساقی حجاج (عبد المطلب) کا بیٹا ہوں

اب میدان کارزار گرم ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک تلوار تھی۔ آپ نے فرمایا۔ کون ہے جو اس تلوار کو لیکر اس کا حق ادا کرے۔ یہ سن کر کئی شخص آپ کی طرف بڑھے مگر آپ نے وہ تلوار کسی کو نہ دی۔ ابو دجانہ (سماک بن خرشہ انصاری) نے اٹھ کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ اس کا حق یہ ہے کہ تو اس کو دشمن پر مارے۔ یہاں تک کہ ٹیڑھی ہو جائے۔ ابو دجانہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مَیں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ حضور نے ابو دجانہ کو عنایت فرمائی۔ ابو دجانہ مشہور پہلوان تھے۔ اور لڑائی میں اکڑ کر چلا کرتے تھے۔ جب سرخ رومال سر پر باندھ لیتے تو لوگ سمجھ جاتے تھے۔ کہ لڑیں گے۔ انہوں نے تلوار لے کر حسب عادت سر پر سرخ رومال باندھا اور اکڑتے تنتے نکلے۔ یہ دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"یہ چال خدا کو ناپسند ہے۔" حضرت ابو دجانہؓ صفوں کو چیرتے اور لاشوں پر لاشے گراتے دامنِ کوہ میں مشرکین کی عورتوں تک جا پہنچے۔ جو بغرض ترغیب دف پر اشعارِ ذیل گا رہی تھیں۔

نحن بنات الطارق	ہم (علو و شرف میں) پروین ستارے ہیں
نمشی علی النمارق	ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
ان تقبلوا نعانق	اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی
او تدبروا نفارق	پیچھے ہٹو گے تو ہم تم سے جدا ہو جائیں گی

حضرت ابو دجانہ نے تلوار اٹھائی کہ ہند بنت عتبہ کے سر پر ماریں۔ پھر بدیں خیال رک گئے۔ کہ یہ سزاوار نہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ایک عورت پر ماری جائے۔

حضرت ابو دجانہ کی طرح حضرت حمزہؓ و حضرت علیؓ وغیرہ بھی دشمنوں میں جا گھسے اور صفوں کی صفیں صاف کر دیں۔ حضرت امیر حمزہ کو آخر کار وحشی نے جو بعد میں ایمان لائے شہید کر دیا۔ وحشی اپنا قصہ یوں بیان کرتے ہیں۔" حمزہؓ نے طعیمہ بن عدی بن الخیار کو بدر میں قتل کر دیا تھا۔ اس لئے میرے آقا جبیر بن مطعم نے کہا۔ اگر تو حمزہؓ کو میرے چچا کے بدلے قتل کر دے۔ تو آزاد ہو جائے گا۔ جب سال عینین میں (عینین احد کے مقابل ایک پہاڑ ہے۔ اور دونوں کے درمیان ایک وادی ہے) لوگ نکلے۔ تو میں لوگوں کے ساتھ لڑائی کے لئے نکلا۔ جب لڑائی کے لئے صف بستہ ہوئے۔ تو سباع (بن عبد العزیٰ) نکلا اور کہا۔ کیا کوئی مبارز ہے؟ یہ سن کر حمزہؓ بن عبد المطلب اس کی طرف نکلے اور یوں خطاب کیا۔ اے سباع! اے عورتوں کے

خلقت کرنے والی ام نمار کے بیٹے! کیا تو خدا اور رسول کے ساتھ جنگ کرتا ہے؟ یہ کہہ کر حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا۔ پس وہ گل گذشتہ کی طرح ہو گیا۔ میں ایک پتھر کے نیچے حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں تھا۔ جب حمزہ رضی اللہ عنہ مجھ سے نزدیک ہوا میں نے اپنا حربہ اس پر مارا۔ وہ اس کی ناف و عانہ کے درمیان لگا۔ یہاں تک کہ اس کی دو رانوں میں سے نکل گیا۔ اور یہ اس کا آخر امر تھا جب لوگ واپس آئے میں ان کے ساتھ واپس آیا۔ اور مکہ میں ٹھہرا یہاں تک کہ اس میں اسلام پھیل گیا۔ پھر (فتح کے بعد) طائف کی طرف بھاگ گیا۔ جب اہل طائف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنے قاصد بھیجے تو مجھ سے کہا گیا۔ کہ حضرت قاصدوں کو تکلیف نہیں دیتے۔ اس لئے میں قاصدوں کے ساتھ نکلا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو پوچھا۔ کیا تو وحشی ہے؟ میں نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کیا تو نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا؟ میں نے کہا۔ ایسا ہی وقوع میں آیا ہے جیسا کہ آپ کو خبر پہنچی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تو میرے سامنے نہ آیا کر۔ پس میں چلا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو مسیلمہ کذاب ظاہر ہوا۔ میں نے کہا کہ میں مسیلمہ کی طرف ضرور نکلوں گا۔ شاید میں اسے مار ڈالوں اور اس طرح سے قتل حمزہ رضی اللہ عنہ کی مکافات کر دوں۔ اس لئے میں لوگوں کے ساتھ نکلا۔ مسیلمہ کا حال ہوا جو ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک شخص ہے دیوار کے درمیان کھڑا ہوا۔ گویا کہ وہ ایک ژولیدہ مو خاکستری اونٹ ہے۔ میں نے اس پر اپنا حربہ[1] مارا جو اسکے

---

[1] یہ وہی حربہ ہے جس سے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ حضرت وحشی کہا کرتے تھے قتلت فی کفری خیر الناس وفی اسلامی شر الناس۔ یعنی میں نے اپنی کفر کی حالت میں خیر الناس کو شہید کیا۔ اور مسلمان ہونے کی حالت میں شر الناس کو قتل کیا۔

دو پستان کے درمیان لگا۔ یہاں تک کہ اُس کے دونوں شانوں کے درمیان سے پار ہو گیا۔ انصار میں سے ایک شخص اس کی طرف کودا اور اس کے سر پر تلوار ماری۔ پس ایک لونڈی نے گھر کی چھت پر (نوحہ کرتے ہوئے) کہا۔ وائے امیر المومنین[1] ! اسے ایک حبشی غلام وحشی نے قتل کر دیا[2]۔"

حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاری اوسی نے مشرکین کے سپہ سالار ابو سفیان پر حملہ کیا۔ اور قریب تھا کہ ابو سفیان کو قتل کر دیتے۔ مگر شداد بن الاسود نے ان کے وار کو روک لیا۔ اور اپنی تلوار سے حضرت حنظلہ کو شہید کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔ ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کرو۔ بیوی نے کہا۔ کہ شب احد کو ان کی شادی ہوئی تھی۔ صبح کو اٹھے تو غسل کی حاجت تھی۔ غسل کے لئے آدھا سر دھویا تھا۔ کہ دعوتِ جنگ کی آواز کان میں پڑی۔ فوراً اسی حالت میں وہ شریک جنگ ہو گئے۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا۔ کہ اسی سبب سے اسے فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت حنظلہ کو غسیل الملائکہ کہتے ہیں[3]۔

بہادرانِ اسلام نے خوب دادِ شجاعت دی۔ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے عثمان بن ابی طلحہ کے بعد ان کے علمبردار ابو سعید بن ابی طلحہ۔ مسافح بن طلحہ۔ حارث بن طلحہ۔ کلاب بن طلحہ۔ جلاس بن طلحہ۔ ارطات بن شرجیل۔ شریح بن قارظ اور ابو زید

---

[1] مسیلمہ کذاب کو امیر المومنین اس لئے کہا۔ کہ اس پر ایمان لانے والوں کے امور کا مرجع وہی تھا۔ اس سے تلقیب مقصود نہ تھی۔

[2] صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ رض۔ [3] سیرت ابن ہشام۔

بن عمرو بن عبد مناف یکے بعد دیگرے قتل ہو گئے۔ ان کا جھنڈا زمین پر پڑا رہ گیا۔ کوئی اس کے نزدیک نہ آتا تھا۔ عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے اٹھا لیا۔ جس سے ایک حبشی غلام صواب نام نے لے لیا۔ قریش اس کے گرد جمع ہو گئے۔ لڑتے لڑتے صواب کے دونوں بازو کٹ گئے۔ وہ سینے کے بل زمین پر گر پڑا۔ اور جھنڈے کو سینے اور گردن کے درمیان دبا لیا۔ اس حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا۔ کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا[۱]۔

صواب کے بعد کسی کو جھنڈا اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ مشرکین کو شکست ہوئی۔ وہ عورتیں جو دف بجاتی تھیں۔ اب کپڑے چڑھائے برہنہ ساق پہاڑ پر بھاگی جا رہی تھیں۔ مسلمان قتل و غارت میں مشغول تھے۔ یہ دیکھ کر عینین پر تیر اندازوں نے آپس میں کہا "غنیمت! غنیمت! تمہارے اصحاب غالب آگئے ہیں۔ اب تم کیا دیکھتے ہو"! حضرت عبداللہ بن جبیر نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد دلایا۔ مگر وہ بدیں خیال کہ مشرکین اب واپس نہیں آسکتے۔ اپنی جگہ چھوڑ کر لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ اور صرف چند آدمی حضرت عبداللہ کے ساتھ رہ گئے۔ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کیا اور سب کو شہید کر دیا۔ پھر درۂ کوہ میں سے آکر عقب سے لشکر اسلام پر ٹوٹ پڑے۔ اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ ابلیس لعین نے پکار کر کہا انّ محمّداً قد قتل (محمد قتل ہو چکے) مسلمان سراسیمہ بھاگنے لگے۔ اور ان کے تین فرقے ہو گئے۔ فرقہ قلیل بھاگ کر مدینے کے قریب پہنچ گئے۔ اور اختتام جنگ تک واپس

---

[۱] سیرت ابن ہشام بروایت ابن اسحٰق۔

نہیں آئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ	تحقیق جو لوگ کہ پیٹھ موڑ گئے تم میں سے
الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ	اس دن کہ ملیں دو جماعتیں۔ سوائے
الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ	اس کے نہیں کہ ڈگا دیا ان کو شیطان نے
لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ	کچھ انکے گناہوں کی شامت سے۔ اور
غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝	تحقیق معاف کیا اللہ نے ان سے بیشک
(آل عمران۔ ع ۱۶)	اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔

دوسرا فرقہ یعنی اکثر صحابہ کرام یہ سن کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہوگئے حیران ہوگئے۔ ان میں سے جہاں کوئی تھا وہیں رہ گیا۔ اور اپنی جان بچاتا رہا۔ یا جنگ کرتا رہا۔ تیسرا فرقہ جو بارہ یا کچھ اوپر صحابہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت رہا۔

فتح کے بعد مسلمانوں کو جو شکست ہوئی۔ اس کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی تھی۔ جیسا کہ آیات ذیل سے ثابت ہے:۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ	اور البتہ تحقیق سچا کیا ہے تم سے اللہ نے
تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ	وعدہ اپنا جس وقت کاٹتے تھے تم ان کو
وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ	اسکے حکم سے یہاں تک کہ جب نامردی کی
مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ	تم نے اور جھگڑا کیا تم نے اپنے کام میں اور
مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ	نافرمانی کی تم نے بعد اسکے کہ دکھلایا تم کو
مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ	جو چاہتے تھے تم۔ بعض تم میں سے وہ تھا

عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا
عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا
تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ
فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ
لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ
وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(آل عمران - ع ١٦)

کہ ارادہ کرتا تھا دنیا کا اور بعض تم میں سے وہ تھا
کہ ارادہ کرتا تھا آخرت کا۔ پھر پھیر دیا تم کو
ان سے تاکہ آزماوے تم کو اور البتہ تحقیق معاف
کیا تم سے اور اللہ صاحب فضل کا ہے
ایمان والوں پر جس وقت چڑھے جاتے تھے
تم شہر کو اور پیچھے نہ دیکھتے تھے کسی کو اور
رسول پکارتا تھا تم کو پچھاڑی میں پس دوبارہ
دیا تم کو غم ساتھ غم کے تاکہ تم غم نہ کھاؤ اس
چیز کا جو چوک گئی تم سے اور جو نہ پہنچی تم کو
اور اللہ خبردار ہے اس سے جو کرتے ہو تم

خالد بن ولید کے حملے پر مسلمانوں میں جو لوٹنے میں مشغول تھے۔ ایسی ابتری و سراسیمگی پھیلی۔ کہ اپنے بیگانے میں تمیز نہ رہی۔ چنانچہ حضرت حذیفہ کے والد حضرت یمان کو مسلمانوں ہی نے شہید کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی آواز نے بڑے بڑے بہادروں کو بدحواس کر رکھا تھا۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے۔ کہ میرے چچا حضرت انس بن نضر جنگ بدر میں حاضر نہ تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ میں پہلے قتال میں کہ آپ نے بذات شریف مشرکین سے کیا ہے۔ حاضر نہ تھا۔ اگر خدا مجھے مشرکین کے قتال میں حاضر کرے۔ تو دیکھے گا۔ کہ میں کیا کرتا ہوں۔ جب احد کا دن آیا اور مسلمانوں نے شکست کھائی تو کہا۔ یا اللہ میں عذر چاہتا ہوں تیرے آگے اس سے جو ان لوگوں نے کیا۔

یعنی اصحاب کرام نے۔ اور بیزار ہوں تیرے آگے اس سے جو ان لوگوں نے کیا۔ یعنی مشرکوں نے۔ پھر لڑائی کے لئے آئے۔ حضرت سعد بن معاذ ان کو ملے ابن نضر نے کہا۔ سعد! میں بہشت چاہتا ہوں اور نضر کے رب کی قسم۔ کہ میں احد کی طرف سے اس کی خوشبو پاتا ہوں۔ سعد نے کہا۔ یا رسول اللہ میں نہ کر سکا جو ابن نضر نے کیا۔ انس بن مالک کا قول ہے۔ کہ ہم نے ابن نضر پر اسی سے کچھ اوپر تلوار و نیزہ و تیر کے زخم پائے۔ اور وہ شہید تھے۔ مشرکین نے ان کو مثلہ کر دیا تھا۔ ان کو فقط ان کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ ہم گمان کرتے تھے کہ آیت ذیل میں ابن نضر اور اس کی مثل دوسروں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔[1]

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا	مسلمانوں میں سے وہ مرد ہیں۔ کہ سچ کر دکھایا
مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ	انہوں نے اس چیز کو کہ عہد باندھا تھا اللہ سے
فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ	اس پر۔ پس بعض ان میں سے وہ ہے کہ پورا
مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا	کر چکا کام اپنا اور بعض ان میں سے وہ ہے کہ انتظار
تَبْدِيْلًا ۙ	کرتا ہے! اور نہیں بدل ڈالا انہوں نے کچھ
(الاحزاب۔ ع ۳)	بدل ڈالنا۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن نضر نے راستے میں مہاجرینؓ انصار کی ایک جماعت کو دیکھا جس میں حضرت عمر فاروقؓ و طلحہؓ بن عبید اللہ بھی تھے۔ وہ

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الجهاد۔ باب قول اللہ عز وجل من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ (الآیۃ)

مایوس ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ ابن نضر نے ان سے پوچھا۔ کہ کیوں بیٹھ رہے ہو! انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت پا چکے ہیں۔ ابن نضر نے کہا۔ کہ حضور کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ تم بھی اسی طرح دین پر شہید ہو جاؤ۔ پھر ابن نضر نے جنگ کیا اور شہید ہو گئے۔[۱]

حضرت ابن نضر کی طرح ثابت بن وحداح آئے اور انصار سے یوں خطاب کیا۔ "اے گروہِ انصار۔ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے۔ تو اللہ تو زندہ ہے مرتا نہیں۔ تم اپنے دین کے لئے لڑو۔" یہ کہہ کر انہوں نے چند انصار کے ساتھ خالد بن ولید کی فوج پر حملہ کیا۔ مگر خالد بن ولید نے ان کو شہید کر دیا۔[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی افواہ اور مسلمانوں کی نظروں سے غائب ہونے کے بعد سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک انصاری نے حضور کو پہچانا سر مبارک پر مغفر تھا جس کے نیچے سے آپ کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ حضرت کعب نے زور سے پکار کر کہا۔ "مسلمانو! تم کو بشارت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔" یہ سن کر ایک جماعت حاضر خدمت ہوئی۔ اور آپ حضرت ابو بکر صدیقؓ عمر فاروقؓ۔ علی المرتضیٰؓ۔ طلحہؓ بن عبید اللہ۔ زبیرؓ بن العوام اور حارثؓ بن صمہ وغیرہ کے ساتھ شعب کی طرف متوجہ ہوئے۔ تاکہ اپنے باقی اصحاب کا حال دیکھیں۔

اب کفار نے بھی سب طرف سے ہٹ کر اسی رخ پر زور دیا۔ وہ بار بار ہجوم کر کے حملہ آور ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ہجوم ہوا۔ تو حضور نے فرمایا۔ "کون مجھ پر جان دیتا ہے؟" حضرت زیاد بن سکن پانچ یا سات انصاری ساتھ لے کر حاضر ہوئے جنہوں نے یکے

---

[۱] سیرت ابن ہشام۔ [۲] اصابہ ترجمہ ثابت بن وحداح۔

بعد دیگرے جانبازی سے لڑکر جانیں فدا کردیں۔ عتبہ بن ابی وقاص نے پتھر مار کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دانت مبارک (رُباعیہ یُمنیٰ سُفلیٰ) شہید کر دیا[1]۔ اور نیچے کا ہونٹ زخمی کر دیا۔ ابن قمۂ لعین نے چہرۂ مبارک ایسا زخمی کیا۔ کہ خود کے دو حلقے رخسارِ مبارک میں گھس گئے۔ اور آپ ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے۔ جو ابو عامر فاسق نے بدیں غرض کھودے تھے۔ کہ مسلمان بے علمی میں ان میں گر پڑیں اس حالت میں حضور فرما رہے تھے۔ کیف یفلح قوم شجوا نبیھم (وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو زخمی کر دیا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ	تیرا اختیار کچھ نہیں یا ان کو توبہ دیوے
عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ	یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں۔
ظٰلِمُوْنَ ○	(آل عمران۔ ع ۱۳)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور کا ہاتھ مبارک پکڑا۔ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ نے آپ کو اٹھایا۔ یہاں تک کہ آپ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح نے اپنے دانتوں سے خود کا ایک حلقہ نکالا۔ تو ان کا ایک سامنے کا دانت گر پڑا۔ دوسرا حلقہ نکالا۔ تو دوسرا نکل گیا۔ حضرت ابو سعید خدری کے والد مالک بن سنان نے حضور کا خون چوس کر پی لیا۔ حضور خود بھی کپڑے سے اپنے چہرے کا خون پونچھ رہے تھے۔ کہ مبادا زمین پر گر پڑے تو عذاب نازل ہو۔ اور یوں فرما رہے تھے۔

---

[1] ابن جوزی نے اور خطیب نے تاریخ میں محمد بن یوسف حافظ فریابی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رُباعیہ توڑا تھا اس کے گھر میں جو بچہ پیدا ہوتا اس کا رُباعیہ نہ اگتا۔ زرقانی علی المواہب۔ جزء اول صفحہ ۳۸

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ۔ (اے اللہ! میری قوم کو بخش دے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے) ۱

اس موقع پر بعض اصحاب نے جانبازی کی خوب داد دی۔ چنانچہ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ نے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اس کثرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے تیر روکے کہ ہاتھ بیکار ہو گیا۔ حضرت ابو دجانہؓ حضور کے آگے ڈھال بنے کھڑے تھے۔ ان کی پشت پر تیر لگ رہے تھے۔ مگر اپنے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکے ہوئے تھے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی حضور انور کی مدافعت میں تیر چلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ حضور خود انکو اپنے ترکش میں سے تیر دیتے تھے اور فرماتے تھے "پھینکتے جاؤ"۔ حضرت ابو طلحہؓ انصاری بڑے تیر انداز تھے۔ انہوں نے اس قدر تیر برسائے۔ کہ دو تین کمانیں ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے ہاتھ میں رہ گئیں۔ وہ حضور انور پر چمڑے کی ڈھال کی اوٹ بنائے کھڑے تھے۔ حضور کبھی گردن اٹھا کر دشمنوں کی طرف دیکھتے۔ تو ابو طلحہؓ عرض کرتے "آپ پر میرے ماں باپ قربان! گردن اٹھا کر نہ دیکھیے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے۔ یہ میرا سینہ آپ کے سینے کے لئے ڈھال ہے"۔ حضرت شماسؓ بن عثمان قرشی مخزومی تلوار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدافعت کر رہے تھے۔ دائیں بائیں جس طرف سے وار ہوتا تھا۔ وہ ڈھال کی طرح آپ کو بچا رہے تھے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ابھی رمقِ حیات باقی تھا کہ ان کو اٹھا کر مدینے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے گئے۔ وہاں ایک دن رات زندہ رہ کر وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس دن ڈھال کے سوا

مجھے کوئی ایسی چیز نہ سوجھی کہ جس سے شماس کو تشبیہ دوں۔ اسی طرح سہل رضؓ بن حنیف انصاری اوسی تیروں کے ساتھ مدافعت کر رہے تھے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام فرما رہے تھے "سہل کو تیر دو" حضرت قتادہ رضؓ بن نعمان انصاری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک کو بچانے کے لئے اپنا چہرہ سامنے کئے ہوئے تھے۔ آخر کار ایک تیر ان کی آنکھ میں ایسا لگا کہ ڈیلا رخسارے پر آ گرا۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے اسکی جگہ پر رکھ دیا اور یوں دعا فرمائی "خدایا! تو قتادہ کو بچا۔ جیسا کہ اس نے تیرے نبی کے چہرے کو بچایا ہے" پس وہ آنکھ دوسری آنکھ سے بھی تیز اور خوبصورت ہو گئی۔[1]

اثنائے جنگ میں مشرکین کی عورتیں شہدائے عظام کو مثلہ کرنے میں مشغول تھیں۔ عتبہ کی بیٹی ہند نے اپنے پاؤں کے کڑے، بالیاں اور ہار حضرت امیر حمزہ رضؓ کے قاتل وحشی کو دے دیئے۔ اور خود شہداء کے کانوں اور ناکوں سے اپنے واسطے کڑے بالیاں اور ہار بنائے۔ اور حضرت حمزہ رضؓ کے جگر کو پھاڑ کر چبایا۔ نگل نہ سکی۔ تو پھینک دیا۔

حضرت مصعب رضؓ بن عمیر علمبردار لشکرِ اسلام نے بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم پر جان فدا کر دی۔ جب ابن قمیہ لعین حضور کے قتل کے ارادے سے حملہ آور ہوا۔ تو حضرت مصعب رضؓ نے مدافعت کی۔ مگر شہید ہو گئے حضرت محمد بن شرجیل عبدری روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت مصعب کا داہنا ہاتھ کٹ گیا۔ تو انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اور وہ کہہ رہے تھے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (الآیہ) پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ تو جھک کر جھنڈے کو دونوں بازوؤں کے ساتھ سینہ سے

---

[1] سیرت ابن ہشام۔

لگالیا۔ اور آیہ مذکور زبان پر تھی۔ راوی کا قول ہے۔ کہ یہ آیت بعد میں نازل ہوئی۔ مگر اس دن اللہ تعالیٰ نے بجواب قول قائل قَدۡ قُتِلَ مُحَمَّدٌ ان کی زبان پہ جاری کردی تھی۔ حضرت مصعبؓ کے بعد اسلامی جھنڈا حضرت علیؓ مرتضیٰ کو دیا گیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعب پر چڑھے۔ تو اُبی بن خلف سامنے آکر کہنے لگا۔ "اے محمد! اگر تم بچ گئے۔ تو میں نہ بچوں گا" صحابہ کرام نے عرض کیا۔ اگر اجازت ہو تو ہم میں سے ایک اس کا فیصلہ کردے۔ حضور نے اجازت نہ دی۔ اور بذات شریف حضرت حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر مارا جس سے فقط خراش آئی۔ اور لہو نہ نکلا۔ اُبی مذکور مکہ میں حضور سے کہا کرتا تھا۔ کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے۔ جسے میں ہر روز آٹھ یا دس سیر پختہ ذرہ (جوار) کھلاتا ہوں اس پر سوار ہو کر آپ کو قتل کروں گا آپ فرماتے۔ بلکہ میں انشاء اللہ تم کو قتل کرونگا۔ جب وہ قریش میں واپس گیا تو کہنے لگا۔ اللہ کی قسم مجھے محمد نے قتل کردیا۔ وہ کہنے لگے۔ تو بے دل ہوگیا ہے۔ اس خراش کا کچھ ڈر نہیں۔ اس نے کہا کہ مکہ میں مجھ سے محمد نے کہا تھا کہ میں تجھے قتل کرونگا۔ سو اللہ کی قسم اگر وہ مجھ پر صرف تھوک دے تو میں مرجاؤں گا۔ چنانچہ قریش اس دشمنِ خدا کو مکہ کی طرف لے جارہے تھے کہ راستے میں مقام سرف میں مرگیا۔[۲]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعب کے دہانے پر پہنچے۔ تو حضرت علی مرتضیٰؓ مہراس (کُنڈ) سے اپنی ڈھال پانی سے بھر لائے۔ تاکہ حضور پئیں۔ مگر آپ نے اس میں بُو پائی اور نہ پیا۔ حضرت علیؓ نے اس سے حضور کے چہرے سے خون دھویا۔

---

[۱] تفسیر در منثور للسیوطی بحوالہ طبقات ابن سعد۔ [۲] سیرت ابن ہشام

اور سرِ مبارک پر گرایا۔ اس وقت حضور نے فرمایا۔ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی مَنْ دَمّٰی وَجْہَ نَبِیِّہٖ[۱]۔

مشرکین اب تک تعاقب میں تھے۔ چنانچہ جب آپ اصحاب مذکورہ بالا کے ساتھ شعب میں تھے تو ان کے سواروں کا ایک دستہ بسرکردگی خالد بن ولید پہاڑ پر چڑھا۔ آپ نے دعا فرمائی۔ کہ خدایا! یہ ہم پر غالب نہ آئیں۔ پس حضرت عمر فاروق رضؓ اور مہاجرین کی ایک جماعت نے قتال کیا۔ یہاں تک کہ ان کو پہاڑ سے اتار دیا۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹان پر چڑھنے لگے۔ تو ناتوانی اور دہری زرہ کے سبب سے نہ چڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہؓ آپ کے نیچے بیٹھ گئے اور آپ انکی پشت پر سے چڑھ گئے۔ اس وقت حضور نے فرمایا اوجب طلحۃ (یعنی حضرت طلحہؓ نے وہ کام کیا۔ کہ جس سے وہ بہشت کے مستحق ہو گئے) اس روز زخموں کی وجہ سے حضور نے نماز ظہر بیٹھ کر ادا کی اور مقتدیوں نے بھی بیٹھ کر پڑھی۔

جب ابو سفیان نے میدان سے واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ تو سامنے کی ایک پہاڑی پر چڑھ کر پکارا۔ کیا تم میں محمد ہیں؟ حضور نے فرمایا۔ کہ اس کا جواب نہ دو۔ وہ پھر پکارا۔ کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اس کا جواب نہ دو۔ اس نے پھر پکار کر کہا۔ کیا تم میں ابن خطاب ہے؟ جب جواب نہ ملا تو کہنے لگا۔ کہ یہ سب مارے گئے۔ کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ حضرت عمرؓ سے رہا نہ گیا۔ بول اٹھے۔ او دشمنِ خدا! تو نے جھوٹ کہا۔ وہ سب زندہ ہیں۔ اللہ نے تیرے واسطے وہ باقی رکھا ہے۔ جو تجھے غمگین کرے گا۔ (فتح کے دن)۔

---

[۱] اللہ کا غضب سخت ہے اس پر جس نے اسکے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کر دیا (سیرت ابن ہشام)

ابوسفیان بولا۔

اُعلُ ھُبل　　اے ہبل تو اونچا رہ

صحابہ کرام نے حسب ارشاد حضور جواب دیا

اَللّٰہُ اَعلٰی وَاَجَلّ　　اللہ اونچا اور بڑا ہے۔

ابوسفیان نے کہا۔

لَنَا العُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ　　ہمارے پاس عزّیٰ ہے اور تمہارے پاس عزّیٰ نہیں

صحابہ کرام نے حسب ارشاد نبوی جواب دیا۔

اَللّٰہُ مَولَانَا وَلَا مَولٰی لَکُمْ　　اللہ ہمارا ناصر و مددگار ہے اور تمہارا کوئی ناصر نہیں۔

ابوسفیان نے کہا۔ آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ لڑائی میں کبھی جیت کبھی ہار ہوتی ہے۔ تم اپنی قوم میں ناک کان کٹے پاؤ گے۔ مَیں نے اپنی فوج کو یہ حکم نہیں دیا مگر اس پر کچھ رنج بھی نہیں ہوا۔ اس کے بعد ابوسفیان یہ کہہ کر واپس ہوا۔ کہ ہمارا اور تمہارا مقابلہ آیندہ سال موسم بدر میں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمادیا۔ کہ کہہ دیجئے ہاں بدر ہمارا اور تمہارا موعد ہے۔ اس طرح جب مشرکین مکہ کو لوٹے۔ تو صحابہ کرام کو خدشہ ہوا کہ مبادا وہ مدینہ کا قصد کریں۔ اس لئے حضور انور نے علی مرتضیٰؓ کو دریافت حال کے لئے بھیجا۔ اور فرمادیا۔ کہ اگر وہ اونٹوں پر سوار ہوں۔ اور گھوڑوں کو پہلو میں خالی لئے جارہے ہوں۔ تو سمجھنا کہ وہ مکہ کو جاتے ہیں۔ اگر اس کا عکس کریں تو مدینہ کا قصد رکھتے ہیں۔ حضرت مرتضیٰؓ خبر لائے۔ کہ

---

[1] صحیح بخاری۔ غزوۂ احد۔

وہ اونٹوں پر سوار گھوڑوں کو خالی لے جا رہے ہیں۔ اور مکہ کی طرف متوجہ ہیں سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ (آل عمران ۔ ع ۱۶) مشرکین کے اسی فرار کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔

خواتین اسلام نے بھی اس غزوہ میں حصہ لیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام سلیمؓ (والدہ انسؓ) پائنچے چڑھائے ہوئے کہ جس سے ان کے پاؤں کی جھانجھیں نظر آتی تھیں۔ مشکیں بھر بھر کر لاتی تھیں اور مسلمانوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جب مشکیں خالی ہو جاتیں۔ تو پھر بھر لاتیں اور پلاتیں۔ حضرت ام سلیط (والدہ حضرت ابو سعید خدری) بھی یہی خدمت بجا لا رہی تھیں۔ حضرت ام ایمنؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ) اور حمنہ بنت جحش (ام المؤمنین زینب کی بہن) پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب انصار (زوجہ زید بن عاصم انصاری مازنی) اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کے ساتھ مشک لیکر نکلیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند جانباز رہ گئے۔ تو یہ حضور کے پاس پہنچیں۔ اور تیر اور تلوار سے کافروں کو روکتی رہیں۔ جب ابن قمیئہ لعین حضور کی طرف بڑھا۔ تو حضرت مصعب بن عمیر اور چند اور مسلمان مقابل ہوئے ان میں ام عمارہؓ بھی تھیں۔ ابن قمیّہ نے ان کے کندھے پر ایسی ضرب لگائی کہ غار پڑ گیا۔ ام عمارہؓ نے بھی کئی وار کئے مگر وہ دشمن خدا دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے کارگر نہ ہوئے۔ حضرت صفیہؓ (حضرت امیر حمزہؓ کی بہن) مسلمانوں کی شکست پر احد میں نیزہ ہاتھ میں لئے آئیں۔ اور بھاگنے والوں کے منہ پر مار کر کہتی تھیں۔ کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگتے ہو۔ پھر بھائی کی لاش دیکھ کر بڑے استقلال سے

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا۔ اور دعائے مغفرت کی۔

جب مشرکین میدان کارزار سے چلے گئے۔ تو مدینہ کی عورتیں صحابہ کی مدد کو نکلیں۔ ان میں حضرت فاطمۃ الزہرا بھی تھیں۔ جب حضرت فاطمہ رضؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو خوشی کے مارے حضور کے گلے لپٹ گئیں۔ اور آپ کے زخموں کو دھونے لگیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ ڈھال سے پانی گرا رہے تھے۔ جب فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی سے خون زیادہ نکل رہا ہے۔ تو چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر لگا دیا۔ جس سے خون[1] بند ہوگیا۔ پھر حضور نے فرمایا۔ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ دَمُّوا وَجْهَ رَسُوْلِهٖ پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کو حضرت سعد بن ربیع کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے حضرت سعد کو مقتولین میں زخمی پایا۔ (ان پر تیر، تلوار اور نیزے کے ستر زخم تھے) ان میں فقط رمق حیات باقی تھا حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا۔ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں دیکھوں کہ تم زندوں میں ہو یا مُردوں میں۔ حضرت سعد نے دھیمی آواز سے جواب دیا۔ "میں مُردوں میں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام پہنچانا۔ اور عرض کرنا۔ کہ سعد بن ربیع آپ سے گذارش کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اچھی سے اچھی جزا دے جو اس نے کسی نبی کو ان کی امت کی طرف سے دی ہے اور اپنی قوم کو میرا سلام پہنچانا۔ اور ان سے کہنا کہ اگر کوئی (دشمن) تمہارے پیغمبر تک (بارادۂ قتل) پہنچ جائے۔ اور تم میں سے ایک بھی زندہ ہو تو خدا کی بارگاہ میں تمہارا

---

[1] صحیح بخاری۔ غزوۂ احد۔

کوئی عذر نہ ہوگا" حضرت سعدؓ یہ کہہ کر واصل بحق ہو گئے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے حضور کی خدمت میں صورت حال عرض کر دی۔ حضور نے یہ سن کر فرمایا۔ "اللہ اس پر رحم کرے۔ اس نے حیات و موت میں خدا اور رسول کی خیر خواہی کی"[1]

اس غزوہ میں مسلمانوں میں سے ستر یا کچھ کم و بیش شہید ہوئے۔ ابن نجار نے ان سب کے نام دیئے ہیں۔ جن میں سے چہار مہاجرین میں سے اور باقی چھیاسٹھ انصار میں سے ہیں[2]۔ اختتام جنگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے کرام کی لاشوں پر تشریف لے گئے۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک کو دیکھ کر فرمایا کہ "ایسا دردناک منظر میری نظر سے کبھی نہیں گزرا۔ حضرت حمزہؓ ساتوں آسمانوں میں شیر خدا اور شیر رسول لکھے گئے"۔ پھر تمام لاشوں پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا[3]۔

اَنَا شَهِيْدٌ عَلٰى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ میں قیامت کے دن ان کا شفیع ہوں

بعد ازاں حکم دیا کہ ان کو دفن کر دیا جائے۔ کپڑے کی قلت کا یہ عالم تھا کہ عموماً دو دو تین تین ملا کر ایک ہی کپڑے میں ایک ہی قبر میں دفن کر دیئے گئے۔ جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو مقدم کیا جاتا۔ اور ان شہداء پر اس وقت نماز جنازہ نہ پڑھی گئی۔ بلکہ بے غسل اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دفن کر دیئے گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

سید الشہداء امیر حمزہؓ کو ایک چادر میں دفن کیا گیا۔ مگر چادر کوتاہ تھی۔ اگر منہ ڈھانپتے تو قدم ننگے رہتے۔ قدموں کو چھپاتے تو منہ ننگا رہتا۔ آنحضرت صلی اللہ

---

[1] استیعاب و مواہب۔ [2] وفاء الوفاء للسمہودی۔ جزء ثانی صـ ۱۱۳
[3] صحیح بخاری۔ غزوۂ احد۔

علیہ وسلم نے فرمایا کہ منہ کو ڈھانپ دو اور قدموں پر حرمل ڈال دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[1]

حضرت مصعب بن عمیر جب شہید ہوئے تو ان کے پاس صرف ایک کملی تھی۔ اس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے رہتے اور پاؤں چھپاتے تو سر ننگا رہتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے سر کملی سے ڈھانپ دیا گیا۔ اور پاؤں اذخر[2] گھاس سے چھپا دیئے گئے۔

حضرت وہب بن قابوس مزنی اور ان کا بھتیجا حارث بن عتبہ بن قابوس بکریاں چراتے مدینہ میں آئے۔ جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد پر تشریف لے گئے ہیں۔ تو اسلام لا کر حاضرِ خدمت اقدس ہوئے۔ خالد و عکرمہ کے حملہ کے وقت حضرت وہبؓ بڑی بہادری سے لڑے۔ مشرکین کا ایک دستہ آگے بڑھا۔ تو آپ نے تیروں سے ہٹا دیا۔ دوسرا آیا تو اسے تلوار سے بھگا دیا۔ تیسرا آیا تو تلوار سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کا بھتیجا بھی اسی طرح لڑ کر شہید ہوا۔ مشرکین نے حضرت وہب کو بری طرح سے مثلہ کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ زخموں سے نڈھال تھے مگر دونوں لاشوں پر کھڑے رہے۔ اور حضرت وہبؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْکَ فَاِنِّیْ عَنْکَ رَاضٍ — اللہ تجھ سے راضی ہو۔ میں تو تجھ سے راضی ہوں۔

---

۱ طبقات ابن سعد۔

۲ فارسی گور گیا۔ بہ ہندی گندھلین گھاس

۳ بخاری۔ غزوۂ احد۔

حضرت وہبؓ کو لحد میں رکھا گیا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر ان ہی کی چادر سے چھپا دیا۔ مگر وہ چادر ان کی نصف ساق تک پہنچی۔ اس لئے حضور کے ارشاد سے پاؤں پر حرمل ڈال دی گئی۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہم خدا تعالیٰ سے مزنی کے حال میں ملیں[1]۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام کا جنازہ اٹھایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رونے والی عورت کی آواز سنی اور دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ مقتول کی بہن یا پھوپھی ہے۔ فرمایا کہ یہ کیوں روتی ہے یا فرمایا کہ نہ روئے۔ کیونکہ جنازہ اٹھنے تک فرشتے اسے اپنے بازوؤں سے سایہ کرتے رہتے ہیں[2]۔ ترمذی (ابواب تفسیر القرآن) میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ملے۔ فرمایا کہ تو غمگین کیوں ہے؟ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرا باپ احد کے دن شہید ہو گیا اور قرض و عیال چھوڑ گیا۔ آپ نے فرمایا کیا میں تجھے بشارت نہ دوں کہ خدا تیرے باپ سے کس طرح ملا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کبھی شہدائے احد میں سے کسی سے بے پردہ کلام نہیں کیا۔ مگر تیرے باپ سے روبرو کلام کیا۔ اور کہا مجھ سے مانگ کہ تجھے عطا کروں۔ تیرے باپ نے کہا۔ اے پروردگار۔ تو مجھے حیات دنیوی عطا کر تاکہ میں دوبارہ تیری راہ میں شہید ہو جاؤں۔ رب عزوجل نے کہا کہ میری طرف سے وعدہ ہو چکا

---

[1] طبقات ابن سعد۔

[2] بخاری (باب مایکون من النیاحۃ علی المیت)

ہے کہ وہ مر کر دنیا کی طرف نہ لوٹینگے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا (الآیہ)[1] حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام بھی ایک کملی میں دفن ہوئے تھے۔ پاؤں حرمل سے چھپا دیئے گئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن جبیر تیر اندازوں کے امیر تھے۔ جب ان کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے تو مشرکین نے ان پر حملہ کیا۔ وہ سب شہید ہو گئے۔ مگر اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ حضرت عبداللہ پہلے دشمنوں پر تیر پھینکتے رہے۔ جب تیر ختم ہو گئے۔ تو نیزہ سے کام لینے لگے۔ جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا۔ تو تلوار سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ کفار نے آپ کو بری طرح سے مثلہ کر دیا تھا۔ آپ کے بھائی حضرت خوات بن جبیر نے کمانوں سے گڑھا کھود کر آپ کو دفن کر دیا۔[2]

حضرت عمرو بن جموح لنگڑے تھے۔ ان سے کہا گیا۔ کہ آپ معذور ہیں۔ آپ پر جہاد فرض نہیں۔ مگر وہ مسلح ہو کر نکلے۔ اور کہنے لگے کہ مجھے امید ہے کہ میں اسی طرح بہشت میں ٹہلا کروں گا۔ پھر قبلہ رو ہو کر یوں دعا کی۔ "خدایا مجھے شہادت نصیب کر اور اپنے اہل کی طرف محروم واپس نہ لا"۔ چنانچہ احد میں شہید ہو گئے۔[3]

اثنائے جنگ میں ایک مسلمان کھڑا ہوا کھجوریں کھا رہا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں مارا گیا۔ تو کہاں ہونگا؟ آپ نے فرمایا "بہشت میں"۔ یہ سن کر اس نے کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔[4]

شہدائے کرام کی تدفین کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو واپس

۱؎ زاد المعاد۔ غزوۂ احد۔
۲؎ طبقات ابن سعد۔
۳؎ استیعاب ابن عبد البر۔
۴؎ بخاری۔ غزوۂ احد۔

آئے۔ راستے میں جو عورتیں اپنے اہل و اقارب کا حال دریافت کرتی تھیں۔ حضور بتاتے جاتے تھے۔ آپ بنو دینار کی ایک عورت کے برابر سے گزرے۔ جس کا شوہر اور بھائی اور باپ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ لوگوں نے اسے تینوں کی شہادت کی خبر دی۔ تو اس نے کچھ پروانہ کی۔ اور پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بخیر ہیں۔ کہنے لگی کہ مجھے دکھا دو تاکہ میں آنکھوں سے دیکھ لوں۔ چنانچہ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ اُس نے جب حضور انور بابی ہو وامی کو دیکھا تو پکار اٹھی۔[1]

كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ آپ کے ہوتے ہوئے ہر ایک مصیبت ہیچ ہے

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے محلہ بنی عبد الاشھل میں پہنچے۔ تو ان کی عورتوں کو دیکھا۔ کہ اپنے مقتولین پر رو رہی ہیں۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور زبانِ مبارک سے نکلا۔

اَمَّا حَمْزَةُ فَلَا بَوَاكِيَ لَهٗ لیکن حمزہ کیلئے کوئی رونے والیاں نہیں

یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ ان عورتوں کے پاس گئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت پر جا کر ماتم کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی فرماتی ہیں کہ ہم بھی شامل گریہ ہو گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سو گئے اور ہم رو رہی تھیں آپ نے جاگ کر نماز عشاء پڑھی اور سو گئے۔ پھر جو آنکھ کھلی اور رونے کی آواز سنی تو فرمایا۔ کیا تم اب تک رو رہی ہو۔ یہ فرما کر آپ نے رونے والیوں کو رخصت کیا۔ اور ان کیلئے اور انکے ازواج و اولاد کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے نوحہ سے منع فرما دیا۔[2]

---

[1] سیرت ابن ہشام۔
[2] طبقات ابن سعد

اس واقعہ سے آٹھ برس کے بعد ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف کو نکلے۔ اور شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے منبر منیف پر رونق افروز ہو کر یہ خطبہ دیا۔[1]

اِنِّیْ فَرَطٌ لَّکُمْ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ	بیشک میں تمہارے واسطے فرط[2] (پیشرو) ہوں
اِلٰی حَوْضِی الْاٰنَ وَاِنِّیْ اُعْطِیْتُ	اللہ کی قسم میں اس وقت اپنے حوض کو دیکھ
مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْمَفَاتِیْحَ	رہا ہوں۔ بیشک مجھے زمین کے خزانوں
الْاَرْضِ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ	کی کنجیاں یا زمین کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں
عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ	خدا کی قسم مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مشرک
عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا	بن جاؤ گے۔ لیکن یہ ڈر ہے کہ تم دنیا میں پھنس جاؤ۔

ہجرت کا چوتھا سال

غزوۂ بنی نضیر

یہ غزوہ ماہ ربیع الاول میں ہوا۔ جس کی وجہ نقض عہد سابق تھی۔ بنو عامر کے دو شخص جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد تھا مدینہ منورہ سے اپنے اہل کی طرف نکلے۔ راستے میں عمرو بن امیہ ضمری ان سے ملا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ رسول اللہؐ کے جوار میں ہیں۔ اس نے دونوں کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطالبہ دیت کے لئے بنو نضیر سے مدد مانگی۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ تشریف

---

[1] بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب الصلوٰۃ علی الشہید۔
[2] فرط آنکہ پیش قوم رود تا اسباب آبخور را درست کند۔ منتہی الارب۔

رکھیے۔ ہم باہم مشورہ کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ وغیرہم کے ساتھ ان کی ایک دیوار تلے بیٹھ گئے۔ یہود نے بجائے مدد دینے کے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ بے خبری میں دیوار پر سے آپ پر چکّی کا پاٹ پھینک دیں۔ حضرت جبرئیل نے آپ کو اطلاع کر دی۔ آپ فوراً وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لائے اور جنگ کے لئے تیار ہو کر ان پر حملہ آور ہوئے۔ بنو قریظہ بھی برسرِ پیکار تھے آخر کار آپ نے بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا۔ بدیں شرط کہ ان کو اجازت دی کہ جو مال وہ اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے اموال لے کر خیبر میں اور بعضے اذرعات واقع شام میں چلے گئے۔ مگر بنو قریظہ پر آپ نے احسان کیا کہ انکو امن دے دیا[1]۔ جمادی الاولیٰ میں غزوہ ذات الرقاع ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو محارب اور بنو ثعلبہ کے قصد سے نجد کی طرف نکلے۔ مگر قتال وقوع میں نہ آیا۔ امام بخاریؒ نے اس غزوہ کو غزوہ خیبر کے بعد بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ غزوہ دو دفعہ ہوا ہو۔ صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ میں پڑھی گئی۔ اس میں غورث بن حارث کا قصہ پیش آیا۔

ہجرت کا پانچواں سال

غزوہ دومۃ الجندل[2]

ماہ ربیع الاول میں غزوہ دومۃ الجندل پیش آیا۔ مگر قتال وقوع میں نہ آیا۔ شعبان

---

[1] صحیح بخاری مع قسطلانی باب حدیث بنی نضیر۔

[2] یہ موضع دمشق و مدینہ منورہ کے درمیان دمشق سے سات منزل پر ہے۔

میں غزوۂ مُریسیع یا غزوۂ بنی المصطلق ہوا۔ جس میں بنو المصطلق مغلوب ہوئے۔ قصۂ افک یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقوں نے جو تہمت لگائی تھی وہ اسی غزوہ سے واپسی پر پیش آیا۔

غزوۂ احزاب

ماہ ذی قعدہ میں غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق واقع ہوا۔ بنو نضیر جلاوطن ہو کر خیبر میں آ رہے تھے۔ انہوں نے مکہ میں جا کر قریش کو مسلمانوں سے لڑنے پر ابھارا اور دیگر قبائل عرب (غطفان۔ بنو سلیم۔ بنو مرہ۔ اشجع۔ بنو اسد وغیرہ) کو بھی اپنے ساتھ متفق کر لیا۔ بنو قریظہ پہلے شامل نہ تھے۔ مگر حیی بن اخطب نے آخر کار ان کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ غرض قریش و یہود و قبائل عرب بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ چونکہ اس غزوہ میں تمام قبائل عرب و یہود شامل تھے۔ اس واسطے اس غزوہ کو غزوۂ احزاب (حزب بمعنی طائفہ) کہتے ہیں۔ کفار کی تیاری کی خبر سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی نے عرض کیا۔ کہ کھلے میدان میں لڑنا مصلحت نہیں۔ مدینہ اور دشمن کے درمیان ایک خندق کھود کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستورات اور بچوں کو شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دیا۔ اور بذات شریف تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ شہر سے نکلے۔ اور سامی طرف میں سلع کی پہاڑی کو پس پشت رکھ کر خندق کھودی۔ اس واسطے اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔ خندق کھودنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بغرض ترغیب شامل تھے۔ کفار نے ایک ماہ محاصرہ قائم رکھا۔ وہ خندق کو عبور نہ کر سکتے تھے۔ اس

لئے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔ ایک روز قریش کے کچھ سوار عمرو بن عبدود وغیرہ ایک جگہ سے جہاں سے اتفاقاً عرض کم رہ گیا تھا۔ خندق کو عبور کر گئے۔ عمرو مذکور نے مبارز طلب کیا۔ حضرت علیؓ آگے بڑھے اور تلوار سے اس کا فیصلہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر باقی ہمراہی بھاگ گئے۔ آخر کار قریظہ و قریش میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور[1] باوجود سردی کے موسم کے ایک رات باد صرصر کا ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں اور گھوڑے چھوٹ گئے۔ کھانے کے دیگچے چولھوں پر الٹ الٹ جاتے تھے۔ امتداد محاصرہ کے سبب سے سامان رسد بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے قریش و دیگر قبائل محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ اور بنو قریظہ اپنے قلعوں میں چلے آئے اس غزوہ میں شدت قتال کے وقت عصر و مغرب اور بقول بعض ظہر بھی قضا ہو گئی تھی۔ شہداء کی تعداد چھ تھی۔ جن میں اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ بھی تھے۔ ان کی رگ اکحل تیر لگنے سے کٹ گئی۔ مسجد میں رفیدہ انصاریہ کا خیمہ تھا جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد کو علاج کے لئے اسی خیمہ میں بھیج دیا۔ مگر وہ اس زخم سے جانبر نہ ہوئے۔ اور ایک ماہ کے بعد انتقال فرما گئے۔ اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد معجزے ظہور میں آئے۔

غزوۂ بنی قریظہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے واپس تشریف لائے۔ تو

---

[1] کفار کا بڑے زور شور سے مدینہ پر حملہ کرنا۔ مخلصوں کا ثابت قدم رہنا۔ اور منافقوں سے کلمات نفاق کا سرزد ہونا اور طوفان باد سے لشکر کفار کا برباد ہونا۔ یہ سب کچھ سورۂ احزاب میں مذکور ہے۔

نماز ظہر کے بعد بنو قریظہ سے جنگ کا حکم آیا۔ بنو قریظہ نقضِ عہد کر کے احزاب کے ساتھ مل گئے تھے۔ اس لئے حضور انور تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور پچیس دن ان کو محاصرہ میں رکھا۔ آخر کار انہوں نے حضرت سعد بن معاذ کو حکم منظور کر لیا۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل کئے جائیں۔ عورتیں اور بچے گرفتار کر لئے جائیں اور ان کا مال واسباب غنیمت سمجھا جائے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

قَضَیْتَ بِحُکْمِ اللہِ   تو نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

(استثنار۔ باب ۲۰۔ آیت ۱۰)

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مردوں کی تعداد چھ سو یا سات سو تھی۔ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا۔ جن کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

ہجرت کا چھٹا سال

بیعتِ رضوان اور صلح حدیبیہ

ماہ جمادی الاولیٰ میں غزوہ بنی لحیان پیش آیا۔ مگر مقابلہ نہ ہوا۔ ماہِ ذیقعدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کے ارادہ سے نکلے۔ حضرت ام سلمہ ساتھ تھیں۔ جب آپ ذوالحلیفہ میں پہنچے جو اہلِ مدینہ کا میقات ہے۔ آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور قربانیوں کو تقلید و اشعار کیا۔ یہاں سے آپ نے حضرت بُسر بن سفیان کو قریش کی طرف بطور جاسوس بھیجا۔

جب آپ عسفان کے قریب غدیر اسطاط میں پہنچے تو آپ کا جاسوس خبر لایا کہ قریش حلفاء سمیت مکہ سے باہر مقام بلدح میں جمع ہیں۔ اور آمادہ ہیں کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ کہ حلفاء کے اہل وعیال کو گرفتار کیا جائے تاکہ اگر وہ ان کی مدد کو آئیں تو ہمیں تنہا قریش سے مقابلہ کرنا پڑے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! آپ بیت اللہ کے قصد سے نکلے ہیں۔ آپ کا ارادہ کسی سے لڑائی کا نہیں۔ آپ بیت اللہ کا رخ کریں۔ جو ہمیں اس سے روکے گا ہم اس سے لڑیں گے۔" آپ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جب آپ حدیبیہ کے قریب ثنیتہ المرار میں پہنچے جہاں سے اتر کر قریش کے پاس پہنچ جاتے۔ تو آپ کی ناقہ قصواء بیٹھ گئی۔ ہر چند اٹھانے کی کوشش کی گئی مگر نہ اٹھی۔ آپ نے فرمایا۔ "قصواء نہیں رکی اور نہ رکنا اس کی عادت ہے۔ بلکہ خدائے حابس[1] الفیل نے اسے روک لیا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قریش مجھ سے کسی ایسی حاجت کا سوال نہ کرینگے جس سے وہ حرمات اللہ کی تعظیم کریں۔ مگر میں وہ انہیں عطا کردونگا۔" اس کے بعد آپ نے قصواء کو جھڑک دیا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور آپ مڑ کر حدیبیہ[2] کی پرلی طرف ایک کوئیں پر اترے جس میں پانی کم تھا۔ موسم گرما تھا۔ پانی جلدی ختم ہو گیا۔ اور آپ کی خدمت اقدس میں پیاس کی شکایت آئی۔ آپ نے پانی کی ایک کُلی

---

[1] قصۂ اصحاب فیل کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فیل کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا تاکہ جان و مال کا نقصان اور بیت اللہ کی بے حرمتی نہ ہو اور اس کے حبیب پاک پر غلامی کا دھبہ نہ لگے۔ اسی قسم کے امور کے لئے خدا تعالیٰ نے قصواء کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔

[2] حدیبیہ مکہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔

کوئیں میں ڈال دی جس سے پانی بکثرت ہوگیا۔ اور چھاگل میں اپنا دست مبارک رکھ دیا۔ تو آپ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی نکلنے لگا۔ ان دونوں معجزوں کا ذکر اس کتاب میں آگے آئے گا۔

اسی اثنا میں بدیل[1] بن ورقاء خزاعی اپنی قوم کے چند اشخاص کے ساتھ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ کہنے لگا۔ کہ قبائل کعب بن لوی اور عامر بن لوی حدیبیہ کے آبِ کثیر پر اترے ہوئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ دودھیل اونٹنیاں اور عورتیں بچوں سمیت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ "ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے بلکہ صرف عمرہ کے ارادہ سے آئے ہیں۔ لڑائی نے قریش کو کمزور کر دیا ہے۔ اور نقصان پہنچایا ہے۔ اگر وہ چاہیں۔ تو ہم ایک مدت کے لئے ان سے جنگ کا التوا کر دیتے ہیں۔ باقی لوگوں سے ہم خود سمجھ لیں گے۔ اگر میں غالب آجاؤں اور بصورت غلبہ وہ میری اطاعت میں آنا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا۔ تو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ان سے ضرور لڑتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ میں اکیلا رہ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی ضرور مدد کرے گا۔" بدیل نے عرض کیا کہ میں آپ کا یہ ارشاد ان تک پہنچا دوں گا۔ چنانچہ وہ قریش میں آکر کہنے لگا۔ کہ میں اس مرد (رسول اللہ) کا قول سن آیا ہوں۔ اگر چاہو تو گزارش کر دوں۔ ان میں سے ایک نادان بولا کہ ہم اس کی کسی بات کے سننے کے

---

[1] بدیل مذکور فتح مکہ کے دن ایمان لایا۔ قبیلہ خزاعہ نے زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب کے عہد سے موالات کیا تھا۔ اسی کی رو سے بدیل کا اس موقعہ پر خدمت اقدس میں حاضر ہونا بغرض خیر خواہی تھا۔

لئے تیار نہیں۔ ایک صاحب الرائے نے کہا کہ بیان کیجئے۔ جو اس سے سن آئے ہو۔ اس پر بدیل نے بیان کر دیا۔ عروہ بن مسعود نے اٹھ کر کہا کہ اس نے ایک نیک امر پیش کیا ہے۔ وہ قبول کر لو اور مجھے اس کے پاس جانے دو۔ چنانچہ عروہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور بدیل کی طرح کلام کیا۔ اور وہی جواب پایا۔ عروہ نے یہ الفاظ (میں ان سے ضرور لڑتا رہوں گا) سن کر عرض کیا۔ "اے محمدؐ! بتائیے اگر آپ نے اپنی قوم کو بالکل ہلاک کر دیا۔ کیا آپ نے عرب میں کسی کی بابت سنا ہے کہ اس نے آپ سے پہلے اپنے اہل کو ہلاک کر دیا ہو۔ اور اگر قریش غالب آ گئے۔ تو آپ ان سے امن میں نہ رہینگے کیونکہ اللہ کی قسم میں سردار (مکہ) ہوں۔ اور اخلاط کو دیکھتا ہوں۔ جو اس لائق ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں"۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ سن کر کہا۔ "امصص[1] بظر الات۔ کیا ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے"۔ اس پر عروہ بولا۔ کہ یہ کون ہے؟ جواب ملا ابوبکرؓ۔ پس وہ حضرت ابوبکرؓ سے یوں مخاطب ہوا۔ "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھ پر تیرا احسان[2] نہ ہوتا جس کا بدلہ میں نے نہیں دیا۔ تو میں تجھے جواب دیتا"۔ پھر عروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا۔ جب وہ آپ سے کلام کرتا۔ تو (حسب عادت عرب) آپ کی ریش مبارک کو چھوتا۔ اس وقت مغیرہ بن شعبہ خود سر پر تلوار ہاتھ میں لئے آپ کے سر مبارک پر کھڑے تھے۔ جب عروہ اپنے ہاتھ ریش مبارک کی طرف بڑھاتا۔ تو مغیرہ بغرض تعظیم نیام شمشیر اس کے

---

[1] عربی میں امصص بظر اللام گالی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بجائے ام کے لات کہہ دیا۔ اس میں عروہ اور اس کے معبود کی تحقیر ہے۔ وہ لات کو خدا کی بیٹی کہا کرتے تھے۔ لہٰذا عروہ پر چوٹ ہے کہ لات اگر خدا کی بیٹی ہے تو اس کے لئے وہ چاہئے جو عورتوں میں ہے۔

[2] ایک دفعہ عروہ کو دیت دینی پڑی تھی۔ اسمیں حضرت ابوبکرؓ نے عروہ کو مدد دی تھی۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

ہاتھ پر مارتے اور کہتے کہ ریشِ مبارک سے ہاتھ ہٹاؤ۔ عروہ نے آنکھ اٹھا کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ (تیرا بھتیجا) مغیرہ بن شعبہ۔ عروہ نے یہ سُن کر کہا۔ او بے وفا! کیا مَیں تیری دیت[1] میں کوشش نہ کرتا تھا؟ پھر عروہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے واپس جا کر اپنی قوم سے صحابہ کرام کے اوصاف بیان کیئے اور کہا کہ ایک نیک امر جو پیش کیا جا رہا ہے اسے قبول کر لو۔ پھر حلیس بن علقمہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس نے بھی واپس جا کر کہا کہ میری رائے ہے کہ مسلمانوں کو بیت اللہ سے نہ روکا جائے۔ حلیس کے بعد مکرز آیا۔ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کر ہی رہا تھا کہ خطیبِ قریش سہیل بن عمرو قریشی عامری حاضر ہوا۔ آپ نے بطریقِ تفاؤل فرمایا کہ اب تمہارا کام کچھ سہل ہو گیا۔ گفتگوئے صلح کے بعد قرار پایا کہ دس سال تک لڑائی بند رہے۔ سہیل نے عرض کیا کہ معاہدہ تحریر میں آجائے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب یعنی حضرت علیؓ کو طلب فرمایا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) (علیؓ سے) لکھ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سہیل۔ "الرحمٰن" مَیں نہیں جانتا کیا ہے۔ بلکہ لکھ باسمك اللّٰھم جیسا کہ تو پہلے لکھا کرتا تھا۔

---

[1] مغیرہ اور ثقیف کے تیرہ آدمی تحائف لیکر مقوقش والیٔ مصر کے ہاں گئے تھے۔ جو انعام ملا۔ وہ تیرہ نے لے لیا اور مغیرہ کو کچھ نہ دیا۔ واپسی پر راستے میں وہ تیرہ شراب پی کر سو گئے۔ مغیرہ نے سب کو قتل کر دیا اور مال لیکر مدینہ میں حاضر ہوا اور اسلام لایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا اسلام ہم قبول کرتے ہیں۔ مگر مال میں دخل نہیں دیتے۔ اس پر فریقین میں لڑائی ہوئی۔ عروہ نے دیت دیکر ثقیف سے صلح کر لی۔

صحابۂ حاضرین۔ اللہ کی قسم! بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے سوا اور نہ لکھ۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھ باسمک اللّٰھم [۱] (بعد تعمیل) لکھ ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ۔

سہیل (بعد کتابت) اللہ کی قسم! اگر ہم جانتے کہ تو اللہ کا رسول ہے۔ تو تجھے بیت اللہ سے منع نہ کرتے اور نہ تجھ سے لڑائی کرتے (علیؓ سے) بلکہ لکھ محمدؐ بن عبد اللہ۔ اور لفظ رسول اللہ کو مٹا دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سہیل سے) اللہ کی قسم! میں بیشک اللہ کا رسول ہوں۔ اگر تم میری تکذیب کر رہے ہو (تو اس سے میری رسالت میں فرق نہیں آتا) (علیؓ سے) اسے مٹا دو۔

حضرت علیؓ۔ میں اسے نہیں مٹاؤں گا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اس لفظ کی جگہ بتاؤ

(حضرت علیؓ بتا دیتے ہیں اور حضور لفظ رسول اللہ کو مٹا کر علیؓ سے اس کی جگہ محمدؐ بن عبد اللہ لکھواتے ہیں) آگے لکھ۔ شرط یہ ہے کہ قریش ہمارے واسطے بیت اللہ کا راستہ چھوڑ دیں گے اور ہم اس کا طواف کرینگے۔

سہیل۔ اللہ کی قسم ہم نہ چھوڑیں گے۔ عرب یہ کہیں گے کہ دباؤ ڈال کر ہمیں ابن پ

---

[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل سے جو موافقت کی اس میں بڑی مصلحت تھی جو صحابہ کرام کو اس وقت معلوم نہ ہوئی۔ یہ حقیقت میں بڑی فتح تھی۔ یہی سہیل حجۃ الوداع میں حاضر ہے۔ حضور انور قربانی دینے کے بعد اپنا سر مبارک منڈا رہے ہیں اور سہیل آپ کے بال مبارک لیکر اپنی آنکھوں پر رکھ رہا ہے۔ علاوہ ازیں باسمک اللّٰھم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ایک ہی معنی ہیں۔

راضی کیا گیا ہے۔ ہاں آئندہ سال ایسا ہو جائے گا (چنانچہ ایسا ہی لکھا گیا) دیگر شرط[1] یہ ہے کہ ہم میں سے جو کوئی آپ کے پاس آئے خواہ وہ آپ کے دین پر ہو آپ اسے ہماری طرف واپس کر دینگے۔

صحابۂ حاضرین (متعجب ہو کر) سبحان اللہ! جو مسلمان ہو کر آئے۔ وہ مشرکین کی طرف کس طرح واپس کیا جائے گا؟

(اسی اثنا میں سہیل کا بیٹا ابو جندل پابزنجیر اسفلِ مکہ سے (قید خانہ میں سے) نکل کر یہاں آجاتا ہے اور اپنے تئیں مسلمانوں کے حوالہ کرتا ہے)

سہیل۔ یا محمد! پہلے مَیں اسی پر آپ سے محاکمہ کرتا ہوں کہ آپ اسے میرے حوالہ کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم ابھی صلحنامہ کی کتابت سے فارغ نہیں ہوئے۔

سہیل۔ اللہ کی قسم! اب میں بھی آپ سے کبھی کسی بات پر مصالحت نہ کرونگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسے میرے پاس رہنے دو۔

سہیل۔ مَیں آپ کو اس کی اجازت نہیں دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہاں اجازت دے دو۔

سہیل۔ مَیں ایسا نہیں کرنے کا۔

---

[1] اس شرط میں بھی موافقت بنا بر مصلحت تھی۔ اور وہ اس صلح کے ثمرات و فوائد تھے۔ اس سے کفار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سننے اور دیکھنے کا موقع مل گیا اور وہ اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔ چنانچہ حدیبیہ و فتح مکہ کے درمیان کچھ لوگ اسلام لائے۔ مگر فتح مکہ کے بعد گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے۔

مکرز (سہیل سے) ہم نے تیرے واسطے اجازت دے دی۔

ابو جندل۔ اے معشر مسلمین! میں مسلمان ہو کر مشرکین کے حوالہ کیا جا رہا ہوں۔ کیا تم میری تکلیف نہیں دیکھتے ہو؟

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ابو جندل! صبر کر اور ثواب کی امید رکھ۔ ہم عہد نہیں توڑتے۔ اللہ تیرے واسطے خلاصی کی کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔

(یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ اٹھ کر ابو جندل کے ساتھ ہو لیئے اور کہہ رہے تھے وہ تو مشرکین ہیں۔ کسی مشرک کو قتل کرنا ایسا ہے جیسا کسی کتے کو قتل کر ڈالا)

ابنِ سعد اور بیہقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ میں پہنچے۔ تو آپ نے قریش کو اپنے ارادے سے مطلع کرنے کے لئے حضرت فراش بن امیہ خزاعی کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے ان کی طرف بھیجا۔ عکرمہ بن ابو جہل نے اس اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ اور فراش کو قتل کرنے لگے۔ مگر احابیش اور احلاف نے روک دیا۔ فراش نے خدمت اقدس میں واپس آ کر یہ ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو ایک خط دے کر اشراف قریش کی طرف بھیجا۔ اور فرمایا کہ مکہ میں کمزور مسلمانوں کو عنقریب فتح کی بشارت دینا۔ حضرت عثمانؓ نے قریش کو مقام بلدح میں دیکھا کہ مسلمانوں کو مکہ سے روکنے پر متفق ہیں۔ ابان بن سعید اموی نے جواب تک ایمان نہ لائے تھے۔ حضرت عثمانؓ کو پناہ دی اور اپنے ساتھ گھوڑے پر سوار کر کے مکہ میں لے آئے۔ حضرت عثمانؓ نے اشراف قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ اور نامۂ مبارک پڑھ کر ایک ایک کو سنایا۔ مگر وہ رو براہ نہ ہوئے۔ جب صلحنامہ مکمل ہو گیا۔ اور وہ اس کے نفاذ کے منتظر تھے۔

تو فریقین کے ایک شخص نے دوسرے فریق کے ایک شخص پر پتھر یا تیر مارا۔ اس سے لڑائی چھڑ گئی۔ اس لئے فریقین نے فریق مخالف کے آدمیوں کو بطور یرغمال اپنے پاس روک لیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو کو اور مشرکین نے حضرت عثمان رضؓ کو (مع دس اور کے) زیر حراست رکھا۔ اس اثنا میں یہ غلط خبر اُڑی کہ حضرت عثمان رضؓ مکہ میں قتل کر دیئے گئے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ببول کے درخت کے نیچے مسلمانوں سے موت پر بیعت لی جس کا ذکر کتاب اللہ میں ہے۔ اس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ چونکہ مکہ میں تھے اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر ان کو بیعت کے شرف میں شامل کیا۔ جیساکہ اس کتاب میں دوسری جگہ بالتفصیل مذکور ہے۔ جب قریش کو اس بیعت کی خبر پہنچی۔ تو وہ ڈر گئے اور معذرت کر کے صلح کر لی۔ اور طرفین کے اصحاب چھوڑ دیئے گئے۔

جب صلح سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اٹھو قربانیاں دو۔ اور سر منڈاؤ آپ نے تین بار ایسا فرمایا مگر کوئی نہ اٹھا۔ آپ نے حضرت ام سلمہ رضؓ سے یہ تذکرہ کیا۔ تو ان کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہو گئی۔ جیساکہ آگے آئے گا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے مدینہ میں واپس تشریف لائے تو ابوجندل کی طرح ابوبصیر ثقفی حلیف بنی زہرہ مکہ سے بھاگ کر آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ قریش نے دو شخص اس کے تعاقب میں بھیجے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسبِ معاہدہ ابصیر کو ان دونوں کے حوالہ کر دیا۔ جب وہ ذو الحلیفہ میں پہنچے

تو ابو بصیر نے ان میں سے ایک سے دیکھنے کے بہانے سے تلوار لی۔ اور اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا بھاگ کر خدمت اقدس میں آیا۔ ابو بصیر بھی اس کے پیچھے آ پہنچا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کا وعدہ پورا ہو چکا۔ آپ نے فرمایا۔ پورا نہیں ہوا۔ تُو جہاں چاہتا ہے چلا جا۔ اس لئے ابو بصیر ساحل بحر پر چلا گیا۔ ابو جندل بھی بھاگ کر ذومرہ کے قریب ابو بصیر سے آملا۔ اور رفتہ رفتہ ایک جماعت ان کے ساتھ ہو گئی۔ ابو جندل نے قریش کا شامی راستہ روک لیا۔ قریش تنگ آکر حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے طالب رحم ہوئے۔ اور واپسی کی شرط بھی اڑا دی۔ پس حضور انور نے ابو بصیر و ابو جندل کے نام ایک نامہ بھیجا۔ ابو بصیر اس وقت قریب الموت تھا۔ وہ نامہ مبارک اس کے ہاتھ ہی میں تھا کہ انتقال کر گیا۔ اور ابو جندل ساتھیوں سمیت مدینہ میں حاضر خدمتِ اقدس ہو گیا۔ اور مدینہ ہی میں رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ملک شام میں شہیدؓ ہو گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ہجرت کا ساتواں سال

والیانِ مُلک کو دعوتِ اسلام

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ذی الحجہ ۶ھ میں) حدیبیہ سے واپس تشریف لائے۔ تو آپ نے شروع ۷ھ میں والیان ملک کو دعوتِ اسلام کے خطوط ارسال فرمائے جن کا ذکر کسی قدر تفصیل سے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

---

[1] حالات مذکورہ کے لئے دیکھو زرقانی علی المواہب۔

۱۔ جو نامۂ مبارک قیصر روم کے نام لکھا گیا اس کے الفاظ یہ تھے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من محمد عبد اللہ ورسولہ الی
ھرقل عظیم الروم سلام علی من
اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوك
بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتك
اللہ اجرك مرتین فان تولیت فان
علیك اثم الاریسیین ویا اھل
الکتٰب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا
وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرك
بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً
اربابا من دون اللہ فان تولوا
فقولوا اشھدوا بانا مسلمون

شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت
رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے اور رسول محمد
کی طرف سے ہرقل امیر روم کے نام۔ سلام
اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد
مَیں تجھ کو دعوتِ اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔
تو اسلام لا سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دوہرا
ثواب دیگا۔ اگر تو نے روگردانی کی تو تیری رعایا
کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ اور اے اہلِ کتاب آؤ ایسی
بات کیطرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ ہم
خدا کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں اور اسکے ساتھ کسی
کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر
دوسرے کو خدا نہ بنائے۔ اگر وہ نہیں مانتے
تو کہہ دو۔ تم گواہ رہو کہ ہم ماننے والے ہیں۔

محمد رسول اللہ

محمد رسول اللہ

رومیوں اور ایرانیوں میں دیر سے لڑائی چلی آتی تھی۔ ایرانیوں نے ملکِ شام فتح کر لیا تھا۔ ہرقل کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ اسے اپنے پایۂ تخت قسطنطنیہ پر ایرانی حملہ کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خبر دی کہ رومی جو شام میں مغلوب ہو گئے ہیں چند سال میں وہ ایرانیوں پر غالب آئیں گے۔ یہ پیشین گوئی صلح حدیبیہ سے نو سال پیشتر ہوئی تھی اور حرف بحرف

پُوری ہوئی۔ چنانچہ حدیبیہ کے دن مسلمانوں کو رومیوں کی فتح کی خبر پہنچی۔ ہرقل اس فتح کے شکرانہ کے لئے حمص سے بیت المقدس میں پیادہ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نامۂ مبارک حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔ حضرت دحیہ نے وہ خط ہرقل کے گورنر شام حارث غسانی کو بصرے میں دیدیا۔ اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس میں بھیج دیا۔ قیصر نے حکم دیا کہ اس مدعیٔ نبوت کی قوم کا کوئی آدمی یہاں ملے۔ تو لاؤ۔ اتفاق یہ کہ ابو سفیان جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے تاجرانِ قریش کے ساتھ غزہ[۱] میں آئے ہوئے تھے۔ قیصر کا قاصد ان سب کو بیت المقدس میں لے گیا۔ ابو سفیانؓ[۲] کا بیان ہے۔ کہ جب ہم کو قیصر کے پاس لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تاج پہنے ہوئے دربار میں تخت پر بیٹھا ہے۔ اور اس کے گرداگرد امرائے روم ہیں۔ اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان (قریشیوں) سے پوچھو۔ کہ تم میں بلحاظ نسب اس مدعیٔ نبوت سے کون اقرب ہے؟ (قول ابو سفیان) میں نے کہا کہ میں اقرب ہوں۔ قیصر نے رشتہ دریافت کیا۔ میں نے کہا۔ وہ میرا چچیرا بھائی ہے۔ قافلہ میں اس وقت عبد مناف کی اولاد میں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ قیصر کے حکم سے مجھے نزدیک بلایا گیا اور میرے ساتھیوں کو میری پیٹھ پیچھے بٹھایا گیا۔ پھر قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اسکے ساتھیوں سے کہہ دو کہ میں اس (ابو سفیان) سے اس مدعیٔ نبوت کا حال دریافت کرتا ہوں۔ اگر یہ جھوٹ بولے۔ تو کہہ دینا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ ابو سفیان

۱؎ یہ شہر اقصائے شام میں مصر کی طرف واقع ہے۔

۲؎ صحیح بخاری کتاب العلم و کتاب الجہاد۔

کا قول ہے کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھی میرا جھوٹ اوروں سے نقل کیا کرینگے تو میں اس کا حال بیان کرنے میں جھوٹ بولتا۔ مگر اس ڈر سے میں سچ ہی بولا۔ اس کے بعد قیصر وابوسفیان میں بذریعۂ ترجمان یہ گفتگو ہوئی :۔

قیصر۔ اس مدعیٔ نبوت کا نسب تم میں کیسا ہے؟

ابوسفیان۔ وہ شریف النسب ہے۔

قیصر۔ کیا اس سے پہلے تم میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ کیا اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ اس کے پیرو اکابر ہیں یا کمزور لوگ؟

ابوسفیان۔ کمزور لوگ ہیں۔

قیصر۔ اس کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں یا کم ہوتے جا رہے ہیں؟

ابوسفیان۔ زیادہ ہو رہے ہیں۔

قیصر۔ کیا اس کے پیرووں میں سے کوئی اس کے دین سے ناخوش ہو کر اس دین سے پھر بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ کیا دعوائے نبوت سے پہلے تمہیں اس پر جھوٹ بولنے کا گمان ہوا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟

ابو سفیان۔ نہیں۔ لیکن اب جو ہمارا اس کے ساتھ معاہدۂ صلح ہے۔ دیکھیے اس میں کیا کرتا ہے۔

قیصر۔ کیا تم نے کبھی اس سے جنگ بھی کی ہے؟

ابو سفیان۔ ہاں۔

قیصر۔ جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟

ابو سفیان۔ کبھی ہم غالب رہے اور کبھی وہ۔

قیصر۔ وہ تمہیں کیا تعلیم دیتا ہے؟

ابو سفیان۔ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ تمہارے آباؤ اجداد جو کچھ کہتے ہیں وہ چھوڑ دو۔ نماز پڑھو۔ سچ بولو۔ پاک دامن رہو۔ صلۂ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے ترجمان کی وساطت سے ابو سفیان سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا۔ پیغمبر اپنی قوم کے اشراف میں سے مبعوث ہوا کرتے ہیں۔ تم نے کہا کہ ہم میں سے کسی نے اس سے پہلے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ اس نے اپنے سے پہلے کے قول کا اقتدا کیا ہے۔ تم نے کہا۔ کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ اگر ایسا ہوتا تو مَیں خیال کرتا کہ وہ اپنے آبائی ملک کا طالب ہے۔ تم نے کہا کہ دعوئ نبوت سے پہلے وہ کبھی متّہم بالکذب نہیں ہوا۔ اس سے مَیں نے پہچان لیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ باندھے۔ اور خدا پر جھوٹ باندھے۔ تم نے بتایا کہ کمزور لوگ اس کے پیرو ہیں۔ پیغمبروں کے پیرو (غالباً) کمزور لوگ ہی ہوا کرتے

ہیں۔تم نے ذکر کیا کہ اس کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں۔دین و ایمان کا یہی حال
ہوتا ہے۔یہاں تک کہ وہ تمام و کامل ہو جاتا ہے۔تم نے بتایا کہ اسکے پیرووں
میں سے کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ایمان کا یہی حال ہے کہ جب اس کی بشاشت
ولذت دل میں سرایت کر جاتی ہے۔تو وہ دل سے نہیں نکلتا۔تم نے کہا کہ وہ
عہد شکنی نہیں کرتا۔پیغمبر عہد نہیں توڑا کرتے۔تم نے بیان کیا کہ جنگ میں کبھی ہم
غالب رہتے ہیں۔اور کبھی وہ۔پیغمبروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ اعدائے دین کے
سبب ان کو ابتلاء ہوا کرتا ہے مگر آخر کار فتح پیغمبروں ہی کو ہوتی ہے۔تم نے اسکی
تعلیمات بیان کیں۔اگر تم سچ کہتے ہو تو میرے قدمگاہ تک اس کا قبضہ ہو جائیگا۔
مَیں جانتا تھا کہ وہ آنے والا ہے مگر مجھے یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔
اگر مجھے یقین ہوتا کہ اس تک پہنچ جاؤنگا۔تو مَیں اس کی خدمت میں حاضر ہونے
کی تکلیف گوارا کرتا۔اور اگر مَیں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔اسکے
بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پڑھا گیا۔اسے سن کر امرائے روم
نے بڑا شور و شغب برپا کیا۔ابو سفیان اور اس کے ہمراہی رخصت کر دیئے گئے۔

قیصر حمص[1] میں چلا آیا۔اور امرائے روم کو قصر شاہی میں جمع کر کے حکم دیا کہ
دروازے بند کر دیئے جائیں۔پھر یوں خطاب کیا:"اے گروہِ روم! اگر تم فلاح و
رُشد کے طالب ہو۔اور چاہتے ہو۔کہ تمہارا ملک برقرار رہے تو اس نبی پر ایمان
لاؤ۔یہ سن کر وہ خرانِ وحشی کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے۔مگر ان کو بند پایا جب
ہرقل نے ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا۔تو کہا کہ ان کو

---

[1] یہ شہر دمشق و حلب کے وسط میں واقع ہے۔

میرے پاس لاؤ۔ اور ان سے یوں خطاب کیا کہ میں تمہیں آزماتا تھا کہ تم اپنے دین میں کیسے مستحکم ہو۔ سو میں نے تم کو مستحکم پایا۔ یہ سن کر انہوں نے قیصر کو سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے۔

۲۔ خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں شاہ ایران کو یوں[1] لکھا گیا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم	اللہ کے رسول محمد کیطرف سے کسریٰ امیر فارس کے
فارس سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ	نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور
وامن باللہ ورسولہ واشھد	اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لایا اور گواہی
ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ	دی کہ کوئی معبود بحق نہیں۔ مگر خدا ایک جس کا
لاشریک لہ وان محمدًا	کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد اس کا بندہ اور
عبدہٗ ورسولہ ادعوک	رسول ہے۔ میں تجھے دعوتِ خدائے
بدعایۃ اللہ عزوجل فانی	عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ کیونکہ میں تمام
رسول اللہ الی الناس کلھم	لوگوں کی طرف خدا کا رسول ہوں تاکہ ڈراوے
لینذر من کان حیًا ویحق	اس کو جو زندہ ہو اور ثابت ہو جائے کلمہ
القول علی الکافرین اسلم	عذاب کافروں پر تو اسلام لا سلامت
تسلم فان تولیت فعلیک اثم	رہے گا۔ پس اگر تو نے نہ مانا۔ تو مجوسیوں کا
المجوس۔ (مہر: اللہ رسول محمد)	گناہ تجھ پر ہے۔ (مہر: اللہ رسول محمد)

علاقہ بحرین کسریٰ کے زیر فرمان تھا۔ وہاں اس کی طرف سے منذر بن ساوی

---

[1] مواہب لدنیہ۔

عبدی تمیمی نائب السلطنت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نامۂ مبارک حضرت عبداللہ بن حذافہ قرشی سہمی کو دے کر حکم دیا[1] کہ اسے حاکم بحرین کے پاس لے جاؤ۔ حاکم موصوف نے وہ نامہ خسرو پرویز کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ پڑھا گیا۔ تو پرویز نے اسے پھاڑ ڈالا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ تو آپ نے پرویز اور اس کے معاونین پر بد دعا فرمائی۔ کہ "وہ ہر طرح پارہ پارہ کیے جائیں"۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ ان کی سلطنت جاتی رہی۔ دولت واقبال نے منہ پھیر لیا۔ اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اس بربادی کی کیفیت یوں[2] ہے۔ کہ پرویز نے نامۂ مبارک کو چاک کرنے کے بعد اپنے گورنر یمن باذان کو لکھا کہ اپنے دو دلیر آدمیوں کو حجاز میں بھیجو۔ تاکہ اس مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے پاس لائیں۔ باذان نے اپنے قہرمان بابویہ اور ایک شخص خرخسرہ نام کو اس غرض کے لئے مدینہ میں بھیجا۔ اور بابویہ سے کہہ دیا کہ اس مدعی نبوت سے کلام کرنا اور اس کے حال سے اطلاع دینا۔ یہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ بابویہ نے حقیقتِ حال عرض کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میرے پاس آؤ۔ جب وہ دوسرے دن حاضر خدمت ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ فلاں مہینے کی فلاں رات کو خدا نے کسریٰ کو قتل کر دیا اور اس کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا۔ وہ بولے۔ آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ کیا ہم اپنے بادشاہ (باذان) کو یہ اطلاع کر دیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ہاں میری طرف سے اسے یہ خبر دے دو اور کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت کسریٰ کے ملک کی انتہا تک پہنچ جائے گی۔ اور (باذان سے) یہ بھی کہہ دو کہ اگر تم اسلام لاؤ

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم وکتاب الجہاد [2] اصابہ۔ ترجمہ جد جمیرہ۔

تو تمہارا ملک تم ہی کو دیا جائے گا۔ دونوں نے واپس آکر باذان سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس پر کچھ عرصہ نہ گزرا تھا۔ کہ شیرویہ کا خط باذان کے نام آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ میں نے اپنے باپ پرویز کو قتل کر ڈالا۔ کیونکہ وہ اشراف فارس کا قتل جائز سمجھتا تھا۔ اس لئے تم لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لو۔ اور اس مدعیٔ نبوت کو جس کے بارے میں کسریٰ نے تم کو کچھ لکھا تھا برا بھلا مت کہو۔ یہ دیکھ کر باذان مسلمان ہو گیا۔ اور ایرانی جو یمن میں تھے سب ایمان لے آئے۔ اس کے چھ ماہ بعد شیرویہ بھی مر گیا۔ فارس کا آخری بادشاہ یزدجرد بن شہریار بن شیرویہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں قتل ہوا۔

۳۔ اصحمہ نجاشی شاہِ حبشہ کو جو نامہ مبارک[1] لکھا گیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم	شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
من محمد رسول اللہ الی النجاشی	اللہ کے رسول محمد کیطرف سے نجاشی شاہِ حبشہ کے
ملک الحبشۃ سلم انت فانی	نام۔ تو سلامتی والا ہے میں تیرے پاس خدا کا
احمد الیک اللہ الذی لا الٰہ	شکر کرتا ہوں۔ جس کے سوا کوئی معبود بحق
الا ھو الملک القدوس السلام	نہیں۔ وہ بادشاہ ہے۔ پاک ذات سلامت
المؤمن المھیمن واشھد ان عیسیٰ	سب عیب سے۔ امان دینے والا نگہبان
ابن مریم روح اللہ وکلمتہ القاھا	اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم روح
الیٰ مریم البتول والطیبۃ	اللہ ہیں اور اللہ کا کلمہ جسے اس نے القا
الحصینۃ حملت بعیسیٰ	کیا مریم بتول طیبہ عفیفہ کی طرف۔ وہ بار ور ہوئی عیسے

[1] ہدیۃ الحیاری لابن قیم۔ مواہب لدنیہ۔

فخلقه من روحه ونفخه
كما خلق آدم بيده وانی ادعوك
الی الله وحده لاشریك له
والیٰ موالات علیٰ طاعته و
ان تتبعنی وتؤمن بالذی
جاءنی فانی رسول الله الیك و
انی ادعوك وجنودك الی الله عز
وجل وقد بلغت ونصحت
فاقبلوا نصیحتی - والسلام علیٰ
من اتبع الهدیٰ - (رسول الله محمد)

کے ساتھ پس خدا نے اسے پیدا کیا اپنی روح
سے اور اسکے پھونکنے سے جیسا کہ پیدا کیا آدم
کو اپنے ہاتھ سے - اور مَیں تجھے بلاتا ہوں اللہ
کی طرف جو وحدہٗ لاشریک ہے اور اسکی اطاعت پر
موالات کی طرف - اور یہ کہ تو میری پیروی کرے اور
ایمان لائے اس چیز پر جو مجھے ملی - کیونکہ میں تیری
طرف اللہ کا رسول ہوں - اور مَیں تجھ کو اور تیرے
لشکروں کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں - میں
نے پہنچا دیا اور نصیحت کر دی - تم میری نصیحت
کو قبول کرو - والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ (رسول الله محمد)

جب یہ نامۂ مبارک حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ اصحمہ نجاشی کو ملا - تو اُس نے اسے اپنی آنکھوں پر رکھا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا - پھر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا - اور نامۂ مبارک کو ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھ لیا - اور یہ جواب لکھا :-

بسم الله الرحمٰن الرحیم
الی محمد رسول الله من النجاشی
اصحمة سلام علیك یا رسول
الله ورحمة الله وبركات
الله الذی لا اله الا هو الذی

شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
اللہ کے رسول محمد کے نام نجاشی اصحمہ کیطرف سے -
یا رسول اللہ آپ پر سلام اور اللہ کی
رحمت اور اللہ کی برکتیں جس کے سوا کوئی
معبود بحق نہیں - اُس نے مجھے اسلام

هدانی للاسلام امابعد فقد
بلغنی کتابك یارسول الله کما
ذکرت من امر عیسٰی فورب
السماء والارض ان عیسٰی
علیه الصلوٰة والسلام لایزید
علیٰ ماذکرت تفروقا انه کما
ذکرت وقد عرفنا ما بعثت به
الینا فاشهد انك رسول الله
صادقا مصدقا وقد بایعتك
وبایعت ابن عمك واسلمت
علیٰ یدیه لله رب العٰلمین و
قد بعثت الیك بابنی وان شئت
اُتیتك بنفسی فعلت فانی
اشهد ان ما تقول حق والسلام
علیك ورحمة الله وبرکاتهٗ (محمد رسول الله)

کی طرف ہدایت کی - اما بعد یا رسول اللہ
مجھے آپ کا نامہ ملا - آپ نے جو
حضرت عیسٰی کا حال بیان کیا ہے سو
آسمان وزمین کے رب کی قسم کہ حضرت
عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے ذرہ
بھی زیادہ نہیں ہیں - وہ بے شک ایسے
ہی ہیں جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے - اور ہم نے
پہچان لیا جو کچھ آپ نے ہماری طرف لکھ کر
بھیجا ہے پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ
اللہ کے رسول صادق مصدق ہیں - اور
میں نے آپ کی بیعت کی - اور آپ کے چچیرے
بھائی کی بیعت کی - اور اسکے ہاتھ پر اللہ
رب العالمین کے لئے اسلام لایا - اور
میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج
رہا ہوں - اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں خود حاضر
ہو جاؤں تو تیار ہوں - پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے
والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - (محمد رسول اللہ)

اصحمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ ایک اور
نامہ بھیجا تھا - کہ ام حبیبہ (امیر معاویہ کی بہن) کو نکاح کا پیغام دو - اور مہاجرین میں سے

جواب تک حبشہ میں ہیں انکو یہاں پہنچادو۔ ارشاد مبارک کی تعمیل کی گئی۔ حضرت ام حبیبہ نے حضرت خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ اور نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ام حبیبہ سے کردیا۔ اور مہر جو چار سو دینار تھا وہ بھی خود ہی ادا کردیا۔ ام حبیبہ کا پہلا خاوند عبید اللہ بن جحش اسدی تھا۔ دونوں ہجرت کر کے حبشہ میں چلے آئے تھے مگر عبید اللہ نصرانی ہو کر مر گیا تھا۔ اس طرح ام حبیبہ بیوہ رہ گئی تھیں۔

نجاشی نے حضرت جعفر طیار[1] اور حضرت ام حبیبہ اور دیگر مہاجرین حبشہ کو ایک جہاز میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا۔ اس کے بعد دوسرے جہاز میں اپنے بیٹے کو مصاحبوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط دیکر بھیجا۔ جس میں اپنے ایمان لانے کا حال لکھا تھا۔ پہلا جہاز صحیح وسالم منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ مگر دوسرا جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور سوار سب ہلاک ہو گئے۔

اصحمہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازے کی نماز غائبانہ پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے نجاشی کو بھی جو اصحمہ کے بعد بادشاہ ہوا دعوتِ اسلام کا خط لکھا تھا۔ اس دوسرے نجاشی

---

[1] جب حضرت ابو موسیٰ اشعری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر پہنچی۔ تو وہ اور انکے دو بھائی اور ان کی قوم کے باون یا ترپن آدمی یمن سے ہجرت کر کے ایک کشتی میں مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے مگر باد مخالف کے سبب سے ان کی کشتی ساحل حبشہ پر جا لگی۔ اس لئے وہ حبشہ میں حضرت جعفر طیار کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس سفر میں وہ بھی حضرت جعفر کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔

کے ایمان کا حال معلوم نہیں۔

۴۔ مقوقس والیٔ مصر ہرقل قیصر روم کا باجگذار تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھ اس کو یہ نامۂ مبارک بھیجا گیا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
من محمد عبد اللہ و رسولہ الی	اللہ کے بندے اور اسکے رسول محمد کی طرف سے
المقوقس عظیم القبط سلام	مقوقش امیر قبط کے نام۔ سلام اس پر
علیٰ من اتبع الھدیٰ اما بعد	جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ امابعد
فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام	میں بلاتا ہوں تجھ کو دعوتِ اسلام کی
اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک	طرف۔ تو اسلام لا سلامت رہے گا۔ دے گا
مرتین فان تولیت فعلیک اثم	تجھ کو اللہ ثواب دوہرا۔ اگر تُو نے نہ مانا تو تجھ
القبط یٰاھل الکتب تعالوا الیٰ	پر ہوگا گناہ قبطیوں کا۔ اے اہلِ کتاب! تم
کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد	آؤ طرف ایسی بات کی جو یکساں ہی ہم میں اور
الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً و	تم میں کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور شریک
لا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا	نہ ٹھہرائیں اسکے ساتھ کسی کو۔ اور نہ بنائے ہم
من دون اللہ فان تولوا فقولوا	سے کوئی دوسرے کو رب سوائے اللہ کے سو
اشھدوا بانا مسلمون	اگر وہ نہ مانیں تو کہو تم گواہ رہو کہ ہم ہیں ماننے والے
محمد رسول اللہ	محمد رسول اللہ

حسنِ اتفاق سے اصل نامۂ مبارک ایک فرانسیسی سیاح کو اخمیم کے گرجا میں ایک راہب سے ملا۔ اس نے خرید کر سلطان عبد المجید خاں مرحوم والیٔ سلطنت

عثمانیہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ اور اب قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ اس کے دو فوٹو اس وقت ہمارے زیر نظر ہیں ہم نے اسے تبرکاً مطابق اصل لفظ بلفظ سطراً نقل کیا ہے۔ اس کے اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ثبت ہے جسکی اوپر کی سطر میں اللہ دوسری میں رسول اور تیسری میں محمد ہے۔ دیگر خطوط کے آخر میں بھی یہی مہر مبارک ثبت تھی۔ یہ نامہ مبارک مقوقس کو سکندریہ میں ملا۔ اس نے ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھ لیا اور اس پر اپنی مہر لگا دی۔ اور جواب میں عربی زبان میں یوں لکھوایا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم	شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
لمحمد بن عبد اللہ عن المقوقس عظیم	محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس امیر قبط کی طرف سے
القبط سلام علیک اما بعد	سلام آپ پر۔ اما بعد میں نے آپ کا خط پڑھا۔
فقد قرات کتابک وفهمت ما	اور سمجھ گیا جو کچھ آپ نے اس میں ذکر کیا
ذکرت فیه وما تدعو الیه و	ہے اور جس کی طرف آپ بلاتے ہیں مجھے
قد علمت ان نبیا بقی وکنت	معلوم تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے میرا گمان
اظن انه یخرج بالشام وقد	تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا۔ میں نے آپ کے
اکرمت رسولک وبعثت الیک	قاصد کی عزت کی اور آپ کی طرف دو کنیزیں
بجاریتین لهما مکان فی القبط	جن کی قبطیوں میں بڑی عزت ہے اور کپڑے
عظیم وبکسوة واهدیت الیک	بھیجتا ہوں۔ اور آپ کی سواری کے لئے
بغلة لترکبها والسلام علیک (اللہ رسول محمد)	ایک خچر ہدیہ بھیجتا ہوں والسلام علیک (اللہ رسول محمد)

یہ دو کنیزیں ماریہ اور سیرین نام سگی بہنیں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کو دعوتِ اسلام دی۔ تو ماریہ نے فوراً اور سیرین نے کچھ توقف کے بعد کلمۂ شہادت پڑھا۔ اس واسطے حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حرمِ نبوی میں داخل کر لی گئیں۔ اور سیرین حضرت حسان بن ثابت شاعر کو عنایت ہوئی۔ خچر کا نام دُلدل تھا۔ حضرت حاطب نے مقوقس کا حال جو ذکر کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس خبیث کو ملک کی طمع نے اسلام سے محروم رکھا۔ حالانکہ اس کا ملک باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۵۔ ہوذہ بن علی الحنفی صاحب یمامہ کی طرف یوں لکھا گیا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
من محمد رسول اللہ الیٰ ہوذۃ	اللہ کے رسول محمد کیطرف سے ہوذہ بن علی کے نام۔
بن علی سلام علی من اتبع	سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی تجھے
الھدیٰ واعلم ان دینی سیظھر	معلوم رہے کہ میرا دین عنقریب اس حد تک
الیٰ منتھی الخف والحافر	پہنچے گا۔ جہاں تک کہ اونٹ اور خچر جاتے
فاسلم تسلم اجعل لک ما	ہیں۔ تو اسلام لا سلامت رہے گا۔ میں
تحت یدیک۔ (اللہ رسول محمد)	تیرا ملک تجھ کو دے دوں گا۔ (اللہ رسول محمد)

جب حضرت سلیط بن عمرو عامری یہ نامۂ مبارک ہوذہ کے پاس لے گئے۔ تو ارکون دمشق جو امرائے نصاریٰ میں سے تھا اس وقت حاضر تھا۔ ہوذہ نے مضمون نامہ بیان کر کے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت دریافت کیا۔ ارکون نے کہا۔ تم اس کی دعوت قبول کیوں نہیں کرتے۔ ہوذہ نے کہا۔ میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں۔ اگر میں اس کا پیرو بن گیا۔ تو ملک جاتا رہے گا۔ ارکون نے کہا۔ خدا کی قسم!

اگر تو اُس کا پیرو بن جائے۔ تو وہ ضرور تیرا ملک تجھ کو دے دیگا۔ تیری بہبودی اسکے اتباع میں ہے۔ وہ بیشک نبی عربی ہے۔ جس کی بشارت حضرت عیسیٰ ابن مریم نے دی ہے۔ اور یہ بشارت ہمارے پاس انجیل میں موجود ہے۔ بایں ہمہ ہوذہ ایمان نہ لایا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہوذہ ہلاک ہو گیا اور اس کا ملک جاتا رہا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے واپس تشریف لائے۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حاضر خدمت ہو کر خبر دی کہ ہوذہ مر گیا۔

۶۔ قیصر روم کی طرف سے حارث بن ابی شمر غسانی حدود شام کا گورنر تھا۔ غوطہ دمشق اس کا پایۂ تخت تھا۔ اس کو یہ نامہ مبارک بھیجا گیا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
من محمد رسول اللہ الی الحارث	اللہ کے رسول محمد کیطرف سے۔ حارث بن ابی شمر
بن ابی شمر۔ سلام علی من	کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی
اتبع الھدیٰ وآمن بہ وصدق	کی۔ اور اس پر ایمان لایا اور تصدیق کی۔
فانی ادعوك الی ان تؤمن باللہ	میں تجھے اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تو
وحدہ لا شریك لہ یبقیٰ ملکك۔	اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لائے۔ تیری
(مہر: اللہ رسول محمد)	حکومت قائم رہے گی۔ (مہر: اللہ رسول محمد)

حضرت شجاع بن وہب یہ نامہ مبارک لے کر روانہ ہوئے۔ جب یہ دمشق پہنچے تو دیکھا۔ کہ قیصر روم جو حمص سے بیت المقدس کو ایرانیوں پر فتح کے شکرانہ کیلئے آ رہا تھا اس کے استقبال کے لئے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ان کا بیان[۱] ہے کہ

---

[۱] ہدایہ الحیاری لابن القیم

مَیں نے حارث کے دروازے پر دو تین دن قیام کیا۔ مَیں نے اس کے رومی دربان سے کہا کہ مَیں حارث کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں۔ اس نے کہا کہ فلاں روز باریابی ہوگی۔ وہ دربان جس کا نام مری تھا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کا حال پوچھتا رہتا تھا۔ میں بیان کرتا تو اس پر رقت طاری ہو جاتی یہاں تک کہ رو پڑتا اور کہتا کہ میں نے انجیل میں پڑھا ہے بعینہٖ اسی نبی کی صفت اس میں مذکور ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ وہ زمینِ عرب میں ظاہر ہوا ہے۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ حارث مجھے قتل کر دے گا۔ آخر کار حارث ایک روز دربار میں تاج پہن کر تخت پر بیٹھا۔ مَیں باریاب ہوا۔ تو مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پیش کیا۔ اس نے پڑھ کر پھینک دیا۔ کہنے لگا۔ مجھ سے میرا ملک کون چھین سکتا ہے؟ وہ خواہ یمن میں ہو مَیں اس کے پاس جاتا ہوں۔ اور حکم دیا کہ فوج تیار ہو جائے اور گھوڑوں کی نعلبندی کی جائے۔ پھر مجھ سے کہا۔ تم جو کچھ دیکھ رہے ہو اس کو بتا دینا۔ حارث نے میری آمد کا حال قیصر کو لکھا۔ وہ عرضداشت قیصر کو بیت المقدس میں ملی۔ دحیہ کلبی ابھی وہاں تھے۔ جب قیصر نے حارث کا خط پڑھا۔ تو اسے لکھا کہ اس مدعیٔ نبوت کے پاس مت جاؤ۔ اس سے دور رہو۔ اور مجھ سے بیت المقدس میں ملو۔ یہ جواب میرے ایامِ قیام میں آگیا۔ حارث نے مجھے بلا کر دریافت کیا کہ کب جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ کل۔ یہ سن کر اس نے حکم دیا کہ مجھے سو مثقال سونا دے دیا جائے حضرت مری نے نفقہ ولباس سے میری مدد کی اور کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد سلام

عرض کر دینا کہ میں آپ کے دین کا پیرو ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر حارث کا حال عرض کیا۔ تو فرمایا کہ اس کا ملک جاتا رہا۔ اور حضرت مری کا حال عرض کیا۔ تو فرمایا کہ وہ سچا ہے۔

۷۔ ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علا ابن الحضرمی کے ہاتھ منذر بن ساوے حاکم بحرین کے نام ایک تبلیغی خط بھیجا۔ جس کے مطالعہ سے منذر کے ساتھ وہاں کے تمام عرب اور بعض عجم ایمان لائے۔ مگر یہود و مجوس ایمان نہ لائے۔ حضرت منذر نے بذریعہ عرضداشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع دی اور دریافت کیا کہ کیا کیا جائے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منذر کو یہ خط لکھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
من محمد رسول اللہ الی المنذر	اللہ کے رسول محمد کی طرف سے منذر بن ساوی
بن ساوی سلام علیك فانی	کے نام۔ سلام تجھ پر۔ میں تیرے پاس خدا کا شکر
احمد اللہ الیك الذی لا الٰہ	کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں
الا ھو واشھد ان لا الٰہ الا اللہ	اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود
وان محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ	بحق نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کا بندہ اور رسول
اما بعد فانی اذکر اللہ عزّوجلّ	ہے۔ اما بعد میں تجھے یاد دلاتا ہوں اللہ
فانہ من ینصح فانما ینصح	عزّوجلّ (کے احکام) بیشک جو خیر خواہی کرتا
لنفسہ وانہ من یطع رسلی	ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ اور جو میرے
ویتبع امرھم فقد اطاعنی و	قاصدوں کی اطاعت کرے اور ان کا حکم

من نصح لهم فقد نصح لی	مانے۔ اس نے بے شبہ میری اطاعت کی
وان رسلی قد اثنوا علیك خیرا	اور جو انکی خیر خواہی کرے اس نے بیشک
وانی قد شفعتك فی قومك	میری خیر خواہی کی۔ میرے قاصدوں نے تمہاری
فاترك للمسلمین ما اسلموا علیه	تعریف کی ہے۔ میں نے تمہاری سفارش
وعفوت من اهل الذنوب	تمہاری قوم کے بارے میں قبول کی پس مسلمانوں
فاقبل منهم وانك مهما تصلح	کے لئے چھوڑ دو وہ (مال وغیرہ) جس پر وہ مسلمان
فلن نعزلك عن عملك ومن	ہوئے میں نے گنہ گاروں کو (پہلے گناہ) معاف
اقام علی یهودیته او مجوسیته	کر دیئے تم ان سے (اسلام) قبول کرو جب تک
فعلیه الجزیة۔ (رسول الله محمد)	تم کام اچھا کرتے رہو گے ہم تم کو تمہارے

عہدے سے معزول نہ کرینگے۔ اور جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہا اسپر جزیہ ہے (رسول الله محمد)

یہ اصل نامہ مبارک بھی ایک فرانسیسی سیاح نے اطراف بلاد مصر سے ایک قبطی راہب سے خرید کر سلطان عبد المجید خاں مرحوم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ اب وہ خزانہ شاہی میں محفوظ ہے۔ اس کے اخیر میں یہ مہر ہے۔ (رسول الله محمد)

۸۔ ذیقعدہ ۸ھ میں والیان عمان کے نام یہ نامہ مبارک لکھا گیا:۔

بسم الله الرحمٰن الرحیم۔	شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
من محمد بن عبد الله الی جیفر	محمد بن عبد اللہ کیطرف سے جیفر و عبد پسران جلندی
وعبد ابنی الجلندی سلام	کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی
علی من اتبع الهدی اما بعد	اما بعد میں تم دونوں کو دعوتِ اسلام کی
فانی ادعوکما بدعایة الاسلام	طرف بلاتا ہوں۔

اسلما تسلما فانی رسول اللہ الی الناس کافۃ لِاُنذر من کان حیًا ویحق القول علی الکفرین وانکما ان اقررتما بالاسلام ولیتکما مکانکما وان ابیتما ان تقرا بالاسلام فان ملککما زائل عنکما وخیلی تحُل بساحتکما وتظھر نبوتی ملککما۔ (محمد رسول اللہ)

تم اسلام لاؤ سلامت رہو گے کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تا کہ ڈراؤں اس کو جو زندہ ہو اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے۔ اگر تم اسلام کا اقرار کر لو تو میں تم کو تمہارا ملک دیدوں گا۔ اگر تم اقرار اسلام سے انکار کرو۔ تو تمہارا ملک تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اور میرے سوار تمہارے مکانات کی فضا میں اتریں گے۔ اور میری نبوت تمہارے ملک پر غالب آئے گی (محمد رسول اللہ)

یہ نامۂ مبارک حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھ ارسال کیا گیا۔ جیفر و عبد دونوں ایمان لائے۔[1]

غزوۂ ذی قرد

ماہ محرم میں غزوۂ غابہ یا غزوۂ ذی قرد پیش آیا۔ موضع غابہ میں جو مدینہ سے چار میل ملک شام کی طرف واقع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں۔ حضرت ابوذر غفاری کا لڑکا چرایا کرتا اور شام کو ان کا دودھ دوہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا کرتا تھا۔ ایک رات قبیلۂ غطفان کے چالیس سواروں نے بسر کردگی عیینہ بن حصن فزاری چھاپا مارا۔ وہ حضرت ابوذر کے صاحبزادے کو قتل کر کے بیس اونٹنیاں لے گئے۔ اور حضرت ابوذر کی بیوی کو بھی گرفتار کر کے ساتھ

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو ہدایۃ الحیاری اور مواہب لدنیہ۔

لے گئے۔ دوسرے روز فجر کی اذان سے پہلے حضرت سلمہ بن اکوع جو مشہور تیر انداز اور تیز رفتار صحابی تھے کمان حمائل کئے مدینہ سے غابہ کی طرف جو نکلے۔ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے غلام نے ان کو اس ماجرا کی خبر دی۔ انہوں نے کوہ سلع یا ثنیۃ الوداع پر کھڑے ہو کر مدینہ کی طرف منہ کر کے تین بار زور سے یا صباحاہ پکارا یہاں تک کہ وہ آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔ پھر وہ پیادہ دشمن کی طرف دوڑے اور ان کو جا لیا۔ اور تیر اندازی سے وہ اونٹنیاں یکے بعد دیگرے چھڑا لیں ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پانسو کی جمعیت کے ساتھ تعاقب میں نکلے۔ غطفان ذو قردؔ کے قریب ایک تنگ درّہ میں پہنچے۔ جہاں عُیینہ ان کی مدد کو آیا۔ یہاں مقابلہ ہوا غطفان بھاگ گئے۔ آفتاب غروب نہ ہوا تھا کہ وہ ذو قرد میں پانی پینے لگے۔ حضرت سلمہ نے دوڑ کر ان پر تیر برسانے شروع کئے۔ اور ان کو پانی نہ پینے دیا۔ وہ بھاگ کر اپنے علاقہ میں جو ذو قرد سے ملحق تھا چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شام کو ذو قرد میں پہنچے۔ سوار و پیادہ سب آپ سے آملے۔ حضرت سلمہ نے عرض کیا کہ میں نے ان کو پانی پینے نہ دیا۔ اگر مجھے سو سوار مل جائیں تو میں ان کو ایک ایک گرفتار کر لاتا ہوں۔ مگر حضور رحمۃ للعالمین نے جواب دیا:۔

اذا ملکت فاسجح — جب تو قابو پا جائے تو نرمی سے کام لے

ذو قرد میں ایک دن رات قیام کر کے واپس ہوئے۔ حضرت ابوذر کی بیوی اسکے بعد ناقہ پر آپہنچی۔

ؔ ذو قرد ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ اور خیبر کے درمیان مدینہ سے ایک دن (بقول بعض دو دن) کی مسافت پر ہے۔

غزوۂ خیبر

غزوۂ غابہ کے تین دن بعد جنگ خیبر[1] پیش آئی۔ خیبر کے یہود اسلام کے سخت دشمن تھے۔ غزوۂ احزاب میں اگرچہ ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ مگر وہ اسلام کو مٹانے کے لئے برابر سازش کر رہے تھے۔ غطفان ان کو مدد دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار چھ سو کی جمعیت کے ساتھ نکلے جن میں سے دو سو سوار اور باقی سب پیادہ تھے۔ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اہلِ خیبر کو کہلا بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے لڑنے آرہے ہیں۔ مگر تم ان سے نہ ڈرنا۔ تمہاری تعداد بہت ہے۔ یہ تو مٹھی بھر آدمی ہیں۔ جن کے پاس ہتھیار تک نہیں۔ اس سفر میں جب لشکر اسلام صہبا میں پہنچا جو خیبر سے بارہ میل پر ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر پڑھ کر کھانا طلب فرمایا۔ صرف ستو پیش کئے گئے جو حسب الارشاد پانی میں گھول دیئے گئے۔ آپ نے اور صحابۂ کرام نے وہی کھائے۔ صہباء سے روانہ ہو کر خیبر کے قریب غطفان و یہود کے درمیان وادی رجیع میں اترے تاکہ غطفان یہود کی مدد کو نہ جا سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ یہ مقام اسلامی کیمپ یا لشکرگاہ مقرر ہوا۔ یہاں سے لڑائی کے لئے تیار ہو کر جایا کرتے اور زخمیوں کو علاج کے لئے یہاں لایا جاتا۔ غرض اسباب باربرداری اور مستورات کو یہاں چھوڑ دیا گیا۔ اور رات یہیں گذاری۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] خیبر مدینہ سے شام کی طرف ۹۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس بڑی بستی میں سات قلعے اور کھیت و باغات بکثرت تھے۔ قلعوں کے نام یہ ہیں۔ ناعم۔ قموص۔ شق۔ نطاۃ۔ سلالم۔ وطیح۔ کتیبہ۔ معجم البلدان۔

علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ کسی قوم پر رات کو حملہ نہ کیا کرتے تھے۔ صبح کو نماز فجر اول وقت پڑھ کر آگے بڑھے۔ جب بستی نظر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یوں پکارا:۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ اِنَّا اِذَا اَنْزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ

اللہ اکبر! خیبر ویران ہو گیا۔ ہم جب کسی قوم کی انگنائی میں اترتے ہیں۔ تو ڈرائے گیوں کی صبح بری ہوتی ہے۔

جب آپ شہر میں داخل ہونے لگے تو فرمایا۔ ٹھہرو۔ یہ سن کر تمام فوج نے تعمیلِ ارشاد کی۔ اور آپ نے یہ دعا مانگی:۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّیٰطِیْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا اَذْرَیْنَ فَاِنَّا نَسْاَلُكَ خَیْرَ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ وَخَیْرَ اَهْلِهَا وَخَیْرَ مَا فِیْهَا وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِیْهَا۔

اے پروردگار سات آسمانوں کے اور ان چیزوں کے جن پر آسمانوں نے سایہ ڈالا ہے اور پروردگار سات زمینوں کے اور ان چیزوں کے جن کو زمینوں نے اٹھایا ہوا ہے اور پروردگار شیطانوں کے اور انکے جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا ہے اور پروردگار ہواؤں کے اور ان چیزوں کے جنکو ہوائیں اڑا لے جاتی ہیں۔ ہم تجھ سے اس بستی اور بستی والوں اور بستی کی چیزوں کی خیر مانگتے ہیں۔ اور اس بستی اور بستی والوں اور بستی کی چیزوں کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

۱؎ صحیح بخاری۔ غزوۂ خیبر۔

آپ کا معمول تھا کہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے۔ تو یہی دعا مانگتے۔ اس کے بعد شہر میں داخلہ ہوا اور تمام قلعے یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے۔

سب سے پہلے قلعۂ ناعم فتح ہوا۔ حضرت محمود بن مسلمہ انصاری اوسی اسی قلعہ کی دیوار تلے شہید ہوئے۔ گرمی کی شدت تھی۔ وہ لڑتے لڑتے تھک کر دیوار کے سایہ میں آ بیٹھے۔ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق نے اکیلے یا بشراکت مرحب فصیل پر سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرا دیا۔ جس کے صدمہ سے انہوں نے شہادت پائی۔

ناعم کے بعد قموص فتح ہوا۔ یہ بڑا مضبوط قلعہ تھا جو اسی نام کی پہاڑی پر واقع تھا۔ ابن ابی الحقیق یہودی کا خاندان اسی قلعہ میں رہتا تھا۔ عرب کا مشہور پہلوان مرحب اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ کو فوج دے کر بھیجا۔ مگر یہ قلعہ فتح نہ ہوا۔ جب محاصرے نے طول کھینچا۔ تو ایک روز آپ نے فرمایا کہ میں کل علم اس شخص کو دونگا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا۔ اور جو اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول بھی اسکو دوست رکھتے ہیں۔ صحابہ کرام نے یہ رات انتظار و بیقراری میں گزاری کہ دیکھئے علم کسے عنایت ہوتا ہے۔ صبح کو ارشاد ہوا کہ علیؓ کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ فرمایا۔ ان کو بلاؤ۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے۔ تو آپ نے اپنا لعاب دہن مبارک ان کی آنکھوں میں ڈالا اور دعا کی۔ فوراً آرام ہو گیا۔ اور علم ان کو عنایت ہوا۔ دشمن کی طرف سے پہلے مرحب کا بھائی حارث نکلا۔ جو شجاعت میں معروف تھا۔ وہ حضرت مرتضیٰؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ تو خود مرحب بڑے طمطراق سے نکلا۔ اس کو بھی بنا بر اصح الروایات حضرت علیؓ مرتضیٰ نے

قتل کیا۔ مرحب کے بعد یاسر نکلا۔ اسے حضرت زبیرؓ نے قتل کیا۔ اس طرح یہ محکم قلعہ بھی فتح ہو گیا۔ جو سبایا ہاتھ آئیں، وہ صحابہ کرام میں تقسیم کر دی گئیں۔ اور صفیہ بنت حیی بن اخطب جو کنانہ بن ربیع کے تحت میں تھی اس کو آزاد کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نکاح میں لائے۔ حضرت صفیہ کا باپ رئیس خیبر تھا۔ ان کا شوہر قبیلہ نضیر کا رئیس تھا۔ باپ اور شوہر دونوں قتل کئے جا چکے تھے، وہ کنیز ہو کر بھی رہ سکتی تھیں۔ مگر حضور رحمۃ للعالمین نے حفظ مراتب اور رفع غم کے لئے ان کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا اور وہ امہات المومنین میں شامل ہوئیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا حسن سلوک ہو سکتا تھا۔

قموص کے بعد باقی قلعے جلدی فتح ہو گئے۔ ان معرکوں میں ۹۳ یہود مارے گئے اور صحابہ کرام میں سے پندرہ نے شہادت پائی۔ فتح کے بعد زمین خیبر پر قبضہ کر لیا گیا۔ مگر یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہے ہم پیداوار کا نصف آپ کو دے دیا کریں گے۔ آپ نے یہ درخواست منظور کی اور فرمایا۔ "ہم تمہیں برقرار رکھیں گے جب تک ہم چاہیں"۔ جب غلہ کا وقت آیا۔ تو آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو وہاں بھیج دیا۔ انہوں نے غلہ کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہا کہ جو حصہ چاہو لے لو۔ اس پر وہ حیران ہو کر کہنے لگے کہ "زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں[1]"۔

غزوۂ وادی القریٰ

جنگِ خیبر سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی القریٰ کی طرف

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ذکر خیبر۔

روانہ ہوئے۔ یہ وادی خیبر اور تیماء کے درمیان واقع ہے۔ اس میں دیہات کا لگا تار سلسلہ چلا گیا ہے۔ اس لئے اسے وادی القریٰ کہتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر یہود کو دعوت اسلام دی گئی۔ انہوں نے قبول نہ کی۔ بلکہ برسر پیکار ہوئے۔ مگر جلدی مغلوب ہو گئے خیبر کی طرح غنائم تقسیم کر دی گئیں۔ اور زمین و باغات نصف پیداوار پر ان کے قبضہ میں چھوڑ دیئے گئے۔ تیماء کے یہود نے جب وادی القریٰ کا حال سنا۔ تو قاصد بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جزیہ پر صلح کر لی۔ اور زمین ان ہی کے قبضہ میں رہی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس تشریف لائے تو آپ نے حضرت محیصہ بن مسعود کو اہلِ فدک کے پاس بھیجا۔ وہاں کا رئیس یوشع بن نون یہودی تھا۔ دعوتِ اسلام دی گئی۔ وہ خیبر کا حال سن کر پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے نصف زمین پر صلح[1] کر لی۔

یہود خیبر کو اگرچہ امان دیا گیا تھا۔ مگر وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے۔ چنانچہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی زوجہ اور مرحب کی بھاوج تھی ایک بکری کا گوشت بھون کر اس میں زہر ملا دی اور بطور ہدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اس میں سے بازو اٹھا لیا اور کھانے لگے۔ باقی چند صحابہ حاضرین نے تناول کیا۔ آپ نے کھاتے ہوئے فرمایا کہ یہ گوشت نہ کھاؤ۔ اور اس یہودیہ کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر خدمت ہوئی تو فرمایا۔ کہ تم نے اس گوشت میں زہر ملایا ہے۔ وہ بولی۔ آپ کو کس نے خبر دی۔ آپ نے بازو کی طرف

---

[1] بلاذری ذکر فدک۔

اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ اس بازو نے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں میں نے اس میں زہر ملادی ہے۔ بدیں خیال کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو زہر اثر نہ کرے گی۔ اور اگر آپ پیغمبر نہیں ہیں۔ تو ہم آپ سے آرام پائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات شریف کے لئے کسی سے انتقام نہ لیتے تھے۔ اس لئے معاف فرمادیا۔ وہ صحابہ کرام جنہوں نے کھایا تھا۔ انتقال فرما گئے۔ ان میں سے سب سے پہلے حضرت بشر بن براء نے انتقال فرمایا۔ تو ان کے قصاص میں اس یہودیہ کو قتل کر دیا گیا۔

اسی سال حضرت خالد بن ولید (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) ایمان لائے۔

ہجرت کا آٹھواں سال

غزوہ موتہ

جمادی الاولیٰ میں غزوہ موتہ وقوع میں آیا۔ حقیقت میں یہ سریہ تھا۔ مگر لشکر کی کثرت کے سبب سے اُسے غزوہ سے تعبیر کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ کے ہاتھ امیر بُصرےٰ یا قیصر روم کے نام اپنا نامہ مبارک بھیجا۔ جب قاصد موتہ میں پہنچا تو شرجیل بن عمرو غسانی نے جو قیصر روم کی طرف سے شام میں ایک گورنر تھا۔ اس کو شہید کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی۔ تو آپ نہایت غمگین ہوئے۔ اور تین ہزار فوج بسر کردگی زید بن حارثہ

---

[۱] مشکوٰۃ شریف باب فی المعجزات فصل ثانی۔

(جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے) بھیجی۔ اور حکم دیا۔ کہ اگر زید شہید ہو جائیں۔ تو جعفر بن ابی طالب اور وہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں اور ارشاد ہوا کہ اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر شہید ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی ہدایت کردی گئی کہ پہلے ان کو دعوت اسلام دینا۔ اگر وہ قبول کرلیں تو جنگ کی ضرورت نہیں۔ خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ثنیۃ الوداع تک فوج کی مشایعت فرمائی۔ شرجیل کو خبر پہنچی تو اس نے ایک لاکھ فوج تیار کی۔ ادھر قیصر روم وعرب کی ایک لاکھ فوج لیکر زمین بلقاء[1] میں خیمہ زن ہوا۔ جب لشکر اسلام شہر معان میں پہنچا۔ تو ان کو دشمن کی تعداد کثیر کی اطلاع ملی۔ انہوں نے چاہا کہ دربار رسالت کو حالات کی اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے۔ مگر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا کہ فتح وشہادت میں سے ایک ہمیں ضرور حاصل ہو جائیگی۔ اس لئے آگے بڑھے۔ جب بلقار کی حد پر پہنچے۔ تو مشارف میں قیصر کا لشکر نظر آیا۔ مسلمان بچ کر موتہ کی طرف چلے گئے۔ اور یہاں جنگ ہوئی۔ حضرات زیدؓ وجعفرؓ وعبداللہ بن رواحہؓ یکے بعد دیگرے بڑی بہادری سے پیدل ہو کر لڑے اور شہید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بیان فرمارہے تھے۔ حضرت جعفر نے پہلے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر حملہ کیا۔ ان کا دایاں بازو کٹ گیا۔ تو علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ بایاں بھی کٹ گیا تو بغل میں لے لیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا

---

[1] یہ مقام شام ووادی القریٰ کے درمیان واقع ہے۔ موتہ اور مشارف دیہات بلقار میں سے ہیں۔ شہر معان بلقار کے نواح میں ہے۔

بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی۔ تو اس پر نوّے سے کچھ اوپر زخم تلواروں اور برچھیوں کے تھے۔ اور سب کے سب سامنے کی طرف تھے۔ پشت پر ایک بھی نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کو شہادت کے بعد بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ بشکل فرشتہ دو خون آلودہ بازوؤں کے ساتھ دیکھا۔ اسی واسطے ان کو جعفر طیار یا جعفر ذوالجناحین کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعد بالاتفاق حضرت خالد بن ولید امیر لشکر ہوئے۔ وہ بھی نہایت شجاعت سے لڑے۔ خود اُن کا بیان ہے کہ اس دن نو تلواریں میرے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ لشکر کفار میں تزلزل پڑ گیا۔ آخر کار لشکر اسلام پسپا ہو گیا۔ اسے مسلمانوں کی فتح کہنا چاہیئے۔ کہ دو لاکھ کے مقابلہ میں صرف بارہ شہید ہوئے۔ باقی سب صحیح و سالم مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

غزوۂ فتح مکہ

ماہ رمضان میں غزوۂ فتح مکہ وقوع میں آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ قریش نے معاہدۂ حدیبیہ توڑ دیا۔ بغرض توضیح ہم یہاں کسی قدر تفصیل سے کام لیتے ہیں۔ عبدالمطلب بن ہاشم کو ان کے چچا مطلب سات یا آٹھ سال کی عمر میں مدینہ سے مکہ میں لائے تھے۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے مذکور ہوا۔ اور ہاشم کے مکانات پر انکو قابض کر دیا تھا۔ جب مُطلب نے وفات پائی تو عبدالمطلب کے چچا نوفل نے وہ مکانات چھین لئے۔ عبدالمطلب نے قریش سے مدد مانگی۔ قریش نے کہا کہ ہم تو تم دونوں میں دخل نہیں دیتے۔ عبدالمطلب نے اپنے ننہال یعنی بنو نجار کو مدینہ میں لکھا۔ اس لئے ابو سعید بن عدس نجاری اسّی سوار لیکر مدد کو آیا۔ جب

مکہ میں پہنچا تو نوفل حطیم میں قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابو سعید نے وہاں پہنچ کر نوفل کے سر پر تلوار کھینچ لی۔ اور کہنے لگا کہ ہمارے بھانجے کے مکانات واپس کر دو۔ ورنہ اس تلوار سے فیصلہ کر دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر نوفل نے قریش کے سامنے مکانات تو واپس کر دیئے۔ مگر اپنی کمزوری کو محسوس کر کے آیندہ کے لئے عبد شمس کے بیٹوں کو بنو ہاشم کے خلاف اپنا حلیف بنا لیا۔ اس پر عبد المطلب نے خزاعہ سے کہا کہ تم بنو نوفل اور بنو عبد شمس کے خلاف میرے حلیف بن جاؤ۔ عبد مناف کی ماں خزاعہ کے سردار حلیل کی بیٹی تھی۔ اس لئے وہ کہنے لگے۔ کہ تمہاری مدد کرنا ہم پر واجب ہے۔ چنانچہ دار الندوہ میں یہ معاہدہ لکھا گیا۔

حدیبیہ کے دن از روئے معاہدہ ہر ایک قبیلہ فریقین میں سے جس کا چاہا حلیف بن گیا۔ چنانچہ خزاعہ اپنا پرانا معاہدہ دکھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے۔ اور بنو بکر قریش کے معاہدے میں شامل ہوئے۔ یہ دونوں قبیلے (خزاعہ و بنو بکر) ایک دوسرے کے حریف تھے۔ اور ان میں مدت سے لڑائی چلی آتی تھی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں بنو الحضرمی میں سے ایک شخص جو اسود بن رزن دئلی بکری کا حلیف تھا۔ بغرض تجارت گھر سے نکلا۔ جب وہ خزاعہ کے علاقہ میں پہنچا تو انہوں نے اسے قتل کر ڈالا اور مال لے لیا۔ اس پر بنو بکر نے خزاعہ کا ایک آدمی قتل کر ڈالا۔ پھر خزاعہ نے بنو الاسود یعنی سلمیٰ و کلثوم و ذویب کو عرفات میں قتل کر ڈالا۔ اسی حالت میں اسلام کے ظہور نے عرب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور وہ لڑائیاں رک گئیں۔ جب صلح حدیبیہ کے سبب سے اسلام و کفر

میں لڑائی کا سلسلہ بند ہوگیا۔ تو بنو بکر (کی ایک شاخ بنو نفاثہ) سمجھے کہ اب انتقام کا وقت ہے۔ اس لیئے نوفل بن معاویہ وئلی بکری بنو نفاثہ کو ساتھ لے کر آبِ وتیر میں جو اسفل مکہ میں خزاعہ کے علاقہ میں ہے رات کو حملہ آور ہوا۔ قریش نے حسب معاہدہ بنو بکر کی مدد کی۔ چنانچہ صفوان بن امیہ۔ حویطب بن عبد العزیٰ۔ عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو وغیرہ صورتیں بدل بدل کر خزاعہ سے لڑے۔ یہاں تک کہ خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم مکہ میں پناہ لی۔ بنو بکر حرم کا احترام ملحوظ رکھ کر رک گئے۔ مگر نوفل نے کہا۔ کہ یہ موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ چنانچہ حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔

جب بنو بکر و قریش نے وہ عہد توڑ دیا۔ جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا۔ تو عمرو بن سالم خزاعی چالیس سوار لے کر مدینہ پہنچا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اپنے اصحاب میں تشریف رکھتے تھے۔ عمرو مذکور حاضر خدمت ہو کر یوں گویا ہوا:۔

یَا رَبِّ اِنِّیْ نَاشِدٌ مُحَمَّدًا	اے خدا میں محمد کو یاد دلاتا ہوں۔ وہ پرانا معاہدہ جو
حِلْفَ اَبِیْنَا وَاَبِیْهِ الْاَتْلَدَا	ہمارے باپ اور اسکے باپ (عبد المطلب) کے درمیان ہوا تھا
فَانْصُرْ رَسُوْلَ اللّٰهِ نَصْرًا عَتَدًا	یا رسول اللہ ہماری پوری مدد کیجیے۔
وَادْعُ عِبَادَ اللّٰهِ یَاْتُوْا مَدَدًا	اور خدا کے بندوں کو بلایئے جو ہماری مدد کو آئیں۔
اِنَّ قُرَیْشًا اَخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا	قریش نے آپ سے وعدہ کے خلاف کیا۔
وَنَقَضُوْا مِیْثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا	اور آپ کا محکم معاہدہ توڑ ڈالا۔
هُمْ بَیَّتُوْنَا بِالْوَتِیْرِ هُجَّدًا	انہوں نے وتیر میں ہم پر بحالت خواب حملہ کیا۔
وَقَتَلُوْنَا رُكَّعًا وَّسُجَّدًا	اور ہمیں رکوع و سجدے کی حالت میں قتل کر ڈالا۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمرو! تجھے مدد مل جائے گی۔
ایک روایت[1] میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ میں قریش سے دریافت کرتا ہوں۔ پس آپ نے حضرت ضمرہ کو بھیجا۔ اور یہ تین شرطیں پیش کیں کہ قریش ان میں سے ایک اختیار کر لیں۔

۱۔ خزاعہ کے مقتولین کا خونبہا دیں۔

۲۔ بنو نفاثہ کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔

۳۔ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرطہ بن عمرو نے کہا کہ ہمیں صرف تیسری شرط منظور ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر حملہ کی پوشیدہ تیاری شروع کر دی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمی نے جو بنو اسد بن عبد العزیٰ کے حلیف تھے بنو ہاشم کی کنیز سارہ کے ہاتھ قریش کو ایک خط لکھ بھیجا۔ جس میں اس جنگی تیاری کا حال درج تھا۔ سارہ نے وہ خط اپنے سر کے بالوں میں چھپا لیا۔ اور روانہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ کی خبر دیدی۔ آپ نے حضرات علی و زبیر و مقداد رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور ان سے فرمایا کہ روضہ خاخ میں تم کو ایک سانڈنی سوار عورت ملے گی۔ اس کے پاس قریش مکہ کے نام ایک خط ہے۔ وہ لے آؤ۔ وہ سوار ہو کر چل پڑے اور سارہ سے روضہ خاخ میں جا ملے۔ اس کو نیچے اتار لیا۔ اور کہا کہ تیرے پاس ایک خط ہے۔ اس نے انکار کیا۔ اس کے کجاوے کی تلاشی لی گئی۔ مگر کچھ برآمد نہ ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے اس سے کہا۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ رسول اللہ

---

[1] زرقانی علی المواہب بحوالہ مغازی ابن عائذ بروایت ابن عمر۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ نہیں فرمایا۔ تو خط نکال۔ ورنہ ہم تیرے کپڑوں کی تلاشی لیں گے۔ یہ سُن کر اس نے اپنے سر کے بالوں سے وہ خط نکال کر حوالہ کیا۔ جب یہ خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو آپ نے حضرت حاطب کو طلب فرمایا اور پُوچھا "حاطب! تُو نے یہ کیا حرکت کی؟" حاطب نے یوں عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! میرے بارے میں جلدی نہ کیجئے۔ مَیں دین سے نہیں پھرا۔ میرے بال بچے مکہ میں قریش کے درمیان ہیں۔ آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں قریش میں ان کے رشتے ہیں۔ جن کے سبب سے وہ ان کے بال بچوں کی حفاظت کرینگے۔ مگر میرا قریش میں کوئی رشتہ نہیں۔ اپنے اہل و عیال کے بچاؤ کے لئے مَیں نے یہ حیلہ کیا کہ قریش پر یہ احسان کروں۔ تاکہ اس کے صلہ میں وہ میرے بال بچوں کی حفاظت کریں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے بیتاب ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیئے کہ مَیں اس منافق کا سر اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا کہ حاطب اصحاب بدر میں سے ہے۔ عمر! تجھے کیا معلوم ہے بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ بدر پر مطلع ہے۔ کہ فرمایا۔ اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم[1]۔ غرض باوجود ایسے سنگین جرم کے آپ نے حضرت حاطب کو معاف فرما دیا۔

قصہ کوتاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتاریخ ۱۰ ماہ رمضان ۸ھ دس ہزار آراستہ فوج لیکر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عباس جو اب تک مکہ میں مقیم تھے

---

[1] تم کرو جو چاہو۔ البتہ مَیں نے تم کو معاف کر دیا۔ صحیح بخاری۔ باب غزوۃ الفتح وما بعث حاطب بن ابی بلتعہ الیٰ اہل مکہ۔

اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے مدینہ کو آ رہے تھے۔ وہ مقام جحفہ[1] میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حسب ارشاد نبوی انہوں نے اہل و عیال کو تو مدینہ بھیج دیا اور خود لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ قدید میں قبائل کو جھنڈے دیئے گئے۔ اخیر پڑاؤ مر الظہران تھا۔ جہاں سے مکہ ایک منزل یا اس سے بھی کم تھا۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی۔ قریش کو لشکر اسلام کی روانگی کی افواہ پہنچ چکی تھی۔ مزید تحقیق کے لئے انہوں نے ابو سفیان بن حرب اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا۔ اس تجسس میں ان کا گزر مر الظہران پر ہوا۔ ابو سفیان بولا۔ یہ اس قدر جا بجا آگ کیسی ہے؟ یہ تو شب عرفہ کی آگ کی مانند ہے۔ بدیل خزاعی نے کہا۔ یہ خزاعہ کی آگ ہے۔ ابو سفیان نے کہا۔ خزاعہ گنتی میں اتنے نہیں کہ ان کی اس قدر آگ ہو۔ خیمۂ نبوی کی حفاظت پر جو دستہ متعین تھا انہوں نے ابو سفیان وغیرہ کو دیکھ لیا۔ اور پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ ابو سفیان ایمان لائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے مکہ کی طرف روانہ ہونے لگے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابو سفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو۔ تاکہ افواجِ الٰہی کا نظارہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ قبائلِ عرب کی فوجیں ابو سفیان کے سامنے سے گزرنے لگیں۔ پہلے غفار پھر جہینہ۔ سعد بن ہذیل۔ سلیم۔ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے گزرے۔ ان کے بعد ایک فوج آئی جس کی مثل دیکھنے میں نہیں آئی۔ ابو سفیان نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ

---

[1] یہ مقام مکہ شریف سے چار منزل ہے۔

یہ انصار ہیں۔ سردار انصار حضرت سعد بن عبادہ عَلم ہاتھ میں لئے ہوئے برابر سے گزرے تو ابوسفیان سے کہا:۔

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ۔ — آج گھمسان کے معرکہ کا دن ہے۔ آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔

بعد ازاں وہ مبارک دستہ آیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب (مہاجرین) تھے۔ حضرت زبیر بن العوام علمبردار تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام برابر سے گزرے۔ تو ابوسفیان نے کہا: "حضور نے سنا سعد بن عبادہ کیا کہتے گزرے ہیں؟" آپ نے فرمایا۔ سعد نے غلط کہا۔ آج کعبہ کی عزت کی جائے گی۔ اور غلاف چڑھایا جائے گا۔ پھر حکم دیا کہ عَلم سعد سے لے کر ان کے صاحبزادے قیس کو دیدیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں حصۂ بالائی کی طرف سے داخل ہوئے۔ اعلان کر دیا گیا۔ کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا۔ ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا۔ یا مسجد میں داخل ہوگا۔ یا دروازے بند کرلے گا۔ اس کو امن دیا جائے گا۔ حصۂ بالائی میں (خیف بنی کنانہ یعنی محصب میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خیمہ نصب کیا گیا۔ اور حضرت زبیر نے حسب الارشاد محصب کی حد یعنی حجون کی پہاڑی پر عَلم کھڑا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا کہ قبائلِ عرب کے ساتھ پائین شہر کی طرف سے داخل ہوں اور صفا میں ہم سے آملیں۔ اور کسی سے جنگ نہ کریں۔ مگر صفوان بن امیہ۔ عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو قریش کی ایک جماعت ساتھ لیکر خندمہ میں سدّراہ ہوئے۔ اور حضرت

خالد کی فوج پر تیر برسانے لگے۔ چنانچہ حضرت حبیش بن اشعر اور کرز بن جابر فہری نے شہادت پائی۔ حضرت خالد نے مجبور ہو کر ان پر حملہ کیا۔ وہ نیرہ یا زیادہ لاشیں چھوڑ کر گھروں کو بھاگ گئے اور بعضے پہاڑی پر چڑھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تلواروں کی چمک دیکھی۔ تو پوچھا کہ یہ جنگ کیسی ہے؟ عرض کیا گیا کہ شاید مشرکین نے پیش دستی کی ہے۔ جس کی وجہ سے خالد کو لڑنا پڑا۔ بعد از اں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد سے باز پرس کی۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ ابتدا مشرکین کی طرف سے تھی۔ فرمایا۔ "قضائے الٰہی بہتر ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ میں ذرا آرام فرمایا۔ پھر غسل کیا اور ہتھیاروں سے سج کر ناقہ قصواء پر سوار ہوئے اور اپنے غلام کے لڑکے اسامہ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ کوکبۂ نبوی بڑی شان و شوکت سے کعبہ کی طرف روانہ ہوا۔ آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے مہاجرین و انصار تھے جو اس طرح سراپا آہن پوش تھے کہ بجز سیاہ چشم ان کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا۔ بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر اپنی ناقہ پر طواف کیا۔ بیت اللہ کے گرد اور اوپر تین سو ساٹھ بت تھے۔ جن کے سبب سے وہ خانۂ خدا بت خانہ بنا ہوا تھا۔ آپ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی۔ اس سے آپ ایک ایک بت کو ٹھوکے دیتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے:۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۖ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ۝	سچ آگیا اور باطل مٹ گیا بیشک باطل مٹنے والا ہے۔ سچ آگیا اور باطل نہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور نہ دوبارہ کرتا ہے۔

اور وہ منہ کے بل گرتے جاتے تھے۔ جب اس طرح بیت اللہ شریف بتوں سے پاک ہو گیا۔ تو آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ سے کنجی لیکر دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام کے مجسمے نظر پڑے۔ جن کے ہاتھوں میں جوأ کھیلنے کے تیر دیئے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا "خدا ان کو غارت کرے۔ اللہ کی قسم ان دونوں نے کبھی تیروں سے جوأ نہیں کھیلا"۔ کعبہ کے اندر ہی لکڑیوں کی ایک کبوتری بنی ہوئی تھی جسے آپ نے اپنے دست مبارک سے توڑ ڈالا۔ اور تصویریں جو تھیں وہ مٹا دی گئیں۔ پھر دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور حضرت اسامہؓ و بلالؓ و عثمان بن طلحہؓ آپ کے ساتھ اندر رہے۔ آپ نے نماز پڑھی اور ہر طرف تکبیر کہی پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ مسجد حرام قریش کی صفوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے دروازے کے بازوؤں کو پکڑ کر یہ خطبہ پڑھا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ	ایک خدا کے سوا اور کوئی معبود بحق نہیں۔
لَهٗ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ	اس کا کوئی شریک نہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ
نَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ	سچا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی۔ اور کافروں کے
وَحْدَهٗ اَلَا كُلُّ مَأْثَرَةٍ اَوْدَمٍ	گروہوں کو تنہا شکست دی۔ آگاہ رہو کہ تمام
اَوْمَالٍ يُدْعٰى فَهُوَ تَحْتَ	مفاخر یا خون یا مال ہر قسم کا سوائے کعبہ کی تولیت
قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ اِلَّا سَدَانَةَ	اور حاجیوں کی سقایت کے میرے ان دو قدموں
الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَآجِّ اَلَا	کے نیچے ہیں۔ آگاہ رہو کہ قتل خطا جو عمد
وَقَتْلُ الْخَطَأِ شِبْهُ الْعَمَدِ بِالسَّوْطِ	کے مشابہ ہو تازیانہ سے ہو یا عصا سے
وَالْعَصَا فِيْهِ الدِّيَةُ مِائَةٌ مِّنَ	اس کا خونبہا ایک سو اونٹ ہیں

الْاِبِلِ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهَا اَوْلَادُهَا یَامَعْشَرَ قُرَیْشٍ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ نَخْوَۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَتَعَظُّمَھَا بِالْاٰبَآءِ۔ اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔

جن میں سے چالیس کے پیٹوں میں بچے ہوں۔ اے گروہِ قریش! خدا نے تم سے جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار دور کر دیا تمام لوگ آدم کی اولاد سے ہیں اور آدم مٹی سے ہیں۔

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۝ (حجرات ع ۲)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت (آدم وحوا) سے پیدا کیا اور تم کو کنبے اور قبیلے بنایا تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ بیشک تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے تحقیق اللہ جاننے والا خبردار ہے

خطبہ کے بعد آپ قریش کی طرف متوجہ ہوئے۔ جن سے مسجد بھری ہوئی تھی اعلانِ دعوت سے اب تک ساڑھے سترہ سال ہیں قریش نے آپ سے اور آپ کے اصحاب سے جو جو سلوک کئے تھے وہ سب ان کے پیش نظر تھے۔ اور خوف زدہ اس انتظار میں تھے کہ دیکھئے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب اس شہر میں ہیں جہاں سے نکلے تھے تو اندھیری رات اور فقط صدیق اکبرؓ ساتھ تھے۔ آج آپ داخل ہوتے ہیں۔ تو دس ہزار جاں نثار ساتھ ہیں اور بدلہ لینے پر پوری قدرت حاصل ہے۔ بایں ہمہ آپ نے یوں خطاب فرمایا۔ "اے گروہِ قریش! تم اپنے گمان میں مجھ سے کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟"

وہ بولے :-

خَيْرًا اَخٌ كَرِيْمٌ وَّابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ — نیکی کی توقع رکھتے ہیں۔ آپ شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہیں۔

یہ سُن کر حضور رحمۃ للعالمین نے فرمایا :-

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ — آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ، تم
اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ — آزاد ہو۔

اعلانِ عفو کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں بیٹھ گئے بیت اللہ شریف کی کنجی آپ کے دستِ مبارک میں تھی۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ میں سے ہر ایک نے عرض کیا کہ کنجی ہمیں عنایت ہو۔ مگر آپ نے حضرت عثمانؓ بن طلحہ بن ابی طلحہ کو عطا فرمائی۔

حضرت عثمان بن طلحہ کا بیان ہے۔ کہ "ہجرت سے پہلے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ملے۔ آپ نے مجھے دعوت اسلام دی۔ میں نے کہا۔ اے محمدؐ! تجھ سے تعجب ہے کہ تو چاہتا ہے کہ میں تیری پیروی کروں۔ حالانکہ تو نے اپنی قوم کے دین کی مخالفت کی ہے اور ایک نیا دین لایا ہے۔ ہم جاہلیت میں کعبہ کو دوشنبہ اور پنجشنبہ کے دن کھولا کرتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ کعبہ میں داخل ہونے کے ارادے سے آئے۔ میں نے آپ سے درشت کلامی کی اور آپ کو برا بھلا کہا۔ مگر آپ نے درگزر کیا اور فرمایا۔ "عثمان تو یقیناً عنقریب ایک دن اس کنجی کو میرے ہاتھ میں دیکھے گا کہ جہاں چاہوں رکھ دوں۔ میں نے کہا اُس دن بیشک قریش ہلاک ہو جائینگے اور ذلیل ہو جائینگے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ طلحہ

زندہ رہیں گے اور عزت پائیں گے۔ اور آپ کعبہ میں داخل ہوئے۔ آپ کے اس ارشاد نے مجھ پر اثر کیا۔ میں نے گمان کیا کہ جیسا آپ نے مجھ سے فرمایا عنقریب ویسا ہی ہو جائیگا۔ اور ارادہ کیا کہ مسلمان ہو جاؤں۔ مگر میری قوم مجھ سے نہایت درشت کلامی کرنے لگی۔ جب فتح مکہ کا دن آیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ عثمان! کنجی لا۔ آپ نے کنجی مجھ سے لے لی۔ پھر وہی کنجی مجھے دے دی اور فرمایا۔ لو یہ پہلے سے تمہاری ہے اور تمہارے ہی پاس ہمیشہ رہے گی۔ ظالم کے سوا اسے کوئی تم سے نہ چھینے گا۔ عثمان! اللہ نے تم کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے۔ پس اس گھر کی خدمت کے سبب سے جو کچھ تمہیں ملے۔ اسے دستور شرعی کے موافق کھاؤ۔ جب میں نے پیٹھ پھیری۔ آپ نے مجھے پکارا۔ میں پھر حاضر ہوا۔ فرمایا۔ کیا وہ بات نہ ہوئی جو میں نے تجھ سے کہی تھی۔ اس پر مجھے ہجرت سے پہلے مکہ میں آپ کا وہ قول یاد آگیا۔ میں نے عرض کیا۔" ہاں (وہ بات ہوگئی) میں گواہی[1] دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں[2]" اس حدیث میں تین پیشگوئیاں ہیں۔ وہ تینوں پوری ہوگئیں۔

اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک مسجد میں رونق افروز رہے نماز کا وقت آیا۔ تو آپ کے حکم سے حضرت بلال رضؓ نے کعبہ کی چھت پر اذان کہی۔ ابو سفیان بن حرب اور عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اذان کی آواز سن کر عتاب بولا کہ خدا نے اسید کو یہ عزت بخشی کہ اس نے یہ آواز نہ سنی۔ ورنہ اسے رنج پہنچتا۔ حارث بولا۔ خدا کی قسم اگر

---

[1] حضرت عثمان نے یہ معجزہ دیکھ کر تجدید شہادت کی۔ ورنہ یہ معلوم ہے کہ آپ سال فتح سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔

[2] طبقات ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ)

یہ حق ہوتا تو میں اس کی پیروی کرتا۔ حضرت ابوسفیان رضؓ نے کہا۔ میں تو کچھ نہیں کہتا۔ اگر کہوں تو یہ کنکریاں ان کو میرے قول کی خبر دیں گی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس ہو کر نکلے۔ تو فرمایا۔ کہ تمہاری باتیں مجھے معلوم ہو گئیں تم نے ایسا ایسا کہا ہے۔ حارث و عتاب یہ سنتے ہی کہنے لگے " ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ ان باتوں کی اطلاع کسی اور کو نہ تھی۔ ورنہ ہم کہہ دیتے کہ اس نے آپ کو بتا دیں[1]۔

مسجد سے آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ وہاں مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کر کے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ مردوں میں حضرت معاویہ اور مستورات میں ان کی والدہ ہند بھی تھی۔ جو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ چبا گئی تھی۔

عفوِ عام سے نو یا دس اشخاص مستثنےٰ تھے۔ جن کی نسبت حکم دیا گیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ اس حکم کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی انتقام نہ تھا۔ بلکہ اور مختلف جرم تھے۔ ان میں سے صرف تین یعنی ابن خطل مقیس بن ضبابہ اور ابن خطل کی کنیز قریبہ قتل ہوئے۔ ابن خطل اور مقیس قصاص میں قتل کیے گئے۔ قریبہ اسلام کی ہجو گایا کرتی تھی۔ باقی سب کو امن دیا گیا۔ اور ایمان لائے۔ ایک دشمنِ اسلام عیسائی مصنف ان دس اشخاص کی تفصیل دے کر یوں لکھتا ہے[2]۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔
[2] لائف آف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صاحب۔

"اس طرح عفو کے مقابلہ میں حکم قتل کی صورتیں کالعدم تھیں اور سزائے موت جہاں فی الواقع عمل میں آئی (شاید باستثنائے مغنیہ) محض پولیٹیکل مخالفت کے سوا اور جرموں کی وجہ سے غالباً روا تھی۔ جس عالی حوصلگی سے (حضرت) محمد نے اس قوم سے سلوک کیا جس نے اتنی دیر آپ سے دشمنی رکھی اور آپ کا انکار کیا۔ وہ ہر طرح کی تحسین و آفرین کے قابل ہے حقیقت میں گذشتہ کی معافی اور اس کی گستاخیوں اور اذیتوں کی فراموشی آپ ہی کے فائدے کے لئے تھی۔ مگر تاہم اس کے لئے ایک فراخ و فیاض دل کی کچھ کم ضرورت نہ تھی۔"

فتح مکہ کے دوسرے روز خزاعہ نے ہذیل کے ایک شخص کو جو مشرک تھا قتل کر ڈالا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد وثنا کے بعد یوں خطاب فرمایا[1]۔

اِنَّ مَکَّۃَ حَرَّمَھَا اللّٰہُ وَلَمْ یُحَرِّمْھَا النَّاسُ لَا یَحِلُّ لِامْرِءٍ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّسْفِکَ بِھَا دَمًا وَّلَا یَعْضِدَ بِھَا شَجَرًا فَاِنْ تَرَخَّصَ اَحَدٌ لِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْھَا فَقُوْلُوْا لَہٗ اِنَّ اللّٰہَ اَذِنَ لِرَسُوْلِہٖ وَلَمْ یَاْذَنْ لَکُمْ وَاِنَّمَا اَذِنَ	تحقیق مکہ کو اللہ نے حرام کر دیا اور لوگوں نے حرام نہیں کیا۔ جو شخص خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے اور نہ اسکا درخت کاٹے اگر کوئی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگ کے سبب سے قتال کو رخصت کہے۔ تو اس سے کہہ دو کہ خدا نے اپنے رسول کو اجازت دی تم کو اجازت

[1] صحیح بخاری و سیرت ابن ہشام۔

فِيهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَّقَدْ — نہیں دی۔ مجھے بھی دن کی ایک ساعت
عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا — اجازت دی گئی۔ اور آج پھر اسکی حرمت
بِالْأَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ — ایسی ہو گئی جیسا کہ کل (فتح سے پہلے) تھی چاہئے
الْغَائِبَ — کہ جو یہاں حاضر ہے وہ غائب کو یہ پیغام پہنچا دے۔

جب مکہ بتوں سے پاک ہو چکا تو مکہ کے گرد جو بُت (منات۔ لات۔ عزّیٰ سواع) تھے۔ وہ سرایا کے ذریعہ سے منہدم کر دیئے گئے۔

غزوہ حنین

فتح مکہ کا اثر قبائل عرب پر نہایت اچھا پڑا۔ وہ اب تک منتظر تھے اور کہا کرتے تھے۔ کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی قوم کو آپس میں نپٹ لینے دو۔ اگر وہ قریش پر غالب آگئے۔ تو سچے پیغمبر ہیں۔ اس لئے جب مکہ فتح ہوا تو ہر ایک قوم نے اسلام قبول کرنے میں پیش دستی کی۔ مگر ہوازن کا زبردست قبیلہ جو مکہ و طائف کے درمیان سکونت پذیر تھا۔ اس فتح پر بہت برافروختہ ہوا وہ اس سے پہلے ہی جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس لئے فتح کی خبر سنتے ہی حملہ کے لئے تیار ہو گئے۔ ہوازن (باستثنائے کعب و کلاب) کے ساتھ ثقیف تمام اور نصر و جشم تمام اور سعد بن ابی بکر اور کچھ بنو ہلال شامل ہوئے۔ جشم کا رئیس درید بن صمہ تھا جس کی عمر سو سال سے متجاوز تھی۔ اسے محض مشورے کے لئے ہودج میں بٹھا کر ساتھ لے گئے۔ تمام فوج کا سپہ سالار اعظم مالک بن عوف نصری تھا جس کے حکم سے بچے اور عورتیں اور اموال بھی ساتھ تھے تا کہ لڑائی میں پیچھے نہ ہٹیں درید نے اس حکم کو پسند نہ کیا۔ مگر اس کی کچھ پیش نہ گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو بطور جاسوس دریافت حال کے لئے بھیجا۔ وہ دشمن کے لشکر میں آئے اور انہوں نے وہاں کے تمام حالات دربار رسالت میں عرض کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری شروع کر دی۔ دس ہزار درہم سے زائد عبداللہ بن ابی ربیعہ سے جو ابوجہل کے بھائی تھے قرض لئے گئے۔ اور صفوان بن امیہ سے جو اب تک ایمان نہ لائے تھے سو زرہیں مع لوازم مستعار لی گئیں۔ غرض شوال ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جن میں سے دو ہزار طلقاء اہل مکہ تھے۔ لشکر کی کثرت کو دیکھ کر بعضوں کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ "آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے"۔ جب حنین[1] میں پہنچے تو صبح کے وقت کہ ابھی اجالا اچھی طرح نہ ہوا تھا حملہ کے لئے آگے بڑھے۔ دشمن نے ان کے پہنچنے سے پہلے ہی اس طرح صف آرائی کر رکھی تھی۔ کہ سب سے آگے سوار۔ سواروں کے پیچھے پیادہ۔ پیادوں کے پیچھے عورتیں اور عورتوں کے پیچھے بکریاں اور اونٹ تھے۔ اور کچھ فوج پہاڑ کی گھاٹیوں اور دروں کی کمین گاہوں میں مقرر کر دی تھی۔ اسلامی فوج نے پہلے ایسی شجاعت سے دھاوا کیا کہ کفار[2] بھاگ نکلے۔ مسلمان غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ کفار نے ایک دوسرے کو پکارا کہ یہ کیا ذلت و فضیحت ہے۔ اور مڑ کر حملہ کیا۔ اب کثرت پر نازش اپنا رنگ لائی۔ لشکر اسلام کے مقدمہ میں بہت سے ایسے نوجوان تھے جو سلاح

---

[1] ایک وادی کا نام ہے جو مکہ سے طائف کی طرف قریباً بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔

[2] صحیح بخاری۔ باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم الآیہ۔

وزرہ سے خالی تھے۔ ہوازن و بنو نصر کی جماعت نے جو تیر اندازی میں مشہور تھے تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ ذرا سی دیر میں مقدمۃ الجیش کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس طرح باقی فوج بھی بھاگ نکلی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند اصحاب ثابت قدم رہے۔ مگر اکیلے آپ تھے کہ اس حالت میں بھی دشمن کی طرف بڑھنا چاہتے تھے۔ اور وہ اصحاب بمقتضائے شفقت آپ کو روک رہے تھے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ آپکے خچر کی لگام اور حضرت ابو سفیانؓ رکاب تھامے ہوئے تھے کہ آگے نہ بڑھ جائیں۔ اور آپ فرما رہے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ	مَیں پیغمبر ہوں۔ اس میں جھوٹ نہیں
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ	مَیں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباسؓ نہایت بلند آواز تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دو۔ چنانچہ وہ یوں پکارنے لگے :-

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَار	او گروہ انصار!
یَا اَصْحَابَ السَّمُرَہ	او بیعتِ رضوان والو!
یَا اَصْحَابَ سُوْرَۃِ الْبَقَرَہ	اے سورۃ بقرہ والو!

اِس آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ لبیک لبیک کہتے ہوئے سب جمع ہو گئے۔ آپ نے صف آرائی کے بعد حملہ کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ نہایت بہادری سے لڑنے لگے۔ شدتِ جنگ کو دیکھ کر آپ نے فرمایا اَلْاٰنَ حَمِیَ الْوَطِیْسُ (اب تنور خوب گرم ہو گیا) لڑائی کا نقشہ بدل چکا تھا مسلمانوں پر طمانیت کا نزول ہوا۔ کفار کو ملاءِ اعلیٰ کا لشکر چتکبرے گھوڑوں پر سواروں کی شکل میں نظر آ رہا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر سے اتر کر ایک مشتِ خاک لی۔ اور شاھت الوجوہ پڑھتے ہوئے کفار کی طرف پھینک دی۔ دشمن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں وہ خاک نہ پڑی ہو۔ لشکر کفار کو شکست ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں جنگ حنین کا ذکر اس طرح کیا ہے:-

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ	البتہ تحقیق اللہ نے تم کو مدد دی بہت
كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ	میدانوں میں اور حنین کے دن جب تم
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا	اپنی کثرت پر اترائے۔ پس وہ کثرت تمہارے
وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ	کچھ کام نہ آئی۔ اور زمین باوجود فراخی
بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ	کے تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر ہٹے
ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى	پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر
رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ	اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔ اور
اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ	وہ فوجیں اتاریں جو تم نے نہ دیکھیں اور
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ	کافروں کو عذاب کیا۔ اور یہی سزا ہے
الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ	کافروں کی۔ پھر خدا اس کے بعد توبہ
بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ	قبول کریگا جسکی چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (سورہ توبہ ع)	ہے۔

جنگِ اوطاس

شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر کچھ تو اوطاس میں اور کچھ طائف میں جمع ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فوج بسرکردگی حضرت ابو عامرؓ

اشعری اوطاس بھیجی جو دیار ہوازن میں ایک وادی کا نام ہے۔ درید بن صمّہ یہاں مارا گیا۔ قبیلۂ جشم کے ایک شخص نے حضرت ابو عامر کی ران میں تیر مارا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اس جشمی کو قتل کر ڈالا۔ اور حضرت ابو عامر کو اطلاع دی۔ حضرت ابو عامر کچھ دیر کے بعد واصل بحق ہوئے۔ مگر شہادت سے پہلے انہوں نے حضرت ابو موسیٰ رضؓ سے کہا کہ سلام کے بعد میرا یہ پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دینا کہ آپ میرے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔

حضرت ابو عامرؓ کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے علم ہاتھ میں لیا۔ اور خوب جنگ کی۔ دشمن کو شکست ہوئی۔ اسیرانِ جنگ میں آنحضرتؐ کی رضاعی بہن شیماء سعدیہ بھی تھیں۔ جب گرفتار ہو کر آئیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگیں کہ میں آپ کی بہن ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اسکی علامت کیا ہے۔ اس پر انہوں نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی۔ کہ ایک دفعہ بچپن میں میں آپ کو گود میں لئے بیٹھی تھی آپ نے دانت سے کاٹا تھا یہ اس کا نشان ہے۔ آپ نے وہ نشان پہچان لیا اور اپنی چادر مبارک بچھا کر ان کو اس پر بٹھایا اور مرحبا کہا۔ پھر فرمایا "جی چاہے تو میرے ہاں عزت سے رہو۔ اور اپنی قوم میں جانا چاہو۔ تو وہاں پہنچا دیا جائے۔" انہوں نے اپنی قوم میں رہنا پسند کیا۔ اور ایمان لائیں۔ آپ نے ان کو غلام و کنیز اور ایک اونٹ دے کر بڑے احترام سے ان کی قوم میں پہنچا دیا۔

جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اوطاس سے واپس آئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو عامرؓ کا پیغام پہنچا دیا۔ آپ نے یوں دُعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ اَبِيْ عَامِرٍ اے خدا! ابو عامر عبید کو بخش دے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَوْقَ كَثِيْرٍ مِّنْ خَلْقِكَ وَمِنَ النَّاسِ۔	اے خدا اُسے قیامت کے دن اپنی مخلوق اور اپنے لوگوں میں سے بہتوں کے اوپر رکھنا۔

یہ دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنے واسطے دعا کی التجا کی۔ آپ نے یوں دعا فرمائی:۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهٗ وَاَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُدْخَلًا كَرِيْمًا	اے خدا! عبداللہ بن قیس کا گناہ بخش دے اور اسے قیامت کے دن عزت کے مقام میں داخل کر۔

محاصرۂ طائف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم واسیرانِ جنگ کی نسبت حکم دیا کہ سب کو جمع کر کے جعرانہ[1] میں بھیج دیا جائے۔ بذات اقدس طائف[2] کی طرف روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت طفیل بن عمرو دوسی کو بت ذو الکفّین کے منہدم کرنے کیلئے بھیجا اور حکم دیا کہ اپنی قوم سے مدد لے کر ہم سے طائف میں آملو۔ حضرت طفیل اپنی قوم کے رئیس تھے۔ انہوں نے بت کو جلا دیا۔ اور قبیلۂ دوس کے چار سو آدمی اور دبابہ و منجنیق لے کر طائف میں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔

ثقیف اوطاس سے بھاگ کر طائف میں چلے آئے تھے۔ یہاں ایک قلعہ تھا۔ اس کی مرمت کر کے ایک سال کا سامان رسد لیکر اس میں پناہ گزین تھے۔

---

[1] جعرانہ یا جعِرانہ مکہ و طائف کے درمیان مکہ سے ایک برید (۱۲ میل) ہے۔

[2] طائف ایک بڑا شہر ہے جو مکہ سے ’دیا تین منزل مشرق کی طرف واقع ہے۔

لشکرِ اسلام اس قلعہ کے قریب اترا۔ اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات استعمال میں لائے گئے۔ مسلمانوں نے منجنیق[1] نصب کیا تو اہلِ قلعہ نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ بارہ غازی شہید ہو گئے۔ دبابہ[2] استعمال کیا گیا تو ثقیف نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں جن سے دبابہ جل گیا اور نقصانِ جان بھی ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منادی کر دی گئی کہ کفار کا جو غلام قلعہ سے ہمارے پاس آئے گا۔ وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیئیس غلام قلعہ سے اتر کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ وہ سب آزاد کر دیئے گئے اور ایک ایک کر کے مسلمانوں کے حوالہ کر دیئے گئے کہ ان کی ضروریات کے متکفل ہوں اور ان کو تعلیم اسلام دیں۔ ان غلاموں میں حضرت نفیع بن حارث تھے۔ جو چرخِ چاہ پر لٹک کر قلعہ کی دیوار سے اترے تھے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوبکرہ رکھ دی۔

دو ہفتہ بلکہ اس سے زیادہ محاصرہ قائم رہا۔ مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نوفل بن معاویہ دیلی سے مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ "لومڑی بھٹ میں ہے۔ اگر آپ کوشش جاری رکھیں گے۔ تو اسے پکڑ لیں گے۔ اور اگر اسے چھوڑ جائیں تو آپ کو مضر نہیں"۔ غرض محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ جب واپس آنے لگے۔

---

[1] منجنیق ایک قسم کا بڑا گوپھیا تھا جس میں بڑے بڑے پتھر رکھ کر دیوارِ قلعہ پر پھینکا کرتے تھے تاکہ دیوار ٹوٹ جائے۔

[2] دبابہ ایک آلۂ جنگ تھا۔ جو چمڑے اور لکڑی سے بنایا جاتا تھا۔ اس کی اوٹ میں دشمن کے قلعہ کی طرف جاتے تاکہ دیوارِ قلعہ میں نقب لگائیں۔

توصحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا۔"یارسول اللہؐ ثقیف کے تیروں نے ہم کو جلادیا۔ آپ ان پر بددعا فرمائیں۔" اس پر آپؐ نے یوں دعا فرمائی :۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَائْتِ	اے خدا تو ثقیف کو ہدایت دے
بِھِمْ	اور ان کو (مسلمان بنا کر) لا

اس دعائے رحمۃ للعٰلمین کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۹ھ میں ثقیف کے وفد نے حاضرِ خدمتِ اقدس ہوکر اظہارِ اسلام کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے جعرانہ میں تشریف لائے۔ یہاں غنائم حنین واوطاس جمع تھیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

اسیرانِ جنگ (زنان واطفال)	۶۰۰۰
اُونٹ	۲۴۰۰۰
بکریاں	۴۰۰۰۰ سے زائد
چاندی	۴۰۰۰ اوقیہ

آپؐ نے دس دن سے کچھ زیادہ ہوازن کا انتظار کیا۔ وہ نہ آئے تو آپ نے مالِ غنیمت میں سے طلقاء ومہاجرین کو دیا اور انصار کو کچھ نہ دیا۔ اس پر انصار کو رنج ہؤا۔ ان میں سے بعضے کہنے لگے "خدا رسُول اللہ کو معاف کرے۔ وہ قریش کو عطا فرماتے ہیں اور ہم کو محروم رکھتے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔" اور بعض بولے۔"جب مشکل پیش آتی ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے۔ اور غنیمت اوروں کو دی جاتی ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چرچا سنا۔ تو انصار کو طلب فرمایا۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا۔ جس میں آپ نے انصار کے سوا کسی اور کو نہ رہنے دیا۔ جب انصار جمع ہو گئے تو آپ نے پوچھا۔ کہ "وہ کیا بات ہے جو تمہاری نسبت میرے کان میں پہنچی ہے" انصار جھوٹ نہ بولا کرتے تھے۔ کہنے لگے کہ سچ ہے جو آپ نے سنا۔ مگر ہم میں سے کسی دانا نے ایسا نہیں کہا۔ نوخیز جوانوں نے ایسا کہا تھا۔ یہ سن کر آپ نے حمد و ثنار کے بعد یوں خطاب فرمایا:۔

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَمْ اَجِدْکُمْ ضُلَّالًا فَھَدَاکُمُ اللّٰہُ بِیْ وَکُنْتُمْ مُتَفَرِّقِیْنَ فَاَلَّفَکُمُ اللّٰہُ بِیْ وَکُنْتُمْ عَالَۃً فَاَغْنَاکُمُ اللّٰہُ بِیْ۔	اے گروہ انصار کیا یہ سچ نہیں کہ تم گمراہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تمکو ہدایت دی۔ اور تم پراگندہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو جمع کر دیا۔ اور تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولتمند کر دیا۔

آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور انصار ہر فقرے پر کہتے جاتے تھے۔ کہ "خدا اور رسول کا احسان اس سے بڑھ کر ہے"

آپ نے فرمایا۔ کہ تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے۔ انصار نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم کیا جواب دیں۔ خدا اور رسول کا احسان اور فضل ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بخدا اگر تم چاہو تو یہ جواب دو۔ میں ساتھ ساتھ تمہاری تصدیق کرتا جاؤں گا۔

اَتَیْتَنَا مُکَذَّبًا فَصَدَّقْنَاکَ وَمَخْذُوْلًا فَنَصَرْنَاکَ	تو ہمارے پاس اس حال میں آیا کہ لوگوں نے تیری تکذیب کی تھی۔ ہم نے تیری تصدیق

وَطَرِيْدًا فَاٰوَيْنَاكَ ... کی۔ لوگوں نے تیرا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ہم
وَعَائِلًا فَوَاسَيْنَاكَ ... نے تیری مدد کی۔ لوگوں نے تجھ کو نکال
دیا تھا ہم نے تجھے پناہ دی۔ تو مفلس تھا
ہم نے جان و مال سے تیری ہمدردی کی۔

پھر فرمایا کہ مَیں نے تالیف قلوب کے لئے اہلِ مکّہ کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ "اے انصار! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول اللہ کو لیکر گھر جاؤ۔ اللہ کی قسم تم جو کچھ لے جا رہے ہو وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لے جا رہے ہیں۔ اگر لوگ کسی وادی یا درہ میں چلیں تو مَیں انصار کی وادی یا درہ میں چلوں گا۔"[1] یہ سُن کر انصار پکار اٹھے "یَارَسُوْلَ اللّٰہِ رَضِیْنَا" (یا رسول اللہ ہم راضی ہیں) اور ان پر اس قدر رقّت طاری ہوئی کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔

جب جعرانہ میں اسیرانِ جنگ کی تقسیم بھی ہو چکی تو ہوازن کی سفارت (وفد) حاضر خدمت اقدس ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہ قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن سے تھیں۔ اس سفارت میں آپ کا رضاعی چچا ابو ثروان (یا ابو برقان) بن عبد العزیٰ سعدی بھی تھا۔ سفارت کا رئیس زہیر بن صرو سعدی جشمی تھا۔ وفد نے پہلے اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے اظہارِ اسلام کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ پھر حضرت زہیر بن صرو نے یوں تقریر کی:[2]

---

[1] ان حالات کے لئے صحیح بخاری دیکھو۔ [2] سیرت حلبیہ واصابہ

"یارسول اللہ! اسیران جنگ میں سے جو عورتیں چھپروں میں ہیں وہ آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں اور دایہ ہیں۔ جو آپ کی پرورش کی کفیل تھیں۔ اگر ہم نے حارث ابنِ ابی شمر (امیر شام) یا نعمان بن منذر (شاہ عراق) کو دودھ پلایا ہوتا۔ پھر اس طرح کی مصیبت ہم پر آپڑتی تو ہمیں اس سے مہربانی وفائدہ کی توقع ہوتی۔ مگر آپ سے تو زیادہ توقع ہی کیونکہ آپ فضل وشرف میں ہر مکفول سے بڑھ کر ہیں۔"

اس کے بعد حضرت ابو ثروان نے یوں[1] عرض کیا:۔

"یارسول اللہ! ان چھپروں میں آپ کی پھوپھیاں خالائیں اور بہنیں ہیں۔ جو آپ کی پرورش کی کفیل تھیں۔ انہوں نے آپ کو اپنی گودوں میں پالا۔ اور اپنے پستان سے دودھ پلایا۔ میں نے آپ کو دودھ پیتے دیکھا۔ کوئی دودھ پیتا بچہ آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ میں نے آپ کو دودھ چھڑایا ہوا دیکھا۔ کوئی دودھ چھڑایا بچہ میں نے آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ پھر میں نے آپ کو نوجوان دیکھا۔ کوئی نوجوان آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ آپ میں خصالِ خیر کامل طور پر موجود ہیں۔ اور باوجود اس کے ہم آپ کے اہل وکنبہ ہیں۔ آپ ہم پر احسان کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر احسان کریگا۔"

یہ تقریر سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے انتظار کے بعد تقسیم کی ہے۔ اب تم اسیران جنگ وغنائم میں ایک اختیار کر لو۔ انہوں نے کہا کہ ہم اسیرانِ جنگ کی رہائی چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے اپنے خاندان

---

[1] اصابہ۔ ترجمہ ابو ثروان۔

کے حصہ کا اختیار ہے۔ باقی کے لئے اوروں کی اجازت درکار ہے۔ تم نمازِ ظہر کے بعد اپنی درخواست پیش کرنا۔ چنانچہ نمازِ ظہر کے بعد انہوں نے اظہارِ مطلب کیا۔ پھر آپ نے حمد و ثنا کے بعد یوں خطاب[1] فرمایا:۔

"تمہارے بھائی مسلمان ہو کر آئے ہیں۔ میری رائے ہے کہ اسیرانِ جنگ ان کو واپس کردوں۔ تم میں سے جو بغیر عوض واپس کرنا چاہتے ہیں کردیں۔ اور جو عوض لینا چاہتے ہیں ہم پہلی غنیمت میں سے جو ہاتھ آئے گی ادا کردیں گے۔"

قصہ کوتاہ تمام مہاجرین و انصار نے بغیر عوض واپس کردینا منظور کرلیا۔ اس طرح چھ ہزار رہا کردیئے گئے۔

ہجرت کا نواں سال

اس سال کے اوائل میں واقعۂ ایلاء پیش آیا۔ ازواجِ مطہرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقدور سے زیادہ نفقہ و کسوت طلب کیا۔ اس پر آپ نے ایلاء کیا۔ یعنی سوگند کھائی کہ ایک ماہ تک ان کے ساتھ مخالطت نہ کرونگا۔ جب ۲۹ دن گزرنے پر مہینہ پورا ہوا۔ تو آیۂ تخییر (سورۂ احزاب) نازل ہوئی۔ مگر سب نے زینتِ دنیا پر اللہ اور رسول کو اختیار کیا۔

غزوۂ طائف اور غزوۂ تبوک[2] کے درمیانی زمانہ میں حضرت کعب بن زہیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور انہوں نے اپنا مشہور قصیدہ پڑھا۔

---

[1] صحیح بخاری۔ غزوۂ حنین۔ [2] یہ شہر مدینہ و دمشق کے قریباً وسط میں ہے۔

غزوہ تبوک

یہ غزوہ ماہ رجب میں پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ رومیوں اور عیسائی عربوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑی فوج تیار کر لی ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ اور قبائل عرب سے جانی و مالی امداد طلب کی۔ اس وقت سخت قحط اور شدت کی گرمی تھی۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۃ العسرۃ بھی کہتے ہیں۔ سورۂ توبہ میں ہے۔ اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ۔ جو لشکر اس غزوہ کے لئے تیار کیا گیا اسے جیش العسرۃ کہتے ہیں۔ اس جیش کی تیاری میں حضرت عثمانؓ غنی نے خصوصیت سے حصہ لیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ نے بھی بڑے ایثار کا ثبوت دیا۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں جب سرزمین ثمود میں اترے۔ تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا[1]۔ کہ یہاں کے کوؤں کا پانی نہ لینا اور نہ وہ پانی پینا۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ ہم نے پانی لیا ہے۔ اور اس سے آٹا گوندھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پانی گرا دو اور آٹا اونٹوں کو کھلا دو۔ جب آپ حجر یعنی ثمود کے مکانات میں سے گزرے جو پہاڑوں کو تراش کر بنائے ہوئے تھے۔ تو فرمایا[2] کہ ان معذبین کے مکانات سے روتے ہوئے گزرنا چاہیئے۔ کہ مبادا ہم پر بھی وہی عذاب آئے۔ پھر آپ نے اپنی چادر سے منہ چھپا لیا اور اس وادی سے جلدی گزر گئے۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب قول اللہ والیٰ ثمود اخاھم صٰلحا۔ الآیہ

[2] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب نزول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحجر۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجر سے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک جگہ آپ کا ناقہ گم ہوگیا۔ زید بن بصیت قینقاعی منافق کہنے لگا۔ "محمد نبوت کا دعوئی کرتا ہے۔ اور تم کو آسمان کی خبر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اتنا بھی نہیں جانتا۔ کہ اس کا ناقہ کہاں ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باطلاع الٰہی یہ معلوم ہوگیا۔ آپ نے یہ فرمایا۔ "ایک منافق ایسا ایسا کہتا ہے۔ خدا کی قسم! مَیں وہی جانتا ہوں جو اللہ نے مجھے بتادیا۔ چنانچہ خدا نے مجھے ناقہ کا حال بتادیا ہے۔ وہ فلاں درہ میں ہے۔ اس کی نکیل ایک درخت میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس سبب سے وہ رکا ہوا ہے۔ تم جا کر لے آؤ"۔ تعمیل ارشاد مبارک ناقہ اس درہ میں سے لایا گیا۔ حضور کے ارشاد مبارک کے وقت حضرت عمارہ موجود تھے۔ منافق مذکور حضرت عمارہ ہی کے ڈیرے میں تھا۔ حضرت عمارہ اپنے ڈیرے میں واپس آکر کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی ہم سے باطلاع الٰہی عجیب ماجرا بیان فرمایا۔ کہ ایک شخص ایسا ایسا کہتا ہے عمارہ کے بھائی عمرو بن حزم نے کہا کہ تمہارے آنے سے پہلے زید بن بصیت نے ایسا ہی کہا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمارہ نے زید کی گردن لکڑی سے ٹھکا دی اور کہا۔ "او دشمن خدا! میرے ڈیرے سے نکل جا۔ میرے ساتھ نہ رہ"۔ کہا گیا ہے کہ زید مذکور بعد میں تائب ہوگیا تھا[1]۔

حجر سے تبوک چار منزل ہے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ تبوک میں بیس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام رہا۔ اہلِ تبوک نے

---

[1] زرقانی علی المواہب بحوالہ ابن اسحاق و واقدی وغیرہ۔ غزوۂ تبوک۔

جزیہ پر آپ سے صلح کر لی۔ ایلہ کا نصرانی سردار یوحنہ بن روبہ حاضر خدمت اقدس ہوا۔ اس نے تین سو دینار سالانہ جزیہ پر آپ سے صلح کر لی۔ اور ایک سفید خچر پیش کیا۔ آپ نے ایک چادر اسے عنایت فرمائی۔ جَربا اذرُح کے یہودیوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔

تبوک ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو چار سو سواروں کا دستہ دیکر اکیدر بن عبدالمالک کندی نصرانی سردار دومۃ الجندل کے زیر کرنے کے لئے بھیجا۔ اور فرمادیا کہ تم اکیدر کو نیل گائے کا شکار کرتے پاؤ گے۔ اکیدر دومۃ الجندل کے قلعہ میں رہا کرتا تھا۔ جب حضرت خالد قلعہ کے پاس پہنچے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ چاندنی رات تھی کہ ایک نیل گائے جنگل سے آکر قلعہ کے دروازے پر سینگ مارنے لگی۔ اکیدر اس کے شکار کے لئے قلعہ سے اتر آیا۔ اثنائے شکار میں حضرت خالد کے دستہ نے اس پر حملہ کیا اور گرفتار کر کے مدینہ میں لے آئے۔ اس نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔

مسجد ضرار

منافق ہمیشہ اس امر کے درپے تھے۔ کہ کسی طرح مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دیں۔ اس غرض سے انہوں نے اپنی علیحدہ مسجد بنانے کا ارادہ کیا۔ ابوعامر فاسق جو انصار میں سے تھا عیسائی ہو گیا تھا۔ وہ غزوۂ خندق تک آنحضرت

ل یہ شہر بحیرۂ قلزم کے کنارے پر شام سے ملحق واقع ہے۔ وہ یہود جن پر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کا شکار سبت کے دن حرام کر دیا تھا اسی شہر میں رہا کرتے تھے۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتا رہا۔ جب ہوازن بھاگ گئے تو وہ شام میں چلا گیا تھا۔ اس نے وہاں سے ان منافقین کو کہلا بھیجا۔ کہ تم مسجد قبار کے متصل اپنی مسجد بنا لو۔ اور سامانِ حرب تیار کر لو۔ میں قیصر روم کے پاس جاتا ہوں۔ اور رومیوں کی فوجیں لاتا ہوں۔ تاکہ محمد اور اس کے اصحاب کو ملک سے نکال دیں۔ چنانچہ منافقوں نے مسجد قبار کے پاس ایک مسجد بنائی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر درخواست کی۔ کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ قدم رنجہ فرما کر اس میں نماز پڑھائیں اور دعائے برکت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں اب غزوہ تبوک پر جا رہا ہوں۔ واپس آکر انشاء اللہ تعالیٰ حاضر ہونگا۔ چنانچہ جب آپ مہم تبوک سے واپس ہو کر موضع ذواوان میں پہنچے جو مدینہ طیبہ سے ایک گھنٹہ کی راہ ہے۔ تو یہ آیتیں نازل ہوئیں:۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا	اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد بنائی
ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًاۢ	ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں
بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا	میں پھوٹ ڈالنے کے لئے اور کمین گاہ
لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	بنانے کیلئے اس شخص کے واسطے جو پہلے
مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ	سے خدا اور رسول سے لڑ رہا ہے۔ اور البتہ
اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ	وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی
وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝	ہی چاہی تھی۔ اللہ گواہ ہے کہ وہ لوگ جھوٹے
لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ	ہیں۔ تو اس مسجد میں ہرگز کھڑا نہ ہونا۔ البتہ وہ

اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ	مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سی پرہیزگاری
اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ	پر رکھی گئی ہے اس بات کی زیادہ مستحق
فِیْهِ ؕ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ	ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اسمیں ایسے
اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ	مرد ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں
الْمُطَّهِّرِیْنَ ۝ (توبہ ع ۱۳)	اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالک بن دخشم اور معن بن عدی عجلانی کو حکم دیا۔ کہ جاکر اس مسجد ضرار کو گرادو اور جلادو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[1]

اس سال مختلف قبائل کے وفود اس کثرت سے دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے کہ اسے سال وفود کہا جاتا ہے۔ یہ وفود بالعموم نعمتِ ایمان سے مالامال ہوکر واپس گئے۔ اس مختصر میں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔

ہجرت کا دسواں سال

اس سال بھی وفودِ عرب پے درپے حاضرِ خدمت اقدس ہوتے رہے اہلِ یمن وملوک حمیر ایمان لائے۔ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا۔ جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الآیہ عرفہ میں نازل ہوئی۔

ہجرت کا گیارھواں سال

اس سال کے ماہ ربیع الاول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہوگیا۔ جس کا ذکر آئندہ باب میں آتا ہے۔

[1] تفسیر درمنثور اور وفاالوفا

پانچواں باب

وفات شریف و حلیہ مُبارک کا بیان

ماہ صفر ۱۱ھ کے اخیر عشرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے۔
اور ماہِ ربیع الاول میں وصال فرما گئے۔ وصال شریف کی تاریخ میں اختلاف ہے
اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔ کہ وفات شریف ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ
کے دن ہوئی۔ جمہور کے نزدیک ربیع الاول کی بارھویں تاریخ تھی۔ ماہِ صفر کی
ایک یا دو راتیں باقی تھیں کہ مرض کا آغاز ہوا۔ بعضے تاریخ وصال یکم ربیع الاول
بتاتے ہیں۔ بنابر قول حضرت سلیمان تیمی ابتدائے مرض یوم شنبہ ۲۲ ماہ صفر کو
ہوئی۔ اور وفات شریف یوم دوشنبہ ۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ حافظ ابن حجر فرماتے
ہیں۔ کہ ابومخنف کا قول ہی معتمد ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاول کو ہوئی۔
دوسروں کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ثانی کو ثانی عشر خیال کر لیا گیا۔ پھر اسی وہم میں
بعضوں نے بعض[1] کی پیروی کی۔

حضرت زید بن حارثہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے انتقام
کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام مرض ہی میں فوج تیار کی اور اپنے
دستِ مبارک سے جھنڈا تیار کیا۔ اور حضرت زید کے صاحبزادے حضرت اسامہ

---

[1] وفاء الوفاء جز اول ص ۲۲۶

کو اس فوج کا سردار مقرر کر کے حکم دیا کہ مقام ابنیٰ میں پہنچ کر رومیوں سے جہاد[1] کرو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایام مرض ہی میں حضرت فیروز دیلمی نے اسود عنسی مدعیٔ نبوت کو قتل کر ڈالا۔ حضور نے مدینہ میں اس حال کی خبر دی اور فرمایا۔ فاز فیروز (فیروز کامیاب ہو گیا)۔

وفات شریف سے پہلے جو پنجشنبہ تھا اس میں قصۂ قرطاس وقوع میں آیا۔ جس کو فقیر نے تحفۂ شیعہ میں بالتفصیل لکھا ہے۔ اسی روز حضور نے اپنے اصحاب کرام کو تین چیزوں کی وصیت فرمائی۔

۱۔ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا۔

۲۔ ملوک و امراء کے ایلچی جو تمہارے پاس آیا کریں۔ ان کو جائزہ و انعام دیا کرنا جیسا کہ میں دیا کرتا تھا۔

تیسری چیز کا ذکر حضور نے نہ فرمایا۔ یا راوی (سلیمان احول) بھول گیا[1]۔ اسی روز حضور نے حضرت صدیق اکبر کو اپنا خلیفۂ نماز مقرر فرمایا۔ اور وہ وفات شریف تک نماز پڑھاتے رہے۔

چھ یا سات دینار جو حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس تھے۔ وہ بھی حضور نے ایام مرض میں تقسیم فرما دیئے اور کچھ باقی نہ چھوڑا[2]۔ وفات شریف کا وقت عین قریب آ پہنچا۔ تو آپ اکثر یوں وصیت فرماتے تھے[3]۔

۱؎ مشکوٰۃ شریف بحوالہ صحیحین۔ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
۲؎ مشکوٰۃ شریف۔ باب الانفاق و کراہۃ الامساک۔
۳؎ ابن ماجہ۔ ابواب الوصایا۔

جب روحِ پاک نے جسمِ اطہر سے اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کی۔ تو الفاظ اللّٰھم فی الرفیق الاعلیٰ زبان مبارک پر تھے۔

واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف دوشنبہ کے دن دوپہر ڈھلے ہوا۔ وصال شریف کے بعد زمین تاریک ہو گئی۔ اس صدمہ سے صحابۂ کرام کا جو حال ہوا وہ بیان نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت عباس و فضل بن عباس حضور کے پہلو بدلنے میں حضرت علی المرتضیٰ کی مدد کر رہے تھے۔ اور قثم بن عباس اور اسامہ اور حضور کا غلام شقران پانی ڈال رہے تھے۔ سوائے حضرت علی رضؓ کے باقی سب آنکھوں پر رومال باندھے ہوئے تھے۔ تاکہ جسد شریف پر نظر نہ پڑے۔ حضور کے کفن میں تین سوتی کپڑے سحول کے بنے ہوئے تھے جن میں قمیص و عمامہ نہ تھا۔

شب چہار شنبہ میں حضور کو دفن کیا گیا۔ تاخیر کی وجہ کئی امور تھے۔ چنانچہ مہاجرین و انصار میں بیعت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس اختلاف کا فیصلہ ہوتے ہی اس امر میں اختلاف آراء ہوا کہ حضور کو کہاں دفن کیا جائے۔ قبر شریف میں لحد چاہیئے یا شق۔ آخر کار حضرت ابو طلحہ انصاری نے لحد کھودی نماز جنازہ حجرۂ شریف کے اندر ہی بغیر امامت الگ الگ پڑھی گئی۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے پھر غلاموں نے نماز پڑھی۔ بعد ازاں حضور کو بالاتفاق حجرۂ شریف ہی میں جہاں وصال شریف ہوا تھا دفن کر دیا گیا۔ بنا بر قول اصح حضرت عباس رضؓ و علی رضؓ و قثم رضؓ و فضل رضؓ قبر شریف میں اترے۔ لحد کی اینٹیں

کچی نو تھیں۔ حضرت قثمؓ سب سے اخیر میں قبر مبارک سے نکلے۔

حضور نے بطور میراث کچھ نہیں چھوڑا جو کچھ آپ نے چھوڑا وہ صدقہ ووقف تھا۔ اور اس کا مصرف وہی تھا۔ جو آپ کی حیات شریف میں تھا۔ چنانچہ آپ کا ارشاد مبارک ہے۔

لَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ ۔۔۔ ہم (انبیاء) کسی کو وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ووقف ہے۔

(بخاری شریف کتاب الجہاد)

حضرت عمرو بن حارث سے جو ام المومنین جویریہؓ کے بھائی تھے یوں روایت ہے۔

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلَا عَبْدًا وَّلَا اَمَةً وَّلَا شَيْئًا اِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَ سِلَاحَهٗ وَاَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موت کے وقت نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم۔ نہ غلام۔ نہ لونڈی۔ نہ کچھ اور مگر اپنا سفید خچر اور اپنا ہتھیار اور کچھ زمین جسے آپ نے صدقہ ووقف بنا دیا۔

(بخاری۔ کتاب الوصایا)

ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت اس طرح ہے۔

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلَا بَعِيْرًا وَّلَا شَاةً ۔ ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم۔ نہ اونٹ نہ بکری۔

روایات مذکورہ بالا سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

متروکات میں ایک سفید خچر (دلدل) کچھ ہتھیار اور زمین (اموال بنو نضیر و خیبر و فدک) تھی۔ حضور کے ارشاد مبارک کے مطابق ان میں سے کسی میں قاعدۂ اِرث جاری نہیں ہوا۔ اسی واسطے دلدل اور ذوالفقار دونوں حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کے پاس تھے۔ ورنہ بجائے علی کے حضرت عباسؓ و فاطمہ رضؓ زہرا اور ازواج مطہرات رضؓ حقدار تھیں۔ اموال بنو نضیر وغیرہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبضہ مالکانہ نہ تھا بلکہ متولیانہ تھا۔ ابوداؤد میں مالک بن اوس کی روایت میں حضرت عمر بن خطاب کا قول ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تین صفایا تھیں ایک اموال بنو نضیر۔ دوسرے خیبر۔ تیسرے فدک۔ اموال بنو نضیر آپ کے حوادث و حوائج کے لئے مجبوس و موقوف تھے۔ فدک مسافروں کیلئے مخصوص تھا۔ خیبر کی آمدنی کے آپ نے تین حصے کئے تھے۔ دو حصے مسلمانوں کیلئے اور ایک حصہ اپنی ازواج مطہراتؓ کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ اپنے اہل کے نفقہ میں سے جو کچھ بچ رہتا۔ وہ آپ فقراء و مہاجرین میں تقسیم فرما دیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ جائدادیں بحیثیت وقف حضرت صدیق اکبر رضؓ کے زیر اہتمام رہیں۔ انہوں نے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تصرف کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ ان پر اسی حیثیت سے دو سال قابض رہے۔ پھر حضرت عباس رضؓ و علی رضؓ کے اصرار پر مال بنو نضیر ان دونوں کی تولیت میں کر دیا۔ اور خیبر و فدک کو اپنی تحویل میں رکھا۔ کچھ دنوں کے بعد تولیت و تصرف میں شرکت حضرت عباس رضؓ پر ناگوار گذری۔ وہ چاہنے لگے کہ تولیت میں تقسیم ہو جائے۔ تاکہ ہر ایک اپنے حصہ کے تصرف میں مستقل بن جائے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ مانع ہوئے۔ اس لئے فیصلہ کے لئے دونوں دربار فاروقی میں حاضر ہوئے۔ مگر حضرت فاروق نے تقسیم تولیت سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں حضرت علی رضؓ نے حضرت عباس رضؓ پر غلبہ پا کر مال بنو نضیر کو اپنے تصرف میں کر لیا حضرت علی رضؓ کے بعد حسن رضؓ بن علی رضؓ اور پھر حسین رضؓ بن علی کے ہاتھ میں رہا۔ امام حسین رضؓ کے بعد علی بن حسین رضؓ اور حسن رضؓ بن حسن دونوں کے ہاتھ میں رہا۔ دونوں نوبت بہ نوبت اس میں تصرف کرتے تھے۔ پھر زید بن حسن کے ہاتھ آیا۔ (صحیح بخاری)

حضرت عمر فاروق رضؓ کے بعد خیبر و فدک بحیثیت وقفِ عام حضرت عثمان غنی رضؓ و علی مرتضیٰ رضؓ کے تصرف میں رہے۔ جب ۴۱ھ میں حضرت معاویہ کی امارت پر اجماع ہو گیا تو آپ نے فدک مروان حاکمِ مدینہ کو دیدیا۔ شاید بدیں تاویل کہ جو امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہو۔ وہی آپ کے خلیفہ کے لئے ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت معاویہ رضؓ کو خود تو ضرورت نہ تھی۔ لہٰذا اپنے بعض اقرباء کے ساتھ سلوک کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ آخر الامر خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے اپنی خلافت میں فدک کو اسی حالت پر بحال کر دیا۔ جس پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں تھا۔ (طبقات ابن سعد) مزید تفصیل کے لئے تحفۂ شیعہ مؤلفہ خاکسار دیکھو۔

متروکات مذکورۂ بالا کے سوا اور اشیاء بھی تھیں۔ جو بطور تبرک مختلف اشخاص کے پاس تھیں۔ ان کا ذکر آثار شریفہ میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ارباب سیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں، خچروں، دراز گوشوں اونٹوں اور بکریوں کی جو لمبی فہرست دی ہے۔ وہ آپ کے ہاں مختلف اوقات

میں موجود تھے۔ مگر وفات شریف سے پہلے ہی آپ نے ان کو حسب عادت شریف ہبہ یا خیرات کر دیا تھا۔ وفات شریف کے وقت صرف ایک سفید خچر یعنی دلدل باقی تھا جیسا کہ روایات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔

حلیہ شریف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کے بیان میں عرض مدعا سے پیشتر قارئین کرام کی آگاہی کیلئے امور ذیل کا بتا دینا ضروری ہے۔

۱۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ کمال خُلق کی طرح کمال خلقت میں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو حضور کا مثل پیدا نہیں کیا اور نہ کرے گا۔

لَمْ یَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ	نہیں پیدا کیا اللہ نے مثل محمد کا
اَبَدًا وَّ عِلْمِیْ اَنَّہٗ لَا یَخْلُقُ	کبھی اور مجھے یقین ہے کہ وہ نہ پیدا کریگا۔

۲۔ جن بزرگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کیا ہے۔ انہوں نے اگرچہ حضور کے اوصاف کے بیان میں حسب طاقت بشری ابلغ انواع بلاغت و اکمل قوانین فصاحت سے کام لیا ہے۔ مگر غایت جسے وہ پہنچے ہیں یہی ہے۔ کہ انہوں نے حضور کی صفات کی صرف ایک جھلک کا ادراک کیا ہے۔ اور حقیقت وصف کے ادراک سے عاجز رہ گئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ صورت وصف کو پیش کر سکے ہیں نہ حقیقتِ وصف کو۔ کیونکہ حقیقتِ وصفِ حضور کو خالقِ بے چون کے سوا کوئی نہیں جانتا چنانچہ امام بوصیری قصیدۂ ہمزیہ میں فرماتے ہیں ؎

۱؎ حیٰوۃ الحیوان للعلامہ کمال الدین الدمیری الشافعی المتوفی ۸۰۸ھ جز اول ص۲۴۲

اِنَّمَا مَثَّلُوْا صِفَاتَكَ لِلنَّا   انہوں نے صرف صورت دکھائی ہے تیری صفات کی لوگوں کو

سِ کَمَا مَثَّلَ النُّجُوْمَ الْمَاءُ   جیسا پانی صورت دکھا دیتا ہے ستاروں کی۔

امام قرطبی رح (متوفی ۶۷۱ھ) نے کتاب الصلوٰۃ میں کسی عارف کا کیا اچھا قول نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل حسن ہمارے لئے ظاہر نہیں ہوا۔ کیونکہ اگر ظاہر ہو جاتا تو ہماری آنکھیں آپ کے دیدار کی تاب نہ لا سکتیں۔

۳۔ حضور کے اوصاف کے بیان میں جو تشبیہات وارد ہوئی ہیں۔ وہ صرف لوگوں کے سمجھانے کیلئے حسب عرف و عادت شعراء استعمال ہوئی ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں مخلوقات میں سے کوئی شئے آپ کی صفات خَلقیہ و خُلقیہ کے مماثل و معادل نہیں۔

۴۔ اعضائے شریف میں توسط و اعتدال جو حسن و جمال کا مدار اور افضل و کمال کا مبنیٰ ہے۔ بطور کلیہ ہر جگہ ملحوظ ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحٰبِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِقَدْرِ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ وَكَمَالِهٖ كُلَّمَا ذَكَرَكَ وَذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِكْرِكَ وَذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔

روئے مُبارک

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے مبارک جو جمال الٰہی کا آئینہ اور انوار تجلی کا مظہر تھا۔ پر گوشت اور کسی قدر گول تھا۔ اسی روئے مبارک کو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے ہی پکار اٹھے تھے۔

۱؎ مواہب لدنیہ۔ کتاب شمائل النبویہ۔

وَجْھُہٗ لَیْسَ بِوَجْہِ کَذَّابٍ   ان کا چہرہ دروغ گو کا چہرہ نہیں

اور ایمان لاتے تھے[1]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بڑھ کر خوبرو اور خوش خو تھے[2]۔ حضرت ہندؓ[3] بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ آپ کا چہرۂ مبارک چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا تھا[4]۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا۔ آپ سرخ دھاری دار حلہ[5] پہنے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کی طرف دیکھتا اور کبھی آپ کی طرف۔ بیشک میرے نزدیک آپ چاند سے زیادہ خوبصورت تھے[6]۔

ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے کہ میں سحر کے وقت سی رہی تھی۔ مجھ سے سوئی گر پڑی۔ میں نے ہر چند تلاش کی۔ مگر نہ ملی۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف باب فضل الصدقۃ۔

[2] صحیح بخاری۔ باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[3] یہ حضور کے ربیب تھے۔ کیونکہ خدیجۃ الکبریٰ حضور سے پہلے ابوہالہ کے نکاح میں تھیں جس سے ہند مذکور پیدا ہوئے یہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور ۳۶ھ میں یوم جمل میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

[4] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[5] حلّہ دو کپڑوں کو کہتے ہیں۔ یعنی چادر اور شلوار۔

[6] دیکھو شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے روئے مبارک کے نور کی شعاع میں وہ سوئی نظر آئی۔ مَیں نے یہ ماجرا
آپ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ "اے حمیرا![1] سختی و عذاب ہے (تین دفعہ فرمایا)
اس شخص کے لیئے جو میرے چہرے کی طرف دیکھنے سے محروم کیا گیا[2]"

حافظ ابو نعیم (متوفی ۴۳۰ھ) نے بروایت عباد بن عبد الصمد نقل کیا ہے
کہ اس نے کہا۔ کہ ہم حضرت انس بن مالک کے ہاں آئے۔ آپ نے کنیز سے
کہا۔ کہ دستر خوان لا تا کہ ہم چاشت کا کھانا کھائیں۔ وہ لے آئی۔ آپ نے فرمایا۔
کہ رومال لا۔ وہ ایک میلا رومال لائی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تنور گرم کر۔ اس نے تنور
گرم کیا۔ پھر آپ کے حکم سے رومال اس میں ڈال دیا گیا۔ وہ ایسا سفید نکلا گویا
کہ دودھ ہے۔ ہم نے حضرت انس سے پوچھا۔ کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا
کہ یہ وہ رومال ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روئے مبارک کو
مسح فرمایا کرتے تھے جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو اسے ہم یوں صاف کر لیتے ہیں۔
کیونکہ آگ اس شے پر اثر نہیں کرتی جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے روئے
مبارک پر سے گزری[3] ہو۔ کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے :۔

ہر چہ اسباب جمال است رخِ خوب ترا
ہمہ بر وجہِ کمال است کما لا یخفےٰ

---

[1] حمیرا لقب ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ۔ گویند کہ حمرہ بمعنی سفیدی نیز آمدہ وایشاں را حمیرا
گویند ایشاں سفید رنگ بودند۔ کذا فی المنتخب۔

[2] خصائص کبریٰ للسیوطی۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔ جز اول ص۶۳

[3] خصائص کبریٰ۔ جز ثانی ص۸

چشمِ مبارک

آپ کی مبارک آنکھیں[1] بڑی اور قدرتِ الٰہی سے سرمگیں اور پلکیں دراز تھیں۔ آنکھوں کی سفیدی میں باریک سرخ ڈورے تھے۔ کتب سابقہ میں یہ بھی آپ کی ایک علامتِ نبوت تھی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جب آپ نے ۲۵ سال کی عمر شریف میں خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کی طرف سے ان کے غلام میسرہ کیساتھ تجارت کے لئے ملک شام کا سفر کیا۔ اور بصرا ے میں نسطور راہب کے عبادتخانہ کے قریب ایک درخت کے نیچے اترے۔ تو راہب مذکور نے میسرہ سے حضور کی نسبت یہ سوال کیا۔ "کیا آں صلعم کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے؟"
میسرہ نے جواب دیا۔ ہاں۔ اور وہ سرخی آپ سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔[2]

اللہ تعالیٰ نے آپ کے بصر شریف کا وصف قرآن مجید میں یوں مذکور فرمایا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی[3] (سورۂ نجم) یعنی شبِ معراج میں آپ کی آنکھ مبارک نے ان آیات کو دیکھنے سے عدول و تجاوز نہ کیا۔ کہ جن کے دیکھنے کے لئے آپ مامور تھے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ آپ کو ایسی غایت درجہ کی قوت بصارت عطا ہوئی تھی۔ کہ آپ جس شئے کو دیکھتے خواہ وہ غایت درجہ خفا میں ہو اسے یوں ادراک فرماتے تھے۔ کہ جس طرح وہ واقع اور نفس الامر میں ہوا کرتی۔[4]

---

[1] یعنی نہ چھوٹی اور نہ اتنی بڑی کہ باہر نکلی ہوئی معلوم ہوں
[2] دلائل حافظ ابی نعیم مطبوعہ دائرۃ المعارف انتظامیہ حیدرآباد دکن صـ۵۴۔ ابونعیم کے علاوہ ابن سعد اور ابن عساکر نے بھی اسے روایت کیا ہے (خصائص کبریٰ۔ جزء اول صـ۹۱)
[3] ترجمہ۔ بہکی نہیں نگاہ اور حد سے نہیں بڑھی۔ [4] زرقانی علی المواہب۔ جزء رابع صـ۸۲

امام بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) نے بروایت[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیری رات میں روشن دن کی طرح دیکھتے تھے۔ حدیث صحیح[2] میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مجھ سے تمہارا رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں۔ مَیں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے دیکھتا ہوں

امام مجاہد (متوفی ۱۰۴ھ) نے اَلَّذِیْ[3] یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ (شعراء۔ ع ۱۱) کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ رسول[4] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پچھلی صفوں کو یوں دیکھتے تھے جیسا کہ اپنے سامنے والوں کو۔ احادیث مذکورہ بالا میں رویت سے مراد رویت عینی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور خرقِ عادت عطا فرمائی تھی۔ جس طرح باری تعالیٰ نے آپ کے قلب شریف کو معقولات کے ادراک میں احاطہ اور وسعت بخشی تھی۔ اسی طرح آپ کے حواس لطیف کو محسوسات کے احساس میں توسیع عنایت فرمائی تھی۔ آپ کا فرشتوں اور شیاطین کو دیکھنا اور شب معراج کی صبح کو مکہ مشرفہ میں قریش کے آگے بیت المقدس

---

[1] خصائص کبریٰ جزء اول صـ ۶۱

[2] صحیح بخاری۔ باب عظۃ الامام الناس فی اتمام الصلوٰۃ وذکر القبلۃ۔

[3] ترجمہ۔ جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے۔ اور تیرا پھرنا نمازیوں میں۔ اس آیت کے تحت میں تفسیر خازن میں لکھا ہے۔ وقیل معناہ یریٰ تقلب بصرك فی المصلین فانہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبصر من خلفہ کما یبصر من قدامہ (انتہیٰ)

[4] اس حدیث مرسل کو امام حمیدی (متوفی ۲۱۹ھ) نے اپنی مسند میں اور ابن منذر (متوفی ۳۱۸ھ) نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب لدنیہ۔ جزء اول۔ صـ ۲۵۲ اور خصائص کبریٰ جزء اول صـ ۶۱

کو دیکھ کر اس کا حال بیان فرمانا اور مسجد نبوی کے بننے کے وقت آپ کا مدینہ منورہ سے کعبہ مشرفہ کو دیکھنا۔ زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھ لینا اور حضرت جعفر طیار کو شہادت کے بعد بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھنا۔ یہ تمام امور آپ کی قوت بینائی پر دلالت کرتے ہیں۔

غزوۂ احزاب میں خندق کھودتے وقت ایک سخت پتھر حائل ہو گیا تھا۔ جسے حضورؐ نے کدال کی تین ضربوں سے اڑا دیا۔ پہلی ضرب پر فرمایا۔ کہ میں یہاں سے شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔ دوسری ضرب پر فرمایا کہ میں یہاں سے کسریٰ کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ تیسری ضرب پر فرمایا کہ اس وقت میں یہاں سے ابواب صنعار کو دیکھ رہا ہوں[۱]۔ اسی طرح جب غزوۂ موتہ میں حضرات زید بن حارثہ و جعفر بن ابی طالب و عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بیان فرما رہے تھے۔

ابروئے مبارک

آپ کی بھویں دراز و باریک تھیں۔ اور درمیان میں دونوں اس قدر متصل تھیں۔ کہ دور سے ملی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت حرکت میں آجاتی اور خون سے بھر جاتی۔

بینیٔ مبارک

آپ کی ناک مبارک خوبصورت اور دراز تھی اور درمیان میں ابھار نمایاں تھا

---

[۱] مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور بنِ بینی (عرنین[۱]) پر ایک نور درخشاں تھا۔ جو شخص بغور تامل نہ کرتا اُسے معلوم ہوتا کہ بلند ہے۔ حالانکہ بلند نہ تھی۔ بلندی تو وہ نور تھا جو اسے گھیرے ہوئے تھا۔

پیشانی مبارک

آپ کی پیشانی مبارک کشادہ تھی۔ اور چراغ کی مانند چمکتی تھی۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:۔

مَتٰی[۲] یَبْدُ فِی اللَّیْلِ الْبَھِیْمِ جَبِیْنُہٗ — جب اندھیری رات میں آپکی پیشانی ظاہر ہوتی

یَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجَی الْمُتَوَقِّدِ — تو تاریکی کے روشن چراغ کی مانند چمکتی۔

گوش مبارک

آپ کے ہر دو گوش مبارک کامل و تام تھے۔ قوت بصر کی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت سمع بھی بطریق خرقِ عادت غایت درجہ کی عطا کی تھی۔ اسی واسطے آپ صحابۂ کرام سے فرماتے کہ مَیں جو دیکھتا ہوں[۳]، تم نہیں دیکھ سکتے۔ اور مَیں جو سُنتا ہوں، تم نہیں سن سکتے۔ مَیں تو آسمان کی آواز بھی سن لیتا ہوں۔

آوازِ آسمان کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کے دروازے کے کھلنے کی آواز بھی سن لیتے تھے۔ چنانچہ ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام خدمتِ اقدس میں حاضر تھے۔ کہ ناگاہ حضور نے اپنے اوپر کی طرف سے ایک آواز سنی۔ آپ نے سر مبارک اٹھایا۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ یہ آسمان

۱؎ شمائل ترمذی۔ باب ما جاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲؎ زرقانی علی المواہب جزء رابع۔ صہ ۹۱

۳؎ خصائص کبریٰ بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ و ابی نعیم۔ جزء اول صہ ۶۵

کا ایک دروازہ ہے۔ جو آج ہی کھلا ہے۔ آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔ الحدیث[1]

دہان مبارک

منہ مبارک فراخ۔ رخسارِ مبارک ہموار۔ دندان ہائے پیشین کشادہ اور روشن وتاباں۔ جب آپ کلام فرماتے۔ تو دندان ہائے پیشین میں سے نور نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ بزار (متوفی ۲۹۲ھ) وبیہقی نے بروایت ابوہریرہؓ نقل کیا ہے کہ جب آپ ضحک[2] فرماتے۔ تو دیواریں روشن ہو جاتیں۔ آپ کو کبھی جمائی[3] نہیں آئی۔

حضرت عمیرہ بنت مسعود انصاریہؓ روایت کرتی ہیں۔ کہ میں اور میری پانچ بہنیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ قدید (خشک کیا ہوا گوشت) کھا رہے تھے۔ آپ نے چبا کر ایک ٹکڑا ان کو دیا۔ انھو نے بانٹ کر کھا لیا۔ مرتے دم تک ان میں سے کسی کے منہ میں بوئے ناخوش پیدا نہ ہوئی اور نہ کوئی منہ کی بیماری[4] ہوئی۔

غزوۂ خیبر[5] کے روز حضرت سلمہ بن الاکوع کی پنڈلی میں ایسی ضرب شدید لگی۔ کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ شہید ہو گئے۔ حضور نے تین بار اس پر دم کر دیا[6]۔

۱؎ مشکوٰۃ شریف بحوالہ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل القرآن۔

۲؎ خصائص کبریٰ۔ جزء اول صـ۶۴

۳؎ جب کسی شخص کو نماز میں جمائی آئے۔ تو وہ صرف ذہن میں اتنا یاد کرلے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی جمائی نہیں آئی تھی اسکے بعد نہ آئے گی۔

۴؎ اصابہ۔ ترجمہ عمیرہؓ بنت مسعود۔

۵؎ دیکھو صحیح بخاری۔ باب غزوۂ خیبر۔

۶؎ حضرت مدیک بن عمرو اسلامانی اور حضرت جرہد کا قصہ معجزات میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

پھر پنڈلی میں کبھی درد نہ ہوا۔

ایک روز ایک بد زبان عورت آپ کی خدمت میں آئی۔ آپ قدید تناول فرمارہے تھے۔ اس نے سوال کیا کہ مجھے بھی دیجئے۔ آپ نے جو قدید سامنے پڑا ہوا تھا اس میں سے دیا۔ اس نے عرض کیا۔ کہ اپنے منہ میں سے دیجئے۔ آپ نے منہ سے نکال کر اسے دیا۔ وہ کھا گئی۔ اس روز سے فحش اور کلام قبیح اس سے سننے میں نہ آیا۔[1]

مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ وہ بے شمار پیشگوئیاں اور دعوات جو پوری اور قبول ہوئیں۔ وہ اسی منہ مبارک سے نکلی ہوئی تھیں۔

یوم حدیبیہ میں چاہ حدیبیہ کا تمام پانی لشکرِ اسلام نے (جو بقول حضرت براء بن عازب چودہ سو تھے) نکال لیا۔ اس میں ایک قطرہ بھی نہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک برتن طلب فرمایا۔ اور وضو کر کے پانی کی ایک کلی کوئیں میں ڈال دی۔ اور فرمایا۔ کہ ذرا ٹھیرو۔ اس کوئیں میں اس قدر پانی جمع ہو گیا۔ کہ حدیبیہ میں قریباً بیس روز قیام رہا۔ تمام فوج اور ان کے اونٹ اسی سے سیراب ہوتے رہے۔[2]

لعاب دہن مبارک

حضور کے منہ مبارک کا لعاب زخمی اور بیماروں کے لئے شفا تھا۔ چنانچہ فتح خیبر کے دن آپ نے اپنا لعاب دہن حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کی آنکھوں میں ڈال دیا۔ تو

---

[1] خصائص کبریٰ للسیوطی۔ جزء اول ص ۶۲

[2] مشکوٰۃ شریف۔ بحوالہ صحیح بخاری۔ باب فی المعجزات۔

وہ فوراً تندرست ہو گئے۔ گویا درد چشم کبھی ہوا ہی نہ تھا۔

غارِ ثور میں حضرت صدیق اکبرؓ کے پاؤں کو کسی چیز نے کاٹ کھایا حضور نے اپنا لعاب دہن زخم پر لگایا اسی وقت درد جاتا رہا۔

حضرت رفاعہ بن رافع کا بیان ہے کہ بدر کے دن میری آنکھ میں تیر لگا اور وہ پھوٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور دعا فرمائی۔ پس مجھے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی اور آنکھ بالکل درست ہو گئی۔[1]

حضرت محمد بن حاطب کے ہاتھ پر ہنڈیا گر پڑی اور وہ جل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک اس پر ڈالا اور دعا کی۔ وہ ہاتھ چنگا ہو گیا۔

حضرت عمرو بن معاذ بن جموح انصاری کا پاؤں کٹ گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا۔ وہ اچھا ہو گیا۔[2] حضرت ابو قتادہ انصاری بیان کرتے ہیں۔ کہ غزوۂ ذی قرد (محرم ۶ھ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے چہرے میں یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک تیر لگا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ نزدیک آؤ۔ میں نزدیک ہوا تو آپ نے اس پر لعاب دہن لگا دیا۔ اس روز سے مجھے کبھی تیر و تلوار نہیں لگی! اور نہ خون نکلا۔[3]

ایک دفعہ حضور کے پاس پانی کا ڈول لایا گیا۔ آپ نے اس میں سے پیا۔ پس خوردہ کوئیں میں ڈال دیا گیا۔ پس اس میں سے کستوری کی سی خوشبو نکلی آپ کے خادم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ایک کوآں تھا۔ آپ نے

---

[1] زاد المعاد۔ غزوۂ بدر
[2] اصابہ۔ ترجمہ عمرو بن معاذ انصاری۔
[3] اصابہ۔ ترجمہ ابو قتادہ انصاری۔

اپنا لعاب دہن اس میں ڈال دیا۔ اس کا پانی ایسا شیریں ہو گیا کہ تمام مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر میٹھا کوئی کنواں نہ تھا۔

عاشورا کے روز حضور بچوں کو بلا کر ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیتے۔ اور ان کی ماؤں سے فرما دیتے۔ کہ شام تک ان کو دودھ نہ دینا پس وہی لعاب دہن ان کو کافی ہوتا۔[۱]

حضرت عامر بن کریز قریشی عبشمی اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لائے۔ حضور عبداللہ کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالنے لگے اور وہ اسے نگلنے لگے۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ یہ مَسْقِی (سیراب) ہے۔ حضرت عبداللہ جب کسی زمین (یا پتھر) میں شگاف کیا کرتے۔ تو پانی نکل آیا کرتا۔[۲]

عتبہ بن فرقد جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں موصل کو فتح کیا ان کی بیوی ام عاصم بیان کرتی ہے۔ کہ عتبہ کے ہاں ہم چار عورتیں تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک خوشبو لگانے میں کوشش کرتی تھی تاکہ دوسری سے اطیب ہو۔ اور عتبہ کوئی خوشبو نہ لگاتا تھا۔ مگر اپنے ہاتھ سے تیل مل کر داڑھی کو مل لیتا تھا۔ اور ہم سب سے زیادہ خوشبودار تھا۔ جب وہ باہر نکلتا۔ تو لوگ کہتے کہ ہم نے عتبہ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔ ایک دن میں نے اُس سے پوچھا۔ کہ ہم استعمالِ خوشبو میں کوشش کرتی ہیں۔ اور تُو ہم سے

---

[۱] خصائصِ کبریٰ بروایت ابو نعیم جزء اول صہ ۹۱

[۲] استیعاب واصابہ اور خصائصِ کبریٰ بحوالہ بیہقی وحاکم۔

زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں میرے بدن پر آبلہ ریزے نمودار ہوئے مَیں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ سے اس بیماری کی شکایت کی۔ آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ کپڑے اتار دو۔ مَیں نے کپڑے اتار دیئے۔ اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اپنا لعاب مبارک اپنے دست مبارک پر ڈال کر میری پیٹھ اور پیٹ پر مل دیا۔ اس دن سے مجھ میں یہ خوشبو پیدا ہو گئی۔ اس حدیث کو طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ) نے اوسط میں روایت کیا ہے۔

زبانِ مبارک

آپ افصح الخلق تھے۔ اور فصاحت میں خارقِ عادت حد کو پہنچے ہوئے تھے آپ کے جوامعِ کَلِم۔ بدائع حِکَم۔ امثالِ سائرہ۔ دررِ منثورہ قضایائے محکمہ وصایائے مبرمہ اور مواعظ و مکاتیب و مناشیر مشہور آفاق ہیں۔ ان کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تمہارے کلام کی مانند نہ تھا۔ کہ بوجہ عجلت سامع پر ملتبس ہو۔ بلکہ آپ کا کلام واضح اور مبیّن ایسا تھا۔ کہ پاس بیٹھنے والا اسے یاد کر لیتا[1]۔ حضرت ام معبد نے جو آپ کا حلیہ شریف بیان کیا ہے۔ اس میں یوں ہے "آپ کا کلام[2] شیریں۔ حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ نہ حد سے کم نہ حد سی زیادہ۔ گویا آپ کا کلام لڑی کے موتی ہیں جو گر رہے ہیں۔"

---

[1] شمائلِ ترمذی۔ باب کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] استیعاب لابن عبدالبر۔ فصل سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے۔ کہ آپ کا کلام مبیّن و ظاہر ہوتا تھا۔ جیسا کہ روایت حضرت عائشہ رضؓ میں وارد ہے۔

حافظ ابن حجرؒ (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں صحابہ کرام میں سے کوئی اصم یعنی بہرا نہ تھا۔ اور یہ آپ کی کرامات میں سے ہے۔ کیونکہ آپ ان کے لئے احکام الٰہی کے مبلغ تھے۔ اور بہراپن اس کام کے سہولت کے ساتھ ہونے سے مانع ہوتا ہے۔ برعکس نابینائی کے کہ وہ مانع نہیں ہوتی۔

آوازِ مبارک

تمام انبیائے کرام خوبرو اور خوش آواز تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے زیادہ خوبرو[۲] اور خوش آواز تھے۔ آپ کی آواز میں ذرا گرانی پائی جاتی تھی۔ جو اوصاف حمیدہ میں شمار ہوتی ہے۔ خوش آواز ہونے کے علاوہ آپ بلند آواز اتنے تھے کہ جہاں تک آپ کی آواز شریف پہنچتی اور کسی کی آواز نہ پہنچتی تھی۔ بالخصوص خطبوں میں آپ کی آواز شریف گھروں میں پردہ نشین عورتوں تک پہنچ جاتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوئے۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا۔ کہ خطبہ سننے کے لئے بیٹھ جاؤ۔ اس آواز کو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جو شہر مدینہ میں قبیلہ بنی غنم میں تھے سن لیا۔ اور ارشاد نبوی کی تعمیل میں وہیں اپنے مکان میں دو زانو ہو بیٹھے[۳]۔ حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ فرماتے ہیں کہ حضور نے منیٰ میں خطبہ پڑھا جس سے ہمارے کان کھل گئے۔ یہاں تک

---

[۱] نسیم الریاض جلد اول صفحہ ۳۹۷

[۲] زرقانی علی المواہب بحوالہ ترمذی۔ جزء رابع صفحہ ۱۷۸ [۳] دیکھو مواہب لدنیہ اور خصائص کبریٰ

کہ ہم اپنی اپنی جگہ پر آپ کا کلام مبارک سنتے تھے۔ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں۔ کہ ہم آدھی رات کے وقت حضور کی قرأت سنا کرتے تھے۔ حالانکہ میں مکان کے اندر چارپائی پر ہوا کرتی تھی۔

خندہ و گریہ مبارک

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عموماً تبسّم فرمایا کرتے تھے۔ تبسّم مبادیٔ ضحک سے ہے۔ اور ضحک کے معنی چہرہ کا انبساط ہے۔ یہاں تک کہ خوشی سے دانت ظاہر ہو جائیں۔ اگر آواز کے ساتھ ہو۔ اور دور سے سنا جائے۔ اسے قہقہہ کہتے ہیں۔ اگر آواز تو ہو۔ اور دور سے نہ سنا جائے تو ضحک کہتے ہیں۔ اگر بالکل آواز نہ پائی جائے تو اسے تبسّم بولتے ہیں۔ پس یوں سمجھئے کہ حضور اکثر اوقات تبسم کی حد سے تجاوز نہ فرماتے۔ شاذ و نادر ضحک کی حد تک پہنچتے۔ کیونکہ کثرتِ ضحک دل کو ہلاک کردیتی ہے۔ اور قہقہہ کبھی نہ مارتے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

آپ کا گریہ شریف ضحک کی جنس سے تھا۔ کہ آواز بلند نہ ہوتی تھی۔ مگر آنسو مبارک آنکھوں سے گر پڑتے تھے۔ آپ کے سینہ شریف سے دیگ مسی کے جوش کی سی آواز سنی جاتی تھی۔ آپ کا گریہ مبارک صفت جلال الٰہی کی تجلی اور امت پر شفقت اور میت پر رحمت کے باعث ہوا کرتا اور اکثر قرآن شریف کے سننے سے اور کبھی کبھی نماز شب میں بھی ہوا کرتا۔ آپ نے انگڑائی کبھی نہیں لی۔

سر مبارک

سر مبارک بڑا تھا۔ یہ وہی سر مبارک ہے کہ جس پر قبل بعثت بطریق ارہاص و کرامت گرما میں بادل سایہ کئے رہتا تھا۔ چنانچہ جب آپ مائی حلیمہ کے ہاں پرورش

پا رہے تھے۔ تو وہ آپ کو کسی دور جگہ نہ جانے دیتی تھیں۔ ایک روز وہ غافل ہو گئیں۔ اور حضور اپنی رضاعی بہن شیمار کے ساتھ دوپہر کے وقت مویشیوں میں تشریف لے گئے۔ مائی حلیمہ تلاش میں نکلیں۔ آپ کو شیمار کے ساتھ پایا۔ کہنے لگیں۔ ایسی تپش میں؟ شیمار بولی "اماں جان! میرے بھائی نے تپش محسوس نہیں کی۔ مَیں نے دیکھا۔ کہ بادل آپ پر سایہ کرتا تھا۔ جب آپ ٹھہر جاتے تو بادل بھی ٹھہر جاتا۔ اور جب آپ چلتے تو وہ بھی چلتا۔ یہی حال رہا یہاں تک کہ ہم اس جگہ آپہنچے ہیں۔" مائی حلیمہ نے پوچھا۔ بیٹی! کیا یہ سچ ہے۔ شیمار نے جواب دیا "ہاں خدا کی قسم[۱]" اسی طرح جب آپ بارہ برس کی عمر شریف میں اپنے چچا ابو طالب اور دیگر شیوخِ قریش کے ساتھ ملک شام میں تشریف لے گئے تو بحیرا راہب کے عبادت خانے کے قریب اترے۔ اس راہب نے آپ کو پہچان لیا۔ اور کھانا تیار کر کے لایا۔ اور آپ کو بلوایا۔ پس آپ تشریف لائے۔ اور آپ پر بادل سایہ کئے ہوئے تھا[۲]۔

گردنِ مبارک

گردن مبارک کیا تھی گویا بتِ عاج کی گردن تھی۔ چاندی کی مانند صاف۔

دست مبارک

کفِ دست اور بازو مبارک پُر گوشت تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ مَیں نے کسی ریشم یا دیبا کو آپ کے کف مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ اور نہ کسی خوشبو کو آپ کی خوشبو سے بڑھ کر پایا[۳]۔

۱؎ خصائص کبریٰ للسیوطی بروایت ابن سعد و ابی نعیم وغیرہ۔
۲؎ ترمذی۔ باب ماجاء فی بدء نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۳؎ صحیح بخاری باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جس شخص سے آپ مصافحہ کرتے وہ دن بھر اپنے ہاتھ میں خوشبو پاتا۔ اور جس بچہ کے سر پر آپ اپنا دست مبارک رکھ دیتے وہ خوشبو میں دوسرے بچوں سے ممتاز ہوتا۔ چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ظہر پڑھی۔ پھر آپ اپنے اہلِ خانہ کی طرف نکلے۔ میں بھی آپ کے ساتھ نکلا۔ بچے آپ کے سامنے آئے تو آپ ان میں سے ہر ایک کے رخسار کو اپنے ہاتھ مبارک سے مسح فرمانے لگے۔ میرے رخسار کو بھی آپ نے مسح فرمایا۔ پس میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک یا خوشبو ایسی پائی۔ کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ عطار کے صندوقچہ سے نکالا تھا[1]۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتا تھا۔ یا میرا بدن آپ کے بدن سے مس کرتا تو میں اس کا اثر بعد ازاں اپنے ہاتھ میں پاتا۔ اور میرا ہاتھ کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا۔ حضرت یزید بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک میری طرف بڑھایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ برف سے ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے[2]

حضور کا ہاتھ وہ مبارک ہاتھ تھا۔ کہ ایک مشتِ خاک کفار پر پھینک دی[3] اور ان کو شکست ہوئی۔ یہ وہی دستِ کرم تھا کہ کبھی کوئی سائل آپ کے دروازے سے

---

[1] صحیح مسلم۔ باب طیب ریحہ صلی اللہ علیہ وسلم ولین مسہ [2] دیکھو مواہب لدنیہ۔

[3] قرآن کریم میں ہے (وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ) ترجمہ "اور نہیں پھینکا تو نے جس وقت کہ پھینکا تو نے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا تھا"

محروم نہیں پھرا۔ یہ وہی دستِ شفا تھا۔ کہ جس کے محض چھونے سے وہ بیماریاں جاتی رہیں کہ جن کے علاج سے اطبا رعاجز ہیں۔ اسی مبارک ہاتھ میں سنگریزوں[1] نے کلمۂ شہادت پڑھا۔ اسی مبارک ہاتھ کے اشارے سے فتح مکہ کے روز تین سو ساٹھ بُت[2] یکے بعد دیگرے منہ کے بل گر پڑے۔ اسی مبارک ہاتھ کی ایک انگلی کے اشارے سے چاند دو پارہ[3] ہو گیا۔ اسی مبارک ہاتھ کی انگلیوں سے متعدد[4] دفعہ چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی مزید برکات کی تشریح کے لئے ذیل میں چند مثالیں اور درج کی جاتی ہیں:۔

۱۔ حضرت ابیض بن حمال کے چہرے پر داد تھا جس سے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا۔ اور ان کے چہرے پر اپنا دست شفا پھیرا۔ شام نہ ہونے پائی۔ کہ داد کا کوئی نشان نہ رہا۔

۲۔ حضرت شرجیل جعفی کی ہتھیلی میں ایک گلٹی سی تھی۔ جس کے سبب سے وہ تلوار کا قبضہ اور گھوڑے کی باگ نہیں پکڑ سکتے تھے۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکایت کی۔ آپ نے اپنی ہتھیلی سے اس گلٹی کو رگڑا پس اس کا نشان تک نہ رہا۔

---

[1] خصائص کبریٰ۔ جز ثانی ص ۷۵

[2] دلائل حافظ ابو نعیم جز ثانی ص ۱۸۸

[3] قرآن مجید میں ہے۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (ترجمہ نزدیک آئی قیامت اور پھٹ گیا چاند)

[4] صحیح بخاری۔ باب علامات النبوت فی الاسلام۔

۳- ایک عورت اپنے لڑکے کو خدمت اقدس میں لائی- اور عرض کیا- کہ اسکو جنون ہے- حضور نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا- لڑکے کو قے ہوئی- اور اس میں سے ایک کالا کتے کا پلا نکلا اور فوراً آرام ہوگیا-

۴- جنگِ احد میں حضرت قتادہ کی آنکھ کو صدمہ پہنچا اور ڈیلا رخسار پر آپڑا- تجویز ہوئی- کہ کاٹ دیا جائے- حضور سے دریافت کیا گیا- تو آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو- اور انہیں بلا کر اپنے دست مبارک سے ڈیلے کو اس کی جگہ پر رکھ دیا- آنکھ فوراً ایسی درست ہوگئی- کہ کوئی یہ نہ بتا سکتا تھا- کہ دونوں میں سے کس آنکھ کو صدمہ پہنچا تھا-

۵- حضرت عبداللہ بن عتیک جب ابو رافع یہودی کو قتل کر کے اس کے گھر سے نکلے تو زینے سے گر کر ان کی ساق ٹوٹ گئی- انہوں نے اپنے عمامہ سے باندھ لی- جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا- کہ پاؤں پھیلاؤ- حضرت عبداللہ نے پاؤں پھیلایا- حضور نے اس پر اپنا دست شفاء پھیرا- اسی وقت ایسی تندرست ہوگئی- کہ گویا کبھی وہ ٹوٹی ہی نہ تھی-

۶- حضرت عائذ بن سعید جسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا- کہ یا رسول اللہ! آپ میرے چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیجیے- اور دعائے برکت فرمائیے- حضور انور نے ایسا ہی کیا- اس وقت سے حضرت عائذ کا چہرہ تروتازہ اور نورانی رہا کرتا تھا-

۷- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن و عبداللہ پسران عبد کے لئے دعائے برکت فرمائی- اور دونوں کے سروں پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا- نہ دونو

جب سر منڈایا کرتے۔ تو جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک ہاتھ رکھا تھا اس پر باقی حصے سے پہلے بال اگ آتے۔

۸۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب قرشی عدوی پیدا ہوئے۔ تو نہایت ہی کوتاہ قد تھے۔ ان کے نانا حضرت ابولبابہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں لے گئے۔ حضور نے تحنیک کے بعد ان کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ اور دعائے برکت فرمائی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن جب کسی قوم میں ہوتے تو قد میں سب سے بلند نظر آتے۔

۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ بن ملحان قیسی کے چہرے پر اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ جب وہ عمر رسیدہ ہو گئے۔ تو ان کے تمام اعضاء پر کہنگی کے آثار نمایاں تھے۔ مگر چہرہ بدستور تر و تازہ تھا۔

۱۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن زید بن جباب جذامی کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور دعائے برکت فرمائی۔ حضرت قیس نے سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے سر کے بال سفید ہو گئے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی جگہ کے بال سیاہ ہی رہے۔

۱۱۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی تو راستے میں ایک غلام چرواہے سے آپ نے دودھ طلب کیا۔ اس نے جواب دیا۔ کہ میرے پاس کوئی دُودھ دینے والی بکری نہیں۔ آپ نے ایک بکری پکڑ لی اور اس کے تھن پر اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کا دودھ دوہا۔ اور دونوں نے پیا۔ غلام نے حضور سے پوچھا۔ کہ آپ کون ہیں؟ حضور نے فرمایا میں خدا کا

رسول ہوں۔ یہ سن کر وہ ایمان لایا۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ام معبد کی بکری کے تھن پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور اس نے دودھ دیا جیسا کہ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔

۱۲۔ حضرت مالک بن عمیر سلمی شاعر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ میں شاعر ہوں۔ آپ شعر کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے سر سینہ سے کندھے تک پیپ سے بھر جائے۔ تو یہ اس سے بہتر ہے۔ کہ شعر سے بھرا ہو۔ میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! میری خطا بطریق مسح دور کر دیجئے۔ یہ سن کر حضور نے میرے سر اور چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ پھر میرے جگر پر۔ پھر پیٹ پر پھیرا۔ یہاں تک کہ میں حضور کے دست مبارک کے مبلغ سے شرمندہ ہوتا تھا۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ حضرت مالک بن عمیر بوڑھے ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہو گئے مگر سر اور ڈاڑھی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی جگہ کے بال سفید نہ ہوئے۔

۱۳۔ حضرت مدلوک فزاری کا بیان ہے۔ کہ میرا آقا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا میں اسلام لایا۔ تو حضور نے مجھے دعائے برکت دی اور میرے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ میرے سر کا وہ حصہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک نے مس کیا تھا۔ سیاہ ہی رہا۔ باقی تمام سر سفید ہو گیا۔

۱۴۔ حضرت معاویہ بن ثور بن عبادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے صاحبزادے بشر بن معاویہ ساتھ تھے۔ حضرت معاویہ

نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! بشر کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیر دیجئے۔ چنانچہ حضور انور نے بشر کے چہرے کو مسح کیا۔ حضور کے مسح کا نشان حضرت بشر کی پیشانی میں غرہ کی مانند تھا۔ اور وہ جس بیمار پر اپنا ہاتھ پھیر دیتے اچھا ہو جاتا۔ حضرت بشر کے صاحبزادے محمد بن بشر اس بات پر فخر کیا کرتے تھے۔ کہ میرے باپ کے سر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیرا تھا۔ چنانچہ یوں کہا کرتے تھے۔

وَ اَبِی الَّذِیْ مَسَحَ النَّبِیُّ بِرَأْسِہٖ	میرا باپ وہ ہے کہ پیغمبر خدا نے انکے
وَ دَعَالَہٗ بِالْخَیْرِ وَ الْبَرَکَاتِ	سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور ان کے لئے دعائے خیر و برکت فرمائی۔

۱۵۔ حضرت یزید بن قنافہ طائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اقرع (گنجے) تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے سر پر ہاتھ مبارک پھیرا۔ اسی وقت بال اُگ آئے۔ اسی واسطے ان کا لقب ہلب (بسیار مو) ہو گیا۔ ابن درید کا قول ہے۔ کہ وہ اقرع تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت سے افرع (مرد تمام مو) ہو گئے۔

۱۶۔ یسار بن ازیہر جہنی ذکر کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور مجھے دو چادریں پہنا دیں۔ اور ایک تلوار عطا فرمائی۔ حضرت یسار کی صاحبزادی عمرہ کا بیان ہے۔ کہ میرے باپ کے سر میں سفید بال نہ آئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی۔

۱۷۔ حضرت ابو زید بن اخطب انصاری خزرجی کے سر اور چہرے پر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ سو سال سے زائد ان کی عمر ہو گئی مگر سر اور ڈاڑھی میں کوئی سفید بال نہ تھا۔

۱۸۔ حضرت ابو سنان عبدی صباحی کے چہرے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ ان کی عمر نوے برس کی ہو گئی۔ مگر چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا۔

۱۹۔ حضرت ابو غزوان حالتِ کفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا۔ کہ تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ابو غزوان۔ آپ نے ان کے لئے سات بکریوں کا دودھ دوہا۔ اور وہ سب پی گئے۔ آپ نے ان کو دعوتِ اسلام دی۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ پھر آپ نے انکے سینے پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیا۔ دوسرے روز صبح کے وقت صرف ایک بکری دوہی گئی۔ وہ اس کا بھی تمام دودھ نہ پی سکے۔

۲۰۔ حضرت سہل بن رافع دو صاع کھجوریں بطور زکوٰۃ اور اپنی لڑکی عمیرہ کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ آپ میرے حق میں اور میری لڑکی کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ اور اس لڑکی کے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیں۔ عمیرہ کا قول ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک مجھ پر رکھا۔ میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ کی ٹھنڈک بعد میں میرے کلیجے پر رہی۔

۲۱۔ حضرت سائب بن یزید کا آزاد کردہ غلام عطاء بیان کرتا ہے۔ کہ میں نے حضرت سائب کو دیکھا۔ کہ ان کی ڈاڑھی کے بال سفید تھے۔ مگر سر کے بال سیاہ تھے۔

میں نے پوچھا۔ آقا! آپ کے سر کے بال سفید کیوں نہیں ہوتے؟ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ایک روز میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لڑکوں کو سلام کیا۔ ان میں سے میں نے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے مجھے بلایا اور اپنا مبارک ہاتھ میرے سر پر رکھ کر فرمایا۔ "اللہ تجھ میں برکت دے" پس حضور کے دست مبارک کی جگہ پر سفید بال کبھی نہ آئیں گے۔

۲۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے۔ کہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ آپ نے فرمایا لڑکے! کیا تیرے پاس دودھ ہے؟ میں نے کہا۔ کہ ہاں۔ لیکن میں امین ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے پاس کوئی ایسی بکری ہے۔ جس پر نر نہ کودا ہو؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ پس میں نے ایک بکری پیش کی جس کا تھن نہ تھا۔ آپ نے تھن کی جگہ پر اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ ناگاہ ایک دودھ بھرا تھن نمودار ہوا۔ آپ نے دودھ دوہا اور حضرت ابوبکرؓ اور مجھ کو پلایا۔ پھر تھن سے ارشاد فرمایا کہ سکڑ جا۔ پس وہ ویسا ہی ہو گیا۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ مجھے تعلیم دیجئے۔ آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت دے کر فرمایا۔ کہ تو تعلیم یافتہ لڑکا ہے۔ پس میں اسلام لایا۔

۲۳۔ حضرت محمد بن انس بن فضالہ انصاری اوسی ذکر کرتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے۔ تو میں دو ہفتے کا تھا۔ مجھے حضور کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے میرے سر پر دست مبارک پھیرا

اور دعائے برکت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر رکھو۔ مگر میری کنیت نہ رکھو۔ ان کے صاحبزادے یونس کا قول ہے۔ کہ میرے والد بوڑھے ہو گئے۔ اور ان کے تمام بال سفید ہو گئے۔ مگر سر کے بال جن پر دست مبارک پھرا تھا سفید نہ ہوئے۔

۲۴۔ حضرت عبادہ بن سعد بن عثمان زرقی کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی۔ انہوں نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی اور کوئی بال سفید نہ ہوا۔

۲۵۔ حضرت بشر (یا بشیر) بن عقربہ جہنی کا بیان ہے۔ کہ میرے والد مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ حضور نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ میرا بیٹا بحیر ہے۔ حضور نے مجھ سے فرمایا۔ کہ نزدیک آؤ۔ مَیں آپ کے دائیں ہاتھ بیٹھ گیا۔ آپ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور مجھ سے پوچھا۔ کہ تمہارا کیا نام ہے؟ مَیں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا نام بحیر ہے۔ حضور نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارا نام بشیر ہے۔ میری زبان میں لکنت تھی۔ آپ نے میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ لکنت جاتی رہی۔ میرے سر کے تمام بال سفید ہو گئے۔ مگر جن بالوں پر حضور کا دست مبارک پھرا تھا وہ سیاہ ہی رہے۔

۲۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیمہ بن عاصم عکلی کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ ان کے چہرے پر پیری کے آثار نمودار نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وفات پائی۔

۲۷۔ حضرت فراش بن عمرو کنانی لیثی اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور درد سر کی شکایت کی۔ حضور نے فراش کو اپنے سامنے بٹھایا۔ اور ان کی آنکھوں کے درمیانی چمڑے کو پکڑ کر کھینچا۔ آپ کی مبارک انگلیوں کی جگہ بال اگ آئے اور درد جاتا رہا۔ انہوں نے حرورا کے دن خوارج کے ساتھ نکلنا چاہا۔ ان کے والد نے ان کو کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ وہ بال گر گئے۔ جب توبہ کی۔ تو پھر اگ آئے۔

۲۸۔ حضرت عمرو بن تغلب کے چہرے اور سر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیرا۔ انہوں نے سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ مگر چہرے اور سر کے وہ بال جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک نے چھوا تھا۔ سفید نہ ہوتے۔

۲۹۔ حضرت اسید بن ابی ایاس کنانی وئلی کے سینے پر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اپنا دست مبارک رکھا۔ اور چہرے پر پھیرا۔ وہ تاریک گھر میں داخل ہوتے تو روشن ہو جاتا۔[1]

۳۰۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے ہوا۔ تو میری ماں ام سلیم نے خرما اور گھی اور پنیر سے حیس تیار کیا۔ اور اسے ایک تور[2] میں ڈال دیا۔ پھر کہا۔ انس! اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے جا۔ وہاں عرض کرنا۔ کہ یہ میری ماں نے آپ کے

---

[1] اشاعتہ مذکورہ بالا میں سے نمبر ۲۱ و ۲۲ معجم صغیر طبرانی میں سے ہیں۔ اور نمبر ۲۳ و ۲۸ و ۲۹ خصائصِ کبریٰ للسیوطی سے اور باقی تمام اصابہ للعسقلانی میں سے ہیں۔

[2] تور پیالہ کی شکل کا ایک برتن ہوتا ہے۔

لئے بھیجا ہے۔ وہ سلام کہتی ہے اور عرض کرتی ہے۔ کہ یا رسول اللہ یہ تھوڑا سا کھانا ہماری طرف سے آپ کے لئے ہے۔ مَیں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ماں نے جو کچھ کہا تھا عرض کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس کو رکھ دو اور فلاں فلاں فلاں (تین شخصوں) کو بلا لاؤ۔ اور جو اَور ملیں ان کو بھی لے آؤ۔ مَیں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر اہلِ خانہ سے بھرا ہوا ہے۔ حضور نے اپنا دست مبارک اس حَیس پر رکھا اور دعائے برکت فرمائی۔ پھر آپ حاضرین میں سے دس دس کو بلاتے رہے اور فرماتے رہے۔ کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ اور ہر ایک اپنے سامنے سے کھائے۔ اس طرح ایک گروہ نکلتا اور دوسرا آجاتا۔ یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ حضور نے مجھ سے فرمایا۔ انس! اٹھاؤ۔ مَیں نے اٹھا لیا۔ مَیں یہ نہیں بتا سکتا کہ جب تور رکھا گیا۔ تو اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب اٹھایا گیا۔ بقول انس حاضرین کی تعداد تین سو تھی[1]۔

۳۱۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینے میں رونق افروز ہوئے تو اس وقت حضرت سلمان فارسی ایک یہودی کے ہاں بطور غلام کام کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے انہوں نے اس یہودی سے اس امر پر مکاتبت کر لی۔ کہ وہ اس یہودی کو چالیس اوقیہ سونا ادا کریں۔ اور اس کے لئے کھجوروں کے تین سو پودے لگا کر پرورش کریں۔ یہاں تک کہ وہ بار آور ہوں۔ جب حضرت سلمان نے حضور کو یہ خبر دی۔ تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ کہ سلمان کی مدد کرو۔ چنانچہ صحابۂ کرام نے پودے دے دیئے۔ اور حضور نے اپنے مبارک ہاتھ

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین باب فی المعجزات۔

سے ان کو لگایا۔ وہ سب لگ گئے۔ اور اسی سال پھل لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ تین سو پودوں میں سے ایک کسی[1] اور نے لگایا۔ وہ پھل نہ لایا تو حضور نے اسے اکھاڑ کر اپنے دستِ مبارک سے پھر لگا دیا۔ وہ بھی دوسروں کے ساتھ ہی پھل لایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی کان سے مرغی کے انڈے کے برابر سونا آیا تھا۔ وہ آپ نے سلمان کو عطا فرمایا۔ سلمان نے عرض کیا۔ کہ اس کو چالیس اوقیہ کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہی لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اسی کے ساتھ تمہارا قرض ادا کر دے گا۔ چنانچہ وہ لے گئے اور اسی میں سے چالیس اوقیہ تول کر یہودی کو دے دیئے۔[2] اس طرح حضرت سلمان فارسی آزاد ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل شریف سفید تھی۔ اور اس سے کسی قسم کی ناخوش بو نہ آتی تھی۔ بلکہ کستوری کی مانند خوشبو آیا کرتی تھی۔

سینۂ مبارک و قلبِ شریف

آپ کا سینہ مبارک کشادہ تھا۔ آپ کا قلب شریف پہلا قلب شریف ہے جس میں اسرارِ الٰہیہ اور معارفِ ربّانیہ ودیعت رکھے گئے۔ کیونکہ آپ بوجود صورت نوری سب سے پہلے پیدا کیے گئے۔ صدر معنوی کی شرح اور قلب اقدس کی وسعت کا بیان طاقت بشری سے خارج ہے۔ چار دفعہ فرشتوں نے آپ کے صدر مبارک کو شق کیا۔ اور قلب شریف کو نکال کر دھویا۔ اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا۔ اسی کی طرف اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے قرآن پاک میں یوں اشارہ فرماتا ہے

---

[1] ایک روایت ترمذی میں ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق تھے (شمائل ترمذی۔ باب ما جاء فی خاتم النبوۃ)

[2] استیعاب لابن عبد البر وغیرہ۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا) یہی وجہ ہے۔ کہ جو اسرار آپ کے قلب شریف کو عطا ہوئے۔ وہ کسی اور مخلوق کو عطا نہیں ہوئے اور نہ کسی اور مخلوق کا قلب اس کا متحمل ہو سکتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قلب شریف کی نسبت یوں ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ میری آنکھ سو جاتی ہے۔ مگر میرا دل نہیں سوتا۔[1]

شکمِ مُبارک

آپ سواء البطن والصدر تھے۔ یعنی آپ کا شکم اور سینہ مبارک ہموار و برابر تھے نہ تو شکم سینہ سے اور نہ سینہ شکم سے بلند تھا۔ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک کو دیکھا۔ گویا کاغذ ہیں ایک دوسرے پر رکھے ہوئے اور تہ کئے ہوئے۔[2]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بول و براز بلکہ تمام فضلات پاک تھے جیسا کہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔[3]

پشتِ مبارک

آپ کی پشتِ مبارک ایسی صاف و سفید تھی۔ کہ گویا پگھلائی ہوئی چاندی ہے۔[4] ہر دو شانہ کے درمیان ایک نورانی گوشت کا ٹکڑا تھا۔ جو بدن شریف کے باقی اجزا سے

۱؎ تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي۔ صحیح بخاری۔

۲؎ خصائص کبریٰ بحوالہ ابن سعد و طبرانی۔ جزء اول ص ۶۳

۳؎ تفصیل کے لئے دیکھو رسالہ حلیۃ النبی مؤلفہ خاکسار۔

۴؎ خصائص کبریٰ بحوالہ احمد و بیہقی۔ جزء اول ص ۶۳

ابھرا ہوا تھا۔ اسے مہر نبوت یا خاتم نبوت کہتے تھے۔ کتب سابقہ میں آپ کی علامات نبوت میں ایک یہ بھی مذکور تھی۔ حلیہ مبارک بیان کرنے والوں نے اس کی ظاہری شکل و صورت کے بیان کرنے میں اسے کئی چیزوں (مثلاً بیضۂ کبوتر یا تکمہ چھپر کھٹ یا گرہ گوشت سرخ وغیرہ) سے تشبیہ دی ہے۔ تاکہ لوگ سمجھ لیں۔ سچ پوچھو تو یہ ایک سرِ عظیم اور نشان عجیب تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختص تھا۔ کہ جس کی حقیقت کو رب العزت کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ؎

نبوت را توئی آں نامہ در پشت
کہ از تعظیم دارد مہر بر پشت

پائے مبارک

ہر دو پائے مبارک سطبر و پُر گوشت اور خوبصورت ایسے کہ کسی انسان کے نہ تھے۔ اور نرم و صاف ایسے کہ ان پر پانی ذرا بھی نہ ٹھہرتا بلکہ فوراً گر جاتا۔ ایڑیاں کم گوشت۔ ہر دو ساق مبارک باریک و سفید و لطیف گویا شحم النخل[1] یعنی کھجور کا گابھا ہیں۔ جب آپ چلتے۔ تو قدم مبارک کو قوت و تثبت اور وقار و تواضع سے اٹھاتے۔ جیسا کہ اہلِ ہمت و شجاعت کا قاعدہ[2] ہے۔ حضرت ابو ہریرہ[3] رضی اللہ تعالیٰ

---

[1] مدارج النبوۃ مطبوعہ نولکشور۔ جلد اول ص ۲۵

[2] اس طرح کی رفتار ممدوح و مستحسن ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (سورۂ فرقان۔ ع ۶)	اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ کہیں صاحب سلامت

[3] شمائل ترمذی۔ باب ما جاء فی مشیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

عنہ فرماتے ہیں کہ چلنے میں مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا آپ کے لئے زمین لپٹتی جاتی تھی۔ ہم دوڑا کرتے اور تیز چلنے میں مشقت اٹھاتے۔ اور آپ باسانی و بے تکلف چلتے۔ مگر پھر بھی سب سے آگے رہتے بعض دفعہ حضورؐ اپنے اصحابؓ کے ساتھ چلنے کا قصد فرماتے۔ تو اس صورت میں اصحاب آپ کے آگے ہوتے۔ اور آپ عمداً ان کے پیچھے ہوتے[1]۔ اور فرماتے کہ میری پیٹھ فرشتوں کے لئے خالی چھوڑ دو[2]۔

حضور کے پاؤں مبارک وہ قدم مبارک ہیں۔ کہ جب آپ پتھر پر چلتے تو وہ نرم[3] ہوجاتا۔ تاکہ آپ باسانی اس پر سے گزر جائیں۔ اور جب ریت پر چلتے۔ تو اس میں پائے مبارک کا نشان نہ ہوتا۔ یہ وہی قدم مبارک ہیں۔ جن کی محبت میں کوہِ احد و کوہِ ثبیر حرکت میں آئے۔ یہ وہی قدم مبارک ہیں۔ کہ قیامِ شب میں ورم کر آتے تھے۔ یہ وہی قدم مبارک ہیں۔ کہ مکہ اور بیت المقدس کو ان سے شرف زائد حاصل ہوا۔

---

[1] حضور اپنے اصحاب کے مربی و نگہبان تھے۔ اس لئے ان کے حالات کے ملاحظہ کے لئے آپ پیچھے ہوجاتے۔ تاکہ حسب حال ان کی تربیت و تادیب و تکمیل فرماویں۔ یا آپ کا یہ فعل تواضع پر مبنی تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[2] بقول حافظ ابو نعیم فرشتے آپ کی نگہبانی کرتے تھے۔ یہ امر کسی طرح وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ الآیۃ۔ (اور اللہ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا) کے منافی نہیں۔ کیونکہ اگر یہ حالت اس آیت کے نزول سے پہلے تھی۔ تو عدم منافات ظاہر ہی ہے۔ اور اگر نزول کے بعد ہو تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کا یوں انتظام کردیا کہ اظہارِ شرف کے لئے فرشتوں کی ایک جماعت اس کام پر متعین فرمادی۔ (دیکھو زرقانی علی المواہب۔ جزء رابع صـ۲۱۹)

[3] خصائص کبریٰ و شرح ہمزیہ لابن حجر ہیتمی۔

قدِ مبارک

آپ نہ بہت دراز تھے نہ کوتاہ قد۔ بلکہ میانہ قد مائل بہ درازی تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت دراز قد نہ تھے اور مائل بہ درازی ہونے کے سبب اوسط قد سے زیادہ تھے۔ مگر جب لوگوں کے ساتھ ہوتے۔ تو سب سے بلند و سرفراز ہوتے۔ حقیقت میں یہ آپ کا معجزہ تھا۔ کہ جب علیحدہ ہوتے تو میانہ قد مائل بہ درازی ہوتے۔ اور جب اوروں کے ساتھ چلتے یا بیٹھتے تو سب سے بلند دکھائی دیتے۔ تاکہ باطن کی طرح ظاہر و صورت میں بھی کوئی آپ سے بڑا معلوم نہ ہو۔

آپ کی قامتِ زیبا کا سایہ نہ تھا۔ اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ آپ کے اسمائے مبارک میں سے ایک اسم شریف نور ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۂ مائدہ میں ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (البتہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور کتاب واضح آئی) اور ظاہر ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ حکیم ترمذی (متوفی ۲۵۵ھ) نے نوادر الاصول میں بروایت ذکوان (تابعی) نقل کیا ہے۔ کہ دھوپ اور چاندنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ امام ابن سبع کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ اور آپ نور تھے۔ لہٰذا جب آپ دھوپ یا چاند کی روشنی میں چلتے

۱؎ مواہب لدنیہ بحوالہ عبداللہ ابن الامام احمد وغیرہ۔

۲؎ آپ کا ارتفاع معنوی دیکھنے والوں کے لئے ممثل ہو جاتا۔ اور آپ ان سب کو بلند نظر آتے (دیکھو زرقانی علی المواہب جزء رابع۔ ص ۱۹۹

تو آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کی شاہد وہ حدیث ہے۔ کہ جس میں مذکور ہے۔ کہ جب آپ نے یہ دعا مانگی۔ کہ اللہ میرے تمام اعضاء اور جہات میں نور کردے۔ تو دعا کو اس قول پر ختم فرمایا۔ وَاجعلنی نُورًا (اور مجھ کو نور بنا دے)[1] زرقانی[2] میں مذکور ہے۔ کہ حدیث ذکوان مرسل ہے۔ مگر ابن مبارک و ابن جوزی نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ جب آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے۔ تو آپ کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب آتی۔ اور جب چراغ کے سامنے کھڑے ہوتے تو چراغ کی روشنی پر غالب آتی۔ بعض کا قول ہے کہ آپ کا سایہ نہ ہونے میں یہ حکمت تھی۔ کہ آپ کے سایہ کو کوئی کافر پامال نہ کرے ؎

ماہ فرو ماند از جمالِ محمد   سرو نروید باعتدالِ محمد

رنگِ مبارک

رنگِ مبارک گورا اور روشن و تاباں۔ مگر اس میں کسی قدر سرخی ملی ہوئی تھی بعض روایتوں میں جو آپ کو اسمر اللون یعنی گندم گوں لکھا ہے۔ اس سے بھی یہی مراد ہے۔

جلدِ مبارک و بوئے خوش

آپ کی جلدِ مبارک نرم تھی۔ ایک وصف ذاتی حضور میں یہ تھا کہ خوشبو لگائے بغیر آپ سے ایسی خوشبو آتی تھی کہ کوئی خوشبو اس کو نہ پہنچ سکتی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں۔ کہ جب آپ پیدا ہوئے۔ تو میں نے غور سے آپ کی طرف نگاہ کی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ آپ چودھویں رات کے چاند کی مانند ہیں۔ اور آپ سے

---

[1] خصائص کبریٰ جزء اول ص ۶۸   [2] زرقانی علی المواہب جزء رابع ص ۲۲۰

تیز بو کستوری کی طرح خوش بو آرہی ہے[1]۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کستوری یا عبیر[2] کو بوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوشتر نہ پایا[3]۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا۔ اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا ہے۔ میں اسے اس کے خاوند کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کوئی خوشبو نہیں۔ آپ کچھ عنایت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میرے پاس موجود نہیں۔ مگر کل صبح ایک چوڑے منہ والی شیشی اور کسی درخت کی لکڑی میرے پاس لے آنا۔ دوسرے روز وہ شخص شیشی اور لکڑی لے کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس میں اپنا پسینہ ڈالنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ بھر گئی۔ پھر فرمایا۔ کہ اسے لے جا۔ اپنی بیٹی سے کہہ دینا۔ کہ اس لکڑی کو شیشی میں تر کر کے مل لیا کرے۔ پس جب وہ آپ کے پسینہ مبارک کو لگاتی۔ تمام اہلِ مدینہ کو اس کی خوشبو پہنچتی۔ یہاں تک کہ ان کے گھر کا نام بیت المطیبین (خوشبو والوں کا گھر) ہو گیا[4]۔

---

[1] زرقانی علی المواہب جزء رابع ص ۲۲۳

[2] عبیر ایک خوشبو ہے۔ جو صندل و گلاب و مشک سے بناتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک خوشبو ہے جس میں زعفران ملا ہوتا ہے۔

[3] صحیح بخاری کتاب الصیام۔ باب ما یذکر من صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم و افطارہ۔

[4] یہ ایک حدیث کا مضمون ہے جسے ابو یعلیٰ اور طبرانی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب لدنیہ اور خصائص کبریٰ۔

حضور کے خادم حضرت انس فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ حالتِ خواب میں آپ کو پسینہ آگیا۔ میری ماں ام سلیم نے ایک شیشی لی۔ اور آپ کا پسینہ مبارک اس میں ڈالنے لگی۔ آپ جاگ اُٹھے۔ اور فرمانے لگے۔ ام سلیم! تو یہ کیا کرتی ہے؟ اس نے عرض کیا۔ "یہ آپ کا پسینہ[1] ہے۔ ہم اس کو اپنی خوشبو میں ڈالتے ہیں۔ اور وہ سب خوشبوؤں سے خوشبودار بن جاتی ہے۔" دوسری روایت مسلم میں ہے۔ کہ ام سلیم نے یوں عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! ہم اپنے بچوں کے لئے آپ کے عرق مبارک کی برکت کے امیدوار[2] ہیں۔" آپ نے فرمایا۔ "تو نے سچ کہا۔" اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے عرق مبارک کو بچوں کے چہرے اور بدن پر مل دیا کرتے تھے۔ اور وہ تمام بلاؤں سے محفوظ رہا کرتے تھے۔

حضرت انس[3] سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے کسی کوچہ میں سے گزرتے۔ تو گزر جانے کے بعد بھی آنے جانے والوں کو اس کوچہ سے خوشبو آتی۔ اور وہ سمجھ جاتے کہ اس کوچہ میں سے آپ کا گزر ہوا ہے باقی حال لعاب مبارک اور دست مبارک میں آچکا۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اب بھی مدینہ منورہ کے در و دیوار سے خوشبوئیں آرہی ہیں۔ جنہیں محبان د

---

[1] صحیح مسلم۔ باب طیب عرقہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
[2] صحیح مسلم باب طیب عرقہ صلی اللہ علیہ وسلم والتبرک بہ۔
[3] اس کو بزار اور ابو یعلیٰ نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب لدنیہ اور خصائص کبریٰ۔

عاشقان جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شامۂ محبت سے محسوس کرتے ہیں۔ ابنِ بطالؒ کا قول ہے۔ کہ جو شخص مدینہ منورہ میں رہتا ہے۔ وہ اس کی خاک اور دیواروں سے خوشبو محسوس کرتا ہے۔ اور اشبیلی رح نے فرمایا ہے۔ کہ خاک مدینہ میں ایک عجیب مہک ہے۔ جو کسی خوشبو میں نہیں۔ اور یاقوت نے کہا ہے کہ منجملہ خصائص مدینہ اس کی ہوا کا خوشبودار ہونا ہے۔ اور وہاں کی بارش میں بوئے خوش ہوتی ہے جو کسی اور جگہ کی بارش میں نہیں ہوتی۔ ابو عبداللہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

بِطِیبِ رَسُولِ اللّٰہِ طَابَ نَسِیمُھَا	رسول اللہ کی خوشبو سے نسیم مدینہ خوشبودار ہو گئی
فَمَا الْمِسْکُ مَا الْکَافُورُ مَا الصَّنْدَلُ الرَّطْبُ	پس کیا ہے کستوری۔ کیا ہے کافور کیا ہے عطر صندل تر و تازہ۔

امام ابن سبعؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے۔ کہ آپ کے کپڑوں پر مکھی نہ بیٹھتی۔ اور آپ کو جوں ایذا نہ دیتی۔ یعنی آپ کے کپڑوں میں جوں نہ ہوتی۔ کہ آپ کو ایذا دے۔ کیونکہ جوں عفونت اور پسینے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضور تو نور اور اطیب الناس تھے۔ اور آپ کا پسینہ خوشبودار ہوتا تھا۔ اسی طرح بوجہ لطافت آپ کے بدن مبارک پر کپڑا میلا نہ ہوتا تھا۔

علامہ دمیری نے اپنے منظومہ فی الفقہ میں لکھا ہے۔ کہ جن چوپایوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے۔ آپ کی سواری کی حالت میں انہوں نے کبھی پیشاب

---

[1] دیکھو وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی للشیخ الاسلام السمہودی رح۔ جزء اول ص ۱۲
[2] خصائص کبریٰ۔ جزء اول۔ ص ۶۸

نہ کیا۔ اور جس چوپایہ پر آپ سوار ہوئے۔ وہ آپ کی حیات میں کبھی بیمار نہ ہوا۔

موئے مبارک

سر مبارک کے بال نہ تو بہت گھونگر والے تھے۔ اور نہ بہت سیدھے۔ بلکہ دونوں کے بین بین تھے۔ ان بالوں کی درازی میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ کانوں تک۔ کانوں کے نصف تک۔ کانوں کی لو تک۔ شانہ مبارک کے نزدیک تک۔ شانوں تک۔ ان سب روایتوں میں تطبیق یوں ہے۔ کہ ان کو مختلف اوقات واحوال پر محمول کیا جائے۔ یعنی جب آپ کٹوا دیتے تو کان تک رہ جاتے پھر بڑھ کر نصف گوش یا نرمۂ گوش یا شانہ تک پہنچ جاتے۔ اگر موئے مبارک خود بخود پراگندہ ہو جاتے۔ تو آپ ان کو دو حصے بطور مانگ کر لیتے۔ اور اگر از خود نہ بکھرتے۔ تو بحال خود رہنے دیتے۔ اور بہ تکلف مانگ نہ نکالتے۔

ڈاڑھی مبارک گھنی تھی۔ اسے کنگھی کرتے اور آئینہ دیکھتے۔ اور سونے سے پہلے آنکھوں[1] میں تین تین بار سرمہ ڈالتے۔ مونچھ مبارک کو کٹوایا کرتے۔ اور فرماتے[2] تھے۔ کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔ یعنی ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو خوب کٹواؤ۔ اخیر عمر شریف میں آپ کی ریش مبارک اور سر مبارک میں قریباً بیس بال سفید تھے۔ گلے اور ناف کے درمیان بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ اس کے سوا شکم مبارک

---

[1] نظر بریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں قدرتی طور پر سرگین تھیں اور بدن مبارک سے خوشبو آیا کرتی تھی۔ آپ کو سرمہ یا خوشبو کے استعمال کی حاجت نہ تھی۔ مگر بایں ہمہ آپ کا سرمہ اور خوشبو کو استعمال کرنا بغرضِ تعلیم امت ہوگا۔ فافہم

[2] مشکوٰۃ المصابیح۔ باب الترجیل۔

اور پستانِ مبارک پر بال نہ تھے۔ دونوں بازوؤں اور شانوں اور سینہ مبارک کے بالائی حصہ میں بال زیادہ تھے۔ موئے مبارک کا باقی حال آثار شریفہ کی تعظیم کے تحت میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

لباس

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام لباس[1] چادر، قمیص اور تہ بند تھا۔ یمن کی دھاریدار چادریں جن کو عربی میں حِبَرَۃ کہتے ہیں سب سے زیادہ پسند فرماتے تھے۔ بعض اوقات آپ نے اونی جبہ شامیہ استعمال فرمایا ہے۔ جس کی آستینیں اس قدر تنگ تھیں کہ وضو کے وقت ہاتھ آستینوں سے نکالنے پڑتے تھے جبہ کسروانی بھی پہن لیتے تھے۔ جس کی جیب اور دونوں چاکوں پر دیبا کی سنجاف تھی۔ ایسی اونی چادر بھی آپ نے پہنی ہے۔ جس پر کجاوہ کی شکل بنی ہوئی تھی۔ سفید لباس پسند اور سرخ ناپسند فرماتے تھے۔ پاجامہ آپ نے کبھی نہیں پہنا۔

عمامہ کا شملہ چھوڑا کرتے اور کبھی نہ چھوڑا کرتے۔ شملہ اکثر دونوں شانوں کے بیچ میں اور کبھی شانہ مبارک پر پڑا رہتا بعض وقت عمامہ میں تحنیک فرماتے۔ یعنی دستار مبارک کا ایک پیچ بائیں جانب سے ٹھوڑی مبارک کے نیچے سے گزار کر سر مبارک پر لپیٹ لیتے۔ عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوا کرتی۔ اونچی ٹوپی آپ نے استعمال نہیں فرمائی۔

نعلین شریفین چپلی کی شکل کی تھیں۔ ہر ایک کے دو دو تسمے دہری تہ والے تھے۔ ایک تسمہ انگوٹھے اور متصل کی انگلی مبارک کے بیچ میں اور دوسرا انگشت

---

[1] لباس کے متعلق دیکھو مشکوٰۃ شریف۔ کتاب اللباس۔

میانہ اور بنصر کے بیچ میں ہوا کرتا۔ یہ وہی نعلین شریفین ہیں کہ شب معراج میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر تشریف لے گئے۔ تو بقول صوفیہ کرام باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ نعلین سمیت عرش کو شرف بخشیے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

لَدَی الطُّوْرِ مُوْسٰی نُوْدِیَ اخْلَعْ وَاَحْمَدُ — طور کے پاس حضرت موسیٰ کو آواز آئی

عَلَی الْعَرْشِ لَمْ یُؤْذَنْ بِخَلْعِ نِعَالِہٖ — کہ پاپوش اتار لیجیے اور حضرت احمد کو

عرش پر پاپوش اتارنے کی اجازت نہ ملی

ہر ایک مسلمان کی یہ آرزو ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔ کہ اس دنیا میں بھی حالت خواب یا حالت بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو۔ لہٰذا ہم ذیل میں ایک درود شریف درج کرتے ہیں۔ جو شخص اس درود شریف کو ہر روز سونے سے پہلے باوضو باادب اور حضور قلب سے تین بار پڑھے گا انشاء اللہ تعالیٰ چالیس دن کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو گا۔

دُرودِ شریف

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی نُوْرِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَنْوَارِ وَصَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَصَلِّ عَلٰی جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ وَصَلِّ عَلٰی رَاْسِ مُحَمَّدٍ فِی الرُّءُوْسِ وَصَلِّ عَلٰی وَجْہِ مُحَمَّدٍ فِی الْوُجُوْہِ وَصَلِّ عَلٰی جَبِیْنِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْبُنِ وَصَلِّ عَلٰی جَبْھَۃِ مُحَمَّدٍ

فِی الْجِبَاهِ وَصَلِّ عَلٰی عَیْنِ مُحَمَّدٍ فِی الْعُیُوْنِ وَصَلِّ عَلٰی
حَاجِبِ مُحَمَّدٍ فِی الْحَوَاجِبِ وَصَلِّ عَلٰی جَفْنِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْفَانِ
وَصَلِّ عَلٰٓی اَنْفِ مُحَمَّدٍ فِی الْاُنُوْفِ وَصَلِّ عَلٰی خَدِّ مُحَمَّدٍ
فِی الْخُدُوْدِ وَصَلِّ عَلٰی صُدْغِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَصْدَاغِ وَصَلِّ
عَلٰٓی اُذُنِ مُحَمَّدٍ فِی الْاٰذَانِ وَصَلِّ عَلٰی فَمِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَفْوَاهِ
وَصَلِّ عَلٰی شَفَةِ مُحَمَّدٍ فِی الشِّفَاهِ وَصَلِّ عَلٰی سِنِّ مُحَمَّدٍ فِی الْاَسْنَانِ
وَصَلِّ عَلٰی لِسَانِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَلْسِنَةِ وَصَلِّ عَلٰی ذَقَنِ مُحَمَّدٍ
فِی الْاَذْقَانِ وَصَلِّ عَلٰی عُنُقِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَعْنَاقِ وَصَلِّ عَلٰی صَدْرِ
مُحَمَّدٍ فِی الصُّدُوْرِ وَصَلِّ عَلٰی قَلْبِ مُحَمَّدٍ فِی الْقُلُوْبِ وَصَلِّ
عَلٰی یَدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَیْدِیْ وَصَلِّ عَلٰی کَفِّ مُحَمَّدٍ فِی الْاَکُفِّ
وَصَلِّ عَلٰٓی اِصْبَعِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَصَابِعِ وَصَلِّ عَلٰی زَنْدِ مُحَمَّدٍ فِی
الْاَزْنَادِ وَصَلِّ عَلٰی ذِرَاعِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَذْرُعِ وَصَلِّ عَلٰی مِرْفَقِ
مُحَمَّدٍ فِی الْمَرَافِقِ وَصَلِّ عَلٰی عَضُدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَعْضَادِ
وَصَلِّ عَلٰٓی اِبْطِ مُحَمَّدٍ فِی الْاٰبَاطِ وَصَلِّ عَلٰی مَنْکِبِ مُحَمَّدٍ فِی
الْمَنَاکِبِ وَصَلِّ عَلٰی کَتِفِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَکْتَافِ وَصَلِّ عَلٰی تَرْقُوَةِ
مُحَمَّدٍ فِی التَّرَاقِیْ وَصَلِّ عَلٰی کَبِدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَکْبَادِ وَصَلِّ عَلٰی

ظَهْرِ مُحَمَّدٍ فِی الظُّهُوْرِ وَصَلِّ عَلٰی فَخِذِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَفْخَاذِ
وَصَلِّ عَلٰی رُکْبَةِ مُحَمَّدٍ فِی الرُّکَبِ وَصَلِّ عَلٰی سَاقِ مُحَمَّدٍ
فِی السُّوْقِ وَصَلِّ عَلٰی کَعْبِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَکْعُبِ وَصَلِّ عَلٰی عَقَبِ
مُحَمَّدٍ فِی الْاَعْقَابِ وَصَلِّ عَلٰی قَدَمِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَقْدَامِ وَصَلِّ
عَلٰی شَعْرِ مُحَمَّدٍ فِی الشُّعُوْرِ وَصَلِّ عَلٰی لَحْمِ مُحَمَّدٍ فِی اللُّحُوْمِ
وَصَلِّ عَلٰی عِرْقِ مُحَمَّدٍ فِی الْعُرُوْقِ وَصَلِّ عَلٰی دَمِ مُحَمَّدٍ
فِی الدِّمَآءِ وَصَلِّ عَلٰی عَظْمِ مُحَمَّدٍ فِی الْعِظَامِ وَصَلِّ عَلٰی جِلْدِ
مُحَمَّدٍ فِی الْجُلُوْدِ وَصَلِّ عَلٰی لَوْنِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَلْوَانِ وَصَلِّ عَلٰی
قَامَةِ مُحَمَّدٍ فِی الْقَامَاتِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَ
اَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّاتِهٖ اَفْضَلَ صَلَاةٍ وَّاَکْمَلَ بَرَکَةٍ
وَّاَزْکٰی سَلَامٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ وَعَلَیْنَا مَعَهُمْ کُلَّمَا ذَکَرَكَ
وَذَکَرَهُ الذّٰکِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِکْرِكَ وَذِکْرِهِ
الْغَافِلُوْنَ۔

حیاتُ النبیؐ

اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں بحیاتِ حقیقیہ دنیویہ۔ قرآن مجید میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی خبر ہے وہ موت عادی ہے۔ جس سے مخلوقات میں سے کسی کو چارہ نہیں۔ اسی عادی موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو حیات بخش دی ہے۔ احادیثِ صحیحہ سے انبیاء وشہداء کے واسطے اس حیات کا دائمی ہونا ثابت ہے۔

ابنِ تیمیہ کے وقت سے ایک فرقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے۔ جو کہتا ہے کہ انبیاء بھی دوسرے مردہ اشخاص کی طرح زمین کے نیچے مدفون اور مردہ ہیں۔ اس لئے مدینہ منورہ میں روضہ شریف پر حاضر ہونا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے طلب حاجات بےکار و بےسود ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ کا بڑا شاگرد ابن القیم اپنی کتاب عقائد یعنی قصیدہ نونیہ (مطبوعہ مصر ص ۱۴۱) میں یوں لکھتا ہے:-

من فوقہ اطباق ذاك الترب واللبنا ت قد عرضت علی الجدران

لو کان حیا فی الضریح حیاتہ قبل الممات بغیر فرقان

وما کان تحت الارض بل من فو قھا واللہ ھذہ سنۃ الرحمان

(ترجمہ) حضرت نبی پر ڈھیروں مٹی اور اینٹیں ہیں۔ دیواریں بنی ہوئی ہیں اگر آپ قبر شریف میں ویسے ہی زندہ ہوتے جیسے موت سے پہلے تھے۔ تو زمین کے

نیچے نہ ہوتے بلکہ اس کے اوپر ہوتے ۔ واللہ عادت اللہ یہی ہے ۔ (انتہیٰ)

توسل اور زیارت روضہ اقدس کی بحث آگے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں صرف حیات انبیاء کرام بالخصوص حیات حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت پیش کرنا مقصود ہے۔

قرآن کریم میں شہداء کرام کی حیات کی نص موجود ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام شہداء عظام سے یقیناً افضل ہیں۔ ان میں وصف نبوت کے ساتھ بالعموم وصفِ شہادت بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف کے وقت یوں فرمایا۔

یا عائشۃ ما ازال اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر و ھٰذا اوان انقطاع ابھری من ذالك السم۔	اے عائشہ! مجھے خیبر کے کھانے کی تکلیف برابر رہی ہے۔ اور اب میری رگِ جان اسی زہر سے منقطع ہوتی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت کے ساتھ شہادت کا درجہ بھی حاصل ہے۔ لہٰذا آپ سید المرسلین ہونے کے ساتھ سید الشہداء بھی ہوئے۔ پس آپ کی حیات شہداء کی حیات سے اکمل ہے۔ بایں ہمہ آپ کو مردہ کہنا کیسی گستاخی ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں شہداء کی نسبت ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ان کو مردہ نہ کہو۔

علامہ سمہودی وفاء الوفاء (جزء ثانی ص ۴۰۵) میں لکھتے ہیں۔ کہ اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں۔ اسی طرح دیگر انبیاءؑ

بھی اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ ایسی حیات کے ساتھ جو شہداء (جن کی حیات کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں خبر دی ہے) کی حیات سے اکمل ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء ہیں۔ اور شہداء کے اعمال آپ کی میزان میں ہیں۔ انتہیٰ

احادیث صحیحہ سے بھی حیات انبیاء کا ثبوت ملتا ہے۔ جن میں سے چند ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

۱۔ عن اوس قال قال رسول	حضرت اوس سے روایت ہے۔ کہا،
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ
ان من افضل ایامکم یوم	تمہارے افضل ایام میں سے جمعہ کا دن
الجمعۃ فیہ خلق اٰدم وفیہ	ہے۔ اسمیں آدمؑ پیدا کئے گئے۔ اور اسی میں
قبض وفیہ النفخۃ وفیہ	قبض کئے گئے۔ اس میں نفخہ ثانیہ اور نفخۂ
الصعقۃ فاکثروا علی من	اولیٰ ہے پس تم اس دن مجھ پر درود زیادہ
الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم	بھیجو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا
معروضۃ علی قالوا یا رسول اللہ	ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ
وکیف تعرض صلوٰتنا علیک	ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائیگا
وقد ارمت قال یقولون بلیت	حالانکہ آپ بوسیدہ ہڈیاں ہونگے (قول
قال ان اللہ حرم علی الارض	راوی) صحابہ کی مراد ارمت سے بلیت
اجساد الانبیاء رواہ ابوداود	(بوسیدہ ہونگے) ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ
والنسائی وابن ماجۃ والدارمی	تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ پیغمبروں

والبیھقی فی الدعوات	کے جسموں کو کھائے۔ اسے ابوداؤد
الکبیر	نسائی وابن ماجہ ودارمی نے اور بیہقی نے
(مشکوٰۃ۔باب الجمعۃ)	دعوات الکبیر میں روایت کیا ہے۔

اِس حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام جسموں کے ساتھ زندہ ہیں کیونکہ صحابۂ کرام نے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد سنا کہ تمہارا درود مجھ پر عرض کیا جاتا ہے تو ان کو شبہ ہوا کہ آیا یہ عرض بعد وفات شریف صرف روح پر ہوگا۔ یا روح مع الجسد پر۔ کیونکہ انہوں نے خیال کیا کہ جسدِ نبی دوسرے اشخاص کے جسد کی مانند ہے۔ پس اس کے جواب میں حضور نے فرمادیا کہ میرا جسد دوسرے اشخاص کے جسد کی مانند نہیں۔ کیونکہ پیغمبروں کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی۔ پس وہ سمجھ گئے کہ یہ عرض روح مع الجسد پر ہوگا۔ لہٰذا حیاتِ انبیاء بعد وفات ثابت ہے۔

۲۔ عن ابی الدرداء قال	حضرت ابودرداء سے روایت ہے کہ رسول
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ پر جمعہ
وسلم اکثروا الصلوٰۃ علیّ	کے دن درود زیادہ بھیجا کرو۔ کیونکہ وہ
یوم الجمعۃ فانہ مشھود	دن حاضر کیا گیا ہے۔ حاضر ہوتے ہیں
تشھدہ الملائکۃ وان احدا	اس میں فرشتے۔ تحقیق کوئی مجھ پر درود
لم یصلّ علیّ الا عرضت	نہیں بھیجتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش
علیّ صوتہ حتی یفرغ منھا	کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ درود سے فارغ
قال قلت وبعد الموت قال	ہوجائے۔ کہا ابودرداء نے میں نے عرض کیا۔ کیا موت کے
ان اللہ تعالیٰ حرّم علی الارض	بعد بھی؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا

ان تأکل اجساد الانبیاء	کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ پس
فنبیّ اللہ حیّ یرزق رواہ	اللہ کے نبی زندہ ہیں رزق دیئے جاتے
ابن ماجۃ	ہیں۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے انبیاء کی حیات بحیات حقیقیہ دنیویہ بعد الوفات ثابت ہے اس میں حیّ کے ساتھ یُرزق بطور تاکید ہے۔ کیونکہ رزق کی حاجت جسم کو ہوتی ہے۔

۲۔ علامہ سیوطی شرح الصدور میں نقل کرتے ہیں:۔

واخرج ابویعلیٰ والبیھقی و	اور ابویعلیٰ اور بیہقی اور ابن مندہ نے
ابن مندۃ عن انس ان النبی	حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم قال	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء زندہ
الانبیاء احیاء فی قبورھم	ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے
یصلون۔	ہیں۔

علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے۔ کہ روایت ابویعلیٰ کے راوی ثقہ ہیں اور بیہقی نے اسے مع التصحیح نقل کیا ہے۔ اس کے شواہد سے صحیح مسلم میں روایت حضرت انس ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (شبِ معراج میں) موسیٰ علیہ السلام پر گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھتے تھے (انتہیٰ) اسی طرح حضور نے شب معراج میں بیت المقدس میں انبیاء کرام کی جماعت کرائی۔ اور آسمانوں میں ان کو دیکھا۔ مسئلہ حیات انبیاء کی تائید صحیح مسلم کی روایت ابن عباس رضؓ سے بھی ہوتی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وادیٔ ارزق سے گزرے۔ فرمایا یہ کونسی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا وادیٔ ارزق ہے، حضور نے فرمایا میں گویا موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ گھاٹی سے اترتے ہوئے لبیک کہہ رہے ہیں۔ پھر ہرشا پر پہنچ کر حضور نے فرمایا۔ یہ کونسی گھاٹی ہے صحابہ نے عرض کیا یہ وادیٔ ہرشا ہے۔ حضور نے فرمایا گویا میں یونس علیہ السلام کو سرخ بالوں والی اونٹنی پر دیکھتا ہوں کہ صوف کا جبہ پہنے ہوئے ہیں۔ مہار کھجور کی چھال کی رسی کی ہے۔

اولیاء کرام میں بہت سی مثالیں ایسے بزرگوں کی ملتی ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت بیداری میں دیکھا کرتے تھے۔ بخوف طوالت یہاں ان کا حال درج نہیں کرتے۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ تنویر الملک میں وہ احادیث واقوال صلحاء نقل کرتے ہیں۔ جو حالت خواب اور حالت بیداری ہر دو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کے امکان پر دلالت کرتے ہیں۔ بعد ازاں یوں فرماتے ہیں کہ ان تمام احادیث واقوال سے ثابت ہو گیا۔ کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اقدس اور روح شریف کے ساتھ زندہ ہیں اور وہ تصرف فرماتے ہیں جہاں چاہتے ہیں۔ زمین وآسمان میں۔ اور اسی ہیئت سابقہ شریفہ پر ہیں۔ کچھ تبدیلی اس میں نہیں ہوئی۔ آنکھوں سے ایسے ہی غائب ہیں جیسے فرشتے نظر نہیں آتے حالانکہ فرشتے زندہ ہیں اور ان کے اجسام بھی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کسی امتی پر کرامت اور احسان کا تو حجاب اٹھا دیتا ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اصلی صورت میں کر لیتا ہے۔ اس میں کوئی مانع نہیں ہے۔ اور صرف مثال ہی کے دیکھنے پر منحصر کر دینے کی کوئی وجہ نہیں انتہیٰ۔ امام بیہقی نے حیاتِ انبیاء

پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ جو چاہے اسے مطالعہ کرے۔

خلاصہ کلام یہ کہ سیدنا و مولٰنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم وفات شریف کے بعد بھی جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں۔ بحیات حقیقیہ دنیویہ اور آپ کے تصرفات بدستور جاری ہیں۔ اسی واسطے آپ کی امت میں تاقیامت قطب، غوث، ابدال واوتاد ہوتے رہیں گے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے رسالہ سلوک اقرب السبل الیٰ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم میں جو خانخاناں کی طرف لکھا ہے یوں فرمایا ہے۔

وباچندیں اختلافات وکثرتِ مذاہب کہ در علمار امت است۔ یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شایبۂ مجاز و توہم تاویل دائم وباقی است۔ وبر اعمال امت حاضر و ناظر و مر طالبانِ حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و مربی است۔

علمار امت میں اس قدر اختلافات اور کثرت مذاہب ہے۔ بایں ہمہ کسی ایک کو اس مسئلہ میں ذرا بھی اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ بلا شایبۂ مجاز و توہم تاویل حیات حقیقیہ کے ساتھ دائم و باقی ہیں۔ اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔ اور طالبان حقیقت کو اور متوسلان بارگاہِ نبوت کو فیض پہنچانے والے اور انکی تربیت فرمانے والے ہیں

حضرت شیخ نے بالکل درست لکھا ہے۔ کیونکہ فتنۂ ابن تیمیہ اس تحریر سے سینکڑوں سال پہلے فرو ہو چکا تھا۔ اور شیطان کا سینگ ابھی نجد سے نہ نکلا تھا۔ جس نے تعلیم تیمی کی سوتی بلا کو جگایا۔ اور بات بات پر مسلمانوں کو مشرک بتایا۔

---

[۱] اخبار الاخیار مجتبائی۔ حاشیہ ص ۱۵۵

چھٹا باب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے خلقِ عظیم کا بیان

افرادِ انسان میں سے انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین کو مکارمِ اخلاق کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ان کا کام تبلیغ و تزکیہ ہے۔ اسی واسطے بعنایت الٰہی انہیں اول خلقت و فطرت ہی میں محاسنِ اخلاق حاصل تھے جن کا ظہور حسب موقع ان کی عمر شریف میں ہوتا رہا۔ مگر دیگر فضائل کی طرح اس کمال میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیائے کرام علیہم السلام سے ممتاز ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خلقِ عظیم کو آپ کی ذات شریف میں حصر فرمایا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (سورۂ قلم) — اور تحقیق تو بڑے خلق پر پیدا ہوا ہے۔

اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ (موطا امام مالک) — مَیں محاسنِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

انبیائے سابقین علیہم السلام میں سے ہر ایک حسن اخلاق کی ایک نوع سے مختص تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس حسنِ اخلاق کے تمام انواع کی جامع تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیائے سابقین علیہم الصلوات کی سیرت کے اتباع کا حکم دیا۔ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (پس تو ان کی روش کی پیروی کر۔ انعام ع ۱۰)

لہٰذا خصال وکمال وصفات شرف وفضائل جو ان میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے۔ وہ تمام آپ کی ذات شریف میں جمع تھے۔ چنانچہ حلم وسخاوتِ ابراہیم صدق وعدۂ اسمٰعیل۔ شکر داؤد و سلیمان۔ صبر ایوب۔ معجزات قاہرہ موسیٰ۔ مناجات زکریا۔ تضرع یحییٰ۔ دم عیسیٰ وغیرہ سب آپ میں موجود تھے۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات ؎

آنچہ بنازند زاں دلبراں

جملہ تراہست وزیادت بر آں

حضرت سعد بن ہشام بن عامر نے جب حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کی بابت دریافت کیا۔ تو حضرت صدیقہؓ نے جواب میں فرمایا۔ کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ حضرت سعد نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ سن کر حضرت صدیقہ نے فرمایا۔ کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا[1]" کتب سابقہ الہامیہ میں جو آداب وفضائل واوصافِ حمیدہ مذکور تھے۔ قرآن مجید ان سب کا جامع ہے۔ ارشادِ صدیقہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس قدر محامدِ اخلاق مذکور ہیں۔ وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں پائے جاتے تھے۔ غرض دیگر کمالات کی طرح محاسن اخلاق میں بھی آپ کا مرتبہ دیگر انبیائے کرام علیہم التسلیمات سے بڑھا ہوا ہے۔ صاحب قصیدہ بردہ شریف فرماتے ہیں ؎

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ	لے گیا فوق انبیاء پر خَلق میں اور خُلق میں
وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمٖ	کس میں تھا اسکا علم اور کس میں اس کا سا کرم

---

[1] صحیح مسلم۔ باب صلوٰۃ اللیل۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی اور نیا نبی نہ ہوگا اس لئے آپ کے اخلاق و عادات بطریق اسناد نہایت صحت کے ساتھ محفوظ ہیں تاکہ قیامت تک ہر زمانے میں ان کا اقتدار کیا جائے اور ان ہی کو دستور العمل بنایا جائے۔ اس مختصر میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اس لئے ذیل میں چند جزئیات پیش کی جاتی ہیں۔ واللہ الموفق والمعین۔

صبر و حلم و عفو

نبوت کا بوجھ ان اوصاف[1] کے بغیر برداشت نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں کئی جگہ ان اوصاف کا ذکر آیا ہے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (مائدہ۔ع ۳)	پس معاف کر ان سے اور درگزر کر بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔
وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ج (انعام۔ع ۴)	اور البتہ بہت رسول تجھ سے پہلے جھٹلائے گئے پس وہ جھٹلانے اور ایذا پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کو ہماری مدد پہنچی۔
خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ (اعراف۔ اخیر رکوع)	خو پکڑ معاف کرنا۔ اور کہا کر نیک کام کو اور کنارہ کر جاہلوں سے۔

---

[1] مصیبت و ایذا کے وقت اپنے آپ کو روکنا اور متاثر نہ ہونا صبر کہلاتا ہے۔ اپنی طبیعت کو غصہ سے ضبط کرنے کا نام حلم ہے۔ خطا پر مواخذہ نہ کرنے کو عفو کہتے ہیں۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ط — پس تو صبر کر جیسے صبر کرتے رہے اولوالعزم رسول اور شتابی نہ کر ان کے واسطے۔

(احقاف۔ اخیر رکوع)

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○ — تحقیق ابراہیم تھا البتہ دردمند حلم والا۔

(توبہ۔ ع ۱۴)

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے حق کے لئے کبھی انتقام نہ لیا۔ ہاں جب آپ کسی حرمت اللہ کی بےحرمتی دیکھتے۔ تو اللہ کے واسطے اس کا انتقام لیتے[۱]۔

نبوت کے دسویں سال جیسا کہ پہلے آچکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ ثقیف کو دعوت اسلام دینے کے لئے طائف تشریف لے گئے۔ مگر بجائے روبراہ ہوتے کے انہوں نے آپ کو اس قدر اذیت دی کہ نعلین مبارک خون آلودہ ہو گئے۔ جب آپ وہاں سے واپس ہوئے۔ تو راستے میں پہاڑوں کے فرشتے نے حاضر خدمت ہوکر عرض کی۔ یا محمدؐ! آپ جو چاہیں حکم دیں۔ اگر اجازت ہو۔ تو اخشبین کو ان پر الٹ دوں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے بندے پیدا کرے گا۔ جو صرف خدا کی عبادت کرینگے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے[۲]۔

ہجرت سے پہلے مکہ میں کفار نے مسلمانوں کو اس قدر اذیت دی کہ ان کا پیمانۂ

---

[۱] صحیح بخاری باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
[۲] مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب البعث وبدء الوحی۔

صبر لبریز ہو گیا۔ چنانچہ حضرت خباب بن الارث بیان کرتے ہیں۔ کہ ہمیں مشرکین سے شدت و سختی پہنچی۔ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سر مبارک کے نیچے چادر رکھ کر کعبہ کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے۔ مَیں نے عرض کیا۔ آپ مشرکین پر بد دعا کیوں نہیں کرتے؟ یہ سُن کر آپ اٹھ بیٹھے۔ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا تھا۔ فرمایا۔ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں۔ ان پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں۔ جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا۔ اور ان کے سر پر آرے رکھے جاتے اور چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ مگر یہ اذیتیں ان کو دین سے برگشتہ نہ کر سکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو کمال تک پہنچائے گا۔ یہاں تک کہ ایک سوار صنعار سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔[1]

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر (رمضان ۲ھ) سے واپس تشریف لائے تو راستے میں مقام صفرا میں آپ کے حکم سے حضرت علی مرتضیٰ نے نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی کو قتل کر ڈالا۔ نضر مذکور ان امرائے قریش میں سے تھا۔ جن کا شغل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کرنا تھا۔ اسی نضر کی بیٹی قتیلہ نے جو بعد میں اسلام لائی اپنے باپ کا مرثیہ لکھا جس کے اخیر میں یہ شعر ہیں۔

امحمد ولانت ابن نجیبۃ	اے محمد! بیشک آپ اس ماں کے بیٹے ہیں
من قومھا والفحل فحلٌ معرق	جو اپنی قوم میں شریف ہے اور آپ شریف اصل والے مرد ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری۔ باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ۔

ماکان ضرّک لو مننت وربما	آپ کا کچھ نہ بگڑتا تھا اگر آپ احسان کرتے اور بعض وقت
من الفتیٰ وھوالمغیظ المحنق	جوان احسان کرتا ہے۔ حالانکہ وہ غضبناک اور نہایت خشمناک ہوتا ہے۔
والنضر اقرب من اسرت قرابۃً	اور نضر آپ کے تمام قیدیوں میں قرابت میں سب سے زیادہ
واحق ان کان عتق یعتق	قریب تھا اور آزادی کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر ایسی آزادی پائی جائے کہ جس سے آزاد کیا جائے۔

جب یہ شعر حضور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ تو ان کو پڑھ کر آپ اتنا روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔[1] اور فرمایا۔ کہ اگر یہ اشعار نضر کے قتل سے پہلے میرے پاس پہنچ جاتے۔ تو میں ضرور اسے قتیلہ کے حوالہ کر دیتا۔

جنگِ بدر کے کچھ دن بعد ایک روز عمیر بن وہب بن خلف قرشی جمحی اور صفوان بن امیہ بن خلف قرشی جمحی خانہ کعبہ میں حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عمیر مذکور شیاطین قریش میں سے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو اذیت دیا کرتا تھا۔ اس کا بیٹا وہب بن عمیر اسیرانِ جنگ میں تھا۔ عمیر و صفوان کے درمیان یوں گفتگو ہوئی :۔

عمیر۔ بدر میں ہمارے ساتھیوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں ظالموں نے کس بے رحمی سے ان کو گڑھے میں پھینک دیا۔

صفوان۔ اللہ کی قسم ان کے بعد اب زندگی کا لطف نہ رہا۔

---

[1] استیعاب لابن عبدالبر۔ ترجمہ قتیلہ بنت نضر۔

عمیر۔ اللہ کی قسم! تو نے سچ کہا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا جسے میں ادا نہیں کر سکتا اور عیال نہ ہوتا جس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو میں سوار ہو کر محمد کو قتل کرنے جاتا۔ کیونکہ اب تو ایک بہانہ بھی ہے کہ میرا بیٹا ان کے ہاتھ میں گرفتار ہے۔

صفوان۔ آپ کا قرض میں ادا کر دیتا ہوں۔ آپ کا عیال میرے عیال کے ساتھ رہے گا۔ میں آپ کے بال بچوں کا متکفل ہوں جب تک وہ زندہ ہیں۔

عمیر۔ بس میرے اور آپ کے درمیان۔

صفوان۔ بسر و چشم (عمیر کی روانگی کے بعد لوگوں سے) تم شاد ہو کہ چند روز میں تمہارے پاس ایک واقعہ کی خبر آئے گی۔ جس سے تم جنگ بدر کی سب مصیبتیں بھول جاؤ گے۔

(عمیر زہر میں بجھی ہوئی تیز تلوار لیکر مدینہ میں آتا ہے۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضؓ مسلمانوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے جنگِ بدر میں مسلمانوں پر خدا کی عنایات کا ذکر کر رہے ہیں۔ عمیر تلوار آڑے لٹکائے ہوئے اپنی اونٹنی کو مسجد کے دروازے میں بٹھا دیتا ہے)

عمر فاروق (عمیر کو دیکھ کر) یہ کُتا دشمنِ خدا عمیر کسی شرارت کے لئے آیا ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُسے میرے پاس لاؤ (عمیر سے) آگے آؤ۔

عمیر۔ آپ کی صبح بخیر ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عمیر! تو نے جاہلیت کا تحیہ کہا۔ مگر اللہ عز و جل نے ہمیں تیرے تحیہ سے بہتر عطا فرمایا ہے۔ اور وہ سلام ہے جو اہل بہشت کا تحیہ ہے

عمیر۔ یا محمد! اللہ کی قسم! یہ تحیہ آپ کو تھوڑے دنوں سے ملا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عمیر! کیونکر آنا ہوا؟

عمیر۔ اپنے بیٹے کے لئے جو آپ کے پاس اسیرانِ جنگ میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر گلے میں تلوار آڑے کیوں لٹکائی ہے؟

عمیر۔ خدا ان تلواروں کا برا کرے۔ انہوں نے ہمیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سچ بتاؤ کس لئے آئے ہو؟

عمیر۔ فقط اپنے بیٹے کے لئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نہیں بلکہ تو اور صفوان دونوں حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تو نے مقتولینِ بدر کا ذکر کیا جو گڑھے میں پھینکے گئے۔ پھر تو نے کہا کہ اگر مجھ پر قرض اور بارِ عیال نہ ہوتا تو مَیں محمد کو قتل کرنے نکلتا۔ یہ سن کر صفوان نے بارِ قرض و عیال اپنے ذمہ لیا۔ بدیں غرض کہ تو مجھے قتل کر دے۔ مگر اللہ تیرے اور اس غرض کے درمیان حائل ہے۔

عمیر۔ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ یا رسول اللہ! ہم اس آسمانی وحی کو جو آپ پر نازل ہوتی تھی جھٹلا دیا کرتے تھے۔ آپ نے جو بات بتلائی۔ وہ میرے اور صفوان کے سوا کسی کو معلوم نہ تھی۔ اللہ کی قسم! مَیں خوب جانتا ہوں کہ خدا کے سوا آپ کو کسی نے نہیں بتائی۔ حمد ہے۔ اللہ کی جس نے مجھے اسلام کی توفیق بخشی۔ اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمداً عبده ورسوله۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے اصحاب سے) تم اپنے بھائی عمیر کو مسائل دینی سکھاؤ

اور قرآن پڑھاؤ۔ اور اس کے بیٹے کو بھی چھوڑ دو۔[1]

حضرت رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں۔ کہ غزوۂ انمار (ربیع الاول ۳ھ) میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر اعراب پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔ غطفان نے دعثور بن حارث کو جو ان کا سردار تھا کہا۔ کہ محمد اس وقت اپنے اصحاب سے علیحدہ ہے۔ تمہیں ایسا موقع نہ ملے گا۔ دعثور تیز تلوار لیکر اتر آیا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے ہیں۔ وہ تلوار کھینچ کر آپ کے سر پر آ کھڑا ہوا۔ آپ بیدار ہوئے تو کہنے لگا۔ "تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟" آپ نے فرمایا۔ اللہ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے ہٹا دیا اور وہ گر پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار لے کر کہا۔ "تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟" وہ بولا۔ کوئی نہیں۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ تعرض نہ کیا۔ اور وہ ایمان لے آیا۔[2]

غزوۂ احد (شوال ۳ھ) میں کفار نے آپ کا دانت مبارک شہید کر دیا۔ اور سر اور پیشانی مبارک بھی زخمی کر دی۔ اس حالت میں آپ کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے۔[3]

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ	خدایا میری قوم کا یہ گناہ معاف کر دے۔
لَا یَعْلَمُوْنَ ۝	کیونکہ وہ نہیں جانتے۔

۱ے سیرت ابن ہشام۔

۲ے اصابہ بحوالہ واقدی۔ ترجمہ دعثور بن حارث غطفانی۔

۳ے مواہب لدنیہ و شفا شریف۔

حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے۔ کہ غزوہ نجد (غزوہ ذات الرقاع جمادی الاولیٰ[1] ۴ھ) میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ واپس آتے ہوئے ایک گھنے جنگل میں آپ کو دوپہر ہوگئی۔ آپ ایک درخت کے سایہ میں اترے۔ اور اپنی تلوار اس درخت سے لٹکا دی۔ اور آپ کے اصحاب بھی ایک ایک کر کے درختوں کے سایہ میں اتر پڑے۔ اسی اثنا میں آپ نے ہمیں آواز دی۔ ہم حاضر ہوئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدو آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا۔ اس نے آکر میری تلوار کھینچ لی۔ میں بیدار ہوا۔ تو یہ تلوار کھینچے میرے سر پر کھڑا تھا۔ کہنے لگا۔ "تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟" میں نے کہا۔ اللہ۔ یہ سن کر اس نے تلوار نیام میں کر لی۔ آپ نے اس کو کچھ سزا نہ دی۔ اس اعرابی کا نام غورث بن حارث تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں۔ کہ ایک غزوہ (غزوہ مریسیع شعبان ۵ھ) میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ایک مہاجر نے ایک انصاری کے تھپڑ مارا۔ انصاری نے انصار اور مہاجر نے مہاجرین کو مدد کے لئے پکارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا۔ تو پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ جب سارا ماجرا عرض کیا گیا تو فرمایا کہ یہ دعویٰ جاہلیت اچھا نہیں۔ اس طرح رفع فساد ہو گیا۔ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی خزرجی نے سنا۔ تو کہنے لگا۔ کہ اگر ہم اس سفر سے مدینہ میں پہنچ گئے۔ تو جس کا اس شہر میں زور ہے۔ وہ بے قدر شخص کو نکال دے گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ!

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد و کتاب المغازی۔

آپ مجھے اجازت دیں۔ کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ مگر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے جانے دو۔ کیونکہ لوگ یہی کہیں گے کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے[1]۔ جائے غور ہے کہ آپ کا یہ سلوک اس شخص کے ساتھ ہے جو عمر بھر منافق رہا جس نے آپ کو اذل بتایا۔ جو جنگِ احد میں عین موقع پر تین سو کی جمعیت لے کر راستہ میں سے واپس آگیا۔ اور ہمیشہ آپ کی مخالفت و توہین میں سرگرم رہا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ مریسیع سے واپس ہوئے۔ تو راستے میں واقعہ افک پیش آیا جس کا بانی یہی رأس المنافقین تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا۔ مگر معاملہ گھر کا تھا۔ اس لئے فیصلہ خدا پر چھوڑا۔ تاکہ منافقین کو چون و چرا کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی تکذیب اپنے کلام پاک میں کر دی۔ بایں ہمہ جب یہ منافق مرا۔ تو آپ کو نماز جنازہ کے لئے بلایا گیا جب آپ اس پر نماز پڑھنے لگے۔ تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ ابن ابی پر نماز پڑھتے ہیں جس نے فلاں فلاں روز ایسا ایسا کہا۔ اس پر آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ عمر! ہٹو۔ جب اصرار کیا۔ تو فرمایا کہ استغفار و عدم استغفار کا مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستر سے زیادہ بار استغفار سے اسکی مغفرت ہو سکتی ہے تو میں ویسا ہی کرتا۔ جب آپ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے۔ تو آیندہ کے لئے حکم ممانعت نازل ہوا[2]۔

فرات بن حیان جو انصار میں سے ایک شخص کا حلیف تھا۔ ابو سفیان کی

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ اذا جاءک المنافقون۔

[2] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ما یکرہ من الصلوٰۃ علی المنافقین۔

طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی پر مامور تھا۔ غزوہ خندق (ذیقعدہ ۵ھ) میں وہ جاسوسی کرتا ہوا پکڑا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ لوگ اس کو پکڑ کر لے چلے۔ راستے میں اس کا گزر انصار کے ایک حلقہ پر ہوا تو کہنے لگا۔ کہ میں مسلمان ہوں۔ ایک انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ کہ فرات کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جن کو ہم ان کے ایمان پر چھوڑتے ہیں۔ ان میں سے ایک فرات ہے۔ حضرت فرات بعد میں صدق دل سے ایمان لائے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمامہ میں ایک قطعہ زمین عطا فرمائی جس کی آمدنی چار ہزار دو سو تھی[1]۔

ثمامہ بن آثال الیمامی جو اہل یمامہ کا سردار تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے دعا فرمائی تھی کہ خدایا اس کو میرے قابو میں کر دے۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سواروں کا ایک دستہ نجد کی طرف بھیجا۔ وہ بنو حنیفہ میں سے ایک شخص ثمامہ بن آثال کو پکڑ لائے۔ اور اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف نکلے۔ تو پوچھا ثمامہ! کیا کہتے ہو؟ ثمامہ نے کہا۔ یا محمد! اگر آپ مجھے قتل کرینگے۔ تو ایک خونی کو قتل کریں گے۔ اور اگر احسان کرینگے۔ تو ایک شکر گذار پر احسان کریں گے۔ اگر آپ زر فدیہ چاہتے ہیں۔ تو جس قدر مانگیں دے دونگا۔ آپ نے یہ سُن کر کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے روز بھی یہی گفتگو ہوئی۔ تیسرے روز آپ نے اس کا وہی جواب سن کر حکم دیا کہ ثمامہ کو کھول دو۔ یہ عنایت دیکھ کر اس نے مسجد کے قریب ایک درخت

---

[1] ابوداؤد۔ کتاب الجہاد۔ باب فی الجاسوس الذمی اصابہ ترجمہ ابن حیان۔

کی آڑ میں غسل کیا اور مسجد میں آکر کلمہ شہادت پڑھا۔ اور کہنے لگا۔ اے محمد! خدا کی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا اب وہی چہرہ میرے نزدیک سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی دین میرے نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی شہر میرے نزدیک سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے[1]۔ وفاء الوفا میں ہے کہ حضرت ثمامہ کی گرفتاری شروع سنہ ۶ھ میں ہوئی۔

حضرت انس روایت کرتے ہیں[2]۔ کہ اہل مکہ میں سے اسّی مرد کوہ تنعیم[3] سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپڑے۔ وہ ہتھیار لگائے ہوئے تھے اور چاہتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو غافل پائیں۔ آپ نے ان کو لڑائی کے بغیر پکڑ لیا۔ اور زندہ رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو چھوڑ دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

وَهُوَ الَّذِی کَفَّ اَیۡدِیَهُمۡ عَنۡکُمۡ	اور خدا وہ ہے جس نے مکہ کے نواح
وَاَیۡدِیَکُمۡ عَنۡهُمۡ بِبَطۡنِ مَکَّةَ	میں ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے
(فتح۔ ع ۳)	ہاتھوں کو ان سے باز رکھا۔

یہ واقعہ قضیہ حدیبیہ (ذیقعدہ سنہ ۶ھ) میں ہوا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب وفد بنی حنیفہ۔
[2] مشکوٰۃ۔ بحوالہ صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب حکم الاسراء۔
[3] مکہ مشرفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مشہور مقام ہے۔ جہاں سے عمرہ بجا لاتے ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ) سے واپس تشریف لائے تو ایک روز سلام بن مشکم یہودی کی زوجہ زینب بنت حارث نے بکری کا گوشت بھون کر زہر آلود کر کے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا۔ جسے آپ نے اور آپ کے چند اصحاب نے کھایا۔ باوجود اعتراف کے آپ نے اس یہودیہ کو اپنی طرف سے معاف کر دیا۔ مگر جب اس کے سبب سے ایک صحابی نے انتقال فرمایا۔ تو قصاص میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اسی سال ماہ محرم ہی میں لبید بن اعصم یہودی منافق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جادو کر دیا۔ معلوم ہو جانے پر آپ نے اس سے بھی کچھ تعرض نہ فرمایا۔[۲]

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ میری ماں مشرکہ تھیں۔ میں ان کو دعوت اسلام دیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان کو دعوتِ اسلام دی۔ تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مجھے مکروہ الفاظ سنائے میں روتا ہوا آپ کی خدمتِ اقدس میں گیا اور واقعہ عرض کر کے دعائے ہدایت کی درخواست کی۔ آپ نے یوں دعا فرمائی۔ "خدایا ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے"۔ میں اس دعا سے خوش ہو کر گھر آیا۔ تو دیکھا کہ کواڑ بند ہیں۔ میری ماں نے میرے قدم کی آہٹ سن کر کہا: ابوہریرہ! یہیں ٹھیرو۔ میں نے پانی کی آواز سنی۔ انہوں نے غسل کر کے جلدی کپڑے پہنے اور دروازہ کھولتے ہی کلمۂ شہادت پڑھا۔[۳]

۱ھ وفاء الوفاء جزء اول صفحہ ۲۲۵۔ جزء ثانی صہ ۲۵۲

۲ھ صحیح بخاری۔ کتاب الطب۔ باب ہل یستخرج السحر۔

۳ھ صحیح مسلم۔ باب من فضائل ابی ہریرۃ۔

جن دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ (رمضان ۸ھ) کے لئے پوشیدہ تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے بغرضِ اطلاع قریش ایک خط لکھا اور ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا۔ وہ خط راستے میں پکڑا گیا۔ باوجود ایسے سنگین جرم کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب کو معاف کر دیا۔ اور اس عورت سے بھی کسی قسم کا تعرض نہ کیا۔

ابو سفیان بن حرب جو اسلام لانے سے پہلے غزوۂ احد و غزوۂ احزاب میں رأس المشرکین تھے۔ غزوۂ فتح میں مقام مرالظہران میں مسلمانوں کی جاسوسی کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ حضرت عباس ان کو لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ابو سفیان سے مروت سے پیش آئے اور وہ اسلام لائے۔

قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مذمّم کہہ کر گالیاں دیا کرتے تھے۔ مگر آپ فرمایا کرتے "کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ قریش کی دشنام و لعنت کو کس طرح مجھ سے باز رکھتا ہے۔ وہ مذمّم کہہ کر گالیاں دیتے اور لعنت کرتے ہیں۔ حالانکہ مَیں محمد ہوں[۱]"۔

اعلانِ دعوت سے ساڑھے سترہ سال تک قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو جو جو اذیتیں دیں۔ ان کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں۔ فتح مکہ کے دن وہی قریش مسجد حرام میں نہایت خوف و بیقراری کی حالت میں آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ آپ ان اذیتوں کا ذکر تک زبانِ مبارک پر نہیں لاتے اور یہ حکم سناتے ہیں۔ اذہبوا فانتم الطلقاء (جاؤ تم آزاد ہو) اس عالی حوصلگی

---

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

گی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ اس عفوِ عام کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جنگِ حنین میں دو ہزار طلقاء لشکرِ اسلام میں شامل تھے۔

ہند بنت عتبہ (زوجۂ ابوسفیان بن حرب) جو حضرت امیر حمزہ رضؓ کا کلیجہ چبا گئی تھیں فتح مکہ کے دن نقاب پوش ہو کر ایمان لائیں۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہچان نہ لیں۔ بیعت کے موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ رہیں۔ ایمان لا کر نقاب اٹھا دیا اور کہنے لگیں کہ میں ہند بنت عتبہ ہوں مگر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی امر کا ذکر تک نہ کیا۔ یہ دیکھ کر ہند نے کہا "یا رسول اللہ! روئے زمین پر کوئی اہلِ خیمہ میری نگاہ میں آپ کے اہلِ خیمہ سے زیادہ مبغوض نہ تھے۔ لیکن آج میری نگاہ میں روئے زمین پر کوئی اہلِ خیمہ آپ کے اہلِ خیمہ سے زیادہ محبوب نہیں رہے"[1]

عکرمہ بن ابی جہل قرشی مخزومی اپنے باپ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن وہ بھاگ کر یمن چلے گئے۔ ان کی بیوی جو مسلمان ہو چکی تھی وہاں پہنچی۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر صلۂ رحم اور احسان کرنے والے ہیں۔ غرض وہ عکرمہ کو بارگاہِ رسالت میں لائی۔ عکرمہ نے آپ کو سلام کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور ایسی جلدی سے ان کی طرف بڑھے کہ چادر مبارک گر پڑی اور فرمایا۔[2]

مرحبا بالراکب المھاجر   ہجرت کرنے والے سوار کو آنا مبارک ہو

---

[1] صحیح بخاری۔ باب ذکر ہند بنت عتبہ۔

[2] اصابہ۔ سیرت حلبیہ۔

صفوان بن امیہ جاہلیت میں اشرافِ قریش میں سے تھے۔ اور اسلام کے سخت دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن بھاگ گئے تھے۔ حضرت عمیر بن وہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ صفوان میری قوم کے سردار ہیں۔ وہ بھاگ گئے ہیں تاکہ اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیں۔ احمر و اسود کو آپ نے امان دی ہے۔ ان کو بھی امان دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ تو اپنے چچیرے بھائی کو لے آ۔ اسے امان ہے حضرت عمیر نے عرض کیا کہ امان کی کوئی نشانی چاہیئے۔ جو میں اسے دکھادوں۔ آپ نے اپنا عمامہ جو فتح مکہ کے دن پہنے ہوئے تھے عطا فرمایا۔ صفوان جدہ میں جہاز پر سوار ہونے کو تھے۔ کہ حضرت عمیر جا پہنچے۔ اور ان کو مژدۂ امان سنایا صفوان نے کہا مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت عمیر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم و کرم اس سے برتر ہے۔ غرض صفوان حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ اور عرض کیا کہ یہ عمیر کہتا ہے کہ آپ نے مجھے امان دی ہے۔ آپ نے فرمایا عمیر سچ کہتا ہے یہ سن کر صفوان نے کہا۔ یا رسول اللہ! دو ماہ کی مہلت دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے چار ماہ کی مہلت ہے[1]۔ حضرت صفوان غزوۂ طائف کے بعد برغبت و رضا ایمان لائے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محاصرۂ طائف (شوال ۸ھ) سے واپس آنے لگے۔ تو صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ کہ آپ ثقیف پر بددعا فرمائیں۔ مگر آپ نے یوں دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا (خدایا ثقیف کو ہدایت دے) چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی۔ اور ثقیف ۹ھ میں ایمان لائے۔

---

[1] سیرت حلبیہ۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ میں غنائم حنین تقسیم فرمائیں۔ تو ایک منافق انصاری نے کہا کہ اس تقسیم سے رضائے خدا مطلوب نہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ ماجرا آپ سے عرض کیا تو فرمایا۔ ”خدا موسیٰ پر رحم کرے۔ ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی۔ پس صبر کیا“[1]

جب ابوالعاص بن ربیع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب کو مکہ سے مدینہ بھیجا۔ تو راستے میں چند سفہائے قریش نے مزاحمت کی ان میں سے ہبار بن اسود قریشی اسدی نے حضرت زینب کو اونٹ سے گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں۔ پتھر پر گریں حمل ساقط ہو گیا اور ان کو سخت چوٹ آئی۔ اور اسی میں جاں بحق ہوئیں۔ فتح مکہ کے دن ہبار مذکور واجب القتل اشتہاریوں میں تھا۔ وہ مکہ سے بھاگ گیا۔ اور چاہتا تھا کہ ایران چلا جائے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ اور یوں عرض کرنے لگا۔ ”یا نبی اللہ! میں آپ کے ہاں سے بھاگ کر شہروں میں پھرتا رہا۔ میرا ارادہ تھا کہ ایران چلا جاؤں۔ پھر مجھے آپ کی نفع رسانی، صلہ رحمی اور عفو و کرم یاد آئے۔ مجھے اپنی خطا و گناہ کا اعتراف ہے۔ آپ درگزر فرمائیں۔“ یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ ”میں نے تجھے معاف کر دیا“[2]

کعب بن زہیر اور ان کے بھائی بجیر ابرق عزاف میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ بجیر نے کعب سے کہا۔ ”تم یہاں ٹھہرو میں اس مدعیٔ نبوت کے پاس جاتا ہوں تاکہ

---

[1] صحیح بخاری۔ باب غزوۃ الطائف۔

[2] اصابہ۔ ترجمہ ہبار بن اسود۔

دیکھوں وہ کیا کہتا ہے"۔ بجیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپکا کلام سن کر مسلمان ہو گئے۔ کعب کو یہ خبر لگی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اور اسلام کی توہین میں یہ اشعار بجیر کو لکھ بھیجے۔

الا ابلغا عنی بجیرا رسالۃ — آگاہ رہو میری طرف سے بجیر کو یہ پیغام پہنچا دو

فھل لك فیما قلت ویحك ھل لکا — کہ کیا تو نے دل سے کلمہ شہادت پڑھ لیا ہے۔ تجھ پر افسوس! کیا تو نے دل ہی کلمہ پڑھ لیا ہے

سقاك ابوبکر بکاس رویۃ — ابوبکر نے تجھے سیراب کرنے والا پیالہ پلا دیا۔

فانھلك المامون منھا وعلکا — اور امین (حضرت محمد) نے تجھے اس پیالہ کی پہلی بار اور دوسری بار پلا دیا۔

ففارقت اسباب الھدیٰ واتبعتہ — اس لئے تو اسباب ہدایت چھوڑ کر اسکا پیرو بن گیا۔

علیٰ ای شیء ویب غیرك دلکا — اس نے تجھے کیا بتایا تو اوروں کی طرح ہلاک ہو گیا۔

علیٰ خلق لم تلف اُمًّا ولا ابا — اس نے ایسا مذہب بتایا جس پر تو نے اپنے ماں باپ کو نہ پایا۔

علیہ ولم تعرف علیہ اخا لکا — اور نہ اپنے بھائی کو اس پر دیکھا۔

فان انت لم تفعل فلست باسف — اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا تو میں تجھ پر تاسف نہ کروں گا۔

ولا قائل اما عثرت لعا لکا — اور تو ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ تو میں دعا نہ کرونگا کہ تو اٹھ کر کھڑا ہو جائے۔

حضرت بجیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ماجرا عرض کر دیا۔ آپ نے کعب کا خون ہدر فرما دیا۔ پھر حضرت بجیر نے کعب کو اطلاع دی اور ترغیب دی کہ حاضر

خدمتِ اقدس ہو کر معافی مانگیں۔ چنانچہ وہ ۹؁ھ میں غزوۂ تبوک سے پہلے حاضرِ خدمت ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں اپنے اصحاب میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کعب سے واقف نہ تھے۔ کعب نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر عرض کیا۔ یارسول اللہ! کعب بن زہیر مسلمان ہو کر امان طلب کرتا ہے۔ اجازت ہو تو میں اسے آپ کے پاس لے آؤں۔ آپ نے اجازت دی۔ پھر کعب نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! کعب میں ہی ہوں۔ بعد ازاں اسلام لاکر انہوں نے اپنا قصیدہ پڑھا جس میں اشعار توطیہ کے بعد یہ شعر ہے۔

اُنْبِئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْعَدَنِیْ	مجھے خبر دی گئی ہے کہ بارگاہِ رسالت سے میری
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَاْمُوْلُ	نسبت وعیدِ قتل صادر ہوئی ہے۔
	حالانکہ رسول اللہ سے عفو کی امید کی جاتی ہے

اس قصیدہ سے خوش ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب کو اپنی چادر (بردہ) عطا فرمائی۔ اور ان کی گذشتہ خطا کا ایک حرف بھی زبان پہ نہ لائے۔[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہؓ کا قاتل وحشی حبشی غلام سفیان بن حرب جنگِ اُحد کے بعد مکہ میں رہا کرتا تھا۔ جب مکہ میں اسلام پھیلا۔ تو وہ بھاگ کر طائف چلا گیا۔ پھر وفدِ طائف کے ساتھ ماہ رمضان ۹؁ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ایمان لایا۔ آپ نے ان سے صرف اتنا فرمایا کہ مجھے اپنا چہرہ نہ دکھایا کرو۔[۲]

۱؎ اصابہ وغیرہ۔
۲؎ صحیح بخاری۔ باب قتلِ حمزہؓ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فاحش تھے اور نہ متفحش۔ اور نہ بازار میں شور کرنے والے تھے۔ آپ بدی کا بدلہ بدی سے نہ دیا کرتے تھے بلکہ معاف کر دیتے اور در گزر فرماتے۔[۲]

اب ہم چند متفرق مثالیں اور پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اسے مار پیٹ کرنے کے لئے اٹھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اسے جانے دو۔ اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہادو۔ کیونکہ تم نرم گیر بنا کر بھیجے گئے ہو۔ سخت گیر بنا کر نہیں بھیجے گئے۔"[۳]

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ سخت حاشیہ والی نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک بدو آپ کے پاس آیا۔ اُس نے آپ کی چادر کے ساتھ آپکو ایسا سخت کھینچا کہ چادر پھٹ گئی۔ آپ کی گردن مبارک کو جو میں نے دیکھا۔ اس میں چادر کے حاشیہ نے اثر کیا ہوا تھا۔ پھر اس بدو نے کہا۔ "اے محمد! آپ کے پاس جو خدا کا مال ہے اس میں میرے واسطے حکم کیجئے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر ہنس کے اس کے لئے بخشش کا حکم دیا۔[۴]

۱ے فاحش کے معنی ہیں کلام میں بالطبع فحش کرنے والا۔ اور متفحش کے معنی بتکلف فحش کرنے والا ہیں۔

۲ے شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳ے صحیح بخاری۔ باب الادب۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسّروا ولا تعسّروا۔

۴ے صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب التبسم والضحک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خطا بخشی کا یہ عالم تھا۔ کہ حسب بیان حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ نے کبھی کسی عورت یا خادم کو اپنے دستِ مبارک سے نہیں مارا۔[1]

حضرت زیدؓ بن سعنہ جو احبار یہود میں سے تھے۔ اپنے اسلام لانے کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے تورات میں نبیؐ آخر الزماں کی نبوت کی جو علامات پڑھی تھیں۔ وہ سب میں نے روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی پہچان لیں۔ صرف دو خصلتیں ایسی تھیں جن کا آزمانا باقی رہا۔ یعنی آپ کا حلم آپ کے غضب پر سبقت لے جاتا ہے۔ اور دوسرے کی شدت جہالت و ایذا آپ کے حلم کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔ ان دونوں کی آزمائش کے لئے میں موقع کا منتظر تھا اور آپ سے تلطف سے پیش آتا تھا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولتخانہ سے نکلے۔ آپ کے ساتھ حضرت علیؓ بن ابی طالب تھے۔ ایک سوار جو بظاہر کوئی بادیہ نشین تھا۔ آپ کی خدمت میں آیا۔ اور یوں عرض کرنے لگا۔ "یا رسول اللہ! فلاں قبیلے کے لوگ ایمان لائے ہیں۔ میں ان سے کہا کرتا تھا۔ کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ۔ تو تمہیں رزق بکثرت ملے گا۔ اب ان کے ہاں امساک باراں اور قحط ہے۔ یا رسول اللہ! مجھے اندیشہ ہے۔ کہیں وہ طمع کے سبب سے اسلام سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ کیونکہ طمع کے لئے ہی وہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ اگر آپ کی رائے مبارک ہو۔ تو کچھ ان کی دستگیری فرمائیے۔" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلو میں ایک شخص (جو میرے گمان میں حضرت علیؓ تھے) کی طرف دیکھا۔ اس نے عرض کیا کہ اس میں سے تو کچھ باقی نہیں رہا۔ یہ دیکھ کر میں آگے بڑھا

---

[1] ابو داؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی التجاوز۔

اور آپ سے کھجوروں کی میعاد معین میعاد معلوم پر خرید کی۔ اور اس کی قیمت اسّی مثقال سونا اپنی ہمیان سے نکال کر پیشتر دیدی۔ آپ نے وہ اسّی مثقال اس سوار کو دے دیئے اور فرمایا کہ جلدی جاؤ اور اس قبیلے کے لوگوں میں اسے تقسیم کر دو۔ جب میعاد ختم ہونے میں دو تین دن باقی رہ گئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے جنازے کے ساتھ نکلے۔ آپ کے ہمراہ منجملہ دیگر اصحاب حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ تھے۔ جب آپ نماز جنازہ سے فارغ ہوئے۔ اور بیٹھنے کے لئے ایک دیوار کے قریب پہنچے۔ تو میں نے آگے بڑھ کر آپکی قمیص اور چادر کے دامن پکڑ لئے۔ اور تند نگاہ سے آپ کی طرف دیکھ کر یوں کہا۔ "اے محمد! کیا تو میرا حق ادا نہیں کرتا۔ اے عبد المطلب کے خاندان والو! قسم بخدا تم ادائے حق سے گریز کرنے کے لئے حیلے حوالے کیا کرتے ہو" حضرت عمرؓ نے تیز نگاہ سے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "او دشمنِ خدا! کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتا ہے جو میں سن رہا ہوں۔ اور آپ کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے۔ اگر مجھے مسلمانوں اور تیری قوم کے درمیان صلح کے فوت ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا۔ تو اپنی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام و آہستگی اور تبسم کی حالت میں حضرت عمرؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ "عمرؓ! مجھے اور اسے بجائے اس سختی کے اس بات کی زیادہ ضرورت تھی۔ کہ تم مجھے حسن ادائے حق اور اسے حسن تقاضا کا امر کرتے۔ اے عمرؓ! اس کو لے جاؤ۔ اور اس کا حق ادا کر دو۔ اور اسے جو تم نے دھمکایا ہے۔ اس کے عوض بیس صاع کھجوریں اور دے دو" حضرت عمرؓ مجھے اپنے ساتھ لے گئے

اور میرا حق ادا کر دیا۔ اور بیس صاع کھجوریں علاوہ دیں۔ مَیں نے پوچھا کہ یہ زائد کیسی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کا جواب دیا۔ پھر مَیں نے کہا۔ عمرؓ! کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ جواب دیا کہ نہیں۔ مَیں نے کہا۔ کہ مَیں زید بن سعنہ ہوں۔ فرمایا۔ وہی زید جو یہودیوں کا عالم ہے؟ مَیں نے کہا۔ ہاں۔ پھر پوچھا کہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ مَیں نے کہا۔ اے عمرؓ! جس وقت مَیں نے روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ وہ تمام علامات جو مَیں تورات میں پڑھا کرتا تھا موجود پائیں۔ ان میں سے صرف دو علامتیں باقی تھیں جو مَیں نے اب آزما لیں "اے عمرؓ! مَیں تجھ کو گواہ بناتا ہوں کہ مَیں اللہ کو اپنا پروردگار اور اسلام کو اپنا دین اور محمدؐ کو اپنا پیغمبر ماننے پر راضی ہو گیا۔ اور مَیں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میرا آدھا مال امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقہ ہے"۔ پھر حضرت عمرؓ اور زید دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت زید نے بارگاہِ رسالت میں اظہار اسلام کیا[1]۔ اسلام لانے کے بعد حضرت زید بن سعنہ بہت سے غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ اور غزوۂ تبوک میں دشمن کی طرف بڑھتے ہوئے شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شفقت و رحمت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

---

[1] دلائل النبوۃ للحافظ ابی نعیم۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر رحمت بنا کر سارے جہان کے لئے۔ (انبیار-ع ۷)

اس لئے تمام مخلوقات آپ کی رحمت سے بہرہ ور ہے جیسا کہ ذیل کے مختصر بیان سے واضح ہو گا۔

امت پر شفقت و رحمت

اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں یوں فرماتا ہے:۔

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ البتہ تحقیق تمہارے میں کا ایک پیغمبر تمہارے پاس آیا ہے۔ تمہاری تکلیف اس پر شاق گزرتی ہے۔ اس کو تمہاری ہدایت و صلاح کی حرص ہے وہ ایمان والوں پر شفقت رکھنے والا اور مہربان ہے (توبہ۔ اخیر رکوع)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ میں ذکر کر دیا کہ امت کی تکلیف ان پر شاق گذرتی ہے۔ ان کو شب و روز یہی خواہش دامنگیر ہے کہ امت راہ راست پر آجائے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ آپ نے امت کی ہدایت و بہبودی کے لئے کیا کیا مصیبتیں جھیلیں۔ سخت سے سخت مصیبت میں بھی آپ نے بد دعا نہ فرمائی بلکہ ہدایت کی دعا کی۔ ایمان والوں پر آپ کی شفقت و رحمت ظاہر ہے۔ اسی واسطے آپ نے کسی مقام پر امت کو فراموش نہیں فرمایا۔ بغرض توضیح چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

جس روز آندھی یا آسمان پر بادل ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

چہرۂ مبارک میں غم و فکر کے آثار نمایاں ہوتے۔ اور آپ کبھی آگے بڑھتے اور کبھی پیچھے ہٹتے۔ جب بارش ہو جاتی۔ تو آپ خوش ہوتے اور حالت غم جاتی رہتی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ کہ میں ڈرتا ہوں کہ مبادا (قوم عاد کی طرح) یہ عذاب ہو جو میری امت پر مسلط کیا گیا ہو[1]۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی:۔

اَللّٰهُمَّ مَنْ وُّلِّیَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِیْ	خدایا جو شخص میری امت کے کسی کام کا
شَیْئًا فَشَقَّ عَلَیْهِمْ فَاشْقُقْ	والی و متصرف بنایا جائے پس وہ ان کو
عَلَیْهِ وَمَنْ وُّلِّیَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِیْ	مشقت میں ڈالے تو اس والی کو مشقت
شَیْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهٖ[2]	میں ڈال اور جو شخص میری امت کے کسی

کام کا والی بنایا جائے پس وہ ان کے ساتھ نرمی کرے تو اس والی کیساتھ نرمی کر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا اس قدر شوق تھا کہ آپ چاہتے تھے کہ میں بار بار شہید ہو کر زندہ ہوتا رہوں۔ مگر چونکہ امت میں سے ہر ایک پر واجب تھا کہ جہاد میں آپ کے ساتھ نکلے بفحوائے آیۂ ذیل:۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَمَنْ	نہ چاہیئے مدینہ کے رہنے والوں کو اور
حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ	ان اعراب کو جو ان کے گرد ہیں کہ پیچھے
یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ	رہ جائیں رسول خدا سے، اور نہ یہ کہ رسول

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب صلوٰۃ الاستسقاء۔

[2] مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ کتاب الامارۃ والقضاء۔

لَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِھِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ (توبہ ع ۱۵) کی جان سے اپنی جان کو زیادہ نہ چاہیں

اس لئے آپ سرایا میں لشکر اسلام کے ساتھ بدیں خیال تشریف نہ لے جایا کرتے تھے کہ اگر میں ہر فوج کے ہمراہ جاؤں تو مسلمانوں کی ایک جماعت پیچھے رہ جائیگی۔ کیونکہ میرے پاس اس قدر گھوڑے اونٹ نہیں کہ سب کو سوار کر کے ساتھ لے جاؤں۔ اور نہ ان میں استطاعت ہے کہ سوار ہو کر میرے ساتھ چلیں۔ اس طرح پیچھے رہ جانے والے گنہگار اور ناخوش و شکستہ دل ہونگے[۱]۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رض کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عز و جل کا قول حضرت ابراہیمؑ کی نسبت رَبِّ اِنَّھُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ الآیہ۔ اور حضرت عیسیٰ کا قول اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ تلاوت فرمایا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ (خدایا میری امت میری امت) اور رو پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ محمد کے پاس جاؤ (حالانکہ تیرا پروردگار خوب جانتا ہے) ان سے رونے کا سبب دریافت کرو۔ حضرت جبرئیل نے حاضر خدمت ہو کر رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے بتا دیا (حالانکہ خدا کو خوب معلوم ہے) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ اے جبرئیل! محمدؐ کے پاس جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کرینگے۔ اور غمگین نہ کرینگے[۲]۔

حضرت ابوہریرہ رض کا بیان ہے۔ کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[۱] صحیح مسلم۔ باب فضل الجہاد۔

[۲] صحیح مسلم۔ باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ و بکائہ وشفقتہ علیہم۔

کہ جو مومن مرجائے اور مال چھوڑ جائے۔ تو وہ اس کے وارثوں کو خواہ کوئی ہوں ملنا چاہیئے۔ اور جو مومن قرض یا (محتاج) عیال چھوڑ جائے۔ تو چاہیئے کہ قرضخواہ یا عیال میرے پاس آئے۔ کیونکہ مَیں اس کا ولی و متکفل ہوں[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات نماز تراویح اپنے اصحابِ کرام کو پڑھائی۔ چوتھی رات صحابہ کرام بکثرت مسجد میں جمع ہوئے اور انتظار کرتے رہے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف نہ لائے۔ صبح کی نماز کے بعد آپ نے یوں تقریر فرمائی[2]۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّہٗ لَمْ یَخْفَ عَلَیَّ مَکَانُکُمْ لٰکِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَیْکُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْھَا	امابعد تمہارا مسجد میں جمع ہونا مجھ پر پوشیدہ نہ تھا۔ لیکن مَیں ڈر گیا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض ہو جائے۔ اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز آجاؤ۔

نماز تراویح کی طرح بعضے اور افعال کو آپ نے صرف اس ڈر سے ترک کر دیا کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائیں۔ ہر نماز کے لئے مسواک کا ترک کرنا۔ تاخیرِ عشاء کا ترک کرنا اور صومِ وصال سے منع فرمانا اسی قبیل سے ہیں۔

یہ آپ کی شفقت ہی کا باعث تھا کہ دین و دنیا میں امت کے لئے تخفیف و آسانی ہی مدِنظر رہی۔ چنانچہ جب آپ کو دو امروں میں اختیار دیا جاتا۔ تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے۔ بشرطیکہ وہ آسان موجب گناہ نہ ہوتا۔ اور اگر ایسا

---

[1] صحیح بخاری کتاب فی الاستقراض۔ باب الصلوٰۃ عن من ترک الدنیا۔
[2] صحیح بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب من قال فی الخطبۃ بعد الثناء اما بعد۔

ہوتا تو آپ سب سے بڑھ کر اس سے دور رہنے والے تھے۔[1]

شبِ معراج میں پہلے پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ بارگاہِ رب العزت سے واپس آتے ہوئے جب آپ آسمان ششم میں حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرے۔ تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا۔ کہ کیا حکم ملا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہر روز پچاس نمازوں کا حکم ملا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا۔ کہ آپ کی امت ہر روز پچاس نمازیں نہ پڑھ سکے گی۔ آپ اپنی امت سے بوجھ ہلکا کرائیں۔ چنانچہ آپ درگاہِ رب العزت میں بار بار حاضر ہو کر تخفیف کراتے رہے۔ یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں۔ اور آپ اس پر راضی ہو گئے (صحیحین)

جب شبِ معراج میں حضور مقام قاب توسین میں پہنچے۔ تو باری تعالیٰ کی طرف سے آپ پر یوں سلام پیش ہوا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ	اے نبی! تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں۔

اس کے جواب میں آپ نے عرض کیا:۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ	سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔

اس جواب میں حضور نے عباد صالحین کو الگ ذکر کر کے گنہگاران امت کو غایت کرم سے سلام میں اپنے ساتھ شامل رکھا۔ اور اسی واسطے صیغہ جمع (علینا) استعمال فرمایا۔

---

[1] صحیح بخاری۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسروا ولا تعسروا۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرا حال اور میری امت کا حال اس شخص کی مثل ہے۔ جس نے آگ روشن کی۔ پس ٹڈیاں اور پروانے اس میں گرنے لگے۔ اور وہ ان کو آگ سے ہٹاتا تھا۔ سو میں کمر سے پکڑ کر آگ سے بچانے والا ہوں۔ اور تم میرے ہاتھ سے چھوٹتے ہو (اور آگ میں گرنا چاہتے ہو)

قیامت کے دن لوگ بغرضِ شفاعت یکے بعد دیگرے انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس جائیں گے۔ مگر وہ سب عذر پیش کریں گے۔ آخر کار حضور شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونگے۔ آپ حمدو ثنا کے بعد سجدے میں گر پڑیں گے۔ باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ سر سجدے سے اٹھائیے۔ جو کچھ مانگئے، دیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے۔ آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اس وقت آپ یوں عرض کرینگے۔ یَارَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ۔ اے میرے پروردگار! میری امت میری امت (صحیحین) اب عالمِ برزخ میں ہر روز آپ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ اچھے عملوں کو دیکھ کر آپ خدا کا شکر اور برے عملوں کو دیکھ کر مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

کافروں پر رحمت

پہلی امتوں میں نافرمانی پر عذاب الٰہی ہوتا تھا مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجودِ باجود کی برکت سے کفار عذابِ دنیوی سے محفوظ رہے۔

---

۱۵ صحیح مسلم۔ باب شفقۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط (انفال ۔ ع ۴) — اور خدا ان کو عذاب نہ کرے گا جب تک تو ان میں ہے۔

بلکہ عذاب استیصال کفار سے تاقیامت مرفوع ہے۔

ایک دفعہ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ مشرکین پر بد دعا کریں آپ نے فرمایا "میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں[1]"

حضرت طفیل بن عمرو دوسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ دوس میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ انہوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یوں عرض کیا۔ "قبیلہ دوس ہلاک ہو گیا۔ کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور اطاعت سے انکار کر دیا۔ آپ ان پر بد دعا کریں"۔ لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ بد دعا کرنے لگے ہیں۔ مگر آپ نے یوں دعا فرمائی:۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِهِمْ — خدایا! قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو مسلمان کر کے لا۔[2]

جب طائف سے محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا "یارسول اللہ ہم کو قبیلہ ثقیف کے تیروں نے جلا دیا۔ آپ ان پر بد دعا کریں۔ مگر آپ نے یوں دعا فرمائی[3]

اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيْفًا — خدایا! ثقیف کو ہدایت دے۔

۱؎ مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب قصۃ دوس۔

۳؎ مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب مناقب قریش وذکر القبائل۔

جنگ احد میں دانت مبارک شہید ہو گیا تھا اور چہرہ مبارک خون آلودہ تھا۔ مگر زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ	خدایا! میری قوم کا یہ گناہ معاف کر دے
لَا یَعْلَمُوْنَ	کیونکہ وہ نہیں جانتے۔

جب قریش نے ازروئے تعنت و عناد ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا کی "یا اللہ! ان حضرات پر یوسف کے سات سالوں کی طرح سات سال قحط لا" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریش نے ہڈیاں اور مردار کھائے۔ اس حالت میں ابوسفیان نے حاضر خدمت ہو کر یوں عرض کیا "یا محمد! آپ کی قوم ہلاک ہو گئی۔ اللہ سے دعا کیجیے۔ کہ ان کی مصیبت دور ہو جائے" پس حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور وہ مصیبت دور ہو گئی۔[1]

حضرت ثمامہ بن آثال یمامی کے ایمان لانے کا قصہ پہلے بیان ہو چکا ہے وہ اسلام لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے عمرہ کے لئے مکہ میں آئے مشرکین میں سے کسی نے ان سے کہا کہ تم ہمارے دین سے برگشتہ ہو گئے۔ ثمامہ نے کہا کہ میں نے دین محمدی جو خیر الادیان ہے اختیار کر لیا ہے۔ "خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر غلہ کا ایک دانہ تم تک نہ پہنچے گا"[2] مکہ میں غلہ یمامہ سے آیا کرتا تھا۔ جب یمامہ سے غلہ کی آمد بند ہو گئی۔ تو قریش میں کال پڑ گیا۔ انہوں نے تنگ آ کر صلۂ رحم کا واسطہ دیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھا

---

[1] صحیح بخاری۔ تفسیر سورۂ دخان
[2] صحیح بخاری۔ باب وفد بنی حنیفہ۔

آپ نے حضرت ثمامہؓ کو لکھا کہ یہ بندش اٹھا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[1]

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں میری ماں میرے پاس آئی۔ وہ مشرکہ تھی۔ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ وہ کچھ مانگتی ہے۔ کیا میں اس سے صلۂ رحم کروں؟ حضور نے فرمایا:۔

نَعَمْ صِلِیْ اُمَّكِ   ہاں۔ تو اپنی ماں سے صلۂ رحم کر[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک منافقین کے ساتھ قابلِ غور ہے۔ یہ لوگ سامنے تو چاپلوسی کیا کرتے تھے۔ مگر پیٹھ پیچھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اذیت دیا کرتے تھے۔ باوجود علم کے آپ ان کے ساتھ خلق سے پیش آتے۔ ان کے لئے استغفار فرماتے۔ اور ان کے جنازے کی نماز پڑھا کرتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا۔

عورتوں پر شفقت و رحمت

اسلام سے پہلے یہ صنفِ نازک قعرِ مذلت میں گری ہوئی اور مردوں کے استبداد کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔ عرب میں ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ چنانچہ حضرت غیلان ثقفی ایمان لائے۔ تو ان کے تحت میں دس عورتیں تھیں۔ جب کوئی شخص مرجاتا۔ تو اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کو وراثت میں پاتا۔ وہ خود اس سے شادی کر لیتا۔ یا اپنے بھائی یا قریبی کو شادی کے لئے دے دیتا۔ ورنہ نکاح ثانی

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ اسر ثمامہ بن اثال الحنفی و اسلامہ۔

[2] بخاری۔ باب الهدیۃ للمشرکین۔

سے منع کرتا۔ اسی طرح اور خرابیاں بھی تھیں۔ جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

ہندوستان میں کثرتِ ازدواج اور نیوگ کو جائز سمجھا جاتا تھا۔ شوہر مر جاتا۔ تو بیوہ نکاح ثانی نہ کر سکتی تھی۔ بلکہ اسے دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہ تھا۔ وہ شوہر کی چتا میں زندہ جل کر بھسم ہو جاتی۔ اور ستی کا پوتر لقب حاصل کرتی۔ طرفہ یہ کہ ایسا حکم صرف عورتوں ہی کے لئے تھا۔ شوہر عورت کی چتا میں نہ جلتا۔

بعض ملکوں مثلاً تبت میں کثرت ازدواج کا عکس پایا جاتا تھا۔ اگر عورت ایک مرد سے شادی کرتی۔ تو وہ اس مرد کے دوسرے بھائیوں کی بھی زوجہ سمجھی جاتی تھی۔ مجوسیوں کے ہاں بیٹی اور ماں سے بھی نکاح جائز سمجھا جاتا تھا۔

مسیحی بیاض تعلیم میں عورت کی عزت واحترام کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کو اے عورت کہتے ہیں (یوحنا باب ۱۹۔ آیہ ۲۶) اور ستم دیکھئے۔ شوہر عنین ہو خصی ہو۔ مجبوب ہو۔ مجنون ہو یا سزایافتہ حبسِ دوام ہو۔ ان حالات میں انجیلِ مقدس نے عورت کی خلاصی کی کوئی صورت نہیں بتائی۔ مگر یہ کہ زنا جیسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے (متی باب ۵۔ آیہ ۳۲ باب ۱۹۔ آیہ ۹)

جزیرہ پاپوا (نیوگنی) کے قدیم باشندوں کے حالات جو اب معلوم کیے گئے ہیں۔ ان سے پایا جاتا ہے۔ کہ "ان میں شوہر کو اپنی عورت پر پورا اختیار حاصل تھا وہ اپنے شوہر کا مال تھی۔ کیونکہ خاوند اس کے لئے ایک رقم ادا کرتا تھا بعض حالات میں شوہر اس کو قتل کر سکتا تھا[1]"

---

[1] نیلسن کی انسائیکلوپیڈیا۔ تحت لفظ۔ .Women

دنیا کے کسی مذہب میں والدین یا شوہر کے ترکہ میں عورت کا کوئی حق نہ تھا۔ اور اب تک بھی اسلام کے سوا کسی مذہب نے عورت کو ترکہ میں کسی کا حقدار نہیں ٹھہرایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے اس ذلیل و مظلوم گروہ کی وہ حق رسی ہوئی۔ کہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورت کو عزت و احترام کے دربار میں مردوں کے برابر جگہ دی۔ اور مذکورہ بالا مفاسد کا انسداد فرمادیا۔

اسلام سے پہلے کثرت ازدواج کی کوئی حد نہ تھی جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اسلام نے اسے بصورت ضرورت چار تک محدود کردیا۔ اور چار کو بھی شرطِ عدل پر معلق رکھا۔ بصورت فقدان عدل صرف ایک پر مقصور کردیا۔ مرد عورت پر حاکم ہے۔ اس لئے رعیت کا تعدد ایک حد تک جائز رکھا گیا۔ مگر حاکم کا تعدد جائز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ایک عورت کے متعدد شوہر نہیں ہوسکتے۔ قرآن مجید میں محرمات کی تفصیل موجود ہے۔ جن میں ماں اور بیٹی داخل ہیں۔ خودکشی خواہ کسی طرح ہو منع ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (نساء۔ ع ۱۵) اور نہ مار ڈالو اپنے آپ کو۔

حسنِ معاشرت کی تاکید

باری تعالیٰ عزاسمہٗ کا ارشاد ہے:۔

وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (نساء۔ ع ۳) عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے بود و باش رکھو۔

اگر عورت سرکشی اختیار کرے۔ تو مرد کو اسے قتل کرنے کا اختیار نہیں۔ بلکہ پہلے اسے سمجھائے۔ نہ سمجھے تو گھر میں اس سے جدا سوئے۔ پھر آخر درجہ مارے بھی تو نہ ایسا کہ ضربِ شدید پہنچے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ج

اور جن عورتوں کی سرکشی کا تم کو ڈر ہو تم ان کو نصیحت کرو۔ اور خواب گاہ میں ان کو جدا کر دو اور ان کو مارو۔

(نسار۔ ع ٦)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَهْلِیْ

(ترمذی و دارمی و ابن ماجہ)

تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے سب سے اچھا ہو۔ اور میں اپنے اہل کے لئے تم سب سے اچھا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مردوں کو عورتوں کی کج خلقی پر صبر کی وصیت یوں فرماتے ہیں۔

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّ الْمَرْاَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَّاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهٗ کَسَرْتَهٗ وَاِنْ تَرَکْتَهٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا

میں جو تمہیں عورتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں۔ تم میری وصیت کو قبول کرو۔ کیونکہ عورت استخوان پہلو سے پیدا کی گئی ہے۔ اور استخوان پہلو میں سب سے ٹیڑھی چیز اس کا حصہ بالائی ہے اگر تم اس استخوان کو سیدھا کرنے لگو گے تو

بِالنِّسَآءِ۔ اسے توڑ دو گے۔ اور اگر اسے چھوڑ دو گے

(بخاری باب خلق آدم و ذریتہ) تو وہ ٹیڑھی رہے گی۔ پس تم عورتوں کے بارے

میں میری وصیت کو قبول کرو۔

عورتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اس قدر تھی۔ کہ اگر آپ نماز کی حالت میں کسی بچہ کی آواز سنتے۔ تو اس کی ماں کی مشقت کے خیال سے نماز میں تخفیف فرماتے (بخاری باب الایجاز فی الصلوٰۃ واکمالہا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سیاہ فام غلام انجشہ نام تھے۔ وہ اونٹوں کے آگے حُدی پڑھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سفر میں ازواج مطہرات ؓ ساتھ تھیں۔ اونٹ تیز چلنے لگے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

وَيْحَكَ يَا اَنْجَشَةُ رُوَيْدَكَ انجشہ! دیکھنا شیشوں کو آہستہ لے چل

بِالْقَوَارِيْرِ (بخاری کتاب الادب)

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق ؓ مکہ میں حضرت زبیر بن العوام کے نکاح میں آئیں۔ حضرت زبیر کے پاس ایک گھوڑے اور ایک آبکش اونٹ کے سوا کوئی مال و مملوک نہ تھا۔ اس لئے حضرت اسماء گھر کے کام کے علاوہ گھوڑے کے لئے گھاس لاتیں۔ اور اونٹ کو کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر کھلاتیں۔ چنانچہ آپ بیان فرماتی ہیں کہ مَیں اس زمین سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد اموال بنی نضیر میں سے حضرت زبیر کو عطا فرمائی تھی اور جو میرے مکان سے دو میل کے فاصلے پر تھی کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لاد کر لایا کرتی تھی۔ ایک روز میں آرہی تھی اور گٹھلیاں میرے سر پر تھیں۔ اس حالت میں

میری نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی۔ آپ کے ساتھ انصار کی ایک جماعت تھی۔ آپ نے مجھے آواز دی۔ اور اونٹ کو بٹھا دیا تا کہ مجھے اپنے پیچھے سوار کر لیں۔ میں مردوں کے ساتھ چلنے سے شرما گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ایک خادمہ میرے پاس بھیج دی جو گھوڑے کی خدمت کیا کرتی تھی۔ اس طرح صدیق اکبرؓ نے مجھ کو گویا غلامی سے آزاد کر دیا۔[1]

صحیح مُسلم کی دوسری روایت میں حضرت اسمار کا بیان ہے کہ مَیں حضرت زبیر کے ہاں گھر کا کام کیا کرتی تھی۔ ان کا ایک گھوڑا تھا جس کی نگہبانی میرے ذمہ تھی۔ گھوڑے کی نگہبانی سے زیادہ سخت اور کوئی خدمت نہ تھی۔ مَیں اس کے لئے گھاس لاتی۔ اس کی خدمت و نگہبانی کرتی۔" کچھ عرصہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غلام آئے۔ آپ نے ایک خادمہ حضرت اسمار کو عطا فرمائی جو گھوڑے کی خدمت کیا کرتی تھی۔[2] ہر دو روایت میں وجہ تطبیق یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ باندی حضرت ابو بکرؓ کے ہاں بھیج دی۔ تاکہ وہ حضرت اسمار کے پاس بھیج دیں۔

عورتوں کے حقوق

اسلام میں از روئے قرآن وحدیث عورتوں کے حقوق ثابت ہیں۔ چنانچہ باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا ارشاد ہے:۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب الغیرۃ۔
[2] صحیح مسلم۔ باب جواز ارداف المرأۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ص وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ط (بقرہ - ع ۲۸)

اور عورتوں کا (مردوں پر) حق ہے جیسا کہ (مردوں کا) عورتوں پر ہے۔ ساتھ انصاف کے اور مردوں کو ان پر درجہ (فوقیت) ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں۔ جیسا کہ مردوں کے عورتوں پر ہیں۔ ازدواجی زندگی میں نباہ نہ ہونے کی صورت میں اگر مرد کو طلاق کا حق ہے۔ تو دوسری طرف عورت کو خلع کا اختیار دیا گیا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ص وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ○ (نساء - ع ۱)

مردوں کے لئے حصہ ہے اس چیز سے کہ چھوڑ گئے ہیں ماں باپ اور قرابتی اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس چیز سے کہ چھوڑ گئے ہیں ماں باپ اور قرابتی تھوڑا ہو اس میں سے یا بہت ہو حصہ ہے مقرر کیا ہوا۔

اس آیت کی رو سے عورتیں اپنے ماں باپ اور قرابتیوں کی وارث ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یوں[1] ارشاد فرمایا۔

فَاتَّقُوا اللهَ فِی النِّسَآءِ فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللهِ۔

پس عورتوں کے معاملہ میں تم خدا سے ڈرو۔ کیونکہ تم نے ان کو عہدِ خدا کے ساتھ لیا ہے۔

ایک روز عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں

---

[1] مشکوٰۃ۔ باب قصۃ حجۃ الوداع۔

عرض کیا - کہ آپ کے ہاں مردوں کا ہر روز ہجوم رہتا ہے - آپ ہمارے واسطے ایک خاص دن مقرر فرمائیں - چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کے لئے ایک دن خاص کر دیا - وہ اس دن حاضرِ خدمت اقدس ہوتیں - آپ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے۔[1]

حقوق النساء کی تفصیل کے لئے مطولات کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

یتامٰی و مساکین و بیوگان پر شفقت و رحمت

یتیموں اور غریبوں پر آپ کی بڑی شفقت تھی - چنانچہ یتیم کی خبرگیری کرنے والے کا درجہ بتانے کے لئے آپ نے اپنی انگشت سبابہ و وسطٰی کے درمیان کچھ کشادگی رکھ کر فرمایا "میں اور یتیم کا متکفل خواہ یتیم اس کے رشتہ داروں میں سے ہو یا اجنبیوں میں سے ہو بہشت میں یوں ہوں گے"[2]

حضرت ابو امامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص محض رضائے خدا کے لئے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے - اس کے لئے ہر بال کے مقابلہ میں جس پر اس کا ہاتھ پھرتا ہے نیکیاں ہیں - اور جو کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ (جو اس کی کفالت میں ہو) نیکی کرتا ہے - مَیں اور وہ بہشت میں ان دو انگلیوں (آپ نے سبابہ و وسطٰی کو ملا کر اشارہ فرمایا) کی مانند ہوں گے۔[3]

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا دل سخت ہے -

---

[1] بخاری - کتاب العلم - باب ھل یجعل للنساء یوم علٰی حدۃ فی العلم۔
[2] مشکوٰۃ - بحوالہ صحیح بخاری - باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق۔
[3] مشکوٰۃ - بحوالہ احمد و ترمذی - باب الشفقۃ۔

اس کا علاج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔[1]

حضرت اسمار بنت عمیس (زوجۂ حضرت جعفر طیارؓ) بیان کرتی ہیں۔ کہ جس دن حضرت جعفر (غزوۂ موتہ میں) شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاں قدم رنجہ فرمایا۔ میں اس دن چالیس کھالوں کی دباعت کر چکی تھی اور آٹا پیس کر اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر تیل مل چکی تھی۔ کہ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ فرمایا۔ اسمار! جعفر کے بچے کہاں ہیں؟ میں نے انکو حاضر خدمت کیا۔ آپ نے انکو سینہ سے لگا لیا۔ پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ رو پڑے میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! شاید آپ کو جعفر کی طرف سے کچھ خبر آئی ہے۔ فرمایا۔ ہاں، وہ آج شہید ہو گئے۔ یہ سُن کر میں چلّانے لگی۔ عورتیں جمع ہو گئیں۔ فرمانے لگے اسمار! لغو نہ بول اور سینہ نہ پیٹ۔ پھر آپ حضرت فاطمہ زہراؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ بولیں۔ ہائے چچا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جعفر جیسے پر عورتوں کو رونا چاہیئے۔[2]

بیوگان و مساکین کی خبر گیری کا ثواب آپ نے یوں بیان فرمایا۔ "بیوگان و مساکین پر خرچ کرنے والا راہِ خدا (جہاد و حج) میں خرچ کرنے والے کی مانند ہے۔"[3]

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ خدایا! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مجھے مسکین

---

[1] مشکوٰۃ۔ بحوالہ احمد۔ باب الشفقۃ۔ [2] طبقات ابن سعد جزثانی ص[1]

[3] مشکوٰۃ۔ بحوالہ صحیحین۔ باب الشفقۃ۔

مِسْكِينًا وَّاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ — موت دے اور قیامت کے دن غریبوں کے گروہ میں میرا حشر کر۔

حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ دولتمندوں سے چالیس سال پہلے بہشت میں جائیں گے۔ اے عائشہ رضؓ! کسی مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد نہ پھیرنا۔ گو نصف خرما ہی کیوں نہ ہو۔ اے عائشہ رضؓ! غریبوں سے محبت رکھ اور انکو اپنے سے نزدیک کر۔ خدا تجھے قیامت کے دن اپنے سے نزدیک کرے گا۔[1]

بچّوں پر شفقت ورحمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ بچے آپ کی خدمت میں بغرض دعا و تحنیک لائے جاتے تھے۔ ایک روز اُمِّ قیس بنت محصن اپنے شیر خوار بچہ کو خدمت اقدس میں لائی۔ آپ نے اس بچہ کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے اس پر پانی بہا دیا[2] اور کچھ نہ کہا۔

آپ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے تھے۔ ایک روز آپ حضرت حسنؓ بن علی کو چُوم رہے تھے۔ اقرع بن حابس تمیمی آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ دیکھ کر کہنے لگے۔ کہ میرے دس لڑکے ہیں۔ مَیں نے ان میں سے کسی کو نہیں چُوما۔ آپ نے فرمایا۔ "جو رحم نہیں کرتا۔ اس پر رحم نہیں کیا جاتا" ایک بدّو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] ترمذی۔ ابواب الزُہد۔
[2] صحیح بخاری۔ کتاب الوضوء۔ باب بول الصبیان۔

وسلم کے پاس آکر کہنے لگا۔ کہ تم بچوں کو چُومتے ہو۔ ہم نہیں چومتے۔ آپ نے فرمایا۔ "جب اللہ تمہارے دل سے رحمت نکال لے۔ تو مَیں کیا کر سکتا ہوں"[1]

حضرت جابرؓ بن سمرہ بیان کرتے ہیں۔ کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ظہر پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ دولتخانہ کو تشریف لے گئے میں آپ کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں بچے ملے۔ آپ نے ہر ایک کے رخساروں پر دستِ شفقت پھیرا۔ اور میرے رخساروں پر بھی پھیرا۔ میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک یا خوشبو ایسی پائی کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ مبارک عطار کے صندوقچہ میں سے نکالا تھا۔[2]

جب آپ کا گذر بچوں پر ہوتا۔ تو ان کو سلام کیا کرتے تھے۔[3]

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؓ کا بیان ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے تشریف لاتے تو آپ کے اہلِ بیت کے بچے خدمت شریف میں لائے جاتے۔ ایک دفعہ آپ کسی سفر سے تشریف لائے۔ تو پہلے مجھے خدمت شریف میں لے گئے۔ آپ نے مجھے اپنے آگے سوار کر لیا۔ پھر حضرت فاطمہ زہراؓ کے دو لڑکوں میں سے ایک لائے گئے۔ آپ نے ان کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ اس طرح تینوں ایک سواری پر داخل مدینہ ہوئے۔[4]

---

1. صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب رحمۃ الولد و تقبیلہ۔
2. صحیح مسلم۔ طیب ریحہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
3. صحیح بخاری۔ کتاب الاستیذان۔ باب التسلیم علی الصبیان۔
4. مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ باب آداب السفر۔

فتح مکہ کے دن جب آپ مکہ میں تشریف لائے۔ تو حضرت عباسؓ کے صاحبزادوں قثم اور فضل کو اپنی سواری پر آگے پیچھے بٹھالیا۔[1]

حضرت ابو رافع بن عمرو غفاریؓ کے چچا بیان کرتے ہیں۔ کہ میں لڑکپن میں انصار کے نخلستان میں جاتا۔ اور درختوں پر ڈھیلے مارتا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے پوچھا لڑکے! تو درختوں پر ڈھیلے کیوں مارتا ہے؟ میں نے کہا کھجوریں کھانے کے لئے۔ آپ نے فرمایا۔ ڈھیلے نہ مارا کرو۔ کھجوریں جو نیچے گری ہوں کھالیا کرو۔ پھر آپ نے میرے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور یوں دعا فرمائی "خدایا! اسکا پیٹ بھر دے"۔[2]

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ فصل کا کوئی پھل پکتا۔ تو لوگ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا کرتے۔ آپ اس پر یہ دعا پڑھا کرتے۔ "خدایا ہمیں اپنے مدینہ میں اور اپنے پھل میں اور اپنے مُد میں اور اپنے صاع میں برکت دے"۔ اس دعا کے بعد بچے جو حاضرِ خدمت ہوا کرتے ان میں سے سب سے چھوٹے کو وہ پھل عنایت فرماتے۔[3]

حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت میرے پاس آئی۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں۔ اس نے مجھ سے کچھ مانگا۔ اس وقت میرے پاس صرف ایک کھجور تھی۔ میں نے وہی اسے دے دی۔ اس نے دونوں لڑکیوں میں تقسیم

۱؎ صحیح بخاری۔ باب الثلثۃ علی الدابۃ۔
۲؎ ابو داؤد۔ کتاب الجہاد۔ باب من قال انہ یأکل مما سقط۔
۳؎ صحیح مسلم۔ باب فضل المدینۃ۔

کردی۔ پھر وہ چلی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے۔ تو میں نے یہ قصہ آپ سے عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا "جس شخص کے ہاں لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی پرورش اچھی طرح کرے۔ تو وہ آتش دوزخ اور اس کے درمیان حائل ہو جائیں گی"۔[1]

ام خالد بنت خالد بن سعید بن عاص رض قرشیہ امویہ کے والدین ہجرت کر کے حبشہ میں چلے گئے تھے۔ یہ وہیں پیدا ہوئیں۔ اور لڑکپن میں وہاں سے مدینہ آگئیں۔ حضرت زبیر بن العوام کے ساتھ بیاہی گئیں۔ جن سے ایک لڑکا خالد نام پیدا ہوا۔ اس سبب سے ان کی کنیت ام خالد ہوئی۔ ان کا بیان ہے کہ ایک روز میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ زرد رنگ کا کرتہ میرے بدن پر تھا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ سنہ سنہ (حبشی زبان میں حسنہ کو کہتے ہیں) میں خاتم نبوت سے کھیلنے لگی۔ میرے باپ نے مجھے جھڑک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھیلنے دو۔ پھر تین بار فرمایا۔ تو اسکو پہن کر پرانا کرے۔[2]

ام خالد ہی بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کپڑے آئے۔ ان میں ایک سیاہ چادر تھی جس میں دونوں طرف آنچل تھے آپ نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ چادر کس کو اوڑھاؤں۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ نے فرمایا ام خالد کو لاؤ۔ مجھے لے گئے تو آپ نے اپنے دست مبارک سے وہ چادر

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب رحمۃ الولد و تقبیلہ۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب من ترک صبیۃ غیرہ حتّٰی تلعب بہ۔

مجھے اوڑھائی۔ اور دو دفعہ فرمایا۔ "تو اسے پہن کر پُرانی کرے۔" آپ چادر کی بُوٹیاں دیکھ رہے تھے۔ اور ہاتھ مبارک سے میری طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے۔ "ام خالد! یہ سنہ ہے۔ ام خالد یہ سنہ ہے۔" سنہ حبشی زبان میں حسن (اچھے) کو کہتے ہیں۔[1]

غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا۔ آپ کا وجود باجود لڑکیوں کے لئے خصوصیّت سے رحمت تھا زمانۂ جاہلیت میں بعض عرب افلاس کے ڈر سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ کہ ہم اہلِ جاہلیت و بت پرست تھے۔ اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے میرے ہاں ایک لڑکی تھی۔ مَیں نے اسے بلایا۔ وہ خوشی خوشی میرے پیچھے ہو لی۔ جب میں نزدیک ہی اپنے اہل کے ایک کنوئیں پر پہنچا۔ تو مَیں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنوئیں میں گرا دیا۔ وہ ابا ابا کہتی تھی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ قصّہ مجھے پھر سناؤ۔ اس شخص نے دُہرایا۔ تو آپ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے ڈاڑھی مبارک تر ہو گئی۔[2]

عرب کی طرح ہند میں بھی دختر کُشی پائی جاتی تھی۔ روما الکبریٰ میں بچہ کُشی کی رسم زمانۂ قدیم سے جاری تھی۔ چنانچہ ایڈورڈ گبن صاحب اپنی تاریخ میں یوں رقمطراز ہے:۔

"اپنے نئے پیدا ہوئے بچوں کے باہر پھینک آنے یا قتل کرنے کی خوفناک رسم

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب ما یدعی لمن لبس ثوبا جدیدا۔
[2] مسند دارمی۔ صفحہ اول۔

جس سے قدماء خوب آشنا تھے۔ رومۃ الکبریٰ کے صوبجات بالخصوص اطالیہ میں روز بروز کثیر الوقوع ہوتی جاتی تھی۔ اس کا باعث افلاس تھا۔ اور افلاس کے بڑے اسباب ٹیکسوں کا ناقابل برداشت بوجھ اور مفلس مدیونوں کے خلاف محکمۂ مال کے افسروں کے تکلیف دہ اور بے درد مقدمات تھے۔ نوع انسان کے کم مالدار یا کم محنت کش حصہ نے عیال میں اضافہ کی خوشی منانے کی بجائے شفقتِ پدری کا مقتضا یہ سمجھا تھا۔ کہ اپنے بچوں کو ایسی زندگی کی آنے والی تکلیفوں سے چھڑا دیا جائے جسے وہ خود نباہنے کے قابل نہ تھے۔ قسطنطین (متوفی ۲۲ مئی ۳۳۷ء) کی مروت شاید مایوسی کے بعض تازہ غیر معمولی واقعات سے حرکت میں آئی۔ کہ اس نے پہلے اطالیہ پھر افریقہ کے تمام شہروں کی طرف ایک فرمان بھیجا۔ جس میں یہ ہدایت تھی کہ والدین اپنے ایسے بچے مجسٹریٹوں کی عدالتوں میں پیش کیا کریں جن کو ان کا افلاس تعلیم دلانے کی اجازت نہیں دیتا۔ ان کو فوری و کافی امداد دی جائیگی۔ لیکن یہ وعدہ ایسا فیاضانہ اور یہ بندوبست ایسا بے سروپا تھا۔ کہ اس پر کوئی عام یا دائمی فائدہ مترتب نہ ہوا۔ یہ قانون اگرچہ کسی قدر قابلِ تحسین تھا۔ مگر افلاسِ عامہ کو کم کرنے کی بجائے یہ افلاس کے اظہار کا ذریعہ بنا۔[۱]"

یہ رسمِ بد جس کا انسداد کسی دنیوی قوت سے نہ ہو سکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عرب بلکہ آہستہ آہستہ تمام دنیا سے اٹھ گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ عز اسمہٗ یوں ہوا:-

---

[۱] تنزل و زوال رومۃ الکبریٰ۔ جلد اول۔ باب ۱۴۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (انعام - ع ۱۹)	اور تم اپنے بچوں کو مفلسی کے ڈر سے ہلاک نہ کرو۔ ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں۔
وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (تکویر)	اور جب زندہ در گور لڑکی پوچھی جائیگی کہ تو کس گناہ کے بدلے ہلاک کی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا:۔

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ۔ (مشکوٰۃ - باب البر والصلۃ)	اللہ نے تم پر حرام فرمادیا ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا۔

عورتیں جن چیزوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کیا کرتی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی:۔

وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ (ممتحنہ - ع ۲)	وہ اپنے بچوں کو ہلاک نہ کیا کرینگی۔

غلاموں پر شفقت و رحمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے آزاد کرنے کو موجب نجات فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے "جو کوئی کسی مسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے اس غلام کے ہر عضو کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اس کا ایک عضو دوزخ کی آگ سے آزاد کرتا ہے[۱]" علاوہ ازیں کفارات میں جابجا غلام آزاد کرنا واجب رکھا گیا ہے۔

اسلام میں غلاموں کے حقوق کا خاص لحاظ ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ

---

[۱] مشکوٰۃ - کتاب العتق۔

علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہارے غلاموں میں جو تمہارے موافق ہو۔ اسے کھلاؤ اس میں سے جو تم کھاتے ہو۔ اور پہناؤ اس میں سے جو تم پہنتے ہو۔ اور ان میں سے جو تمہارے موافق نہ ہو۔ اسے بیچ دو۔ اور خلقِ خدا کو عذاب نہ دو[1]۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا۔ کہ میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی "ابو مسعود! جان لو کہ تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے۔ اس سے زیادہ خدا کو تم پر اختیار ہے"۔ میں نے مڑ کر جو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے اسکو رضائے خدا کے لئے آزاد کر دیا۔ آپ نے فرمایا "دیکھو! اگر تم ایسا نہ کرتے۔ تو دوزخ کی آگ تم کو جلاتی[2]"۔

حضرت ابو ذرؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک عجمی غلام کو برا بھلا کہا۔ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر دی۔ آپ نے فرمایا۔ "ابو ذر! تم میں جاہلیت ہے۔ وہ تمہارے بھائی ہیں۔ خدا نے تم کو ان پر فضیلت دی ہے ان میں سے جو تمہارے موافق نہ ہو۔ اسے بیچ دو۔ اور خلقِ خدا کو عذاب نہ دو[3]"۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "یا رسول اللہ! ہم خادم کو کتنی بار معاف کر دیا کریں"۔ آپ خاموش رہے۔ اس نے دوسری بار دریافت کیا۔ پھر بھی آپ خاموش

---

[1] مشکوٰۃ۔ بحوالہ احمد و ابو داؤد۔ باب النفقات وحق المملوک۔
[2] مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ باب النفقات وحق المملوک۔
[3] دیکھو ابو داؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی حق المملوک۔

رہے۔ تیسری بار دریافت کرنے پر فرمایا کہ ہر روز ستّر بار معاف کر دیا کرو۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے غلام کے منہ پر تھپڑ مارے اس کا کفارہ یہ ہے۔ کہ اسے آزاد کر دے۔ حضرت سویدؓ بن مقرن بیان کرتے ہیں کہ ہم سات بھائی تھے۔ ہمارے ہاں صرف ایک خادمہ تھی۔ ہم میں سے ایک نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ خادمہ کو آزاد کردو۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں صرف یہی ایک خادمہ ہے آپ نے فرمایا کہ وہ خدمت کرتی رہے۔ یہاں تک کہ بے نیاز ہو جائیں۔ جب ضرورت نہ رہے تو اسے آزاد کر دیں۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غلاموں کی بہبودی کا اس قدر خیال تھا کہ جب وفات شریف کا وقت عین قریب آپہنچا۔ تو آپ یُوں وصیت فرما رہے تھے۔

الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم   نماز اور غلام

چوپایوں پر شفقت و رحمت

انسان تو درکنار چوپایوں پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت تھی۔ ایک روز آپ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک اونٹ ہے۔ جب اس اونٹ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو رو پڑا اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آپ اس کے پاس آئے۔ اور اس کے پسِ گوش پر ہاتھ پھیرا۔ وہ چپ ہو گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے عرض کیا۔ کہ یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے

---

[1] دیکھو ابو داؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی حق المملوک۔ [2] تیسیر الوصول الیٰ جامع الاصول بحوالہ ابوداؤد

فرمایا۔ کیا تو اس چوپائے کے بارے میں جس کا اللہ نے تجھ کو مالک بنایا ہے خدا کا نہیں ڈرتا؟ اس نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے اور کثرت سے تکلیف دیتا ہے[1]۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک اونٹ پر ہوا۔ جس کی پیٹھ (بھوک اور پیاس کے سبب سے) پیٹ سے لگی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا[2] ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ تم ان پر سوار ہو درآنحالیکہ لائق (سواری کے) ہوں۔ اور ان کو چھوڑو درآنحالیکہ لائق (پھر سوار ہونے کے) ہوں[2]"

ایک دفعہ ایک گدھے پر آپ کا گذر ہوا۔ جس کے چہرے پر داغ دیا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ "لعنت کرے اللہ اس شخص کو جس نے اسے داغ دیا ہے[3]"

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم اپنے چوپایوں کی پیٹھوں کو منبر نہ بناؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے تابع کیا ہے۔ تاکہ وہ تم کو ایسے شہروں میں پہنچا دیں۔ جہاں تم بغیر مشقتِ جان نہ پہنچتے اور تمہارے واسطے زمین بنائی۔ پس اس پر اپنی حاجتیں پوری کرو[4]۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آداب سفر میں فرمایا ہے۔ کہ جب فراخ سالی ہو اور گھاس بکثرت ہو۔ تو تم سفر میں دن کو کسی وقت اونٹوں کو چھوڑ دیا کرو تاکہ

---

[1] تیسیر الوصول الیٰ جامع الاصول بحوالہ ابوداؤد۔
[2] مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد۔ باب النفقات وحق المملوک۔
[3] مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ کتاب الصید والذبائح۔
[4] مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد۔ باب آداب السفر۔

وہ چرلیں۔ اور جب قحط سالی ہو تو ان کو تیز چلاؤ تاکہ وہ اچھی حالت میں منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ بصورت تاخیر وہ بھوک کے مارے کمزور ہو کر راستے ہی میں رہ جائیں۔ اور جب تم آخر شب میں کسی جگہ اترو۔ تو راستہ چھوڑ کر ڈیرہ ڈالو۔ کیونکہ رات کے وقت چوپائے اور حشرات الارض راستوں میں پھرا کرتے ہیں [۱]۔ اور کھانے کی گری پڑی چیزیں اور ہڈیاں وغیرہ جو راستے میں ہوں کھایا کرتے ہیں۔

حضرت ابو واقد لیثیؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور لوگ اونٹوں کی کوہان اور بھیڑ بکری کی سرین کا گوشت (کھانے کے لئے) کاٹ لیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جو گوشت کسی زندہ چوپائے سے کاٹا جائے وہ مردار ہے۔ کھانا نہ چاہیے [۲]۔

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت ایک بلّی کے سبب سے دوزخ میں گئی جسے اس نے باندھ رکھا۔ اور کھانا نہ کھلایا۔ اور نہ چھوڑا تاکہ حشرات الارض کو کھاتی [۳]۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص راستے میں چل رہا تھا۔ اسے سخت پیاس لگی۔ ایک کنواں نظر پڑا۔ تو اس میں اتر کر اس نے پانی پیا۔ پھر نکل آیا۔ ناگاہ اس نے ایک کتا دیکھا۔ جو پیاس کے مارے زبان نکالے ہوئے تھا۔ اور مٹی کھا رہا تھا۔ اس شخص نے سوچا

---

[۱] صحیح مسلم۔ باب مراعات مصلحۃ الدواب فی السیر۔

[۲] مشکوٰۃ۔ بحوالہ ترمذی و ابو داؤد۔ کتاب الصید والذبائح۔ [۳] تیسیر الوصول۔ بحوالہ بخاری و مسلم۔

کہ اس کتے کو پیاس سے ویسی ہی تکلیف ہے جیسی مجھے تھی۔ اس لئے وہ کنوئیں میں اترا۔ اور اپنا موزہ پانی سے بھرا۔ پھر اسے اپنے منہ سے پکڑا۔ یہاں تک کہ اوپر چڑھ آیا۔ اور کتے کو پانی پلایا۔ خدا نے اس کی قدر دانی کی اور اسے بخش دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا چوپایوں میں ہمارے واسطے کچھ اجر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہر ذی روح میں اجر ہے[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتِ عامہ کا مقتضا تھا۔ کہ آپ نے چوپایوں کو باہم لڑانے[2] کسی جانور کو نشانہ بنانے[3] کسی چوپائے یا جانور کو ہلاک کرنے کے لئے حبس[4] کرنے اور حیوان کو مثلہ[5] بنانے سے منع فرمادیا۔

پرندوں اور حشرات الارض پر شفقت و رحمت

حضرت عبد الرحمٰن کے والد عبد اللہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ ہم نے ایک پرندہ (زورک) کو دیکھا۔ جس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے۔ ہم نے دونوں بچوں کو پکڑ لیا۔ زورک آئی اور اترنے کے لئے بازو پھیلانے لگی۔ اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا "اس کے بچوں کو پکڑ کر اسے کس نے دکھ دیا ہے۔ اس کے بچے اسے واپس دے دو" پھر آپ نے ایک چیونٹیوں

---

[1] تیسیر الوصول۔ بحوالہ مالک و بخاری و مسلم و ابو داؤد۔
[2] مشکوٰۃ۔ بحوالہ ترمذی و ابو داؤد۔ باب ذکر الکلب۔
[3] مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم۔ کتاب الصید و الذبائح۔
[4] مشکوٰۃ۔ بحوالہ صحیحین۔ کتاب الصید و الذبائح۔
[5] ۔ مرقات۔ بحوالہ احمد و شیخین و نسائی۔ کتاب الصید و الذبائح۔

کا گھر دیکھا جسے ہم نے جلا دیا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ اسے کس نے جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم نے جلایا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ "جائز نہیں کہ خدا کے سوا کوئی کسی کو آگ کا عذاب دے[1]"

ایک روز حضرت عثمان بن حبان رض نے ایک پسو پکڑ کر آگ میں ڈال دیا۔ اس پر حضرت ام درداء نے کہا میں نے ابو الدرداء رض سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آگ کے مالک (خدا) کے سوا کوئی کسی کو آگ کا عذاب نہ دے[2]"

عامر تیر انداز سے روایت ہے۔ کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے۔ ناگاہ ایک شخص آیا جس پر کمبل تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ جس پر اس نے کمبل لپیٹا ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! درختوں کے جنگل میں میرا گذر ہوا۔ مَیں نے اس میں ایک پرندے کے بچوں کی آوازیں سنیں مَیں نے ان کو پکڑ لیا اور اپنے کمبل میں رکھ لیا۔ ان کی ماں آئی اور میرے سر پر منڈلانے لگی۔ مَیں نے کمبل کو بچوں پر سے دور کر دیا۔ وہ ان پر گر پڑی۔ مَیں نے ان سب کو اپنے کمبل میں لپیٹ لیا اور وہ یہ میرے پاس ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ان کو رکھ دے۔ مَیں نے ان کو رکھ دیا۔ مگر ان کی ماں نے ان کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم بچوں پر ماں کے رحم کرنے پر تعجب کرتے ہو۔ اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے۔ تحقیق اللہ اپنے بندوں پر ان بچوں کی ماں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ تو ان کو واپس لے جا اور ان کو

---

[1] مشکوٰۃ۔ بحوالہ ابو داؤد۔ باب قتل اہل الردۃ۔

[2] مرقات۔ بحوالہ مسند بزار۔ جزء رابع۔ صفحہ ۲۳۶

مال سمیت وہیں رکھ دے۔ جہاں سے انہیں پکڑا ہے۔ پس وہ ان کو واپس لے گیا۔ؑ

نباتات وجمادات پر رحمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے جمادات ونباتات کو بھی حصہ ملا ہے۔ آپ کی بعثت سے زمین شرک وکفر کی نجاست سے پاک ہوئی۔ اور نورِ ایمان چاروں طرف پھیل گیا۔ مسجدیں تعمیر ہونے لگیں۔ اور اذان میں اللہ اور اسکے رسول کا نام پکارا جانے لگا۔ آپ کے تولد ہونے کے بعد آسمان پر شیاطین کا جانا بند ہو گیا۔

جب امساکِ باراں ہوتا۔ تو لوگ حضور کا وسیلہ پکڑ کر دعا کیا کرتے۔ اور وہ مستجاب ہو جاتی۔ یا حضور خود دعا فرمایا کرتے اور بارانِ رحمت نازل ہوتا جس سے مردہ زمین پھر زندہ ہو جاتی اور نباتات اُگتے۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے دونوں عالم کو حصہ پہنچا ہے۔ انسان کے علاوہ جنات بھی آپ کی دعوت سے دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ فرشتے آپ پر درود بھیجنے کے سبب سے موردِ رحمت الٰہی بنے رہتے ہیں کیونکہ حدیث مسلم میں ہے کہ حضور نے فرمایا: "جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔"

تواضع وحسنِ معاشرت

باوجود علوِ مرتبت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر متواضع تھے

ؑ مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد۔

آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ بارگاہِ الٰہی سے ایک فرشتے نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ آپ کا پروردگار ارشاد فرماتا ہے۔ کہ اگر آپ چاہیں تو پیغمبری کے ساتھ بندگی و فقر اختیار کریں۔ اور اگر چاہیں تو نبوت کے ساتھ پادشاہت اور امیری لے لیں۔ آپ نے پیغمبری کے ساتھ بندگی کو پسند فرمایا۔ اس کے بعد حضور انور تکیہ لگا کر کھانا نہ کھاتے۔ اور فرماتے "میں کھانا کھاتا ہوں جیسے بندہ کھایا کرتا ہے۔ اور بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھا کرتا ہے"[۱]

حضرت ابو امامہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصا پر ٹیک لگائے نکلے۔ ہم آپ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کھڑے مت ہو جیسا کہ عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں[۲]۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی نے ایک دوسرے کو دشنام دی۔ مسلمان نے کہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو تمام جہان والوں پر برگزیدہ کیا۔ یہودی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰؑ کو تمام جہان والوں پر برگزیدہ کیا۔ اس پر مسلمان نے ہاتھ اٹھا کر یہودی کے ایک تھپڑ مارا۔ یہودی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ اور اپنا اور مسلمان کا حال بیان کیا۔ آپ نے (مسلمان سے) فرمایا۔ کہ تم مجھے موسیٰؑ پر فضیلت نہ دو۔ کیونکہ لوگ (قیامت کے دن) بیہوش ہو کر گر پڑیں گے میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا۔ ناگاہ موسیٰؑ عرش کی ایک طرف کو پکڑے ہوئے

۱؎ مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ۔ باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ مشکوٰۃ۔ کتاب الآداب۔ باب القیام۔

ہونگے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ ان میں سے ہونگے جو بے ہوش ہوئے اور پھر ہوش میں آئے۔ یا ان میں سے ہونگے جو بے ہوش ہونے سے مستثنےٰ رہے[۱]۔

حضرت انس رض روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہنے لگا۔

یا خیر البریہ　　　اے بہترینِ خلق

آپ نے فرمایا۔ کہ خیر البریہ تو ابراہیم ہیں[۲]۔

حضرت عبداللہ بن الشخیر بیان کرتے ہیں۔ کہ مَیں بنو عامر کے وفد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ہم نے کہا آپ ہمارے آقا ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ آقا خدا ہے۔ پس ہم نے کہا کہ آپ فضل و کرم میں ہم سب سے افضل و اعظم ہیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ کہو یا اس سے بھی کم کہو، دیکھنا شیطان تمہیں اپنا وکیل نہ بنالے[۳]۔

عدی بن حاتم طائی پہلے عیسائی تھے۔ جو اپنی قوم کے سردار تھے۔ اور غنیمت میں سے حسبِ قاعدۂ جاہلیت چوتھا حصہ لیا کرتے تھے۔ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر پہنچی۔ تو وہ بھاگ کر ملک شام کو چلے گئے۔ ان کی بہن پیچھے رہ گئی۔ اور گرفتار ہو کر بارگاہِ رسالت میں آئی۔ اس نے عرض کیا کہ آپ مجھ پر احسان کیجئے۔ خدا تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا۔ چنانچہ

۱ھ صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب واذ قال موسیٰ لقومہ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ الآیۃ۔

۲ھ مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ باب المفاخرۃ والعصبیۃ۔

۳ھ مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الآداب۔ باب المفاخرۃ والعصبیۃ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خوراک و پوشاک اور سواری دے کر اس کی قوم کے ایک قافلہ کے ساتھ روانہ فرمادیا۔ وہ شام میں اپنے بھائی کے پاس پہنچ گئی۔ عدی کو شک تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ ہیں یا پیغمبر۔ بہن نے مشورہ دیا کہ تم خود حاضرِ خدمت ہو کر دیکھ آؤ۔ چنانچہ عدی یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ جب میں مدینہ پہنچا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں عدی بن حاتم طائی ہوں۔ یہ سُن کر آپ کھڑے ہو گئے اور مجھے اپنے گھر لے چلے۔ ناگاہ ایک مسکین بڑھیا کسی حاجت کے لئے حاضرِ خدمت ہوئی۔ وہ کہنے لگی ٹھہریئے چنانچہ آپ ٹھہر گئے اور وہ دیر تک کچھ عرض کرتی رہی۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بادشاہ نہیں ہیں۔ پھر آپ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ آپ نے ایک تکیہ جو کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تھا میری طرف پھینکا۔ اور فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ آپ اس پر تشریف رکھیے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تم ہی اس پر بیٹھو۔ چنانچہ حسب الارشاد میں اس پر بیٹھ گیا اور آپ زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ بادشاہ کا یہ حال نہیں ہوا کرتا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ عدی بن حاتم! کیا تم رکوسی[۱] نہیں ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ پھر فرمایا۔ کیا تم غنیمت کا چوتھا حصہ نہیں لیتے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے دین میں جائز نہیں۔ میں اس سے پہچان گیا۔ کہ آپ پیغمبر مرسل ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ عدی! شاید تم اس لئے دینِ اسلام میں داخل نہیں ہوتے کہ مسلمان غریب اور

---

[۱] رکوسیہ گروہے است میان ترسایاں وصابیین۔

تعداد میں تھوڑے ہیں۔ اور ان کے دشمن بہت اور صاحبِ ملک و سلطنت ہیں۔ مگر عنقریب مسلمانوں میں مال کی وہ کثرت ہوگی کہ کوئی صدقہ لینے والا نہ ملے گا۔ اور تم عنقریب سُن لوگے کہ ایک عورت اونٹ پر سوار ہو کر قادسیہ سے مکہ میں پہنچ کر بیت اللہ کا حج کیا کرے گی۔ اور اُسے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ اور تم عنقریب سرزمین بابل میں سفید محلات پر مسلمانوں کے قبضہ کی خبر سُن لوگے۔ یہ سُن کر میں اسلام لایا۔ حضرت عدیؓ فرمایا کرتے تھے کہ ان تین پیشگوئیوں میں سے دوسری اور تیسری پوری ہو چکی ہے۔ اور پہلی پوری ہو کر رہے گی۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو مدح میں مبالغہ کرنے سے روکتے اور فرماتے "میری مدح میں تم مبالغہ نہ کرو۔ جیسا کہ نصارٰی نے ابن مریم کی مدح میں کیا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول کہا کرو۔"[2]

آپ اپنے اہلِ خانہ و خدام اور اصحاب سے نہایت تواضع سے پیش آیا کرتے۔ اپنے دولتخانہ میں اہلِ خانہ کے کاروبار کیا کرتے۔ آپ نے کبھی کھانے کو عیب نہ لگایا۔ خواہش ہوتی تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ حضرت انس نے دس سال تک آپ کی خدمت کی۔ اس عرصہ میں آپ نے کبھی ان کو اُف نہ کہا۔ اور نہ یوں فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کیوں نہ کیا۔[3]

جب آپ نماز فجر[4] سے فارغ ہوتے۔ تو اہلِ مدینہ کے خادم پانی کے برتن لیکر

---

[1] سیرت ابن ہشام امر عدی بن حاتم۔ [2] مشکوٰۃ۔ باب المفاخرۃ والعصبیۃ۔

[3] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب حسن الخلق والسخاء۔

[4] مشکوٰۃ۔ باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حاضر ہوتے۔ آپ ان میں اپنا دستِ مبارک ڈبو دیتے۔ تاکہ ان کو شفا اور برکت ہو۔[۱]

آپ بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ چلتے۔ اور ان کی حاجت برآری فرماتے۔ اہل مدینہ کی لونڈیاں آپ کا ہاتھ مبارک پکڑتیں۔ اور اپنے کاموں کے لئے جہاں چاہتیں لے جاتیں۔

آپ بیماروں کی عیادت فرماتے۔ جنازے کے پیچھے چلتے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے۔ دراز گوش پر سوار ہوتے۔ اور اپنے پیچھے اوروں کو بٹھا لیتے۔ چنانچہ بنی قریظہ کی لڑائی کے دن آپ دراز گوش پر سوار تھے۔ جس کی مہار اور پالان پوست خرما کا تھا۔[۲] حجۃ الوداع میں جس کجاوے پر آپ سوار تھے۔[۳] جب آپ شہر میں داخل ہوئے۔ تو از روئے تواضع سر مبارک کو اس قدر جھکا لیا۔ کہ کجاوے سے آ لگا۔[۴]

غزوۂ بدر میں تین تین مجاہدوں کے لئے ایک ایک اونٹ تھا۔[۵] چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رض و ابو لبابہ انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدیل تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اترنے کی باری آتی۔ تو دونوں عرض کرتے۔ کہ آپ نہ اتریں۔ ہم آپ کے بدلے پیدل چلتے ہیں۔ مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو۔ اور میں تمہاری نسبت اجر و ثواب سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں۔[۶]

۱؎ صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب الکبر۔

۲؎ شمائل ترمذی۔ باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳؎ شمائل ترمذی۔ باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کی قیمت چار درہم تھی۔

۴؎ صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب الردف علی الحمار ۵؎ سیرت ابن ہشام۔

۶؎ طبقات ابن سعد۔ غزوۂ بدر۔ مشکوٰۃ۔ بحوالہ شرح السنۃ۔ باب آداب السفر۔

آپ اپنے نعل مبارک کو آپ پیوند لگا لیتے۔ اپنے کپڑے آپ سی لیتے۔ اپنی بکری کا دودھ دوہ لیتے۔ جب کوئی آپ سے ملنے آتا۔ تو اس کا اکرام کرتے۔ یہاں تک کہ بعض وقت اپنی چادر مبارک اس کے لئے بچھا دیتے۔ جب آپ کسی سے ملتے تو پہلے سلام کرتے۔ جب مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ نہ ہٹاتے جب تک دوسرا شخص نہ ہٹاتا۔ اور اس سے اپنا روئے مبارک نہ پھیرتے یہاں تک کہ وہ پھیر لیتا۔ آپ اپنے زانو اپنے ہم نشین سے آگے بڑھا کر نہ بیٹھا کرتے[1]۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا بیان ہے۔ کہ ایک شخص اجازت لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اندر آیا۔ آپ نے اسے دروازے میں دیکھتے ہی فرمایا۔ کہ قبیلے کا یہ شخص برا ہے۔ جب وہ بیٹھ گیا۔ تو آپ نے اس کے سامنے کشادہ روئی اور انبساط ظاہر کیا۔ جب وہ چلا گیا۔ تو حضرت صدیقہ رضؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جب آپ نے اس شخص کو دروازے میں دیکھا۔ تو ایسا فرمایا۔ مگر اس کے روبرو تازہ روئی اور انبساط ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا "اے عائشہ! تو نے مجھے فاحش کب پایا۔ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک منزلت کے لحاظ سے سب سے برا وہ شخص ہوگا۔ جس سے لوگ اس کے فحش سے بچنے کے لئے کنارہ کرتے ہیں[2]۔"

حضرت انس رضؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحش کہنے والے نہ تھے اور نہ کسی پر لعنت کرنے والے اور نہ گالی دینے والے تھے۔ جب آپ کسی پر عتاب فرماتے۔ تو یوں ارشاد فرماتے "اسے کیا ہوا۔ اس کی پیشانی

---

[1] مشکوٰۃ۔ بحوالہ ترمذی۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحاشا ولا متفحشا۔

خاک آلودہ ہو[1]۔"

ایک سفر میں آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ کھانے کے لئے ایک بکری درست کر لو۔ ایک نے کہا۔ اس کا ذبح کرنا میرے ذمے ہے۔ دوسرے نے کہا۔ کھال اتارنا میرے ذمے ہے۔ ایک اور بولا۔ پکانا میرے ذمے ہے۔ آپ نے فرمایا۔ لکڑیاں چُن کر لانا میرے ذمّے ہے۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ یہ کام ہم خود کر لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مَیں جانتا ہوں کہ تم کر سکتے ہو۔ لیکن مجھے یہ پسند نہیں۔ کہ میں اپنے تئیں تم سے ممتاز کروں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس بندے کو پسند نہیں کرتا۔ جو اپنے ساتھیوں سے ممتاز بنتا ہے۔ اس کے بعد آپ لکڑیاں جمع کر کے لائے[2]۔

آپ اپنے اصحابِ کرام کی دلجوئی اور تعہد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ فرماتے۔ ایک روز ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ اور اپنی حاجت عرض کی۔ وہ آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ مت۔ مَیں بادشاہ نہیں ہوں۔ مَیں ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی[3]۔

ایک دفعہ نجاشی شاہ حبشہ کا وفد آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ بذاتِ خود ان کی خدمت کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ کہ ہم آپ کی طرف سے خدمت کے لئے کافی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے ملک میں ہمارے اصحاب کا اکرام کیا تھا۔ اس لئے مجھے یہی پسند ہے۔ کہ اس

---

[1] صحیح بخاری۔ باب لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحاشا ولا متفحشا۔

[2] مواہب لدنیہ بحوالہ سیرت محب طبری۔

[3] ابن ماجہ۔ باب القدید۔

اکرام کا بدلہ میں خود دوں[1]۔

حضرت قیسؓ بن سعد بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ میرے والد نے آپ کی خاطر تواضع کی۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد جب آپ واپس آنے لگے۔ تو میرے والد نے آپ کے لئے ایک دراز گوش تیار کیا۔ جس پر کمبل کا پالان تھا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے۔ جب چلنے کو ہوئے۔ تو والد نے مجھ سے کہا قیس! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا۔ اس لئے میں ساتھ ہو لیا۔ حضور انور نے فرمایا۔ کہ تو میرے ساتھ سوار ہو جا۔ میں نے بپاس ادب انکار کر دیا۔ مگر آپ نے فرمایا "یا تو سوار ہو جا یا لوٹ جا" اس لئے میں واپس آگیا[2]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کی دلجوئی کے لئے کبھی کبھی خوش طبعی بھی فرمایا کرتے تھے۔ مگر وہ متضمن دروغ نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت انس کا ایک چھوٹا اخیافی بھائی تھا۔ وہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا۔ تو اس کے ہاتھ میں ایک چڑیا (ممولا) ہوتی۔ جس سے وہ کھیلا کرتا تھا۔ اتفاقاً وہ چڑیا مرگئی۔ اس کے بعد جب وہ آپ کی خدمت میں آتا۔ تو آپ خوش طبعی کے طور پر فرماتے یَا اَبَا عُمَیْرُ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ یعنی اے ابو عمیر! وہ چڑیا کہاں گئی[3]۔

ایک روز ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے سواری عنایت کیجئے تا کہ میں اس پر سوار ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹنی کے بچے پر

---

[1] مواہب لدنیہ۔

[2] ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان۔

[3] مشکوٰۃ۔ بحوالہ صحیحین۔ کتاب الآداب۔ باب المزاح۔

سوار کرونگا۔ وہ بولا۔ مَیں اونٹنی کے بچے کو کیا کروں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اونٹنیاں ہی اونٹ جنتی ہیں۔[1] یعنی ہر ایک اونٹ اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔ اس میں تعجب کیا ہے۔ اسی طرح ایک روز ایک عورت نے جو قرآن پڑھا کرتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ آپ دعا کریں کہ مَیں بہشت میں داخل ہوں آپ نے اس سے فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت بہشت میں داخل نہ ہوگی۔ اس نے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے جواب دیا۔ کیا تو قرآن نہیں پڑھتی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ (واقعہ۔ ع ۱)

ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر پیدا کیا اور ان کو کنواریاں بنایا۔

ایک بدوی صحابی زاہر نام جو بدشکل تھے جنگل کے پھل سبزی وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ لایا کرتے تھے۔ جب وہ آپ سے رخصت ہوتے تو آپ شہر کی چیزیں کپڑا وغیرہ انکو دیدیا کرتے تھے۔ آپ کو ان سے محبت تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ زاہر ہمارا روستائی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں۔ ایک روز آپ بازار کی طرف نکلے۔ تو دیکھا کہ زاہر اپنی متاع بیچ رہے ہیں۔ آپ نے پیٹھ کی طرف سے جاکر ان کی آنکھوں پر اپنا دست مبارک رکھا اور ان کو گود میں لے لیا۔ وہ بولے۔ کون ہے؟ مجھے چھوڑ دو۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پس اپنی پیٹھ اور بھی حضور کے سینے سے (بغرض تبرک) لپٹانے لگے۔ حضور نے فرمایا۔ کوئی ہے جو ایسے غلام کو خریدے۔ وہ بولے یارسول اللہ!

---

[1] دیکھو مشکوٰۃ۔ باب المزاح اور شمائل ترمذی باب ماجاء فی مزح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اگر آپ بیچتے ہیں۔ تو آپ مجھے کم قیمت پائیں گے۔ حضور نے فرمایا ”تو خدا کے نزدیک گراں قدر ہے“[1]

حضرت محمود بن ربیع انصاری خزرجی جو صغار صحابہ میں سے تھے۔ پانچ سال کے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے جس میں ایک کنواں تھا آپ نے ایک ڈول سے پانی پیا۔ اور پانی کی کلی (بطریقِ مزاح) حضرت محمود کے چہرے پر ماری[2]۔ اس کی برکت سے ان کو وہ حافظہ حاصل ہو گیا۔ کہ اس قصّے کو یاد رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے صحابہ میں شمار ہوئے۔ اسی طرح حضرت زینب بنت ام سلمہ مخزومیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ تھیں۔ آپ کے پاس آئیں۔ آپ غسل خانے میں تھے۔ آپ نے ان کے چہرے پر پانی پھینک دیا۔ اس کی برکت سے ان کے چہرے میں شباب کی رونق قائم رہی۔ یہاں تک کہ نہایت بوڑھی ہو گئیں[3]۔

سخاوت و ایثار

جُودِ حقیقی یہ ہے۔ کہ بغیر غرض و عوض کے ہو۔ اور یہ صفت ہے حق سبحانہ کی۔ جس نے بغیر کسی غرض و عوض کے تمام ظاہری و باطنی نعمتیں اور تمام حسّی و عقلی کمالات خلائق پر افاضہ کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اجود الاجودین اس کے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ”آپ سے کبھی

---

[1] شمائل ترمذی۔ باب ما جاء فی مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب العلم۔ باب متی یصح سماع الصغیر۔

[3] استیعاب لابن عبد البر۔ ترجمہ زینب بنت ابی سلمہ۔

کسی چیز کا سوال نہ کیا گیا کہ اسکے مقابل آپ نے لا (نہیں) فرمایا ہو[۱]۔ یعنی آپ کسی کے سوال کو رد نہ فرماتے۔ اگر موجود ہوتا تو عطا فرماتے اور اگر پاس نہ ہوتا تو قرض لیکر دیتے۔ یا وعدہ عطا فرماتے۔ ایک دفعہ ایک سائل آپ کی خدمت شریف میں آیا۔ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی چیز نہیں مگر یہ کہ تو مجھ پر قرض کرے۔ جب ہمارے پاس کچھ آجائیگا ہم اسے ادا کر دیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا نے آپکو اس چیز کی تکلیف نہیں دی جو آپ کی قدرت میں نہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضؓ کی یہ بات حضور کو پسند نہ آئی۔ انصار میں سے ایک شخص بولا۔ یا رسول اللہ! عطا کیجئے اور عرش کے مالک سے تقلیل کا خوف نہ کیجئے۔ یہ سُن کر آپ نے تبسم فرمایا اور آپ کے روئے مبارک پر تازگی و خوشحالی پائی گئی۔ فرمایا "اسی کا امر کیا گیا ہے[۲]۔"

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال لایا گیا۔ اور یہ زیادہ سے زیادہ مال تھا جو آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو مسجد میں ڈال دو۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو اس مال کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم فرمانے لگے۔ آپ کے چچا حضرت عباس رضؓ آپکے پاس آئے اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ! مجھے اس مال میں سے دیجئے۔ کیونکہ جنگ بدر کے دن میں نے فدیہ دے کر اپنے آپ کو اور عقیل بن ابی طالب کو آزاد کرایا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ لے لو۔ حضرت عباس رضؓ نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کپڑے میں ڈال لیا۔ پھر اٹھانے لگے تو نہ اٹھا سکے۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کسی سے فرمادیں کہ

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الادب۔ باب حسن الخلق والسخاء۔
[۲] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اٹھا کر مجھ پر رکھ دے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں کسی سے اٹھانے کو نہیں کہتا حضرت عباس رضؓ بولے۔ آپ خود اٹھا کر مجھ پر رکھ دیں۔ حضور نے فرمایا۔ میں اسے نہیں اٹھاتا۔ پس حضرت عباس رضؓ نے اس میں سے کچھ گرا دیا۔ پھر اٹھانے لگے۔ تو تب بھی نہ اٹھا سکے۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کسی سے فرما دیں کہ اٹھا کر مجھ پر رکھ دے آپ نے فرمایا۔ میں کسی سے اٹھانے کو نہیں کہتا۔ حضرت عباس رضؓ بولے۔ آپ خود اٹھا کر مجھ پر رکھ دیں۔ حضور نے فرمایا۔ میں اسے نہیں اٹھاتا۔ پس حضرت عباس رضؓ نے اس میں سے بھی کچھ گرا دیا۔ پھر اسے اپنے کندھے پر اٹھا لیا۔ اور روانہ ہوئے حضور اقدس ان کی طرف دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ غائب ہو گئے۔ اور حضور ان کی طمع پر تعجب فرماتے تھے۔ غرض حضور انور وہاں سے اٹھے۔ تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا۔[1] مسند ابن ابی شیبہ میں بروایت حمید بن ہلال بطریق ارسال مروی ہے کہ وہ مال ایک لاکھ درہم تھا۔ اور اسے علاء بن الحضرمی نے بحرین کے خراج میں بھیجا تھا۔ اور یہ پہلا مال تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔

غنائم حنین کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔ ان میں آپ کی سخاوت حد قیاس سے خارج تھی۔ آپ نے اعراب میں بہت سوں کو سو سو اونٹ عطا فرمائے۔[2] مگر اس دن آپ کی سخاوت زیادہ تر مؤلفۃ القلوب کے لئے تھی۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ حضرت انس رضؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص (صفوان بن امیہ) نے اس روز بکریوں کا سوال کیا۔ جن سے دو پہاڑوں کا درمیانی جنگل پُر تھا۔ آپ نے وہ

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب ما اقطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من البحرین۔

[2] بخاری۔ باب غزوۃ الطائف۔

سب اس کو دے دیں۔ اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا: "اے میری قوم! تم اسلام لاؤ۔ اللہ کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسی سخاوت کرتے ہیں کہ فقر سے نہیں ڈرتے۔[1]

حضرت سعید بن مسیب روایت کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین کے دن مجھے مال عطا فرمانے لگے۔ حالانکہ آپ میری نظر میں مبغوض ترین خلق تھے۔ پس آپ مجھے عطا فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ میری نظر میں محبوب ترین خلق ہو گئے۔[2]

حضرت جبیر بن مطعم بیان کرتے ہیں۔ کہ جب میں اور دیگر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین سے (بعد تقسیم غنائم) واپس آ رہے تھے تو بادیہ نشینانِ عرب حضور سے لپٹ گئے۔ وہ حنین کی غنیمت میں سے مانگتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ آپ کو بحالت اضطرار ایک ببول کے درخت کی طرف لے گئے۔ اس درخت میں آپ کی چادر مبارک پھنس گئی۔ آپ ٹھہر گئے اور فرمایا: "مجھے میری چادر دے دو۔ اگر میرے پاس اس جنگل کے درختانِ ببول جتنے چوپائے ہوتے تو البتہ میں ان کو تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ پھر تم مجھ کو بخیل نہ پاتے۔ اور نہ دروغ گو اور بزدل پاتے۔"[3]

حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ ایک روز میں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جب آپ نے کوہ احد کو دیکھا۔ تو فرمایا: "اگر یہ پہاڑ میرے لئے

---

[1] مشکوٰۃ۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم فصل اول۔

[2] جامع ترمذی۔ باب ماجاء فی اعطاء المؤلفۃ قلوبہم۔

[3] صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب الشجاعۃ فی الحرب والجبن۔

سونا بن جائے۔ میں پسند نہ کرونگا۔ کہ اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس تین راتوں سے زیادہ رہ جائے۔ بجز اس دینار کے جسے میں ادائے قرض کے لئے رکھ چھوڑوں[۱]"

ایک روز نمازِ عصر کا سلام پھیرتے ہی آپ دولت خانہ میں تشریف لے گئے پھر جلدی ہی نکل آئے۔ صحابہ کرام کو تعجب ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نماز میں خیال آگیا کہ صدقہ کا کچھ سونا گھر میں پڑا ہے۔ مجھے پسند نہ آیا کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہے۔ اس لئے جا کر اسے تقسیم کرنے کے لئے کہہ آیا ہوں[۲]۔

حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت ایک چادر لیکر آئی۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ میں نے اپنے ہاتھ سے بُنی ہے۔ میں آپ کے پہننے کے لئے لائی ہوں۔ آپ کو ضرورت تھی۔ اس لئے آپ نے وہ چادر لے لی۔ پھر آپ ہماری طرف نکلے۔ اور اسی چادر کو بطور تہ بند باندھے ہوئے تھے صحابہ کرام میں سے ایک نے دیکھ کر عرض کیا۔ کیا اچھی چادر ہے۔ یہ مجھے پہنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ کچھ دیر کے بعد آپ مجلس سے اٹھ گئے۔ پھر لوٹ آئے اور وہ چادر لپیٹ کر اس صحابی کے پاس بھیج دی۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ تو نے اچھا نہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چادر کا سوال کیا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ آپ کسی سائل کا سوال رد نہیں فرماتے۔ اس صحابی نے کہا۔ اللہ کی قسم! میں نے صرف اس واسطے سوال کیا کہ جس دن میں مرجاؤں یہ چادر میرا کفن بنے۔ حضرت سہل

۱؎ صحیح بخاری۔ کتاب الاستقراض۔ باب اداء الدیون۔
۲؎ صحیح بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب یفکر الرجل الشیٔ فی الصلوٰۃ۔

فرماتے ہیں کہ وہ چادر اس کا کفن ہی بنی۔[1]

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوا۔ آپ کے حکم سے اس کے لئے ایک بکری دوہی گئی۔ وہ اس کا دودھ پی گیا۔ دوسری دوہی گئی۔ وہ اس کا دودھ بھی پی گیا۔ پھر ایک اور دوہی گئی۔ وہ اس کا دودھ بھی پی گیا۔ اسی طرح اس نے سات بکریوں کا دودھ پی لیا۔ صبح جو اٹھا تو اسلام لایا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے لئے ایک بکری دوہی جائے۔ وہ اس کا دودھ پی گیا۔ پھر دوسری دوہی گئی۔ مگر وہ اسکا دودھ تمام نہ پی سکا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ "مومن ایک انتڑی میں پیتا ہے اور کافر سات انتڑیوں میں پیتا ہے۔"[2]

حضرت بلال مؤذن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خزانچی تھے۔ ایک روز عبداللہ ہوازنی نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خزانہ کا حال پوچھا۔ انہوں نے بیان کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ نہ رہتا تھا۔ بعثت سے وفات شریف تک یہ کام میری تحویل میں تھا۔ جب کوئی ننگا بھوکا مسلمان آپ کے پاس آتا۔ آپ مجھے حکم دیتے۔ میں کسی سے قرض لیتا اور چادر خرید کر اسے اڑھاتا اور کھانا کھلاتا۔ ایک روز ایک مشرک مجھ سے ملا۔ کہنے لگا۔ بلال میرے ہاں گنجائش ہے۔ میرے سوا کسی اور سے قرض نہ لیا کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک روز میں وضو کر کے اذان دینے

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب البرود والحبرۃ۔

[2] صحیح مسلم۔ باب المومن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعۃ امعاء۔ اس مہمان کا نام غالباً نضلہ بن عمرو غفاری تھا۔

لگا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مشرک تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ آرہا ہے۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔ او حبشی! مَیں نے کہا۔ لبیک۔ پھر اس نے ترش رو ہو کر میری نسبت سخت الفاظ کہے۔ اور بولا "کچھ معلوم ہے۔ وعدے میں کتنے دن باقی ہیں؟" مَیں نے کہا۔ وقت وعدہ قریب آگیا ہے۔ اس نے کہا۔ کہ صرف چار دن باقی ہیں۔ اگر اس مدت میں تُو نے قرضہ ادا نہ کیا۔ تو تجھے غلام بنا کر بکریاں چرواؤں گا۔ جیسا کہ تو پہلے چرایا کرتا تھا۔ یہ سُن کر مجھے فکر و غم دامنگیر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء پڑھ کر دولتخانہ میں تشریف لے گئے۔ مَیں وہیں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ وہ مشرک جس سے میں قرضہ لیا کرتا تھا۔ اُس نے مجھ سے ایسا ایسا کہا ہے۔ آپ کے پاس ادائے قرض کے لئے کچھ موجود نہیں اور نہ میرے پاس ہے۔ وہ مجھ کو فضیحت کرے گا۔ آپ اجازت دیں تو مَیں بھاگ کر مسلمانوں کے کسی قبیلہ میں جا رہوں۔ جب ادائے قرض کے لئے خدا کچھ سامان کر دے گا۔ تو واپس آجاؤں گا۔ غرض مَیں اپنے گھر آگیا۔ اور تلوار، تھیلا، جوتا اور ڈھال اپنے سرہانے رکھ لئے۔ صبح کاذب ہوتے ہی مَیں چلنے لگا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک شخص دوڑتا آرہا ہے۔ اور کہتا ہے۔ بلال! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے یاد فرما رہے ہیں۔ وہاں پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ چار لدے ہوئے اونٹ بٹھائے ہوئے ہیں۔ میں اجازت لیکر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے ادائے قرض کا سامان کر دیا۔ تم نے چار اونٹ بیٹھے دیکھے ہونگے مَیں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اونٹ حاکم فدک نے بھیجے ہیں۔ یہ اور غلہ اور کپڑے جو ان پر ہیں سب تمہاری تحویل میں ہیں۔ ان کو بیچ کر قرضہ ادا کر دو۔ مَیں نے

تعمیل ارشاد کی۔ پھر میں مسجد میں آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام عرض کیا۔ آپ نے ادائے قرضہ کا حال پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ قرضہ سب ادا ہو گیا۔ کچھ باقی نہیں رہا۔ آپ نے پوچھا کہ کچھ بچ تو نہیں رہا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ کچھ بچ بھی رہا۔ فرمایا "مجھے اس سے سبکدوش کرو۔ جب تک یہ کسی ٹھکانے نہ لگے گا میں گھر نہ جاؤنگا"۔ آپ نمازِ عشاء سے فارغ ہوئے تو مجھے بلا کر اس بقیہ کا حال پوچھا میں نے عرض کیا کہ وہ میرے پاس ہے کوئی سائل نہیں ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو مسجد ہی میں رہے۔ دوسرے روز نماز عشاء کے بعد مجھے پھر بلایا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ یہ سُن کر آپ نے تکبیر کہی اور خدا کا شکر کیا۔ کیونکہ آپ کو ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور وہ مال میرے پاس ہو۔ پھر آپ دولتخانہ میں تشریف لے گئے[1]۔

بعض وقت ایسا ہوتا۔ کہ آپ کسی شخص سے ایک چیز خریدتے۔ قیمت چکا دینے کے بعد وہ اسی کو یا کسی دوسرے کو عطا فرماتے چنانچہ آپ نے حضرت جابر بن عبداللہ سے ایک اونٹ خریدا۔ پھر وہی اونٹ ان کو بطور عطیہ عنایت فرمایا۔ اسی طرح ایک روز آپ نے حضرت عمر فاروق رضؓ سے ایک شتر بچہ خریدا پھر حضرت عبداللہ بن عمر کو عطا فرمایا[2]۔

غرض جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا۔ سب راہِ خدا میں دیدیتے۔

---

[1] ابوداؤد۔ جلد ثانی۔ کتاب الخراج والفئ۔ باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب البیوع۔ باب شری الدواب والحمیر۔ باب اذا اشتریٰ شیئاً فوہب من ساعتہ قبل ان یتفرقا۔

پاس نہ ہوتا۔ تو قرضہ لیکر سائل کی حاجت روائی فرماتے۔ اپنی ذات شریف کے لئے
دوسرے دن کا نفقہ بھی جمع نہ کرتے۔[1] البتہ بعض وقت اپنے حرم کے لئے ایک سال کا
نفقہ ذخیرہ کر لیتے۔ جب آپ کسی محتاج کو دیکھتے۔ تو باوجود احتیاج کے اپنا کھانا
اسے دیدیتے۔ آپ کے دولتخانہ میں بعض دفعہ دو دو مہینے آگ نہ جلتی تھی۔ ایک
دفعہ غنیمت میں کنیزیں آئی ہوئی تھیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا۔ کہ تم اس
موقع پر اپنے والدِ بزرگوار سے خدمت کے لئے ایک کنیز مانگ لو۔ جب وہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ تو آپ نے پوچھا کہ کس لئے آئی
ہو؟ عرض کیا۔ کہ سلام کرنے آئی ہوں۔ اور بپاسِ حیا اظہارِ مطلب نہ کیا۔ اور واپس
آکر حضرت علیؓ سے یہی عذر بیان کر دیا۔ پھر دونوں حاضرِ خدمت اقدس ہوئے۔ حضرت
علیؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آب کشی کرتے کرتے میرے سینے پر نیل پڑ گئے ہیں۔
حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا۔ کہ چکی پیستے پیستے میری ہتیلیوں پر آبلے پڑ گئے ہیں۔
آپ خدمت کے لئے ایک کنیز عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا۔ "واللہ کی قسم! یہ
نہیں ہونے کا کہ میں تم کو خادمہ دوں اور اہلِ صُفہ بھوکے مریں۔ ان کے خرچ
کے لئے میرے پاس کچھ نہیں۔ میں ان اسیرانِ جنگ کو بیچ کر ان کی قیمت اہلِ صُفہ
پر خرچ کروں گا۔" رات ہوئی تو آپ حضرت علیؓ و فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔
دونوں ایسی پرزہ دار چادر میں تھے کہ اگر اس سے سر ڈھانپتے۔ تو پاؤں ننگے ہو
جاتے۔ اور پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگے رہتے۔ آپ کو دیکھ کر دونوں اٹھنے لگے۔
آپ نے فرمایا۔ اپنی جگہ پر رہو۔ پھر ارشاد فرمایا۔ کہ میں تمہیں کنیز سے بہتر چیز بتاتا

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہوں۔ اور وہ وہ کلمات ہیں جو حضرت جبرئیلؑ نے مجھے سکھائے ہیں۔ یعنی ہر نماز کے بعد سُبحَانَ اللہ دس بار۔ اَلحَمدُ لِلّٰہ دس بار اور اَللّٰہُ اَکبَر دس بار۔ اور سونے کے وقت سُبحَانَ اللہ ۳۳ بار، اَلحَمدُ لِلّٰہِ ۳۳ بار اور اَللّٰہُ اَکبَر ۳۴ بار پڑھ لیا کرو۔[۱]

شجاعت وقوت عزم واستقلال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان اوصاف میں بھی سب پر فائق تھے۔ ایک رات مدینہ منورہ کے لوگ ڈر گئے اور شور وغل برپا ہوا۔ گویا کوئی چور یا دشمن آتا ہے۔ آپ نے حضرت ابوطلحہ کا گھوڑا لیا۔ جو سست رفتار اور سرکش تھا۔ آپ اس کی پیٹھ پر بغیر زین کے سوار ہو گئے۔ اور تلوار آڑے لٹکائے ہوئے جنگل کی طرف اکیلے ہی تشریف لے گئے۔ جب لوگ اس آواز کی طرف گئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو راستے میں واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ نے ان کو تسلی دی۔ کہ ڈرو مت ڈرو مت۔ اور گھوڑے کی نسبت فرمایا۔ کہ ہم نے اسے دریا کی مانند تیز رفتار پایا۔[۲]

غزوات میں جہاں بڑے بڑے دلاور و بہادر بھاگ جایا کرتے تھے آپ ثابت قدم رہا کرتے تھے۔ چنانچہ جنگ احد میں جب مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی۔ تو یہ کوہِ استقامت اپنی جگہ پر قائم رہے۔ اور دشمنوں پر تیر پھینکتے رہے۔ جب کمان پارہ پارہ ہو گئی۔ تو سنگ اندازی شروع کی۔ جنگِ حنین میں صرف چند جانباز آپ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ باقی سب بھاگ گئے تھے۔ اس نازک حالت میں آپ نے

۱؎ مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب حسن الخلق والسخاء۔

اسی پر اکتفا نہ کیا کہ اپنی جگہ پر قائم رہ کر مدافعت فرمائیں۔ بلکہ اپنے خچر کو بار بار ایڑ لگا کر دشمن کی طرف بڑھانا چاہتے تھے مگر وہ جانباز مانع آ رہے تھے۔

جب گھمسان کا معرکہ ہوا کرتا تھا۔ تو صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آڑ میں پناہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت برار بن عازب کا قول ہے "اللہ کی قسم! جب لڑائی شدت سے ہوا کرتی تھی تو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ ڈھونڈا کرتے تھے۔ اور ہم میں سے بہادر وہ ہوتا تھا۔ جو آپ کے ساتھ دشمن کے مقابل کھڑا ہوتا تھا۔[1]

اعلانِ دعوت پر قریش نے آپ کی سخت مخالفت کی۔ جب ابو طالب نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ تو آپ نے یوں فرمایا۔ "چچا جان! اللہ کی قسم اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تاکہ میں اس کام کو چھوڑ دوں۔ تب بھی اس کام کو نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ خدا اسے غالب کر دے یا میں خود اس میں ہلاک ہو جاؤں۔"

ہجرت سے پہلے قریش نے مسلمانوں کو اس قدر ستایا کہ ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ تنگ آ کر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ان پر بددعا فرمائیں۔ یہ سن کر آپ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا۔ "تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں ان پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا۔ اور ان کے سروں پر آرے رکھے جاتے اور چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ مگر یہ اذیتیں ان کو دین سے برگشتہ نہ کر سکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ

---

[1] صحیح مسلم۔ غزوۂ حنین۔

دین اسلام کو کمال تک پہنچائے گا۔ یہاں تک کہ ایک سوار صنعار سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اُسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔" (صحیح بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ بدنی بھی سب سے زیادہ تھی۔ غزوۂ احزاب میں جب صحابہ کرام خندق کھود رہے تھے۔ تو ایک جگہ ایسی سخت زمین ظاہر ہوئی کہ سب عاجز آ گئے۔ آپ سے عرض کیا گیا تو آپ بذاتِ شریف خندق میں اترے۔ اور ایک کدال ایسا مارا کہ وہ سخت زمین ریگ رواں کا ایک ڈھیر بن گئی۔[1]

رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم قرشی مطلبی قریش میں سب سے طاقتور تھا۔ وہ ایک روز مکہ کے راستے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ "رکانہ! کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ اور میری دعوتِ اسلام کو قبول نہیں کرتا؟" اس نے کہا۔ کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ سچ ہے۔ تو میں آپ پر ایمان لے آؤں۔ آپ نے فرمایا۔ "اگر میں تجھے کشتی میں پچھاڑ دوں تو کیا تو مان جائے گا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں سچ ہے؟" وہ بولا کہ ہاں۔ آپ نے اسے پکڑتے ہی چاروں شانے چت گرا دیا۔ کہنے لگا۔ "محمد! آپ مجھ سے دوبارہ کشتی لڑیں۔" آپ نے دوسری دفعہ بھی اسے پچھاڑ دیا۔ اس پر اُس نے کہا۔ "محمد! خدا کی قسم آپ کا مجھے پچھاڑنا عجیب ہے۔" آپ نے فرمایا۔ "اگر تو خدا سے ڈرے اور مجھ پر ایمان لائے۔ تو میں اس سے بھی عجیب امر تجھ کو دکھاتا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ درخت جو تو دیکھتا ہے۔ میں اسے بلاتا ہوں۔ اور

---

[1] صحیح بخاری۔ غزوۂ خندق۔

وہ میرے پاس چلا آئے گا۔ اس نے کہا کہ آپ اسے بلائیے۔ چنانچہ وہ درخت آپ کے بلانے پر پاس آکھڑا ہوا۔ رکانہ نے کہا۔ کہ اسے حکم دیجئے کہ اپنی جگہ پر چلا جائے۔ آپ کے حکم سے وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ رکانہ نے اپنی قوم میں جا کر کہا کہ میں نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر کسی کو جادوگر نہیں دیکھا۔ پھر بیان کیا جو کچھ دیکھا تھا[۱]۔ رکانہ مذکور فتح مکہ میں ایمان لائے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آپ نے ابوالاسود جمحی کو بھی پچھاڑا تھا۔ جو ایسا طاقتور تھا کہ گائے کی کھال پر کھڑا ہو جاتا۔ دس جوان اس کھال کو اس کے پاؤں کے نیچے سے نکال لینے کی کوشش کرتے۔ وہ چمڑا پھٹ جاتا۔ مگر اس کے پاؤں کے نیچے سے نہ نکل سکتا تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "اگر آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔" آپ نے اسے پچھاڑ دیا۔ مگر وہ بدبخت ایمان نہ لایا۔[۲]

زہد

یہ وصف بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک میں کمال درجے کا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ ایک قوم کے پاس سے گزرے۔ جن کے آگے بکری کا بھنا ہوا گوشت رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے آپ کو شریک طعام ہونے کے لئے بلایا مگر آپ نے یہ فرما کر انکار کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اور جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی۔[۳]

---

[۱] سیرت ابن ہشام۔ [۲] مواہب لدنیہ۔
[۳] صحیح بخاری۔ باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ یاکلون۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کبھی لگاتار دو روز جو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے رحلت فرما گئے[1]۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خوان پر کھانا نہ کھایا۔ اور نہ باریک روٹی تناول فرمائی[2]۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتخانہ میں بعض دفعہ دو دو مہینے آگ روشن نہ ہوا کرتی تھی۔ اور صرف پانی اور چھواروں پر گزارہ ہوتا تھا[3]۔ بعض وقت آپ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہ انصاری بیان فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور ہم میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا دکھایا پس آپ نے اپنے پیٹ مبارک پر دو پتھر بندھے دکھائے[4]۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ تو میرے گھر کے طاق میں سوائے آدھے پیمانہ جو کے کچھ کھانے کو نہ تھا[5]۔ اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تیس صاع جو کے عوض گرو تھی جو آپ نے اپنے اہل وعیال کے نفقہ کے لئے لئے تھے[6]۔

---

[1] مشکوٰۃ۔ بحوالہ صحیحین۔ باب فضل الفقر۔
[2] صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب فضل الفقر۔
[3] صحیح بخاری۔ باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ۔
[4] مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب فضل الفقراء۔
[5] صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب فضل الفقر۔
[6] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایلاء کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مشربہ (بالاخانہ) میں تشریف رکھتے تھے۔ جہاں کھانے پینے کا اسباب رکھا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو جب ایلاء کی خبر لگی۔ تو گھبرائے ہوئے اس مشربہ میں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جو برگِ خرما سے بنی ہوئی ہے اور جس پر کوئی توشک وغیرہ نہیں۔ بوریائے خرما کے نشان آپ کے پہلوئے مبارک پر پڑے ہوئے ہیں۔ اور بدن مبارک پر ایک تہ بند کے سوا کچھ نہیں۔ سرہانے ایک تکیہ ہے۔ جس میں خرما کی چھال بھری ہوئی ہے۔ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خزانہ کو دیکھا۔ ایک کونے میں مٹھی بھر جَو رکھے ہوئے تھے۔ پاؤں مبارک کے قریب درخت سلم کے کچھ پتے (جو دباغت میں کام آتے ہیں) پڑے ہوئے تھے۔ اور سر مبارک کے پاس ایک کھونٹی پر تین کھالیں لٹک رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے پوچھا۔ ابن خطاب! کیوں روتے ہو؟ مَیں نے عرض کیا کہ کیوں نہ روؤں۔ بوریائے خرما کے نشان آپ کے پہلوئے مبارک پر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ آپ کا خزانہ ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ نظر آ رہا ہے۔ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور خدا کے رسول و برگزیدہ کے خزانہ کا یہ حال ہو۔ آپ نے فرمایا۔ ابن خطاب! کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ آخرت ہمارے واسطے اور دنیا ان کے لئے ہو۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحیح مسلم۔ باب بیان ان تخییرہ امرأتہ لایکون طلاقاً الا بالنیۃ۔ صحیح بخاری۔ کتاب النکاح باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجھا۔

بوریائے خرما پر سوئے ہوئے تھے۔ اٹھے تو اس کے نشان آپ کے پہلوئے مبارک پر پڑے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کے لئے گدا بنوا دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "مجھے دنیا سے کیا غرض۔ دنیا میں میرا حال اس سوار کی مانند ہے جو ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھتا ہے"۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال کے لئے بھی زہد کی زندگی پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ازواج مطہرات کے حجرے کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے۔ جن کی چھت کہگل کی ہوئی تھی۔ اور وہ قد آدم سے کچھ ہی اونچے تھے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ پہننے کے لئے ان میں سے ہر ایک کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا تھا۔[2]

حضرت ثوبان کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کا قصد فرماتے، تو اپنے اہل میں سے سب سے اخیر حضرت فاطمہ زہرا رضؓ سے مل کر جاتے۔ اور واپس آکر سب سے پہلے حضرت فاطمہ زہرا رضؓ سے ملتے۔ ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ نے اپنے دروازہ پر پردہ لٹکایا ہوا تھا۔ اور امام حسن رضؓ اور امام حسین رضؓ کو چاندی کے کنگن پہنائے ہوئے تھے۔ آپ حسب معمول حضرت فاطمہ رضؓ کے یہاں آئے۔ تو اندر داخل نہ ہوئے اور تشریف لے گئے حضرت فاطمہ زہرا رضؓ نے خیال کیا۔ کہ زینت و زیور ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر آنے سے روکا ہے۔ اس لئے

---

[1] جامع ترمذی۔ ابواب الزہد۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الحیض۔ باب ہل یصلی المرأۃ فی ثوب حاضت فیہ۔ ابوداؤد۔ باب المرأۃ تغسل ثوبہا الذی تلبسہا فی غیضہا۔

پردے کو پھاڑ ڈالا۔ اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال دیتے حضرت حسنین رضؓ روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ حضور نے کنگن ان سے لے لئے اور فرمایا "ثوبان! یہ زیور فلاں شخص کی آل کے ہاں لے جا۔ کیونکہ یہ میرے اہل بیت ہیں میں پسند نہیں کرتا کہ یہ اپنی دنیوی زندگی میں لذائذ سے حظ اٹھائیں۔ ثوبان! فاطمہ رضؓ کیلئے ایک عصب[1] کا ہار اور عاج (ہاتھی دانت) کے دو کنگن خرید لاؤ[2]۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہ رضؓ کے گھر پر تشریف لے گئے مگر اندر داخل نہ ہوئے۔ حضرت علی رضؓ آئے تو حضرت فاطمہ رضؓ نے ان سے یہ ذکر کر دیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ فاطمہ رضؓ کے دروازے پر مخطط پردہ لٹک رہا تھا۔ پھر فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا غرض۔ جب حضرت علی رضؓ نے حضرت فاطمہ رضؓ سے یہ بیان کیا۔ تو وہ بولیں۔ کہ حضور انور اس بارے میں جو چاہیں ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسے فلاں حاجتمند اہلِ بیت کو دیدیں۔ اسی طرح حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حلہ سیراء (مخطط یا ریشمی) بطور ہدیہ عطا فرمایا۔ میں نے اسے پہن لیا۔ یہ دیکھ کر حضور انور کے چہرۂ مبارک پر غضب کے آثار نمودار ہوئے۔ میں نے اسے پھاڑ کر اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا[3]۔

---

[1] عصب کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ ایک بحری جانور کے دانت کو عصب کہتے ہیں جس کو تراش کر منکے بنائے جاتے ہیں۔ عصب کے معنی پٹھے کے بھی ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض حیوانات کے پٹھوں کو خشک کر کے کتر کر منکے بنا لیتے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[2] مشکوٰۃ بحوالہ احمد و ابوداؤد۔ کتاب اللباس۔ باب الترجل۔

[3] صحیح بخاری۔ کتاب الھبۃ۔ باب ہدیۃ ما یکرہ لبسہا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی دعوت کی۔ اور کھانا تیار کیا۔ حضرت فاطمہ زہراؓ نے کہا۔ کیا خوب ہو اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شریک طعام کر لیں۔ چنانچہ ہم نے آپ کو بلایا۔ آپ تشریف لائے۔ آپ نے دروازے کے بازوؤں پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا۔ اور گھر کے ایک طرف پردہ لٹکتا دیکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ جائیے اور دیکھئے کہ آپ کس واسطے واپس ہو گئے۔ حضرت علی نے آپ سے واپسی کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ یہ پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ زیب و زینت والے گھر میں داخل ہو۔[1]

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے گئے تھے۔ میں آپ کی واپسی کا انتظار کیا کرتی تھی۔ ہمارے ہاں ایک رنگین فرش تھا۔ میں نے اسے چھت کے ایک شہتیر پر لپیٹ دیا۔ جب آپ تشریف لائے۔ تو میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا "السلام علیك یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سب ستائش خدا کے لئے ہے جس نے آپ کو شرف و بزرگی بخشی"۔ آپ نے گھر میں بساط رنگین دیکھ کر میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے آپ کے چہرۂ مبارک پر کراہت کے آثار دیکھے۔ آپ نے اس فرش کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ خدا نے جو کچھ ہمیں دیا ہے۔ اس کے بارے میں ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ اینٹ پتھر کو پہنا دیں۔ پس میں نے اس کے دو تکیے بنا لئے۔ جن میں کھجور کی چھال بھر دی۔ آپ نے اس پر اعتراض نہ فرمایا۔[2]

---

[1] ابوداؤد۔ کتاب الاطعمہ۔ باب الرجل یدعیٰ فیریٰ مکروہًا۔ [2] ابوداؤد۔ کتاب اللباس۔ باب فی الصور۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں۔ کہ ہمارے ہاں ایک پردہ تھا جس میں پرندوں کی تصویریں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہؓ! اس کو بدل ڈالو کیونکہ جب میں اسے دیکھتا ہوں۔ تو دنیا یاد آتی ہے[۱]۔

واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ زہد اختیاری تھا۔ خدا تعالیٰ نے تو زمین کے خزانوں کی کنجیاں آپ پر پیش کیں۔ مگر آپ کی ہمت عالی نے عبودیت و زہد کو پسند فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ میرے پروردگار نے مجھ سے فرمایا کہ "اگر تو چاہے تو تیرے واسطے وادیٔ مکہ کو سونا بنا دوں"۔ مگر میں نے عرض کیا "اے میرے پروردگار! میں یہ نہیں چاہتا۔ بلکہ یوں چاہتا ہوں کہ ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور دوسرے روز بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں۔ تو تیرے آگے زاری و عاجزی کروں۔ اور جب سیر ہو جاؤں۔ تو تیری حمد اور تیرا شکر کروں[۳]"۔

اس میں شک نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فتوحات بکثرت ہوئیں۔ مگر جو کچھ آتا راہِ خدا میں اٹھا دیتے۔ اور خود زہد کی زندگی بسر کرتے۔ یہاں تک کہ جب آپ کا وصال شریف ہوا۔ تو بدن مبارک پر صرف ایک کملی اور تہ بند تھا۔ کملی میں پیوند پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور نمدہ کی طرح ہو گئی تھی۔ تہ بند کا کپڑا بھی پیوندوں کی کثرت سے موٹا ہو گیا تھا[۳]۔ اور آپ کی زرہ ذات الفضول نام ابو الشحم

---

۱ مشکوٰۃ بحوالہ امام احمد۔ کتاب الرقاق۔

۲ مواہب لدنیہ بحوالہ طبرانی۔

۳ جامع ترمذی۔ ابواب الزہد۔ باب ماجاء فی الکفاف والصبر علیہ۔

۴ صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب ما ذکر من درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ وعصاہ وسیفہ الخ

یہودی کے پاس بیس صاع جو میں گرو تھی۔ جو آپ نے اپنے اہل کے لئے ایک دینار کو لئے تھے (ترمذی)

خوف و عبادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معرفت الٰہی اور علم سب سے زیادہ تھا۔ اس لئے آپ سب سے زیادہ خداترس اور عبادت کرنے والے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تمہیں معلوم ہوتا جو مجھے معلوم ہے۔ تو تم البتہ زیادہ روتے اور تھوڑا ہنستے"[۱]

آپ کی عبادت کا یہ حال تھا کہ کثرت قیام شب کے سبب سے آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آگیا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ آپ یہ تکلیف و محنت کیوں اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ خداتعالیٰ نے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا "کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں"[۲] یعنی کیا میں اس بات کا شکر نہ کروں کہ میں بخشا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی فرماتی ہیں۔ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات نماز میں کھڑے رہے۔ اور قرآن کی ایک ہی آیت بار بار پڑھتے رہے[۳]۔

حضرت حذیفہ بن الیمان کا بیان ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو تعلمون ما اعلم۔ الخ

[۲] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی عبادۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[۳] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی عبادۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ روایت ابوذر میں ہے کہ وہ آیت یہ ہے۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (سنن ابن ماجہ۔ باب ماجاء فی القراءۃ فی صلوٰۃ اللیل)

وسلم کو رات کے ایک حصے میں نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ یوں پڑھتے تھے۔ اللہ اکبر (تین بار) ذو الملک والجبروت والکبریاء والعظمۃ پھر دعائے استفتاح پڑھتے تھے بعد ازاں آپ نے (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ پڑھ کر رکوع کیا۔ آپ کا رکوع (طوالت میں) مانند قیام کے تھا۔ اور اس میں سبحان ربی العظیم پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا۔ آپ کا قومہ مانند رکوع کے تھا۔ اور آپ اس میں لربی الحمد پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے سجدہ کیا۔ آپ کا سجدہ مانند قومہ کے تھا۔ آپ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا آپ دو سجدوں کے درمیان مانند سجدہ کے بیٹھتے تھے۔ اور رب اغفر لی رب اغفر لی پڑھتے تھے۔ اس طرح آپ نے چار رکعتیں پڑھیں۔ اور ان میں سورۂ بقرہ و آل عمران و نساء اور مائدہ یا انعام ختم کیں[1]۔

آپ کو خوف الٰہی کمال درجہ کا تھا حضرت عبداللہ بن الشخیر روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور رونے کے سبب سے آپ کے شکم مبارک سے تانبے کی دیگ (کے جوش) کی مانند آواز آرہی ہے[2]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے تفصیلی حالات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ یہاں بوجہ اختصار ان کے ایراد کی گنجائش نہیں۔ مگر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ آپ کا طرزِ عمل افراط و تفریط سے خالی ہوا کرتا تھا۔ نہ تمام رات نماز

---

[1] مشکوٰۃ۔ بحوالہ ابوداؤد۔ باب صلوٰۃ اللیل۔

[2] شمائل ترمذی۔ باب ما جاء فی بکاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پڑھتے اور نہ تمام رات سوتے۔ بلکہ رات کو نماز بھی پڑھتے اور سو بھی لیتے۔ اسی طرح روزوں کا حال تھا۔ ماہِ رمضان مبارک کی طرح تمام ماہِ شعبان کے روزے رکھتے باقی دس مہینوں میں سے ہر ایک میں آپ ہمیشہ روزہ نہ رکھتے کہ افراط لازم آئے اور نہ ہمیشہ افطار فرماتے کہ تفریط لازم آئے۔ بلکہ ہر مہینہ میں کبھی روزہ رکھتے اور کبھی افطار فرماتے۔[1]

عدل و انصاف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ عادل و امین تھے طفولیت میں جب مائی حلیمہ رض نے آپ کو پہلے پہل گود میں لیا۔ تو آپ نے صرف داہنی چھاتی سے دودھ پیا۔ اور دوسری ان کے شیر خوار بچہ کے لئے چھوڑ دی۔[2]

جب آپ غنائمِ حنین تقسیم فرما رہے تھے۔ تو ذو الخویصرہ رأس الخوارج نے کہا یا رسول اللہ! عدل کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ "تجھ پر افسوس۔ میں اگر عدل نہ کروں تو اور کون کریگا۔ اگر میں عادل نہیں تو تو نا امید و زیاں کار ہے۔" حضرت عمر رض فاروق نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا۔ "اسے جانے دو۔ کیونکہ اس کے اصحاب ایسے ہیں۔ کہ ان کی نمازوں کے مقابلے میں تم اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے۔ وہ دین سے یوں نکل جاتے ہیں۔ جیسا تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے۔"[3]

---

[1] صحیح بخاری۔ باب ما یذکر من صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم و افطارہ۔
[2] شرح ہمزیہ لابن حجر الہیتمی بحوالہ ابن اسحاق و ابن راہویہ و ابو یعلیٰ و طبرانی و بیہقی و ابو نعیم۔
[3] صحیح بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

ایک دفعہ آپ نے ایک شخص سے کچھ کھجوریں ادھار لیں۔ جب اس نے تقاضا کیا۔ تو آپ نے فرمایا:۔ "آج ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ مہلت دیجئے کہ کچھ آجائے تو ادا کردوں"۔ یہ سن کر وہ بولا "آہ بے وفائی"۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ کو غصہ آگیا۔ آپ نے فرمایا۔ "عمر! جانے دو۔ صاحب حق ایسا ویسا کہا کرتا ہے"۔ پھر آپ نے حضرت خولہ بنت حکیم انصاریہ سے کھجوریں منگوا کر اس کے حوالہ کیں[1]۔

حضرت ابوحدرو اسلمی کا بیان ہے کہ مجھ پر ایک یہودی کا چار درہم قرض تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کا ارادہ فرما رہے تھے۔ اس نے مجھ سے تقاضا کیا۔ مَیں نے مہلت مانگی۔ تو وہ نہ مانا اور مجھے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے مجھ سے دو دفعہ فرمایا کہ اس کا حق ادا کردو۔ مَیں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ مہم خیبر کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ شاید ہمیں وہاں سے کچھ غنیمت ہاتھ لگے۔ آپنے پھر فرمایا۔ کہ اس کا حق ادا کردو۔ یہ قاعدہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کے لئے تین بار فرما دیتے۔ تو پھر کوئی عذر نہ کیا جاتا۔ میرے پاس بدن پر ایک تہ بند اور سر پر عمامہ تھا۔ مَیں نے اس یہودی سے کہا۔ کہ اس تہ بند کو مجھ سے خرید لو۔ چنانچہ اس نے چار درہم میں خرید لیا۔ مَیں نے عمامہ سر سے اتار کر کمر سے لپیٹ لیا۔ ایک عورت میرے پاس سے گذری۔ اُس نے اپنی چادر مجھے اڑھا دی[2]۔

سرق ایک صحابی تھے ان سے اس نام کی وجہ تسمیہ دریافت کی گئی۔ تو کہنے لگے کہ ایک بدوی دو اونٹ لیکر آیا۔ مَیں نے خرید لئے۔ پھر مَیں (قیمت لانے کے

---

[1] معجم صغیر طبرانی۔ اسم محمد۔ [2] معجم صغیر طبرانی۔ اسم عبدان شروع۔

بہانہ سے) اپنے گھر میں داخل ہوا اور عقب خانہ سے نکل گیا۔ اور ان اونٹوں کو بیچ کر اپنی حاجت پوری کی۔ مَیں نے خیال کیا کہ بدوی چلا گیا ہوگا۔ مَیں واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کھڑا ہے۔ وہ مجھے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ اور واقعہ عرض کیا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ مَیں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مَیں نے اونٹوں کو بیچ کر اپنی حاجت روائی کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بدوی کو قیمت ادا کر دو۔ مَیں نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو سرق ہے۔ پھر بدوی سے فرمایا کہ تم اس کو بیچ کر اپنی قیمت وصول کر لو۔ چنانچہ لوگ اس سے میری قیمت پوچھنے لگے۔ وہ ان سے کہتا تھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہتے تھے کہ ہم خرید کر اس کو آزاد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سُن کر بدوی نے کہا کہ مَیں تمہاری نسبت ثواب کا زیادہ مستحق و خواہاں ہوں۔ اور مجھ سے کہا کہ جاؤ۔ مَیں نے تم کو آزاد کر دیا[1]۔

ایک دفعہ خاندان مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش نے چاہا کہ وہ حد سے بچ جائے۔ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب خاص تھے درخواست کی کہ آپ سفارش کیجئے۔ چنانچہ حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی۔ آپ نے فرمایا ”کیا تم حد میں سفارش کرتے ہو؟ تم سے پہلے لوگ (بنی اسرائیل) اسی سبب سے تباہ ہوئے کہ وہ غریبوں پر حد جاری کرتے اور امیروں کو چھوڑ دیتے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی ایسا کرتی۔ تو مَیں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا[2]“۔

---

[1] مستدرک حاکم۔ کتاب الاحکام۔ تقصہ سرق رضی اللہ عنہ۔ [2] صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک شخص آیا اور آپ پر جھک گیا۔ آپ نے کھجور کی سوکھی شاخ سے جو آپ کے دست مبارک میں تھی اسے ٹھوکا دیا جس سے اس کے منہ پر خراش آگئی۔ آپ نے فرمایا کہ تم مجھ سے قصاص لے لو۔ اس نے عرض کیا "یارسول اللہ میں نے معاف کر دیا"[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے لئے صف آرائی کر رہے تھے۔ حضرت سواد بن غزیہ انصاری صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک تیر کی لکڑی سے ان کے پیٹ کو ٹھوکا دیا اور فرمایا:-

استو یاسواد　　　　اے سواد! برابر ہو جاؤ

اس پر سواد نے حضور سے قصاص طلب کیا۔ آپ نے فوراً اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا اور فرمایا کہ قصاص لے لو۔ یہ قصہ بالتفصیل پہلے آچکا ہے۔

آپ کی امانت کا یہ عالم تھا۔ کہ نبوت سے پہلے بھی آپ عرب میں امین مشہور تھے۔ چنانچہ جب قریش کعبہ کو از سر نو بنانے لگے اور وہ حجر اسود کی جگہ تک تیار ہو گیا تو قبائل قریش میں جھگڑا ہوا۔ ہر ایک قبیلہ یہی چاہتا تھا۔ کہ حجر اسود کو اٹھا کر ہم اس کی جگہ پر رکھیں گے۔ آخر یہ قرار پایا۔ کہ جو شخص کل صبح باب بنی شیبہ سے حرم میں پہلے داخل ہو وہ ثالث بنے۔ اتفاقاً اس دروازے سے جو پہلے داخل ہوئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب پکار اٹھے[2]:-

هٰذَا الْاَمِیْنُ رَضِیْنَا هٰذَا مُحَمَّدٌ　　　　یہ امین ہیں۔ ہم راضی ہیں۔ یہ محمد ہیں

جب انہوں نے آپ سے یہ معاملہ ذکر کیا۔ تو آپ نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود

---

[1] ابوداؤد۔ باب القود بغیر حدید　　[2] سیرت ابن ہشام۔ حدیث بنیان الکعبۃ

کو اس میں رکھا۔ پھر فرمایا کہ ہر طرف والے ایک ایک سردار انتخاب کرلیں۔ اور وہ چاروں سردار چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اٹھائیں۔ اس طرح جب وہ چادر مقام نصب کے برابر پہنچ گئی۔ تو آپ نے اپنے دست مبارک سے حجرِ اسود کو اٹھا کر دیوار کعبہ میں نصب فرمایا۔ اور وہ سب خوش ہو گئے۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر ایک جوڑا قطری موٹے کپڑے کا جب آپ بیٹھتے۔ تو وہ پسینہ سے بوجھل ہو جاتا۔ ایک یہودی کے ہاں شام سے کپڑے آئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے عرض کیا۔ کہ آپ کسی کے ہاتھ اس سے ایک جوڑا قرض منگوالیں۔ جب آپ کا آدمی یہودی کے پاس پہنچا۔ تو اس نے کہا۔ "میں سمجھا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ میرا مال یا دام یوں ہی اڑالیں"۔ آپ نے سُن کر فرمایا۔ "اس نے جھوٹ کہا۔ اسے معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں[۱]"۔

قریش کو اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت تھی۔ مگر باوجود اس کے اپنی جوکھم کی چیز آپ ہی کے ہاں امانت رکھا کرتے تھے جیسا کہ اس کتاب میں پہلے مذکور ہوا۔

صدق

اپنے تو در کنار بیگانے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے قائل تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام ابھی ایمان نہ لائے تھے کہ حضور کو دیکھتے ہی پکار اٹھے:۔

وَجْهُهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ ان کا چہرہ دروغ گو کا چہرہ نہیں[۲]

صلح حدیبیہ کی مدت میں ہرقل روم نے ابوسفیان (جو اب تک ایمان نہ لائے تھے)

---

[۱] ترمذی۔ باب ماجاء فی الرخصۃ فی الشراء الی اجل۔ [۲] مشکوٰۃ شریف۔ باب فضل الصدقۃ۔

سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پوچھا "کیا دعوائے نبوت سے پہلے تمہیں ان پر جھوٹ بولنے کا گمان ہوا ہے؟" ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رض روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ "ہم (معشر قریش) تم کو جھوٹا نہیں کہتے۔ لیکن جو کچھ (کتاب و شریعت) تم لائے ہو۔ اس سے ہم انکار کرتے ہیں۔" اس پر ابوجہل اور اس کے امثال کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

فَاِنَّھُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ ○ (انعام ع ۴)	وہ تجھ کو جھوٹا نہیں کہتے۔ لیکن ظالم خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

عتبہ بن ربیعہ حضرت امیر معاویہ کی والدہ ہند کا باپ تھا۔ جو جنگ بدر میں کفر پر مرا۔ ایک روز قریش نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کیلئے بھیجا۔ اس نے حضور پر چند امور پیش کئے کہ ان میں سے جو چاہیں اختیار کر لیں اور نئے مذہب سے باز آئیں۔ اس کے جواب میں آپ نے سورۂ حٰم السجدہ پڑھنی شروع کی۔ جب آپ آیہ فَاِنْ اَعْرَضُوْا پر پہنچے۔ تو عتبہ نے آپ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ کر اور قرابت کی قسم دے کر کہا کہ آپ آگے نہ پڑھیں۔ اس کے بعد عتبہ نے واپس جا کر قریش سے یہ ماجرا بیان کیا اور کہا کہ اس نے مجھے قرآن سنایا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا:۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ	اگر وہ منہ پھیریں۔ تو کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں ایک کڑاکے سے ڈرایا ہے جیسا کہ

وَثَمُوْدَ ۝ عاد و ثمود پر آیا تھا۔

تو میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور قرابت قریبہ کی قسم دے کر کہا کہ بس آگے نہ پڑھیے۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب کچھ کہہ دیتا ہے۔ تو جھوٹ نہیں بولتا۔ اس لئے میں ڈر گیا کہ کہیں تم پر وہ عذاب نازل ہو جائے جس سے اس نے ڈرایا تھا[1]۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلانِ دعوت کا حکم آیا۔ تو آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا۔ جب وہ جمع ہو گئے۔ تو آپ نے ان سے پوچھا "بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ وادئ مکہ سے ایک سواروں کا لشکر تم پر تاخت و تاراج کرنا چاہتا ہے تو کیا تمہیں یقین آجائے گا" وہ بولے "ہاں" کیونکہ ہم نے تم کو سچ ہی بولتے دیکھا ہے[2]۔

حسنِ عہد و وفا

جب ہرقل قیصرِ روم نے ابوسفیان سے پوچھا "کیا وہ مدعیٔ نبوت عہد شکنی کرتا ہے؟" تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔

ابورافع ایک قبطی غلام تھے۔ جو مکہ میں رہا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے۔ کہ قریش نے مجھے سفیر بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا۔ جب میں نے آپ کو

---

[1] خصائص کبریٰ للسیوطی۔ بحوالہ ابن ابی شیبہ۔ و بیہقی و ابی نعیم۔ جز اول صفحہ ۱۱۴

[2] صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ شعرا۔

دیکھا۔ تو میرے دل میں اسلام کی صداقت جاگزیں ہوگئی۔ مَیں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! مَیں واللہ کبھی انکے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ "مَیں عہد شکنی نہیں کرتا اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روکتا ہوں۔ تم اب لوٹ جاؤ۔ اگر وہاں بھی تمہارے دل میں صداقت اسلام رہی۔ تو واپس آجانا"۔

ابو رافع کا قول ہے کہ مَیں چلا گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لایا۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عہد شکنی کو بہت برا جانتے تھے چنانچہ فرمایا کرتے تھے:۔

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ	جو شخص کسی غیر مسلم معاہد (ذمی) کو قتل کریگا
الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ	وہ بہشت کی بُو نہ سونگھے گا۔ حالانکہ اس کی بُو
مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا۔	چالیس سال کی مسافت سے آیگی[2]

حضرت عبداللہ بن ابی الحمسار بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے بعثت سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز خریدی۔ اسکی قیمت میں سے کچھ میرے ذمہ باقی رہا۔ مَیں نے آپ سے وعدہ کیا۔ کہ مَیں باقی قیمت لیکر اسی جگہ آپ کے پاس آتا ہوں۔ چنانچہ مَیں چلا گیا اور اپنا وعدہ بھول گیا۔ تین راتوں کے بعد مجھے یاد آیا۔ مَیں بقیہ قیمت لیکر آیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور اسی جگہ بیٹھے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا "اے نوجوان!

---

[1] ابوداؤد۔ باب فی الامام یستجن بہ فی العہود

[2] بخاری۔ باب اثم من قتل معاہداً بغیر جرم

بے شک تو نے مجھے مشقت میں ڈال دیا۔ میں تین راتوں سے یہاں تیرا انتظار کر رہا ہوں"۔[۱]

عفت وحیا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک دامنی کا ذکر کس زبان سے کیا جائے صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ آپ نے کبھی کسی عورت کو جس کے آپ مالک نہ ہوں نہیں چھوا۔

حیا وہ خلق ہے جس کے ذریعے انسان قبائح شرعیہ کے ارتکاب سے بچتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس میں غایت درجہ کی حیا تھی۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں۔ کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ والی دوشیزہ سے بڑھ کر حیادار تھے۔ جب آپ کسی امر کو ناپسند فرماتے۔ تو ہم اسے آپ کے چہرۂ مبارک میں پہچان جاتے۔ یعنی غایت حیا کے سبب سے آپ اپنی کراہت کی تصریح نہ فرماتے تھے۔ بلکہ ہم اس کے آثار چہرۂ انور میں پاتے۔

تقسیمِ اوقات

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے دریافت کیا کہ

---

[۱] ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ باب العدۃ۔

[۲] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی حیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو وقت اپنے دولتخانہ میں گزرتا تھا۔ آپ اس میں کیا کیا
کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوتے
تو اس میں قیام کے وقت کے تین حصے کر لیتے تھے۔ ایک حصہ اللہ (کی عبادت)
کے لئے۔ دوسرا اپنے اہل (کے ساتھ موانست و معاشرت) کے لئے۔ تیسرا اپنی
ذات اقدس کے لئے۔ پھر اپنے ذاتی حصہ کو اپنے اور عام لوگوں کے درمیان تقسیم
کر لیتے۔ خواص صحابہ جو دولتخانہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ انکی
وساطت سے عوام کو جو دولتخانہ میں حاضر نہ ہوا کرتے تبلیغ احکام فرماتے۔ اور
نصیحت وہدایت کی کوئی بات عام وخاص سے پوشیدہ نہ رکھتے۔ حصۂ امت میں
آپ کا طریقہ یوں تھا۔ کہ اہلِ فضل کو ترجیح دیتے۔ تاکہ حاضرِ خدمت ہو کر افادۂ عام
کریں۔ اور اس حصۂ امت کو بقدر حاجات دینیہ تقسیم فرماتے۔ اہلِ فضل میں سے
کسی کو ایک مسئلۂ دین دریافت کرنا ہوتا۔ کسی کو دو اور بعض کو بہت سے مسائل
کی ضرورت ہوتی۔ پس آپ ان اصحاب حاجات کی طرف توجہ فرماتے اور ان کو
وہی امور دریافت کرنے دیتے جن میں ان کی امت کی بہبودی ہو۔ حضور ان کے
مناسب حال احکام بیان فرماتے۔ اس کے بعد آپ حاضرین مجلس سے ارشاد
فرماتے۔ کہ تمہیں چاہیئے کہ بقیہ امت کو جو حاضر نہیں یہ احکام پہنچا دو۔ اور نیز
فرماتے کہ جو لوگ (مثلاً عورتیں۔ بیمار۔ غائب وغیرہ) اپنی حاجتیں مجھ تک پہنچا
نہیں سکتے۔ تم ان کے حوائج مجھ پر پیش کرو۔ کیونکہ جو شخص ایسے آدمی کی حاجت
بادشاہ تک پہنچاتا ہے جسے وہ خود نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے
دن اس کے قدم (پل صراط پر) ثابت رکھے گا۔ اسی طرح کے ضروری مفید امور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا کرتے۔ اور ایسے امور کی شنوائی نہ ہوتی جن میں کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ طالب وسائل دولتخانہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے۔ اور آپ سے استفادۂ علوم کرتے اور لوگوں کے رہبر بن کر نکلتے۔

حضرت امام حسین رض فرماتے ہیں۔ کہ اس کے بعد مَیں نے اپنے والد بزرگوار سے پوچھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو وقت گھر سے خارج گزرتا تھا۔ آپ اس میں کیا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خاموش رہتے اور بجز مفید وضروری امر کے لب کشائی نہ فرماتے۔ آپ لوگوں کو (حسنِ خلق سے) اپنا گرویدہ بناتے۔ اور ایسی بات نہ کرتے جس سے وہ آپ سے نفرت کرنے لگیں۔ آپ ہر ایک قوم کے بزرگ کی عزت کرتے اور اس کو ان کا سردار بناتے۔ آپ لوگوں کو (عذاب خدا سے) ڈراتے۔ ان سے احتراز کرتے اور بچتے۔ مگر کشادہ روئی اور حسنِ خلق میں کسی سے دریغ نہ فرماتے۔ اپنے اصحاب کی خبر گیری فرماتے (مثلاً مریض کی عیادت۔ مسافر کے لئے دعا اور میّت کے لئے استغفار فرماتے) اپنے خاص اصحاب سے لوگوں کے حالات دریافت فرماتے (تا کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیں) آپ اچھی بات کی تحسین فرماتے اور اس کی تائید کرتے۔ اور بری بات کی برائی ظاہر فرماتے اور اس کی تضعیف وتردید کرتے۔ آپ کا حال ہمیشہ معتدل تھا۔ اس میں اختلاف نہ تھا۔ آپ (لوگوں کی تذکیر وتعلیم سے غافل نہ ہوتے تھے۔ کہ مبادا وہ غافل ہو جائیں یا سستی کی طرف مائل ہو جائیں

آپ بہر حال (جمیع انواع عبادات کیلئے) مستعد تھے۔ حق سے کوتاہی نہ کرتے۔ اور نہ حق سے تجاوز فرماتے۔ جو لوگ (استفادہ کے لئے) آپ کی خدمت میں حاضر رہتے وہ خیر الناس ہوتے سب سے افضل آپ کے نزدیک وہ ہوتا جو سب مسلمانوں کا خیر خواہ ہوتا اور مرتبہ میں آپ کے نزدیک سب سے بڑا وہ ہوتا جو محتاجوں کی غمخواری کرنے والا اور (مہمات امور میں) اپنے بھائیوں کی مدد کرنے والا ہوتا۔

امام حسین رضؓ فرماتے ہیں۔ کہ بعد ازاں میں نے والد بزرگوار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ حضور کا مجلس سے اٹھنا اور مجلس میں بیٹھنا بغیر ذکر الٰہی نہ ہوتا۔ جب آپ کسی مجلس میں رونق افروز ہوتے۔ تو جو جگہ خالی پاتے۔ وہیں بیٹھ جاتے۔ اور دوسروں کو بھی یہی حکم دیتے۔ جو لوگ آپ کے پاس بیٹھتے۔ آپ ان میں سے ہر ایک کو (حسب حال کشادہ روئی اور تعلیم و تفہیم سے) بہرہ ور فرماتے۔ آپ کا ہر ایک جلیس یہ سمجھتا کہ آپ کے نزدیک مجھ سے زیادہ کوئی بزرگ نہیں۔ جو شخص آپ کے پاس بیٹھتا یا کسی حاجت کے لئے آپ سے کلام کرتا۔ آپ اس کے ساتھ اسی حالت میں ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ وہ خود واپس ہو جاتا۔ جو شخص آپ سے کسی حاجت کا سوال کرتا۔ آپ اس کی حاجت کو پورا کرتے یا اس سے کوئی نرم بات فرماتے (یعنی وعدہ فرماتے یا فرماتے کہ فلاں سے ہمارے ذمہ قرض لے لو) آپ کی کشادہ روئی اور حسن خلق تمام لوگوں کے لئے عام تھا۔ آپ (بلحاظ شفقت) سب کے باپ ہو گئے تھے۔ اور وہ آپ کے نزدیک حق میں برابر تھے (حسب حال و استحقاق ہر ایک کی حق رسانی ہوتی) آپ کی مجلس حلم و حیاء و امانت و صبر

کی مجلس ہوا کرتی تھی ۔ اس میں آوازیں بلند نہ ہوا کرتیں ۔ اور نہ اس میں کسی کی آبرو ریزی ہوتی ۔ اور نہ اشاعت ہفوات ہوتی ۔ آپ کی مجلس میں سب متساوی تھے ۔ ہاں بلحاظ تقویٰ بعض کو بعض پر فضیلت تھی ۔ وہ سب متواضع تھے ۔ جو مجلس مبارک میں بڑوں کی توقیر چھوٹوں پر رحم کرتے ۔ اور صاحب حاجت کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ۔ اور مسافر و اجنبی کے حق کی رعایت کرتے۔[1]

---

[1] شمائل ترمذی ۔ باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
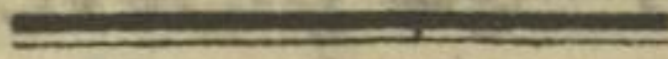
جلد دوم

ساتواں باب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے معجزوں کا بیان

اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنے پیارے پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجے۔ اوران کی رسالت کے ثبوت کے لئے بطور دلائل ان کو معجزات عنایت کئے۔ کوئی پیغمبر ایسا نہیں جسے کوئی نہ کوئی معجزہ عطا نہ ہوا ہو۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اکثر واقویٰ واظہر واشہر ہیں۔ کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان کے افراد کا احاطہ انسانی طاقت سے خارج ہے۔ قرآن کریم کو دیکھئے، کہنے کو تو ایک معجزہ ہے۔ مگر اس میں ہزارہا معجزے ہیں۔ کیونکہ فصحائے قریش سے قرآن کی کسی ایک سورت کا معارضہ طلب کیا گیا، تو وہ عاجز آگئے۔ اب جائے غور ہے کہ قرآن میں چھوٹی سے چھوٹی سورت کوثر ہے۔ جس میں دس سے کچھ اوپر کلمات ہیں بقول بعض قرآن میں ۷۷۹۳۴ کلمے ہیں۔ پس اگر سورت کوثر کی مقدار کلمات قرآن کے اجزا بنائے جائیں تو قریباً سات ہزار ہونگے جن میں سے ہر ایک جز فی نفسہٖ معجزہ ہوگا۔ پھر اگر بلاغت و اسلوب و اخبار غیب وغیرہ وجوہ اعجاز پر غور کیا جائے تو سات ہزار کی تضعیف ہوتی جائے گی۔ پس آپ حساب کرلیں کہ ایک قرآن کریم میں کتنے معجزے

ہیں۔ہم اس مضمون کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ دو فصلوں میں لکھتے ہیں۔

فصلِ اوّل

اعجاز القرآن کا بیان

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اپنے زمانے میں معجزات دکھائے۔ مگر ان معجزات کا وجود صرف انکی حیاتِ دنیوی تک رہا۔علاوہ ازیں انکے معجزات عموماً حسّی تھے۔جن کو فقط حاضرین وقت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔مثلاً عصائے موسوی کو اگر دیکھا، تو اسوقت کے حاضرین نے۔ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کا اگر مشاہدہ کیا تو اس وقت کے موجودین نے۔اور مائدہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا اگر ملاحظہ کیا تو حاضرین وقت نے۔مگر حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔اور ہر زمانے میں ہر صاحب عقل سلیم اسکو بصیرت کی آنکھ سے دیکھ سکے گا۔چنانچہ جب کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبیوں کے سے حسّی معجزے طلب کئے تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْ (عنکبوت۔ع ۵)	کیا ان کو بس نہیں کہ ہم نے اتاری تجھ پر کتاب جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔

مطلب یہ کہ اگر کفار واقعی طالب حق ہیں، تو ہم نے تجھے قرآن مجید ایک ایسا معجزہ عطا کیا ہے کہ جس کی موجودگی میں ان معجزوں کی ضرورت نہیں جو از روئے تعنّت و عناد تجھ سے طلب کرتے ہیں۔ یہ قرآن ہر مکان و ہر زمان

میں منکرین پر پڑھا جاتا ہے اور پڑھا جائے گا۔ لہٰذا یہ زندہ معجزہ تاقیامت انکے ساتھ رہے گا۔ اور دوسرے معجزوں کی طرح نہیں کہ وجود میں آئے اور جاتے رہے۔ یا ایک مکان میں ہوئے اور دوسرے میں نہ ہوتے۔ اسی مطلب کو امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ بردہ میں یوں ادا کیا ہے ؎

دَامَتْ لَدَیْنَا فَفَاقَتْ کُلَّ مُعْجِزَةٍ	ہیں ہمارے پاس باقی آج تک وہ آیتیں
مِنَ النَّبِیِّیْنَ اِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدُمِ	معجزے اور انبیاء کے ہو گئے سب کالعدم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے بڑی سب سے اشرف اور سب سے واضح دلیل یہی قرآن مجید ہے۔ وجہ یہ کہ معجزات عموماً اس وحی کے مغائر ہوا کرتے تھے۔ جو کسی نبی پر نازل ہوتی تھی۔ اور وہ نبی اس وحی کی صداقت پر معجزے کو بطور شاہد پیش کرتا تھا۔ مگر قرآن کریم وحی ہے اور معجزہ بھی۔ اس لئے یہ اپنا شاہد خود آپ ہے اور کسی دوسری دلیل کا محتاج نہیں ؏

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
گر دلیلت باید از وے رو متاب

حدیث ما من الانبیاء[1] کے یہی معنے ہیں[2]۔ کیونکہ اس حدیث میں آنحضرت صلی

---

[1] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من الانبیاء من نبی الا قد اعطی من الآیات ما مثلہ اٰمن علیہ البشر و انما کان الذی اوتیت وحیا اوحی اللہ الی فارجوا ان اکون اکثرھم تابعا یوم القیامۃ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبیوں میں سے کوئی نبی نہیں مگر یہ کہ معجزات میں سے اسے ایسا معجزہ عطا ہوا کہ جسکی صفت یہ ہے کہ اسے دیکھ کر لوگ ایمان لائے اور سوائے اسکے نہیں کہ مجھے جو معجزہ عطا ہوا وہ وحی ہی جو اللہ نے میری طرف بھیجی ہے اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میں امت کے لحاظ سے ان سے زیادہ ہونگا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

[2] (دیکھو مقدمہ تاریخ ابن خلدون)

اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرما دیا کہ جب معجزہ نفس وحی ہو تو بوجہ اتحاد دلیل و مدلول وہ دلالت میں اوضح واقویٰ ہوتا ہے اور اس پر ایمان لانے والے زیادہ ہوتے ہیں اسی واسطے قرآن کریم پر ایمان لانے والے ہر زمانے میں بکثرت رہے اور رہیں گے خلاصہ کلام یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قرآن مجید پر مبنی ہے چنانچہ خود قرآن مجید میں وارد ہے:۔

تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ (فرقان شروع)

بڑی برکت ہے اس کی جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر کہ ہو جہان والوں کے لئے ڈرانے والا۔

اور قرآن کریم کے وحی الٰہی ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل مغائر کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا ہم قرآن ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ وجوہِ ذیل سے اسکا معجزہ ہونا ثابت ہے:۔

اعجاز القرآن کی پہلی وجہ

فصاحت و بلاغت

وجوہ اعجاز میں سب سے اعلیٰ اور مقدم قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ہے جو خارقِ عادت عرب ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں فصاحت و بلاغت میں عرب[1] کا وہ پایہ تھا کہ کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ ان کا نام ہی بتا رہا ہے کہ اس فن میں ان کو کس قدر مزاولت تھی۔ مہمات امور میں وہ اس فن کے عجائبات

---

[1] لفظ عرب اعراب سے ہے جس کے معنی ہیں پیدا گفتن سخن را و بفصاحت سخن گفتن۔

بداہتہً ظاہر کیا کرتے تھے۔ محافل و مجالس میں فی البدیہہ خطبے پڑھ دیا کرتے تھے۔ اور گھمسان کے معرکوں میں طعن و ضرب کے درمیان رجز پڑھا کرتے تھے اور مقاصد عالیہ کے حصول میں بھی اپنی سحر بیانی سے کام لیتے تھے۔ اس فن سے وہ بزدل کو دلیر، بخیل کو سخی، ناقص کو کامل، گمنام کو نامور اور مشکل کو آسان کر دیتے تھے۔ جسے چاہتے مدح سے شریف اور ہجو سے وضیع بنا دیتے۔ اور اسی سے کینۂ دیرینہ دلوں سے دور کر کے بیگانے کو اپنا بنا لیتے۔ انہیں یقین تھا کہ اقلیمِ سخن کے مالک اور میدانِ فصاحت و بلاغت کے شہسوار ہم ہی ہیں۔ اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ کوئی کلام ہمارے کلام سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔

فصاحت و بلاغت کے اس کمال پر انکی روحانی حالت نہایت ہی گری ہوئی تھی۔ وہ عموماً بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے حتیٰ کہ خانۂ خدا کو انہوں نے بتخانہ بنایا ہوا تھا۔ بعضے آگ کی پرستش کرتے تھے۔ کچھ لوگ ستاروں اور سورج اور چاند کو پوجتے تھے۔ بعضے تشبیہ کے قائل تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اور بعض کو خدا کی ہستی ہی سے انکار تھا۔ اوامر و نواہی کی انہیں مطلق خبر نہ تھی۔ اور نہ ان کے پاس کوئی الہامی کتاب تھی۔ دینِ ابراہیمی بجز چند رسوم کے بالکل مفقود تھا۔ قساوتِ قلب کا یہ عالم تھا کہ بعضے لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔ وہ شب و روز زناکاری، شراب خوری، قمار بازی اور قتل و غارتگری میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے درمیان جو اہلِ کتاب موجود تھے ان کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ اور انکی کتابیں بھی محرّف ہو چکی تھیں۔ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اور نصاریٰ تین خدا مانتے تھے اور مسئلۂ کفارہ کی آڑ

میں اعمال حسنہ کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے تھے۔ غرض ملک عرب میں ساری دنیا کے مذاہب باطلہ اور عقائد قبیحہ موجود تھے۔ مشرکین وہاں تھے، آتش پرست، ستارہ پرست، آفتاب پرست، ماہتاب پرست اور درخت پرست وہاں تھے۔ نصارٰی وہاں تھے یہود وہاں تھے۔ مشبہہ ومجسمہ وہاں تھے۔ تناسخیہ وہاں تھے۔ دہریہ وہاں تھے۔

نظر بحالات مذکورہ بالا اس امر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ ایسے مرکز میں خدا کی طرف سے ایک کامل طبیب روحانی ساری دنیا کے لئے مبعوث ہو۔ چنانچہ حسب عادت الٰہی ان کے پاس اللہ کا ایک کامل بندہ آیا۔ اور ایک کامل کتاب لایا جس میں قیامت تک ہر زمانے اور ہر قوم کے تمام روحانی امراض کا خدائی نسخہ درج تھا۔ اس طبیب روحانی سے وہ پہلے ہی آشنا تھے۔ کیونکہ وہ اللہ کا پیارا ختم سلسلۂ انبیاء انہیں میں سے تھا۔ انہیں کے درمیان پیدا ہوا اور انہیں کے درمیان پرورش پائی۔ ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے بطن مبارک ہی میں تھا کہ والد ماجد نے انتقال فرمایا۔ جب چھ سال کا ہوا تو والدہ ماجدہ نے بھی اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ بعد ازاں دادا اور چچا یکے بعد دیگرے اسکی پرورش کے متکفل ہوئے۔ اس طرح اس درِ یتیم کی تعلیم کا کوئی سامان نہ ہوا۔ نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ مکہ میں نہ کوئی مدرسہ تھا، نہ کتب خانہ اور نہ وطن سے باہر کسی دوسری جگہ جا کر تعلیم پانے کا اتفاق ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو اہلِ مکہ سے کب پوشیدہ رہ سکتا تھا

---

[1] یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ○ (یونس - ع ۶)

اے لوگو! تم کو آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفاء واسطے سینوں کے روگ کے اور ہدایت اور رحمت ایمان لانے والوں کیلئے۔

غرض چالیس سال کی عمر تک وہ بندۂ کامل امیوں میں امّی مگر صدق و امانت میں مشہور رہا۔ پھر یکایک استادِ ازل کی تعلیم سے منصب نبوت پر سرفراز ہوا۔

اس امّی لقب امین نے جو کتاب اپنی نبوت کے ثبوت میں اپنے ہموطنوں کے سامنے پیش کی وہ انہی کی زبان میں تھی۔ اور اسی فن میں ان سے معارضہ طلب کیا جس میں وہ نقارۂ لمن الملك اليوم بجا رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں افصح الفصحاء، ابلغ البلغاء، مصاقع الخطباء، اور اشعر الشعراء موجود تھے۔ مگر جب معارضہ کے لئے وہ کتاب پیش کی گئی تو انکی عقلیں چکرا گئیں۔

اس رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود قلتِ اتباع کے کھلے الفاظ میں یوں فرمادیا کہ اگر تمام انس و جن مل کر اس کا معارضہ کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں گے۔ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۱۰) پھر بطور ارخاء عنان کہہ دیا کہ سارا نہیں تو ایسی دس سورتیں ہی بنالاؤ (ہود۔ ع ۲) پھر اتمام حجت کے لئے فرمادیا کہ دس نہیں تو ایسی ایک ہی سورت پیش کرو (یونس۔ ع ۴) اس طرح وہ اللہ کا پیارا دوجہان میں ہم گنہ گاروں کا سہارا مکہ مشرفہ میں لگاتار دس سال کفار سے طلبِ معارضہ فرماتا رہا۔ پھر جب حکم الٰہی سے ہجرت فرما کر مدینے میں رونق افروز ہوا تو وہاں بھی دس سال فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ سے تحدّی کرتا رہا۔ اور ساتھ ہی وَلَن تَفْعَلُوا سے انہیں چونکاتا اور اکساتا رہا۔

اس عرصہ دراز میں اس ختم المرسلین نے اسی تحدّی پر اکتفا نہ کیا بلکہ عرب جیسی قوم کو جس کی حمیت جاہلیہ مشہور ہے مجالس میں علی رؤوس الاشہاد یوں پکار کر فرمادیا کہ تم گمراہ ہو۔ تمہارے آباؤ اجداد گمراہ تھے۔ تمہارے معبود دوزخ کا

ایندھن ہیں۔ تمہاری جانیں اور تمہارے مال مسلمانوں کے لئے مباح ہیں بایں ہمہ انہوں نے معارضہ سے پہلوتہی کی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اسلام کی شوکت روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ ان کے شہر اسلام کے قبضے میں آرہے تھے ان کی اولاد کو گرفتار کر کے غلام بنایا جارہا تھا۔ ان کے بت توڑے جارہے تھے۔ ان کے باپ دادا دوزخی بتائے جارہے تھے۔ اس حالت میں اگر وہ ذرا سا معارضہ بھی کرسکتے تو اس ذلت کو ہرگز گوارا نہ کرتے۔ کیونکہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے معارضہ سے یہ تمام خواری و رسوائی دور ہوسکتی تھی۔ اور اسلام کی جمعیت و شوکت کا شیرازہ ہمیشہ کے لئے پراگندہ ہوسکتا تھا جمعیت کے باوجود ان کا بیس سال اس ذلت کو برداشت کرنا اور جلا وطنی اور جزیہ کو گوارا کرنا صاف بتارہا ہے کہ وہ معارضہ سے عاجز تھے۔ مگر اپنے عجز پر پردہ ڈالنے کے لئے قسم قسم کے عذر اور حیلے بہانے کردیا کرتے تھے۔ چنانچہ کبھی اسے منظوم دیکھ کر شاعر کا قول یا کاہن کا قول بتاتے (حاقہ۔ ع ۲) کبھی اپنی قدرت سے خارج دیکھ کر حیرت سے کہا کرتے کہ یہ تو صریح جادو ہے (سبا۔ ع ۵) کبھی اپنی جہالت کے سبب سے کہتے کہ چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ لیں۔ یہ تو پہلوں کے قصے کہانیاں ہیں (انفال۔ ع ۴) کبھی کہتے کہ یہ اضغاث احلام یعنی اڑتے خواب ہیں (انبیاء ع ۱) کبھی اس کی تاثیر روکنے کے لئے کہتے کہ شور مچاؤ اور سننے نہ دو (حٰم سجدہ ع ۴) کبھی کہتے کہ قرآن سے ہمارے دل غلاف میں ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے (حٰم سجدہ۔ ع ۱) کبھی کہتے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں میں یہ نہیں سنا۔ یہ تو بناوٹی بات ہے (ص۔ ع ۱) اور کبھی اس رحمۃ للعٰلمین کو ساحر

کذّاب یعنی بڑا جھوٹا جادوگر (ص - ع ۱) کبھی مسحور یعنی جادو مارا (فرقان - ع ۱) کبھی معلَّم مجنون یعنی سکھایا ہوا باؤلا (دخان - ع ۱) کبھی کاہن اور کبھی شاعر کہتے (طور - ع ۲) مگر ایسے حیلوں اور عذروں سے کیا بن سکتا تھا ؎

چراغے را کہ ایزد برفروزد

ہر آں کو پف زند ریشش بسوزد

جب عرب کے کمال فصاحت وبلاغت کے زمانے میں فصحاء و بلغاء چھوٹی سے چھوٹی سورت کے معارضے سے عاجز آگئے۔ تو ازمنۂ مابعد کے عرب وعجم کا عجز خود ثابت ہوگیا۔ سیدنا و مولنا محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی یہ کیسی دلیل ساطع اور برہان قاطع ہے کہ ساڑھے تیرہ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا۔ کوئی شخص اقصر سورت کے معارضہ پہ قادر نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔

اگر ہم کسی انسان کے کلام کو خواہ وہ کتنا ہی فصیح و بلیغ ہو مطالعہ کریں تو اختلاف مضامین، اختلاف احوال اور اختلاف اغراض سے ان کی فصاحت وبلاغت میں ظاہر فرق نظر آئے گا۔ مثلاً شعراء و خطبائے عرب جو فصاحت میں بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے بعضے مدح میں بہت بڑھ چڑھ کر اور ہجو میں معمول سے بہت گرے ہوئے اور بعضے اس کے برعکس ہیں بعضے مرثیہ گوئی میں فائق اور غزل میں بھدے اور بعضے اس کے خلاف ہیں۔ اور بعضے رجز میں اچھے اور قصیدے میں خراب اور بعضے اس کے برعکس ہیں۔ بعضے کسی خاص شئے کے وصف میں اوروں سے سبقت لے گئے ہیں۔

چنانچہ امرؤالقیس گھوڑے اور عورت کے وصف میں۔ اعشیٰ شراب کے وصف میں۔ نابغہ ترہیب اور زہیر ترغیب میں مشہور ہیں۔ ذوالرمہ تشبیب و تشبیہ میں اچھا اور ریت، دوپہر، بیابان، پانی اور سانپ کے وصف میں بڑھ کر ہے مگر مدیح و ہجا میں گرا ہوا ہے اسی سبب سے اسے فحول شعرا میں شمار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اس کے شعر میں ہرنوں کی مینگنیاں اور خالِ عروس ہیں۔ فرزدق اگرچہ صاحب غزل ہے مگر تشبیب میں اچھا نہیں۔ جریر اگرچہ عورتوں سے پرہیز کرنے والا ہے مگر تشبیب میں سب سے اچھا ہے اسی طرح شاعر اگر زہد کو بیان کرنے لگے تو قاصر رہ جائے۔ اگر کوئی لائق ادیب حلال و حرام کو بیان کرے تو اس کا کلام معمول سے گر جائے گا۔ علیٰ ہٰذا القیاس اختلاف احوال سے بھی انسان کا کلام متفاوت ہو جاتا ہے۔ مثلاً خوشی کے وقت کا کلام غصہ کے وقت کے کلام سے بلحاظ فصاحت مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح اختلاف اغراض کے سبب سے انسان کبھی ایک چیز کی مدح کرتا ہے اور کبھی مذمت۔ جس سے اس کے کلام میں ضرور فرق ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں فصحاء و بلغاء کا کلام فصل و وصل۔ علو و نزول۔ تقریب و تبعید وغیرہ میں متفاوت ہے۔ مثلاً بہت سے شعراء ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کرنے اور ایک باب سے دوسرے باب کی طرف خروج کرنے میں ناقص ہیں۔ چنانچہ سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بحتری جو نظم میں اچھا ہے۔ نسیب سے مدیح کی طرف انتقال کرنے میں قاصر ہے۔ اس تمام کے برعکس قرآن کریم پر غور کیجئے۔ باوجودیکہ اس میں وجوہ خطاب مختلف ہیں۔ کہیں قصص و مواعظ ہیں۔ کہیں حلال و حرام کا ذکر ہے کہیں

اعذار و انذار کہیں وعدہ و وعید کہیں تخویف و تبشیر۔ اور کہیں تعلیم اخلاق حسنہ ہے۔ مگر وہ ہر فن میں فصاحت و بلاغت کے خارق عادات اعلیٰ درجے میں ہے۔ اور اس میں کہیں اس منزلت علیا سے انحطاط نہیں پایا جاتا اور اول سے آخر تک مقصد واحد کے لئے ہے۔ اور وہ خلقت کو اللہ کیطرف بلانا اور دنیا سے دین کی طرف پھیرنا ہے۔ چنانچہ آیۂ ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے:۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۝ (نساء۔ ع ۱۱)

کیا غور نہیں کرتے قرآن میں۔ اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے۔ تو پاتے اس میں بہت تفاوت۔

مثال کے طور پر دیکھئے۔

ترغیب میں:۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ (سجدہ۔ ع ۲)

سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝ یُطَافُ عَلَیْھِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَھَبٍ وَّاَکْوَابٍ ۚ وَفِیْھَا مَا تَشْتَھِیْہِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ (زخرف۔ ع ۷)

چلے جاؤ بہشت میں تم اور تمہاری عورتیں کہ بناؤ کر دئے جاؤ گے۔ لئے پھرینگے ان پر رکابیاں سونے کی اور آبخورے۔ اور وہاں ہے جو دل چاہے اور جس سے آنکھیں آرام پاویں۔ اور تم کو اسمیں ہمیشہ رہنا ہے۔

ترہیب میں:-

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ وَکِیْلًا ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْکُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَکُمْ بِمَا کَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ۝ (بنی اسرائیل - ع ۷)

سو کیا تم نڈر ہوا اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے یا بھیج دے تم پر آندھی پھر نہ پاؤ تم اپنا کوئی کارساز یا نڈر ہوا اس سے کہ پھر لے جاوے تم کو دریا میں دوسری بار پھر بھیجے تم پر پتھراؤ ہوا کا۔ پھر غرق کرے تم کو بدلے اس ناشکری کے پھر نہ پاؤ تم اپنی طرف سے ہم پر اس کا دعوے کرنے والا۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرِ ۝ (ملک - ع ۲)

کیا نڈر ہو تم اس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں پس ناگاہ وہ جنبش کرے۔ یا نڈر ہوا اس سے جو آسمان میں ہے کہ بھیجے تم پر پتھراؤ ہوا کا سو اب جانوگے کیسا ہے ڈرانا میرا۔

زجر میں:-

فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ

پھر ہر ایک کو پکڑا ہم نے اس کے گناہ پر سو ان میں سے کوئی تھا کہ اس پر بھیجا ہم نے پتھراؤ ہوا کا۔ اور کوئی تھا کہ اسکو پکڑا چنگھاڑ نے۔ اور کوئی تھا کہ اسکو دھنسایا

وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ (عنکبوت - ع ۴)

ہم نے زمین میں - اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبو دیا ہم نے اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرے - پر تھے وہ اپنا آپ برا کرتے -

وعظ میں :-

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ○ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ○ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ○

(شعراء - ع ۱۱)

بھلا بتلاؤ - اگر ہم فائدہ دیں ان کو کئی برس - پھر آوے ان پر (عذاب) جس کا ان سے وعدہ تھا - کیا کام آوے گا ان کے تمتع اُن کا -

الٰہیات میں :-

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ○ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ○ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ○

(رعد - ع ۳)

اللہ جانتا ہے - جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ - اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں - اور ہر چیز اس کے نزدیک اندازہ پر ہے - وہ جاننے والا چھپے اور کھلے کا - عظیم الشان بلند - برابر ہے تم میں جو چپکے بات کہے اور جو کہے پکار کر - اور جو چھپنے والا ہے رات کو چلنے والا ہے دن کو

اسی طرح قرآن کریم کے فواتح و خواتم - مواضع فصل و وصل اور مواقع تحول و تنقل کو دیکھئے اس کے پڑھنے والوں کو خارق عادت بدیع تالیف کے سبب سے

فصل بھی وصل معلوم دیتا ہے۔ اور ایک قصّے سے دوسرے قصّے کی طرف اور ایک شئے سے دوسری شئے کی طرف مثلاً وعدہ سے وعید اور ترغیب سے ترہیب کی طرف انتقال کرنے میں مختلف مؤتلف اور متباین متناسب نظر آتا ہے۔

اس مقام پر بغرضِ توضیح قرآن کی فصاحت و بلاغت کے متعلق چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔ سبع معلقات جو تمام عرب جاہلیت کا مایۂ فخر و ناز تھے اور خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں تھے۔ قرآن شریف کے نازل ہونے پر اتار لئے گئے۔ یہ قصائد اب تک موجود ہیں۔ مگر سبع طوال کی جھلک سے اپنی آب و تاب سب کھو بیٹھے ہیں۔

حضرت لبید[۱] بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سبع معلقات کے شعراء میں سے تھے اسلام لے آئے تھے اور ساٹھ سال اسلام میں زندہ رہے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے سوائے ایک بیت کے کوئی شعر نہیں کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں ان سے فرمایا کہ مجھے اپنے شعر سناؤ۔ اس پر آپ نے سورۂ بقرہ پڑھی اور عرض کیا۔ مَیں شعر نہیں کہنے کا جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سورۂ بقرہ سکھا دی ہے۔

ابو عبید[۲] قاسم بن سلّام بغدادی (متوفی ۲۲۳ھ) جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور فقہ و حدیث و لغت میں امام ہیں حکایت کرتے ہیں کہ ایک بادیہ نشین عرب نے کسی کو یہ آیت پڑھتے سنا:۔

---

[۱] کتاب الشعر والشعراء لابن قتیبہ ترجمہ لبید بن ربیعہ۔
[۲] ان مثالوں کے لئے دیکھو شفاء شریف اور مواہب لدنیہ۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (حجر - ع ۶) سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا

اس نے سنتے ہی سجدہ کیا۔ اور کہا کہ مَیں نے اس کلام کی فصاحت کو سجدہ کیا ہے۔

ایک دفعہ کسی اعرابی نے یہ آیت سنی:۔

فَلَمَّا اسْتَايْئَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ط پھر جب نا امید ہوئے اس سے۔ اکیلے بیٹھے مصلحت کو۔[ل] (یوسف۔ ع ۱۰)

کہنے لگا، مَیں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق اس کلام کی مثل پر قادر نہیں۔

امام اصمعی یعنی عبدالملک بن اصمع بصری (متوفی سنہ ۲۱۰ھ) جو لغت و نحو و ادب و نوادر میں امام ہیں بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے ایک پانچ یا چھ سال کی لڑکی کو یہ کہتے سنا کہ مَیں اپنے تمام گناہوں سے استغفار کرتی ہوں۔ میں نے سن کر کہا۔ تُو کس چیز پر استغفار کرتی ہے۔ تُو تو مکلف ہی نہیں۔ وہ بولی:۔

استغفر الله لذنبی کله قتلت انسانا بغیر حله

مثل غزال ناعم فی دله انتصف اللیل ولم اصل له

مَیں نے کہا، اللہ تجھے مارے۔ تو کیسی فصیح ہے! وہ کہنے لگی قرآن میں یہ آیت ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ج اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو

ل مطلب یہ ہے کہ جب وہ حضرت یوسفؑ سے بہت مایوس ہو گئے تو الگ ہو کر باہم مشورہ کرنے لگے اور سوچنے لگے کہ باپ کے پاس جا کر کیا جھوٹ بنا کر کہیں گے۔ اور اس حادثہ کا کیا ذکر کرینگے۔ پس یہ تھوڑے سے کلمے اس طویل قصے کو شامل ہیں۔

فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (قصص - ع ۱)

دودھ پلا - پھر جب تجھ کو ڈر ہو اس کا - تو ڈال دے اسکو دریا میں - اور ڈر مت اور غم مت کھا - بے شک ہم لوٹانے والے ہیں اس کو تیری طرف اور بنانے والے ہیں اس کو رسولوں سے -

کیا اس آیت کے مقابل میرا یہ قول فصیح کہا جا سکتا ہے؟ اس ایک آیت میں دو امر، دو نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں جمع ہیں -

حکایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز مسجد نبوی میں لیٹے ہوئے تھے - آپ کے سرہانے کھڑا ہوا ایک شخص کلمۂ شہادت پڑھ رہا تھا - آپ نے اس سے سبب دریافت کیا - اُس نے کہا کہ میں بطارقۂ روم میں سے ہوں - مجھے عربی زبانیں آتی ہیں - میں نے ایک مسلمان قیدی سے سنا کہ وہ آپ مسلمانوں کی کتاب میں سے ایک آیت پڑھ رہا تھا - میں نے اس آیت پر غور کیا - اس میں وہ احوال دنیا و آخرت جمع ہیں - جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام پر نازل فرمائے - وہ آیت یہ ہے :-

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (نور - ع ۷)

اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بچ کر چلے اس سے - سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے

ابن مقنع نے جو فصاحت و بلاغت میں یگانۂ روزگار تھا اور زمانۂ تابعین میں تھا - قرآن شریف کے معارضہ میں کچھ لکھنا شروع کیا - ایک روز ایک مکتب پر سے

اس کا گزر ہوا۔ جس میں ایک لڑکا یہ آیت پڑھ رہا تھا:۔

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ	اور حکم آیا، اے زمین نگل جا اپنا پانی۔
أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ	اور اے آسمان تھم جا۔ اور خشک کیا گیا پانی
وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا	اور تمام کیا گیا کام۔ اور کشتی ٹھہری جودی
لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○ (ہود۔ ع ۴)	پہاڑ پر۔ اور حکم ہوا کہ دور ہوں قوم بے انصاف

وہ سن کر واپس آیا۔ اور جو کچھ لکھا تھا سب مٹا ڈالا۔ اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کا معارضہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ انسان کا کلام نہیں۔

یحیٰی بن الحکم الغزال نے جو بقول ذہبی دوسری اور بقول ابن حبان تیسری صدی ہجری میں اندلس میں فحول شعراء میں سے تھا۔ قرآن کے معارضے کا ارادہ کیا۔ ایک روز سورہ اخلاص کا معارضہ کرنے لگا تو اس پر ہیبت طاری ہو گئی جو اس کی توبہ کا باعث ہوئی۔

امام ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) نے وفلا فی فضائل المصطفٰے میں ذکر کیا ہے کہ امام ابن عقیل نے کہا کہ ابو محمد بن مسلم نحوی نے مجھ سے حکایت کی ہے کہ ہم اعجاز القرآن پر گفتگو کر رہے تھے۔ وہاں ایک فاضل شیخ موجود تھا۔ اس نے کہا کہ قرآن میں ایسی کون سی چیز ہے جس سے فضلاء عاجز آجائیں۔ پھر وہ کاغذ دوات لیکر بالاخانے پر چڑھ گیا۔ اور وعدہ کیا کہ تین دن کے بعد قرآن کے معارضے میں کچھ لکھ کر لاؤں گا۔ جب تین دن گذر گئے تو ایک شخص بالاخانے پر چڑھا۔ اور اس کو سہارا لئے ہوئے اس حال میں پایا کہ اس کا ہاتھ قلم پر سوکھ گیا تھا۔

---

[۱] دیکھو حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین للنبہانی مطبوعہ بیروت ص ۳۰۹

مسیلمہ کذاب نے قرآن کی بعض چھوٹی سورتوں کے معارضہ میں کچھ لکھا۔ مگر ایسا کہ اطفالِ مکتب بھی اسے دیکھ کر ہنسیں۔ سورۂ کوثر پر جو اس لعین نے لکھا تھا ہم انشاء اللہ اسے اس بحث کے اخیر میں لائیں گے۔ اور اس لعین کے کلام کی سخافت ظاہر کرنے کے لئے اس سورت کی وجہ اعجاز پر مفصل بحث کرینگے۔ اور مزید توضیح کے لئے قرآن کی فصاحت کے متعلق دو اور مثالیں پیش کرینگے۔

اعتراض

قرآن شریف میں انبیاء کرام کے قصّے بار بار لائے گئے ہیں چنانچہ بقول بعض حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ایک سو بیس جگہ ہے۔ اور بقول ابن عربی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ پچیس آیتوں میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نوے آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ خلاف فصاحت ہے۔

جواب

وہ تکرار خلاف فصاحت ہوتی ہے جس میں کچھ فائدہ نہ ہو۔ مگر قصص قرآنی کی تکرار فوائد سے خالی نہیں۔ علامہ بدر بن جماعہ نے اس مضمون پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام "المقتنص فی فوائد تکرار القصص" ہے۔ اس میں تکریر قصص کے کئی فائدے[۱] ذکر کئے ہیں۔

۱۔ ہر جگہ کچھ نہ کچھ زیادتی ہے جو دوسری جگہ نہیں۔ یا کسی نکتہ کے لئے ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ لایا گیا ہے۔ اور یہ بلغاء کی عادت ہے۔

۲۔ ایک جماعت ایک قصہ سن کر اپنے گھر چلی جاتی تھی۔ اس کے بعد دوسری

---

[۱] دیکھو اتقان للسیوطی جزء ثانی صفحہ ۶۸

جماعت ہجرت کر کے آتی تھی اور جو کچھ پہلی جماعت کے چلے جانے کے بعد نازل ہوتا اسے روایت کرتی۔ اگر تکرار قصص نہ ہوتی تو قصہ موسیٰؑ کو ایک قوم سنتی۔ اور قصہ عیسیٰؑ کو دوسری قوم سنتی۔ اسی طرح باقی قصوں کا حال ہوتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمام لوگ ان قصوں کے سننے میں مشترک ہوں۔ تاکہ ایک قوم کو افادہ اور دوسری کو زیادہ تاکید حاصل ہو۔

۳۔ ایک ہی مضمون کو مختلف اسالیب میں بیان کرنے میں جو فصاحت ہے وہ پوشیدہ نہیں۔

۴۔ قصص کے نقل کرنے پر اس قدر دواعی نہیں جتنے کہ احکام کے نقل کرنے پر ہیں اس لئے احکام کے برعکس قصص کو بار بار لایا گیا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا۔ اور لوگ اس کی مثل لانے سے عاجز آ گئے۔ پھر ان کے عجز کے معاملہ کو اس طرح واضح کر دیا کہ ایک قصّہ کو کئی جگہ ذکر کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں۔ خواہ کوئی سے الفاظ میں لائیں اور کسی عبارت سے تعبیر کریں۔

۶۔ جب اللہ تعالیٰ نے منکرین سے تحدّی کی کہ اس کی مثل ایک سورت بنا لاؤ تو اگر ایک قصّے کو ایک ہی جگہ ذکر کیا جاتا اور اسی پر کفایت کی جاتی۔ اہل عرب کہتے کہ تم ہی اس کی مثل ایک سورت پیش کرو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے انکی حجت دور کرنے کیلئے ایک قصّے کو کئی سورتوں میں نازل فرمایا۔

۷۔ جب ایک قصّے کو بار بار ذکر کیا گیا اور ہر جگہ اس کے الفاظ میں کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر کر دی گئی۔ اور مختلف اسلوب عمل میں لایا گیا تو یہ عجیب بات پیدا ہو گئی

کہ ایک ہی معنیٰ مختلف صورتوں میں جلوہ افروز ہوا۔ اور لوگوں کو اس کے سننے کی طرف کشش ہوگئی۔ کیونکہ ہر نئے امر میں لذت ہوتی ہے۔ اور اس سے قرآن مجید کا ایک خاصہ ظاہر ہوگیا۔ کیونکہ باوجود تکرار کے لفظ میں کوئی عیب اور سننے کے وقت کوئی ملال پیدا نہیں ہوتا۔ پس کلام الٰہی بندوں کے کلام سے ممتاز رہا۔

اعتراض

مانا کہ ایک معنیٰ کو مختلف لباس اور مختلف اسلوب میں ظاہر کرنے سے فصاحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ بلکہ یہ ابلغ ہے۔ مگر بعض جگہ ایک ہی جملہ بار بار لایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ شعرا میں اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ○ آٹھ بار لایا گیا ہے۔ اور سورۂ قمر میں وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ○ چار بار اور سورۂ رحمٰن میں فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ اکتیس بار۔ اور سورۂ مرسلات میں وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ دس بار مذکور ہے۔

جواب

ان سورتوں میں بھی تکرار آیت فائدہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ ہر جگہ متعلق مختلف ہے۔ تاکہ ہر خبر کے سننے کے بعد تجدید نصیحت و عبرت ہو۔ چنانچہ سورۂ شعرا میں ہر قصے کے بعد اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً الآیہ مذکور ہے۔ اور ہر دفعہ ایک نبی اور اس کی امت کے قصے کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اس نبی پر ایمان لانے والے سلامت رہے اور منکرین تباہ ہوئے۔ اور پھر بار بار بتلا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے لئے رحم والا اور منکروں کے لئے عزیز یعنی زبردست ہے۔ تاکہ اس امت کے لوگ نصیحت پکڑیں۔ یہی حال سورۂ قمر میں تکرار آیت کا ہے۔ کیونکہ اس

میں قصۂ نوح و عاد و ثمود و لوط میں سے ہر ایک کے بعد وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ الآیہ مذکور ہے۔ تاکہ قرآن پڑھنے والے اس سے عبرت پکڑیں۔ اسی طرح سورۂ مرسلات میں ہر دفعہ ایک نشانی کے ذکر کے بعد آیا ہے کہ قیامت کے دن خرابی ہوگی ان لوگوں کے لئے جو اس نشان کو جھٹلانے والے ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ سورۂ رحمٰن میں ہر بار مختلف نعمتوں کے ذکر کے بعد فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ آیا ہے تاکہ لوگ سن کر ہدایت پائیں۔ جیسا کہ ایک ناشکرگذار محسن الیہ کو محسن کہے۔ کیا تو فقیر نہیں تھا۔ میں نے تجھے امیر بنا دیا۔ آیا تجھے اس سے انکار ہے؟ کیا تو ننگا نہ تھا۔ میں نے تجھے لباس پہنا دیا۔ آیا تجھے اس سے انکار ہے؟ کیا تو گمنام نہ تھا۔ میں نے تجھے نامور کر دیا۔ آیا تجھے اس سے انکار ہے؟

کتب عہد عتیق میں مزمور ۱۳۶ میں یہی طرز پایا جاتا ہے جس کا عربی ترجمہ جو قسیس ولیم ہاج ہِل مدرس مدرسہ اسقفیہ کلکتہ نے کیا ہے وہ اس وقت ہمارے زیر نظر ہے۔ اس میں ہر آیت کے بعد اِنَّ رَحْمَتَہٗ اِلَی الْاَبَدِ اٹھائیس بار آیا ہے۔ بخوفِ طوالت ہم اس مزمور کو یہاں نقل نہیں کرتے۔

اعجاز القرآن کی دوسری وجہ

نظم قرآن کا اسلوب بدیع

اگرچہ قرآن مجید کے الفاظ و حروف کلام عرب کی جنس سے ہیں۔ اور انکی نظم و نثر میں مستعمل ہیں مگر اس کا اسلوب تمام اسالیب سے جدا ہے۔ اور انواعِ کلام (قصائد، خطب، رسائل، محاورہ) میں سے کسی سے نہیں ملتا۔ بایں ہمہ

سب انواع کے محاسن کا جامع ہے۔ اہلِ عرب انواعِ چہارگانہ کے سوا کوئی اور اسلوب وطرز نہ جانتے تھے۔ اور نہ کسی نئے طرز میں کلام کر سکتے تھے۔ پس ایک عجیب نرالے اسلوب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (جو اُمّی تھے) کی زبان مبارک پر جاری ہونا عین اعجاز ہے۔

اس کتاب میں پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ایک روز ولید بن مغیرہ نے قریش سے کہا کہ ایامِ حج قریب ہیں۔ عرب کے قبائل تم سے اس مدعیٔ نبوت (حضرت محمدؐ) کی نسبت دریافت کرینگے۔ تم اس کی نسبت ایک رائے قائم کرلو۔ اس پر قریش نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کہ وہ کاہن ہے۔ دیوانہ ہے۔ شاعر ہے۔ جادوگر ہے۔ ولید نے یکے بعد دیگرے ان تمام کی تردید کرکے کہا۔

"اللہ کی قسم! اس کے کلام میں بڑی حلاوت ہے۔ اس کلام کی اصل مضبوط جڑ والا درخت خرما ہے اور اس کی فرع پھل ہے۔ ان باتوں میں سے جو بات تم کہوگے وہ ضرور پہچان لی جائے گی کہ جھوٹ ہے۔ اس کے بارے میں صحت کے قریب تر قول یہ ہے کہ تم کہو۔ وہ جادوگر ہے اور ایسا کلام لایا ہے جو جادو ہے۔ اس کلام سے وہ باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، میاں بیوی میں، خویش واقارب میں جدائی ڈال دیتا ہے۔"

اسی طرح ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ قریش نے اپنے سردار عتبہ بن ربیعہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اور اس نے آپ پر کئی باتیں پیش کرکے کہا کہ ان میں سے ایک پسند کر لیجئے۔ آپ نے اسکے جواب میں سورہ حٰمٓ السجدہ کی شروع کی آیتیں تلاوت فرمائیں۔ عتبہ نے قریش

سے جا کر کہا:۔

"اللہ کی قسم میں نے ایسا کلام سنا کہ اس کی مثل کبھی نہیں سنا۔ اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں۔ نہ جادو ہے نہ کہانت۔ اے گروہ قریش میرا کہا مانو۔ اس شخص کو کرنے دو جو کرتا ہے۔ اور اس سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں نے جو کلام اس سے سنا ہے، اس کی بڑی عظمت و شان ہو گی۔ اگر عرب اس کو مغلوب کر لیں تو تم غیر کے ذریعے سے اس سے بچ گئے۔ اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس کا ملک تمہارا ملک ہے اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے اور تم اس کے سبب سے خوش نصیب ہو جاؤ گے"

قریش یہ سن کر کہنے لگے کہ اس نے تو اپنی زبان سے تجھے بھی جادو کر دیا۔ عتبہ بولا کہ "اس کی نسبت میری یہی رائے ہے۔ تم کرو جو چاہو"۔

صحیح مسلم میں حدیث اسلام ابوذر غفاری میں خود ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی انیس نے مجھ سے کہا۔ کہ مجھ کو مکہ میں ایک کام ہے۔ تو بکریوں کی حفاظت رکھنا۔ یہ کہہ کر انیس چلا گیا اور مکہ پہنچ گیا۔ دیر کے بعد واپس آیا۔ تو میں نے پوچھا، تو نے کیا کیا؟ وہ بولا میں مکہ میں ایک شخص سے ملا۔ جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں نے پوچھا کہ لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ کہ لوگ کہتے ہیں۔ وہ شاعر ہے، کاہن ہے، جادوگر ہے۔ پھر انیس ہی جو خود بڑا شاعر تھا، کہنے لگا:۔

"اللہ کی قسم! میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہوا ہے۔ اس کا کلام کاہنوں کا کلام نہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے اس کے کلام کو شعر کی تمام قسموں کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ میرے بعد کسی سے یہ نہ بن پڑے گا کہ کہے وہ کلام شعر ہے۔ اللہ کی قسم!

وہ نبی سچے ہیں۔ اور کافر بیشک جھوٹے ہیں۔"

اس حدیث میں اس کے بعد یہ مذکور ہے۔ کہ یہ سن کر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مکہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور اسلام لائے۔ جب اپنے بھائی انیس کے پاس واپس آئے تو ان کے اسلام کی خبر سن کر حضرت انیس اور ان کی والدہ بھی ایمان لے آئے۔ پھر تینوں اپنی قوم غفار میں آئے۔ آدھی قوم ایمان لے آئی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو باقی بھی ایمان لے آئے۔ اس طرح قبیلۂ اسلم بھی مسلمان ہو گیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

غفار غفر اللہ لھا واسلم سالمھا اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ قبیلۂ غفار کو بخش دے اور قبیلۂ اسلم کو سلامت رکھے۔

ابن سعد نے طبقات میں بروایت یزید بن رومان اور محمد بن کعب اور شعبی اور زہری وغیرہ روایت کیا ہے کہ بنی سلیم میں سے ایک شخص جس کا نام قیس بن نسیبہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کا کلام سنا۔ اور آپ سے کئی باتیں دریافت کیں۔ آپ نے انکا جواب دیا۔ اس نے وہ سب کچھ یاد کر لیا۔ پھر آپ نے اسے دعوتِ اسلام دی وہ ایمان لے آیا اور اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا:۔

"بے شک میں نے روم کا ترجمہ۔ فارس کا زمزمہ۔ عرب کے اشعار۔ کاہن کی کہانت

---

[1] لقد سمعت قول الکھنۃ فما ھو بقولھم ولقد وضعت قولہ علیٰ اقراء الشعراء فما یلتئم علیٰ لسان احد بعدی انہ شعر واللہ انہ لصادق وانھم لکاذبون۔

اور ملوک حمیر کا کلام سنا ہے۔ مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام ان کے کلام میں سے
کسی سے نہیں ملتا۔ اس لئے تم میرا کہا مانو۔ اور اس سے بہرہ ور ہو جاؤ۔"

اس طرح بنو سلیم فتح مکہ کے سال مقام قدید میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ وہ سات سو تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ ایک ہزار تھے۔ عباس بن مرداس اور انس بن عباس بن رعل اور راشد بن عبدربہ انہیں میں تھے۔

قرآن مجید کے اسلوب بدیع کی نسبت مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہے:۔

"قرآن کو متون کتب کی طرح بابوں اور فصلوں میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ تاکہ تو ہر مطلب اس میں سے معلوم کر لے۔ یا ایک فصل میں مذکور ہو۔ بلکہ قرآن کو مکتوبات کا مجموعہ فرض کر۔ جس طرح کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو بحسب اقتضائے حال ایک فرمان لکھے۔ اور کچھ مدت کے بعد دوسرا فرمان لکھے۔ اور اسی طرح لکھتا جائے۔ یہاں تک کہ بہت سے فرمان جمع ہو جائیں۔ پھر ایک شخص ان فرمانوں کو جمع کر کے ایک مجموعہ تیار کر دے۔ اسی طرح اس مَلِک علی الاطلاق نے اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مقتضائے حال کے موافق یکے بعد دیگرے سورتیں نازل فرمائیں اور آپ کے زمانہ مبارک میں ہر سورت الگ الگ محفوظ تھی۔ مگر سورتوں کو ایک جگہ جمع نہ کیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں تمام سورتوں کو ایک جلد میں خاص ترتیب سے جمع کیا گیا۔ اور اس مجموعہ کا نام مصحف رکھا گیا۔ اصحاب کرام کے درمیان سورتوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا گیا۔

ایک سبع طوال دوسری مئین جن میں سے ہر ایک میں سو یا کچھ زیادہ آیتیں ہیں۔ تیسری مثانی جن میں سے ہر ایک میں سو آیتوں سے کم ہیں۔ چوتھی مفصل۔ اور مصحف کی ترتیب میں دو تین سورتیں جو مثانی میں سے ہیں مئین میں داخل کر دی گئیں کیونکہ ان کے سیاق کو مئین کے سیاق سے مناسبت ہے اسی طرح بعض دیگر اقسام میں بھی کچھ تصرف ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مصحف کی کئی نقلیں کرا کے اطراف میں بھیج دیں۔ تاکہ ان سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ اور کسی دوسری ترتیب کی طرف مائل نہ ہوں۔ چونکہ سورتوں کا اسلوب بادشاہوں کے فرمانوں سے پوری پوری مناسبت رکھتا تھا۔ اس لئے ابتداء و انتہاء میں مکتوبات کے طریقہ کی رعایت کی گئی۔ جس طرح بعض مکتوبات کو خدا تعالیٰ کی حمد سے شروع کرتے ہیں۔ اور بعض کو اسکے املاء کی غرض سے اور بعض کو مرسل اور مرسل الیہ کے نام سے شروع کرتے ہیں۔ اور بعض رقعے اور خطوط بے عنوان ہوتے ہیں۔ اور بعض مکتوبات طویل اور بعضے مختصر ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد و تسبیح سے شروع کیا۔ اور بعض کو اسکے املاء کی غرض کے بیان سے شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ شروع) سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا (نور شروع) اور قسم مشابہ ہے اس کے ھذا ما صالح فلان وفلان۔ ھذا ما اوصیٰ بہ فلان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعۂ حدیبیہ میں یوں تحریر فرمایا تھا۔ ھذا ما قاضی علیہ محمد۔ اور بعض کو مرسل اور مرسل الیہ کے ذکر سے شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (زمر شروع) كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝

(ہود شروع) اور یہ قسم مشابہ ہے اس کے کہ لکھیں "حضرت خلافت کا حکم صادر ہوا" یا لکھیں "فلاں شہر کے باشندوں کو حضرت خلافت کی طرف سے یہ آگاہی ہو" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا۔ من محمد رسول اللہ الیٰ ہرقل عظیم الروم۔ اور بعض سورتوں کو رقعات وخطوط کے طور پر عنوان کے بغیر شروع کیا چنانچہ فرمایا۔ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ (منافقون شروع) قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا (مجادلہ شروع) یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (تحریم شروع) چونکہ عرب کی سب سے مشہور فصاحت قصیدے تھے۔ اور قصیدوں کے شروع میں تشبیب میں عجیب مواضع اور ہولناک وقائع کا ذکر کرنا ان کی قدیم رسم تھی۔ اس لئے اس اسلوب کو بعض سورتوں میں اختیار کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ (صافات شروع) وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ۝ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝ (ذاریات شروع) اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (تکویر شروع) جس طرح مکتوبات کے اواخر کو جوامع کلم اور نوادر وصایا اور احکام سابقہ کی تاکید اور مخالفین احکام کی تہدید پر ختم کرتے تھے اسی طرح سورتوں کے اواخر کو جوامع کلم اور منابع حکم اور تاکید بلیغ اور تہدید عظیم پر ختم فرمایا۔ اور کبھی سورت کے درمیان بڑے بڑے فائدے والے بدیع الاسلوب بلیغ کلام کو ایک طرح کی حمد و تسبیح سے یا نعمتوں اور عطایائے نعمت کے ایک طرح کے بیان سے شروع کیا ہے۔ چنانچہ خالق ومخلوق کے مراتب میں تباین کے بیان کو سورۂ نمل کے اثنا میں آیہ (قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ءٰٓاللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ) سے شروع کیا۔ اور اسکے بعد پانچ آیتوں میں اس مدعا کو نہایت ہی بلیغ وجہ اور نہایت ہی

بدیع اسلوب سے بیان فرمایا۔ اور بنی اسرائیل کے مخاصمہ کو سورۂ بقرہ کے اثناء میں الفاظ (یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ) سے شروع فرمایا اور ان ہی الفاظ پر ختم کیا۔ پس اس مخاصمہ کا اس کلام سے شروع کرنا اور اسی کلام پر ختم کرنا کمال درجہ کی بلاغت ہے۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ کے مخاصمہ کو سورۂ آل عمران میں آیہ (اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ) سے شروع فرمایا۔ تاکہ محل نزاع معین ہو جاوے۔ اور قیل و قال کا توارد اس مدعا پر واقع ہو۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ انتہیٰ [1]

اعجاز القرآن کی تیسری وجہ

غیب کی خبریں

قرآن میں پہلے نبیوں اور گزشتہ امتوں اور قرون ماضیہ کے قصے مذکور ہیں۔ مثلاً حضرت آدم و حوّا کا قصہ۔ حضرت نوح و طوفان کا قصہ۔ حضرت ابراہیم و سارہ کا قصہ۔ حضرت اسحاق اور حضرت لوط کے حالات۔ حضرت مریم و تولد مسیح کا قصہ۔ ابتدائے پیدائش کا حال۔ ان میں بعض قصے جو علمائے اہل کتاب کو بھی شاذ و نادر ہی معلوم تھے۔ یہود کے سوال کرنے پر بتائے گئے۔ مثلاً اصحاب کہف کا قصہ۔ ذوالقرنین کا قصہ۔ حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کا قصہ۔ حضرت موسیٰ و خضر کا قصہ۔ یہ تمام قصے قرآن مجید میں کتب سابقہ الہامیہ کے مطابق مذکور ہیں۔

---

[1] فوز الکبیر فی اصول التفسیر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۱-۲۳

قرآن میں شرائع سابقہ کے احکام مذکور ہیں مثلاً سورۂ مائدہ رکوع اول میں ہے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ	حرام ہوا تم پر مردہ اور لہو اور گوشت سور کا
لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ	اور جس چیز پر نام لیا گیا اللہ کے سوا کا
بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ	اور جو مر گیا گلا گھٹ کر

اعمال باب ۱۵۔ آیہ ۲۹ میں ہے:۔

"تم بتوں کے چڑھاووں اور لہو اور گلا گھونٹی ہوئی چیزوں اور حرامکاری سے پرہیز کرو۔"

اس آیت میں جو سور کے گوشت کی جگہ حرامکاری لکھا ہے درست نہیں کیونکہ اس مقام پر حلال و حرام خوراک کا ذکر ہے۔ حرامکاری سے کیا علاقہ۔

قرآن میں بعض احکام بحوالہ کتب الہامیہ سابقہ مذکور ہوئے ہیں۔ مثلاً سورۂ مائدہ رکوع ۷ میں ہے:۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ	اور لکھ دیا ہم نے ان پر قصاص اس کتاب
بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ	(تورات) میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ
بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ	کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک
بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ	اور کان کے بدلے کان اور دانت کے
	بدلے دانت۔ اور زخم کا بدلہ برابر۔

تورات کتاب الخروج باب ۲۱ آیہ ۲۳-۲۵ میں یوں ہے:۔

"جان کے بدلے جان۔ اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ دانت کے بدلے دانت۔ ہاتھ کے بدلے ہاتھ۔ پاؤں کے بدلے پاؤں۔ جلانے کے بدلے جلانا۔ زخم کے بدلے زخم۔ چوٹ کے بدلے چوٹ۔"

بعض احکام یہود کے طعن کے جواب یا ان کے انکار کی تردید میں وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ سورۂ آل عمران رکوع ۱۰ میں ہے:-

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ	سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں
إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ	بنی اسرائیل کو۔ مگر جو حرام کر لی تھیں اسرائیل
مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَىٰةُ ۗ قُلْ	(یعقوب) نے اپنی جان پر تورات نازل
فَأْتُوا بِالتَّوْرَىٰةِ فَاتْلُوهَآ إِن	ہونے سے پہلے۔ تو کہہ، لاؤ تورات اور
كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ۝	پڑھو اسے اگر سچے ہو

اس آیت کا شان نزول موضح القرآن میں یوں لکھا ہے۔ "یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ تم کہتے ہو۔ ہم ابراہیم کے دین پر ہیں۔ اور ابراہیم کے گھرانے میں جو چیزیں حرام ہیں سو کھاتے ہو۔ جیسا کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ۔ اللہ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں اب لوگ کھاتے ہیں سب ابراہیم کے وقت میں حلال تھیں۔ یہاں تک کہ تورات نازل ہوئی۔ تورات میں خاص بنی اسرائیل پر حرام ہوئی ہیں۔ مگر ایک اونٹ، کہ تورات سے پہلے حضرت یعقوب نے اس کے کھانے سے قسم کھائی تھی۔ ان کی تبعیت سے ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا تھا۔ اور قسم کا سبب یہ تھا کہ ان کو ایک مرض (عرق النساء) ہوا تھا۔ انہوں نے نذر کی کہ اگر میں صحت پاؤں تو جو میری بہت بھاؤ کی چیز ہے وہ چھوڑ دوں گا۔ ان کو یہی بہت بھاتا تھا، سو نذر کے سبب چھوڑ دیا۔"

اسی طرح خود یہود پر جو چیزیں حرام تھیں ان کی نسبت وہ کہتے کہ یہ ہم ہی پر حرام نہیں ہوئیں۔ بلکہ حضرت نوح و حضرت ابراہیم اور پہلی امتوں پر بھی حرام تھیں۔

ان کے اس خیال کی تردید آیہ ذیل میں مذکور ہے:-

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ	اور ان پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ناخن والا
ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ	اور گائے اور بکری میں سے ہم نے
حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا	حرام کی ان پر ان دونوں کی چربی مگر جو
حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ	لگی ہو پشت پر یا آنت میں یا ملی ہو ہڈی
مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم	کے ساتھ۔ یہ ہم نے ان کو سزا دی تھی
بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ (انعام ع)	انکی شرارت[1] پر اور ہم سچ کہتے ہیں۔

جانوروں کے حلال و حرام کے احکام کی طرح احکام جُنب و حائض و نفساء بھی قرآن میں کتب سابقہ کے مطابق بیان ہوئے ہیں۔

ناظرین کرام! موافق و مخالف سب کو معلوم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ نہ کبھی کسی استاد کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ اور نہ کبھی علمائے اہل کتاب میں سے کسی عالم کی صحبت سے استفادہ فرمایا۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔ پس تعلّم و مجالست علماء کے بغیر قصص مذکورہ بالا اور احکام ملل سابقہ کی خبر اس طرح دینا کہ مصدق کتب الہامیہ سابقہ ہو۔ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ نے حضور کو وحی کے ذریعے بتایا۔ اسی واسطے یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت آپ پر ایمان لائی۔ اور باقی جو اس نعمت سے محروم رہے اس کا سبب محض حسد و عناد تھا۔

---

[1] شرارت سے مراد ان کا ظلم کرنا، راہِ خدا سے روکنا، سود لینا، حالانکہ انکو انکی ممانعت تھی۔ تورات کتاب الاحبار باب ۵۔ آیت ہیں اور لوگوں کا مال ناحق کھانا ہے۔ جیسا کہ سورۂ نساء رکوع ۲۲ میں آیا ہے۔

قصص و احکام کے علاوہ قرآن میں کتب سابقہ کے بعض اور مضامین صراحۃً یا اشارۃً بصورت اعمال کتاب مذکور ہیں دیکھو آیاتِ ذیل:-

۱- قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۞ (سورۂ اعلیٰ)	بیشک بھلا ہوا اس کا جو سنورا اور پڑھا نام اپنے رب کا۔ پھر نماز پڑھی۔ بلکہ تم آگے رکھتے ہو دنیا کا جینا اور آخرت بہتر ہے اور رہنے والی۔ یہ لکھا ہے پہلے صحیفوں میں۔ صحیفوں میں ابراہیم کے اور موسیٰ کے۔
۲- وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۞ (بنی اسرائیل - ع ۱۲)	اور ہم نے دیں موسیٰ کو نو نشانیاں صاف سو پوچھ بنی اسرائیل سے جب آیا وہ انکے پاس تو کہا اس کو فرعون نے میری اٹکل میں اے موسیٰ تجھ پر جادو ہوا ہے۔

اس آیت میں نو نشانیوں سے وہ نو معجزے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرعون کے مقابلے میں عطا کئے۔ ان نو نشانیوں کا ذکر تورات (کتاب الخروج باب ۷ تا ۱۰) میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔

۳- ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ ۖۚ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى	یہ صفت ہے ان کی تورات میں اور صفت ہے ان کی انجیل میں جیسا کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا۔ پھر اس کی کمر مضبوط کی

عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ ؕ (سورۂ فتح - ع ۴)

پھر پٹھا موٹا ہوا - پھر کھڑا ہوا اپنی نال پر - خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو تا جلاوے ان سے جی کافروں کا -

توراتِ موجودہ (کتاب پیدائش باب ۲۶ - آیہ ۱۲ - ۱۳) میں یہ تفصیل یوں پائی جاتی ہے :-

"اور اسحٰق نے اس زمین میں کھیتی کی - اور اسی سال سوگنا حاصل کیا - اور خداوند نے اسے برکت بخشی - اور وہ مرد بڑھ گیا - اور اس کی ترقی چلی جاتی تھی - یہاں تک کہ بہت بڑا آدمی ہو گیا"

اور انجیل متی باب ۱۳ - آیہ ۳۱ - ۳۲ میں یوں ہے :-

"وہ ان کے واسطے ایک اور تمثیل لایا - کہ آسمان کی بادشاہت خردل کے دانے کی مانند ہے جسے ایک شخص نے لیکر اپنے کھیت میں بویا - وہ سب بیجوں میں چھوٹا - پر جب اگا - سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا - اور ایسا پیڑ ہوتا کہ ہوا کی چڑیاں آکے اسکی ڈالیوں پر بسیرا کرتیں"

۴ - اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَ الْاِنْجِیْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ (سورۂ توبہ - ع ۱۴)

اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور مال اس قیمت پر کہ ان کیلئے بہشت ہے - لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں - وعدہ ہو چکا اس کے ذمے پر تورات اور انجیل اور قرآن میں -

موجودہ کتبِ عہدِ عتیق و جدید میں بہت جگہ جہاد کا ذکر ہے۔ تفصیل کیلئے مصابیح الظلام اردو اور فارسی مؤلفہ خاکسار دیکھو۔ پولوس عبرانیوں کو اپنے نامہ (باب ۱۱۔ آیہ ۳۲۔ ۳۳) میں یوں لکھتا ہے:۔

"اب میں کیا کہوں فرصت نہیں کہ جدعون اور برق اور سمسون اور افتح اور داؤد اور سموئیل اور نبیوں کا حال بیان کروں۔ انہوں نے ایمان سے بادشاہوں کو مغلوب کیا۔ اور راستی کے کام کئے اور وعدوں کو حاصل کیا۔ اور شیر ببر کے منہ بند کئے"۔

۵۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○ (انبیاء۔ ع ۷)	اور ہمنے لکھ دیا ہے زبور میں بعد ذکر (توراۃ) کے کہ آخر زمین پر مالک ہونگے میرے نیک بندے۔

زبور ۳۷۔ آیہ ۲۹ میں ہے:۔

"صادق زمین کے وارث ہونگے"

۶۔ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ○ (مائدہ۔ ع ۱۱)	لعنت کھائی منکروں نے بنی اسرائیل میں سے داؤد اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کی زبان پر۔ یہ اس سبب سے کہ گنہگار تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"وے جو میری برائی سے خوش ہوتے ہیں شرمندہ اور رسوا ہوویں۔ اور جو میری دشمنی پر پھولتے ہیں شرمندگی اور رسوائی کا لباس پہنیں" (زبور ۳۵۔ آیہ ۲۵)

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں پر بھیتر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی ناپاکی سے بھری ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو۔ پر باطن میں ریاکار اور شرارت سے بھرے ہو۔" (انجیل متی باب ۲۳۔ آیہ ۲۸)

۷۔ اِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (صف۔ ع ۱)	جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل! میں بھیجا آیا ہوں اللہ کا تمہاری طرف سچا کرتا اس کو جو مجھ سے آگے ہے تورات سے اور خوشخبری سناتا ایک رسول کی جو آوے گا مجھ سے پیچھے اسکا نام احمد ہے۔ پھر جب آیا ان کے پاس رسول کھلے نشان لیکر بولے یہ جادو ہے صریح۔

اس آیت کا پہلا حصہ متی باب ۵ آیہ ۱۷۔ ۱۸۔ اور پچھلا حصہ یوحنا باب ۱۴۔ آیہ ۱۶ میں ہے۔ مگر یوحنا کے موجودہ یونانی نسخوں میں آیہ زیر استدلال میں بجائے لفظ احمد کے لفظ پاراقلیطوس (PARACLETOS) ہے۔ جس کے معنی انگریزی میں کمفرٹر اور اردو میں تسلی دینے والا درج کر دیئے گئے ہیں۔ مگر یہ صاف تحریف لفظی ہے۔ اصل میں یونانی لفظ پریقلیطوس (PARICLYTOS) تھا۔ جس کے معنی ہیں بہت سراہا ہوا۔ یعنی احمد۔ اہل کتاب جو اپنی کتابوں میں تحریف کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے لفظ پریقلیطوس کو بدل کر پاراقلیطوس بنا دیا۔ جروم جس نے چوتھی صدی مسیحی میں انجیل کا لاطینی ترجمہ کیا۔ اس نے لفظ زیر بحث

کو لاطینی میں پیرقلی طاس لکھا ہے جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اصلی نسخہ یونانی جو جروم کے پاس تھا۔ اس میں پریقلیطوس تھا نہ کہ پاراقلیطوس۔ اسی طرح انجیل برنباس میں بھی پریقلیطوس موجود ہے۔ علاوہ ازیں اگر انجیل میں بشارت احمدؐ ہوتی تو علمائے اہلِ کتاب کبھی قرآن کی صداقت پر ایمان نہ لاتے۔ بلکہ اس کے برعکس قرآن مجید کی تکذیب کرتے۔

۸۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى	اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا	کہ جو کوئی مار ڈالے ایک جان بغیر بدلے جان
بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ	کے فساد کے بیچ زمین کے۔ تو گویا مار ڈالا
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَ	اس نے سب لوگوں کو۔ اور جس نے جِلایا
مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ	ایک جان کو۔ تو گویا جِلایا اس نے سب
جَمِيْعًا ۭ (مائدہ۔ ع ۵)	لوگوں کو۔

اس آیت کے متعلق تفسیر موضح القرآن میں یوں لکھا ہے "یعنی اول روئے زمین میں بڑا گناہ یہی ہوا اور اس سے آگے رسم پڑی۔ اسی سبب سے تورات میں اس طرح فرمایا کہ ایک کو مارا جیسے سب کو مارا۔ یعنی ایک کے کرنے سے اور دلیر ہوتے ہیں۔ تو سب کے گناہ میں اول بھی شریک تھے اور جیسا ایک کو جِلایا سب کو جِلایا۔ یعنی ظالم کے ہاتھ سے بچا دیا۔"

آیت مذکورہ بالا کا مضمون اب تورات موجودہ میں نہیں ملتا۔ مگر طلمود یعنی احادیث یہود سے پایا جاتا ہے کہ اس میں تھا چنانچہ کتاب پیدائش باب ۴۔ آیت ہذا میں لفظ خون اصل عبرانی میں بصیغہ جمع ہے۔ اس کی تفسیر میں شاہ سنہدرین میں

مفسر یہودی نے جو کچھ عبرانی میں لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ ولیم سینٹ کلر ٹزڈل واعظ مشن جلفہ واقع ایران فارسی میں یوں کرتا ہے:۔

"نسبت بقاین کہ برادر خود را کشت۔ یافتہ ایم کہ در بارۂ وے گفتہ۔ آواز خوں ہائے برادرت فریاد برمے آورد۔ نمے گوید خون برادرت بلکہ خونہائے برادرت یعنی خون وے وخون اولادش بنابریں انسان بہ تنہائی آفریدہ شد۔ برائے آزمودنِ تو کہ ہر کہ ہلاک کرد یکے نفسے از اسرائیل را۔ کتاب بروے حسابش رامے نماید کہ گویا ہمہ عالم را ہلاک کردہ باشد و ہر کہ یک نفسے از اسرائیل را زندہ کرد کتاب بروے حسابش رامے نماید کہ گویا ہمہ عالم را زندہ کردہ باشد"

(ینابیع الاسلام صفحہ ۳۹-۴۰)

اس ترجمے میں کتاب سے مراد بظاہر تورات ہے۔ فافہم۔

۹- وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰو وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ (نساء۔ ع ۲۲) اور ان کے سود لینے پر حالانکہ وہ اس سے منع کیے گئے۔

تفسیر حسینی میں ہے "حالانکہ نہی کردہ شدہ اند از اخذ ربٰو در تورات" تورات میں یہ ممانعت احبار باب ۲۵۔ آیہ ۳۶ میں ہے۔

آیات مذکورہ بالا کا اس نبی اُمّی (ربانی ہو وامی) کی زبان مبارک سے نکلنا بجز وحی الٰہی ناممکن تھا۔ لہٰذا یہ سب اخبار بالمغیبات کی قسم سے ہیں۔ اور ان کی صحت میں کسی مخالف نے چون وچرا نہیں کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ کتاب کو وہ باتیں بتا دیں جنہیں وہ چھپاتے تھے (مائدہ۔ ع ۳) حالانکہ وہ انکی کتابوں میں موجود تھیں۔ مثلاً نبی آخر الزمان کی نسبت پیشین گوئیاں۔ آپ کے اوصاف۔ حکم رجم وغیرہ۔ مگر ان میں سے کوئی بھی اپنی کتاب پیش کر کے آپ کی تکذیب نہ کرسکا۔

اس سے بڑھ کر آپ کی صداقت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (سورۂ نجم)

کتب الہامیہ کا محاورہ بھی قابلِ غور ہے۔ دیکھئے آیاتِ ذیل:۔

۱- فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ (انعام - ع ۴)	سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے لیکن بے انصاف اللہ کے حکموں سے منکر ہوئے جاتے ہیں۔

اول سموئیل باب ۸ آیہ ۷ میں ہے:۔

"وہ تجھ سے منکر نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ مجھ سے منکر ہوئے ہیں۔"

۲- نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ - ع ۱۲)	پھینک دی ایک جماعت نے کتاب پانے والوں میں سے اللہ کی کتاب اپنی پیٹھوں کے پیچھے گویا کہ ان کو معلوم نہیں۔

نحمیاہ باب ۹- آیہ ۲۶ میں ہے:۔

"اور انہوں نے تیری شریعت کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔"

۳- وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (حج - ع ۶)	اور ایک دن[1] تیرے رب کے ہاں ہزار برس کے برابر ہے جو تم گنتے ہو۔

زبور ۹۰ آیہ ۴ میں ہے:۔

"ہزار برس تیرے آگے ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گزر گیا۔"

۴- تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ	اس کی ستھرائی بولتے ہیں آسمان ساتوں

---

[1] یعنی ہزار برس کا کام ایک دن میں کر سکتا ہے۔ موضح القرآن

وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ (بنی اسرائیل ع ۵)

اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے۔ اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اسکی لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا۔

زبور ۱۹۔ آیہ ۲-۳ میں ہے:۔

"آسمان خدا کا جلال بیان کرتے ہیں۔ اور فضا اس کی دستکاری دکھاتی ہے۔ ایک دن دوسرے دن سے باتیں کرتا ہے۔ اور ایک رات دوسری رات کو معرفت بخشتی ہے۔ ان کی کوئی لغت اور زبان نہیں۔ ان کی آواز سنی نہیں جاتی"۔

۵۔ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا ؕ (حدید۔ ع ۳)

جیسے کہاوت ایک مینہ کی جو خوش لگا کسانوں کو اس کا سبزہ اگنا۔ پھر زور پر آتا ہے۔ پھر تو دیکھے اس کو زرد ہو گیا۔ پھر ہو جاتا ہے روندن۔

زبور ۹۰ آیہ ۶ میں ہے:۔

"وے فجر کو اس گھاس کی مانند ہیں جو اگی ہو۔ وہ صبح کو لہلہاتی ہے اور تروتازہ ہوتی ہے شام کو کاٹی جاتی ہے اور سوکھ جاتی ہے"۔

۶۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ۝ (اعراف۔ ع ۵)

بیشک جنہوں نے جھٹلائی ہماری آیتیں اور انکے سامنے تکبر کیا۔ نہ کھلیں گے ان کو دروازے آسمان کے اور نہ داخل ہونگے جنت میں یہاں تک کہ داخل ہو اونٹ سوئی کے ناکے میں اور ہم یوں بدلے دیتے ہیں گنہگاروں کو۔

اس آیت کا اخیر حصہ انجیل لوقا (باب ۱۸-آیہ ۲۵) میں یوں ہے:-

"اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گذر جانا اس سے آسان ہے۔ کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو"۔

۷- وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ (یونس-ع ۱۱)	اور مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ برا کرے تیرا۔

یرمیاہ-باب ۱۰-آیہ ۵ میں ہے:-

"ان کے معبودوں سے مت ڈرو۔ کہ ان میں ضرر پہنچانے کی سکت نہیں اور نہ ان میں قوت ہے کہ فائدہ بخشے"۔

۸- يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○ (انبیاء-ع ۷)	جس دن ہم لپیٹ لیں آسمان کو جیسے لپیٹتا ہے طومار رقعوں کو۔ جیسے سرے سے بنایا ہم نے پہلی بار۔ پھر اسکو دہرا دینگے۔ وعدہ ہو چکا ہے ہم پر۔ ہم کو کرنا ہے۔

یسعیاہ-باب ۳۴-آیہ ۴ میں ہے:-

"اور آسمان کاغذ کے تاؤ کے مانند لپیٹے جائیں گے"۔

مکاشفات باب ۶-آیہ ۱۴ میں ہے:-

"اور آسمان طومار کی طرح جب آپ سے لپیٹا جائے دو حصے ہو گیا"۔

۹- اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ (بقرہ-ع ۳۴)	جیتا ہے سب کا تھامنے والا۔ نہیں پکڑتی ہے اس کو اونگھ اور نہ نیند۔

زبور ۱۲۱-آیہ ۴ میں ہے۔

"دیکھ وہ جو اسرائیل کا محافظ ہے ہرگز نہ اونگھے گا اور نہ سوئے گا"

۱۰- اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ	اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے۔ اور بڑھاتا
فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ (بقرہ۔ ع ۲)	ہے ان کو ان کی شرارت میں بہکے ہوئے۔

زبور ۲- آیہ ۴ میں ہے:-

"وہ جو آسمان پر تخت نشین ہے ہنسے گا۔ اور خداوند انہیں ٹھٹھوں میں اڑا دے گا"

اسی طرح زبور ۵۹- آیہ ۸ میں ہے:-

"پر تو اے خداوند ان پر ہنسے گا۔ تو ساری قوموں کو مسخرہ بنائے گا"

ناظرین! آپ امثلہ بالا سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ قرآن و دیگر کتب الہامیہ میں بلحاظ محاورہ کس قدر مطابقت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ نزول قرآن اور نزول کتب سابقہ میں کتنا عرصہ دراز گزرا ہے۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ کتب سابقہ میں تحریف معنوی اور تحریف لفظی اس کثرت سے ہوئی ہے کہ کتابوں تک کا پتہ نہیں چلتا۔ بایں ہمہ قرآن و کتب سابقہ موجودہ میں محاورہ کی ایسی مطابقت کا پایا جانا صاف بتا رہا ہے کہ دونوں صورتوں میں متکلم ایک ہی ہے۔ وہ خدائے علیم جس نے توریت حضرت موسیٰ پر۔ زبور حضرت داؤد پر۔ انجیل حضرت عیسیٰ پر اور دیگر صحیفے دوسرے نبیوں پر بھیجے۔ اسی نے قرآن مجید اپنے پیارے نبی امی (ربانی ہو وامی) پر نازل فرمایا۔ جو بخلاف دیگر کتب عبارت میں بھی معجز ہے۔ اور مکمل ایسا کہ اسکی موجودگی میں کتب سابقہ جو اپنے اپنے وقت میں مکمل و کافی تھیں نامکمل و منسوخ ہوگئیں۔

قرآن و کتب الہامیہ سابقہ میں مطابقت مذکورہ بالا کو دیکھ کر آج کل کے عیسائی بھی کفار قریش کی طرح کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ باتیں اہل کتاب میں سے

کسی عالم کی مدد سے لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ کبھی یہ گپ اڑاتے ہیں کہ بحیرا راہب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سب کچھ سکھایا تھا۔ اور کبھی بڑبڑاتے ہیں کہ آپ نے دین مسیحی کا کچھ علم صہیب رومی سے حاصل کیا تھا[1]۔ اور کبھی یہ بڑ ہانکتے ہیں کہ ظن غالب تو ان راہبوں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو اس وقت ملک عرب میں عزیز الوجود نہ تھے۔ اور قرآن اکثر جگہوں میں ان کا ذکر تحسین و مدح کے الفاظ میں کرتا ہے[2]۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اس تمام ہرزہ سرائی کا کیا ثبوت ہے ایسے عناد سے اپنی عاقبت کیوں خراب کر رہے ہو۔ پامر عیسائی جس نے قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، یوں لکھتا ہے:۔

"عیسائی مصنفین (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انکی وحی کا بڑا حصہ ایک نصرانی راہب کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ مگر اس الزام کی تائید میں کوئی شہادت موجود نہیں[3]"۔

ہم عیسائیوں سے کھلے الفاظ میں پکار کر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو پہلے ثابت کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی یہودی یا عیسائی سے تعلیم پائی۔ اور پھر جواب دو کہ مضامین زیر بحث کو ایسے معجز نظام کلام میں کس نے ادا کیا۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے اور سچا دعویٰ ہے کہ قرآن افتراء نہیں۔ اور نہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا قرآن بنائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو ہوگا وہ مخلوق ہوگا اور مخلوق ایسا

---

[1] تفسیر کامل قرآن بزبان انگریزی مؤلفہ ویری صاحب۔ جلد اول، صفحہ ۴۴-۴۶۔

[2] انڈین اینٹیکویری جلد ۴۲ بابت جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۵۹۔

[3] دیباچہ ترجمہ قرآن بزبان انگریزی ص۴۷۔

قرآن بنانے پر قادر نہیں۔ مگر یہ اصولِ دین اور بعض دیگر مضامین میں کتب سابقہ کے مطابق ہے اور بتاتا ہے کہ وہ کتابیں منجانب اللہ اور اپنے اپنے وقتوں میں معمول بہا تھیں۔ اس لحاظ سے یہ ان کتابوں کا مصدق اور ان کی صحت کی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ معجزہ ہے اور وہ معجزہ نہیں۔ اس لئے وہ اپنے مضامین کی صحت کے لئے اس کی شہادت کی محتاج ہیں نہ کہ یہ۔ پس جب قرآن کتب سابقہ کا مصدق ٹھیرا تو یہ نتیجہ نکلا کہ یہ افترا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسے بندۂ کامل کے ہاتھ پر ظاہر ہوا جو نہ کوئی علم پڑھا اور نہ علمائے اہل کتاب میں سے کسی کی صحبت میں بیٹھا۔ پھر جو اس کی پیش کردہ کتاب کے مضامین کتب سابقہ کے مطابق پائے گئے تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب وحی الٰہی ہے۔ وہ کتاب جو کتب الہامیہ سابقہ کا صدق ثابت کرے خود افترا کیسے بن سکتی ہے۔ بلکہ وہ تو اولیٰ بالصدق ہے۔ یہ تقریر آیۂ ذیل کی تفسیر ہے:۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى	اور نہیں یہ قرآن کہ کوئی بنالے اللہ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ	کے سوا اور لیکن سچا کرتا ہے اگلے کلام
بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ	کو اور تفصیل ہے کتاب کی اس میں
لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	شبہ نہیں۔ جہان کے پروردگار سے ہے۔

(یونس۔ ع ۴)

۴ قرآن میں مومنوں کے دل کی بعض ایسی باتیں مذکور ہیں جہاں علام الغیوب کے سوا اور کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ دیکھو امثلۂ ذیل۔

۱۔ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى	اور جس وقت وعدہ دیتا تھا اللہ تمکو ایک

الطَّآئِفَتَيۡنِ اَنَّهَا لَكُمۡ وَتَوَدُّوۡنَ	ان دو جماعت میں سے کہ تم کو ہاتھ لگیگی-
اَنَّ غَيۡرَ ذَاتِ الشَّوۡكَةِ تَكُوۡنُ لَكُمۡ	اور تم چاہتے تھے کہ بن شوکت والا ملے
وَيُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّحِقَّ الۡحَقَّ	تم کو- اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کرے سچ کو
بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقۡطَعَ دَابِرَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝	اپنے کلاموں سے اور کاٹے پیچھا
(انفال - ع ۱)	کافروں کا

اس آیت میں ایک ایسے امر کی خبر ہے جو مومنوں کے دل میں آیا تھا اور جسے وہ پسند کرتے تھے- مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ امر پوشیدہ تھا- پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آپ کو اطلاع بخشی- اس کا بیان یوں ہے کہ جب مسلمانوں کو خبر لگی کہ ابوسفیان لدے ہوئے اونٹوں کا قافلہ ملک شام سے لا رہا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین سو آٹھ کی جمعیت کے ساتھ نکلے اور وادیٔ ذفران میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو امروں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا قافلہ کا ہاتھ آنا یا گروہ قریش کا مغلوب ہونا جو مکہ سے اس قافلہ کے چھڑانے کے لئے نکلا تھا- صحابۂ کرام اپنے دلوں میں قافلہ کی گرفتاری پسند کرتے تھے- پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ دشمنوں سے مقابلہ کریں تاکہ کفر کا زور ٹوٹ جائے- اور دین حق کو تقویت پہنچے- چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا- کیونکہ بدر کی لڑائی میں ستر کافر مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے- اور مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے-

۲- اِذۡ هَمَّتۡ طَّآئِفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ	جب قصد کیا دو فرقوں نے تم میں سے کہ
تَفۡشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ	نامردی کریں- اور اللہ مددگار تھا ان کا-
فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝ (آل عمران ع ۱۳)	اور اللہ ہی پر چاہیئے بھروسہ کریں مسلمان-

اس آیت میں مومنوں کے ایک خطرۂ قلبی کا اظہار ہے۔ جس کا بیان یوں ہے کہ جنگ بدر سے اگلے سال (غزوۂ احد میں) کافر جمع ہو کر مدینہ پر چڑھ آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ اکثر کہنے لگے کہ ہم شہر ہی میں لڑینگے اور حضور کی مرضی بھی یہی تھی۔ بعض کہنے لگے کہ یہ عار ہے۔ بلکہ ہم میدان میں مقابل ہونگے۔ آخر اسی مشورہ پر عمل کیا گیا۔ جب حضور شہر سے باہر چلے۔ عبداللہ بن ابی منافق مدینے کا رہنے والا تھا۔ وہ بھی شریک جنگ تھا۔ مگر وہ ناخوش ہو کر پھر گیا کہ ہمارے کہنے پر عمل نہ کیا۔ اس کے بہکانے سے انصار کے دو قبیلے (خزرج سے بنوسلمہ اور اوس سے بنی حارثہ) بھی پھر چلے۔ آخر ان کے سردار عوام کو سمجھا کر لے آئے۔ اس آیت میں انہی دو قبیلوں کے خطرۂ قلبی کا ذکر ہے۔ حالانکہ ان سے نہ کوئی قول ظہور میں آیا اور نہ کوئی بزدلی (موضح القرآن)

قرآن مجید میں منافقین کے راز کھول کر بتائے گئے ہیں جن کو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے یا اپنی ہی جماعت سے کہتے تھے۔ دیکھو آیات ذیل:۔

۱۔ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ (آل عمران - ع ١٦)

اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ تو ہم مارے نہ جاتے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ جنگ احد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو منافقین خلوت میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ اگر لڑائی کے لئے نکلنا ہمارے اختیار میں ہوتا تو ابن ابی کی رائے پر عمل کرتے۔ اور شہر مدینے سے باہر قدم نہ دھرتے

اور نہ مارے جاتے۔ اس قول کو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپاتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی خبر دیدی۔

۲- وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ○ (توبہ - ع ۷)

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بیشک تم میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ ولیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں۔

اس آیت میں بتادیا گیا ہے کہ منافقین جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں۔ جھوٹ ہے۔

۳- وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ○ (توبہ - ع ۷)

اور بعضے ان میں سے ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں۔ زکوٰۃ بانٹنے میں۔ سو اگر انکو ملے اس میں سے تو راضی ہوں۔ اور اگر نہ ملے اسمیں سے تب ہی وہ ناخوش ہو جاویں۔

یہ آیت ابو الحواظ منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ اس نے کہا تھا کہ تم اپنے صاحب کو نہیں دیکھتے کہ تمہارے صدقات ریوڑ چرانے والے گڈریوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اور پھر سمجھتا ہے کہ میں عادل ہوں۔ (تفسیر روح البیان)

۴- وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ (توبہ - ع ۸)

اور بعضے ان میں سے بدگوئی کرتے ہیں نبی کی۔ اور کہتے ہیں یہ شخص کان ہے۔

بعض منافقین مثلاً جلاس اور اس کے ساتھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی باتیں کہا کرتے تھے کہ جن سے انسان کو اذیت پہنچے۔ اور جب انہیں منع کیا جاتا تو کہتے کہ آنحضرت کے تو کان ہی کان ہیں۔ ہم

ان کے سامنے قسم کھالیں گے اور انکار کردیں گے۔ وہ مان لیں گے۔ کیونکہ وہ جو سنتے ہیں مان لیتے ہیں۔ ان میں ذکاء و فطانت نام کو نہیں (تفسیر روح البیان)

۵۔ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا ط وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَۃَ الْکُفْرِ وَکَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِھِمْ وَھَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا (توبہ۔ ع ۱۰)

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی۔ ہم نے نہیں کہا۔ بیشک کہا ہے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے ہیں مسلمان ہو کر۔ اور فکر کیا تھا انہوں نے جو نہ ملا۔

غزوۂ تبوک میں ان منافقین کی فضیحت میں آیات نازل ہوئیں جو اس غزوہ میں مدینۂ منورہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ اس لئے جلاس بن سوید نے کہا اللہ کی قسم! جو کچھ حضرت ہمارے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں، اگر وہ سچ ہے تو ہم گدھوں سے بدتر ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے جلاس کو بلا کر پوچھا۔ وہ قسم کھا گیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا اس پر یحلفون باللہ ما قالوا الآیہ اتری۔ اگرچہ اس قصے میں قائل ایک ہے۔ مگر چونکہ باقی منافق جلاس کے قول پر راضی تھے۔ اس لئے وہ بھی بمنزلہ جلاس ہو گئے۔ اور صیغہ جمع کا لایا گیا۔ مطلب یہ کہ وہ قسم کھا گئے کہ ہم نے کوئی کلمہ ایسا نہیں کہا۔ جس سے آنحضرت یا آپ کے دین کی توہین ہوتی ہو۔ حالانکہ بے شک انہوں نے کلمۂ کفر کہا۔ اور اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اپنے افعال سے بھی کفر باطنی ظاہر کر دیا۔ چنانچہ منجملہ ان افعال کے ایک یہ ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت ان میں سے پندرہ نے اتفاق کر لیا کہ حضرت جب تبوک اور مدینہ کے درمیان عقبہ (گھاٹی) پر ہوں گے تو ہم ان کو سواری سے وادی میں دھکیل کر مار ڈالیں گے۔

مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین کے اس ارادے سے آگاہ کر دیا۔ اس لئے جب لشکر عقبہ میں پہنچا تو آپ تو عقبہ میں چلے اور باقی سب آپ کے ارشاد سے وادی میں چلنے لگے۔ مگر ان منافقین نے منہ پر دہان بند ڈال کر عقبہ میں چلنا شروع کیا۔ حضرت عمار بن یاسر آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور حضرت حذیفہ بن الیمان پیچھے سے ہانک رہے تھے۔ اتنے میں حذیفہ نے اونٹوں کے پیروں کی آہٹ اور ہتھیاروں کی آواز سنی۔ اس لئے حذیفہ اندھیری رات میں ان کی طرف بڑھے۔ اور للکار کر کہا۔ اے اللہ کے دشمنو! رسول اللہ سے دور ہو جاؤ۔ یہ سن کر وہ وادی کی طرف بھاگ گئے۔ اور لوگوں میں مل گئے (روح البیان و روح المعانی)

۶۔ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ	اور جب نازل ہوئی ایک سورت تو بعضے
مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ	ان میں کہتے ہیں کس کو تم میں زیادہ کیا
اِيْمَانًا ۚ (توبہ ۔ ع ۱۶)	اس سورت نے ایمان۔

یعنی جب منافق لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہ ہوتے اور کوئی سورت نازل ہوتی جس میں دلائل قاطعہ ہوں تو وہ ایک دوسرے سے بطور استہزاء کہتے۔ کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا۔

۷۔ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ	اور جب نازل ہوئی ایک سورت۔ دیکھنے
بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۭ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ	لگے ایک دوسرے کی طرف کہ کوئی بھی دیکھتا
اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا (توبہ ۔ ع ۱۶)	ہے تم کو پھر چلے گئے۔

یعنی جب منافقین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ہوتے اور

کوئی سورت اترتی جس میں ان کے چھپے عیبوں کا بیان ہوتا تو وہ مومنوں سے آنکھ بچاکر مجلس سے کھسک جاتے۔ اور اگر جانتے کہ کوئی مومن ان کو دیکھ رہا ہے تو وہیں بیٹھے رہتے اور اختتامِ مجلس پر چلے جاتے۔

۸۔ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا	اور جنہوں نے بنائی ایک مسجد ضد
وَّکُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ	اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں
وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ	اور گھات اس شخص کیلئے جو لڑ رہا ہے
مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ	اللہ سے اور رسول سے پہلے سے اور اب قسمیں
اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّھُمْ	کھاوینگے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی
لَکٰذِبُوْنَ ○ (توبہ۔ ع ۱۳)	تھی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجد ضرار والے سب منافق تھے۔ منافقین کے مزید حال کے لئے سورۂ منافقون دیکھئے۔

قرآن مجید میں منافقین کی طرح یہودیوں کے چھپے عیب بھی ظاہر کر دیئے گئے ہیں۔ دیکھو آیاتِ ذیل :-

۱۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُھُوْا عَنِ	کیا تو نے نہ دیکھے جن کو منع ہوئی کانا پھوسی
النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُھُوْا	پھر وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے۔
عَنْہُ وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ	اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی اور تعدی
وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ز وَاِذَا جَآءُوْکَ	کی۔ اور رسول کی نافرمانی کی اور جب آویں
حَیَّوْکَ بِمَا لَمْ یُحَیِّکَ بِہِ اللّٰہُ لا وَ	تیرے پاس تجھ کو دعا دیں جو دعا نہیں دی
یَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا	تجھ کو اللہ نے۔ اور کہتے ہیں اپنے دل میں

اللّٰہُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُھُمْ جَھَنَّمُ یَصْلَوْنَھَا فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ؁ (مجادلہ۔ ع ۲)

میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں بس ہے انکو دوزخ داخل ہونگے اس میں سو بری ہے جگہ پھر جانے کی۔

موضح القرآن میں ہے۔" حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر منافق کان میں باتیں کرتے مجلس کے لوگوں پر ٹھٹھے کرتے اور عیب پکڑتے۔ اور حضرت کی بات سن کر کہتے۔ یہ مشکل کام ہم سے کب ہو سکے گا۔ پہلے سورۃ نساء میں اس کا منع آچکا تھا۔ مگر پھر وہی کرتے تھے اور دعا یہ کہ یہود آتے اور السلام علیک کے بدلے السام علیک کہتے۔ یہ بد دعا ہے کہ تجھ پر پڑے مرگ۔ پھر آپس میں کہتے کہ اگر یہ رسول ہے تو اس کہنے سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ اور کوئی منافق بھی کہتا ہوگا۔"

۲۔ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاھِھِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُھُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْكَ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ ھٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا

اے رسول تو غم نہ کھا ان پر جو جلدی منکر ہونے لگتے ہیں ان لوگوں میں سے جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے منہ سے اور ان کے دل مسلمان نہیں اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں سننے والے ہیں واسطے جھوٹ کے اور سننے والے ہیں واسطے دوسری جماعت کے جو تجھ تک نہیں آئے۔ بدل ڈالتے ہیں بات کو اسکا ٹھکانا چھوڑ کر کہتے ہیں۔ اگر تم کو یہ ملے تو لو۔

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (مائدہ - ع ۶)	اور اگر نہ ملے تو بچتے رہو۔ اور جس کو اللہ نے بچلانا چاہا سو تو اس کا کچھ نہیں کر سکتا اللہ کے یہاں۔ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ ان کے دل پاک کرے ان کو دنیا میں ذلت ہے اور ان کو آخرت میں بڑی مار ہے۔

موضح القرآن میں اس آیت کے متعلق یوں لکھا ہے۔ "بعضے منافق تھے کہ دل میں یہود سے ملتے تھے۔ اور بعضے یہود تھے کہ حضرتؐ کے پاس آمد و رفت کرتے تھے اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ جاسوسی کو آتے ہیں کہ تمہارے دین میں سے کچھ عیب چن کر لے جاویں اپنے سرداروں کے پاس جو یہاں نہیں آتے۔ اور فی الحقیقت عیب کہاں ہے۔ لیکن بات کو غلط تقریر کر کے ہنر کا عیب کرتے ہیں۔ یہود میں کئی قصے ہوئے کہ اپنے قضایا لائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلے کو۔ وہ سردار یہود آپ نہ آتے بیچ والوں کے ہاتھ بھیجتے۔ اور کہہ دیتے کہ ہمارے معمول کے موافق حکم کریں تو قبول رکھو۔ نہیں تو نہ رکھو۔ غرض یہ تھی کہ حکم تورات کے خلاف معمول باندھے تھے کہ ایک بھی اگر اس کے موافق حکم کر دے تو ہم کو اللہ کے یہاں سند ہو جاوے۔ اور جانتے تھے کہ ان کو تورات کی خبر نہیں۔ جو ہمارا معمول سنیں گے سو حکم کر دینگے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو خبردار کیا۔ موافق تورات ہی کے حکم فرمایا۔ اور تورات میں سے ثابت کر کے ان کو قائل کیا۔ ایک قصہ رجم کا تھا کہ وہ منکر ہوئے تھے۔ پھر تورات سے قائل کیا۔ اور ایک قصاص کا تھا کہ

وہ اشراف اور کم ذات کا فرق کرتے تھے اور تورات میں فرق نہیں رکھا۔"

۳- مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ	وہ جو یہودی ہیں بدل ڈالتے ہیں بات
الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ	کو اس کی جگہ سے اور کہتے ہیں کہ ہم
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ	نے سنا اور نہ مانا اور سن نہ سنایا جائیو
مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ	اور راعنا موڑ دے کر اپنی زبان کو۔
وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ط (نساء۔ ع ۷)	اور طعن کرکے دین میں۔

موضح القرآن میں ہے کہ "یہود حضرت کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کلام فرماتے۔ بعض بات جو نہ سنی ہوتی چاہتے کہ پھر تحقیق کریں تو کہتے۔ رَاعِنَا یعنی ہماری طرف توجہ ہو۔ یہود کو اس لفظ کہنے میں دغا تھی۔ اس کو زبان دبا کر کہتے تو رَاعِيْنَا ہو جاتا یعنی ہمارا چرواہا۔ اور ان کی زبان میں رَاعِيْنَا احمق کو بھی کہتے تھے۔ اسی طرح حضرت فرماتے تو جواب میں کہتے۔ سنا ہم نے اس کے معنی یہ ہیں کہ قبول کیا۔ لیکن آہستہ کہتے کہ نہ مانا۔ یعنی فقط کان سے سنا۔ اور دل سے نہ سنا۔ اور حضرت سے خطاب کرتے تو کہتے۔ سُن، نہ سنایا جائیو۔ ظاہر میں یہ دعا نیک ہے۔ کہ تو ہمیشہ غالب رہے۔ کوئی تجھ کو بری بات نہ سنا سکے۔ اور دل میں نیت رکھتے کہ تو بہرا ہو جائیو۔ ایسی شرارت کرتے۔ پھر دین میں عیب دیتے کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہمارا فریب معلوم کر لیتا۔ وہی اللہ صاحب نے واضح کر دیا۔"

ناظرین کرام مومنوں کے دلوں کے راز ظاہر کرنا۔ منافقوں کا بھانڈا پھوڑنا اور یہودیوں کے فریبوں کی قلعی کھولنا یہ تمام از قبیل اخبار بالمغیبات ہے

جس سے قرآن کا اعجاز ثابت ہے کیونکہ انسان اس سے عاجز ہے۔

بیان بالا سے یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ قرآن میں صرف غیوب ماضیہ کی خبریں ہیں۔ کیونکہ غیوب مستقبلہ کی خبریں بھی اس میں کثرت سے ہیں جن میں سے بعض ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

پیشین گوئی - ۱

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا	اور اگر ہو شک میں اس کلام سے جو اتارا
عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ	ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ
مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ	اس قسم کی۔ اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝	ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا	پھر اگر نہ کرو اور البتہ نہ کر سکو گے تو بچو
النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ	آگ سے جس کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر
اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ (بقرہ - ع ۳)	تیار ہے منکروں کے واسطے۔

ان آیتوں میں یہ پیشین گوئی ہے کہ قرآن مجید کی ایک سورت کی مثل بنانے پر کوئی قادر نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اور اس وقت سے اب تک کہ تیرہ سو چھپن ہجری مقدس ہے کثرت سے مخالفین و معاندین اسلام رہے مگر کوئی بھی قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بنا کر پیش نہ کر سکا اور نہ آئندہ کر سکے گا۔

پیشین گوئی - ۲

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ	تو کہہ اگر تم کو ملنا ہے گھر آخرت کا

عِندَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ — اللہ کے ہاں الگ سوائے اور لوگوں کے

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِن كُنتُمْ صٰدِقِينَ۝ — تو تم مرنے کی آرزو کرو اگر سچ کہتے ہو

(البقرہ-ع ۱۱)

اس آیت میں اخبار عن الغیب ہے کہ یہود میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ کسی یہودی نے باوجود قدرت کے موت کی تمنا نہ کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو البتہ مرجاتے۔ اور دوزخ میں اپنی جگہ ضرور دیکھ لیتے۔[1]

پیشین گوئی - ۳

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ — اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے

اللّٰهِ اَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى — منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ ذکر کیا

فِىْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ — جائے وہاں نام اس کا۔ اور دوڑا انکے

اَن يَّدْخُلُوهَآ اِلَّا خَآئِفِينَ لَهُمْ — اجاڑنے کو۔ ایسوں کو نہیں لائق تھا کہ

فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ — داخل ہوں انمیں مگر ڈرتے ہوئے۔ انکو دنیا میں

عَذَابٌ عَظِيمٌ۝ (البقرہ-ع ۱۴) — ذلت ہے اور انکو آخرت میں بڑی مار ہے۔

اس آیت میں اولٰئِك سے مراد نصاریٰ (طیطوس رومی اور اس کے اتباع) ہیں۔ جنھوں نے یہود پر غلبہ پاکر مسجد بیت المقدس کو ویران کیا۔ اور انکی مسجدیں

---

[1] اخرج احمد والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن مردویہ وابونعیم عن ابن عباس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لوان الیہود تمنوا الموت لماتوا ولرأوا مقاعدھم من النار (درمنثور للسیوطی - جلد اول ص۸۹)

اجاڑیں۔ یہ پیشین گوئی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں پوری ہوئی، جب کہ یروشلم مع ملک شام عیسائیوں سے لے لیا گیا۔ اور ہیکل یروشلم کی خاص بنیاد پر اسلامی مسجد تعمیر کی گئی۔

بعض کے نزدیک اُولٰٓئِكَ سے مراد مشرکینِ عرب ہیں جنہوں نے حدیبیہ کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بیت الحرام میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ اس صورت میں یہ پیشین گوئی ہجرت کے نویں سال پوری ہوئی۔ جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے موسم حج میں منادی کرادی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔ اور نہ کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف کرے[1]

پیشین گوئی

۴-۵-۶-۷-۸-۹

لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ	وہ ہرگز ہرگز ضرر نہ پہنچائیں گے تم کو مگر
یُّقَاتِلُوْكُمْ یُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ	ستانا تھوڑا اور اگر تم سے لڑیں گے تو تم سے
لَا یُنْصَرُوْنَ ۝ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ	پیٹھ پھیر دینگے پھر وہ مدد نہ دیئے جائینگے۔
الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ	ماری گئی ان پر ذلت جہاں پائے جائیں
مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ	سوائے دستاویز اللہ کے اور دستاویز
بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ	لوگوں کے اور کما لائے غصہ اللہ کا
عَلَیْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ (آل عمران-ع۱۲)	اور ماری گئی ان پر محتاجی۔

---

[1] لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان (عینی شرح بخاری جز رابع ص۶۳۳)

ان آیات میں یہود کی نسبت کئی پیشینگوئیاں ہیں :-

۱- یہود مسلمانوں کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔

۲- اگر یہود مسلمانوں سے لڑیں گے تو شکست کھائیں گے۔

۳- شکست کھانے کے بعد یہود میں قوت و شوکت نہ رہے گی۔

۴- یہود ہمیشہ ذلیل رہیں گے۔ مگر یہ کہ دوسروں کی پناہ میں ہوں۔

۵- یہود مغضوب رہیں گے۔

۶- یہود کی سلطنت کہیں نہ ہو گی۔ بلکہ مسکنت میں رہیں گے۔

یہ تمام پیشین گوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ چنانچہ یہود زبانی طعن اور سب و شتم کے سوا مومنین کو کوئی بڑا ضرر نہ پہنچا سکے۔ یہود بنی قینقاع و بنی قریظہ و بنی نضیر و یہود خیبر نے مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور مغلوب ہوئے۔ پھر ان کے کہیں پاؤں نہ جمے اور ان کی شان و شوکت جاتی رہی۔ یہود ہمیشہ ہر ملک میں قتل و غارت و قید سے پامال ہوتے رہے ہیں۔ روئے زمین پر کہیں انکی سلطنت نہیں۔ دوسرے ملکوں میں پناہ گزین ہیں تو وہاں کے بادشاہ یا لوگوں کی عنایت سے ایسا ہوتا رہا ہے۔ ان کا مغضوب ہونا ظاہر ہے۔

پیشین گوئی - ۱۰

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىھُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِیْنَ ۝ (آل عمران ع ۱۶)

اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت۔ اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس چیز کو جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اور انکا

یہ پیشینگوئی یوم احد کی نسبت تھی اور اسی دن پوری ہو گئی۔ کیونکہ کفار باوجود غلبہ وظفر کے مسلمانوں کے خوف سے لڑائی چھوڑ کر بھاگ گئے۔

پیشین گوئی ۔ ۱۱

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ	کہہ دے کافروں کو کہ تم جلدی مغلوب
تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ	ہو گے اور اکٹھے کئے جاؤ گے دوزخ
الْمِهَادُ ○ (آل عمران ۔ ع ۲)	کی طرف اور برا ہے بچھونا۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر سے مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ نے یہود کو بازار بنی قینقاع میں جمع کیا۔ اور ان سے فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ۔ ورنہ تمہارا بھی وہی حال ہو گا جو قریش کا ہوا۔ وہ بولے کہ نازاں نہ ہو تیرا ایسی قوم سے مقابلہ ہوا جو فن جنگ سے ناواقف تھی۔ اگر ہم سے پالا پڑے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم بہادر ہیں اور تو ہماری مانند نہیں۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں یہ خبر دی گئی کہ یہود عنقریب مغلوب ہو جائیں گے۔ یہ پیشین گوئی بنی قریظہ کے قتل اور بنی نضیر کی جلاوطنی اور فتح خیبر اور باقی یہود پر جزیہ لگانے سے پوری ہوئی۔

پیشین گوئی ۔ ۱۲

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ	آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا اور پوری
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ	کی میں نے تم پر اپنی نعمت۔ اور پسند کیا
الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ (مائدہ ۔ ع ۱)	میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔

۱؎ در منثور بحوالہ ابن اسحاق وابن جریر وبیہقی بروایت ابن عباس رضؓ۔

یہ آیت سنہ ۱۰ھ میں عرفہ کی شام کو جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ اصحاب آثار کا قول ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکاسی یا بیاسی دن زندہ رہے اور شریعت میں کوئی زیادتی یا نسخ یا تبدیلی وقوع میں نہ آئی۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کی خبر ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے یہی سمجھتے تھے جو انکے اعلم الصحابہ ہونے کی دلیل ہے۔

پیشین گوئی ۱۳

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی	اور ان لوگوں سے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ
اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا	ہیں۔ لیا ہم نے عہد ان کا پھر وہ بھول
مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ	گئے فائدہ لینا اس نصیحت سے جو ان کو
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ	کی گئی تھی۔ پھر ہم نے لگادی ان کے
الْقِیٰمَةِ ۚ وَسَوْفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ	درمیان دشمنی اور کینہ قیامت کے دن تک
بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ○ (مائدہ ع ۳)	اور آخر جتا دیگا انکو اللہ جو کچھ وہ کرتے تھے۔

اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ قیامت تک نصاریٰ کے مختلف فرقے رہیں گے جو ایک دوسرے کی تکذیب و تکفیر کرتے رہیں گے۔ یہ بھی پوری ہو چکی ہے۔ کیونکہ اب تک ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ نصاریٰ کے مختلف سینکڑوں فرقے ہیں جن کا ذکر ہم نے بخوفِ طوالت نہیں کیا۔

پیشین گوئی۔ ۱۴

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ	اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے پھر یگا

مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ	اپنے دین سے تو اللہ آگے لاویگا ایک
بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ	قوم کو کہ انکو دوست رکھتا ہے اور وہ اسکو
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ	دوست رکھتے ہیں۔ نرم دل ہیں مسلمانوں
يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا	پر اور سخت ہیں کافروں پر جہاد کرینگے
يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ	اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے کسی ملامت
اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ	کرنے والے کی ملامت سے۔ یہ فضل ہے
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (مائدہ۔ ع ۸)	اللہ کا دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ
	کشائش والا ہے۔ خبردار۔

اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ کچھ عرب دین سے پھر جائیں گے۔ اس لئے فرمادیا کہ ان کی گوشمالی کے لئے ایک ایسی قوم ہو گی جس کے اوصاف یہ ہونگے۔ یہ پیشین گوئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد پوری ہوئی جب کہ عرب کے کئی قبیلے دینِ اسلام سے منحرف ہو گئے۔ اور بعضوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود اختلاف آراء انکے ساتھ جہاد کیا اور ان کو مغلوب کیا۔ یہ آیت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی حقیت پر دلیل واضح ہے۔

پیشین گوئی۔ ۱۵

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ	اور ہم نے ڈال دی ان میں دشمنی اور
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا	بغض قیامت کے دن تک۔ جب ایک آگ

۱؎ دیکھو مشکوٰۃ۔ کتاب الزکوٰۃ فصل ثالث۔

نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَ	سلگاتے ہیں لڑائی کے واسطے اللہ
يَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ	اس کو بجھاتا ہے۔ اور دوڑتے ہیں
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○	ملک میں فساد کرتے۔ اور اللہ دوست
(مائدہ - ع ۹)	نہیں رکھتا فساد کرنے والوں کو۔

اس میں یہ پیشین گوئی ہے کہ یہود کے مختلف فرقے ہونگے۔ جن میں عداوت وبغض قیامت تک رہے گا۔ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے میں کلام نہیں کیونکہ یہود کے مختلف فرقوں میں اب تک عداوت ہے اور آئندہ رہے گی۔

پیشین گوئی - ۱۶

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ	اے رسول! پہنچا جو کچھ اتارا گیا ہے
مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا	تیری طرف تیرے رب سے۔ اور اگر تونے
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ	نہ کیا۔ پس تونے نہ پہنچایا اس کا پیغام
مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى	اور اللہ تجھ کو بچائے گا لوگوں سے۔ اللہ
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (مائدہ - ع ۱۰)	ہدایت نہیں کرتا منکر قوم کو۔

یہ آیت بقول حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ ذات الرقاع (سنہ ۴ ھ) میں نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول سے پہلے صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کیا کرتے تھے۔ مگر جب یہ آیت اتری تو حراست موقوف کردی گئی۔ کیونکہ اس میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضور کی زندگی میں اس پیشین گوئی کا پورا ہونا ظاہر ہے کیونکہ

---

[1] اتقان للسیوطی - جزء اول صفحہ ۱۶

یہود و نصاریٰ اور مشرکین باوجود کینہ و عداوت کے آپ کے قتل پر قادر نہ ہوئے چونکہ حضور وفات شریف کے بعد جسدِ مبارک کے ساتھ مرقد منور میں حقیقۃً زندہ ہیں۔ اس لئے یہ وعدہ قیامت تک پورا ہوتا رہے گا۔ ذیل میں ہم علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۹۱۱ھ) کی کتاب وفاء الوفا باخبار دار المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس سے ناظرین اندازہ لگا سکیں گے کہ وفات شریف کے بعد اعدائے اسلام نے ہمارے آقا ہمارے مالک حضور شہنشاہِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح اذیت پہنچانی چاہی۔ اور کس طرح یہ وعدہ پورا ہوا۔ واقعہ مذکورہ کو علامہ سمہودی یوں بیان فرماتے ہیں۔

جان لے کہ مجھے علامہ جمال الدین اسنوی[1] کی تصنیف سے ایک رسالہ معلوم ہوا ہے جس میں نصاریٰ کو حاکم بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ بعض نے اس رسالے

---

[1] شیخ جمال الدین عبد الرحیم اسنوی شافعی شہر اسنا واقع ملک مصر میں ذی الحجہ ۷۰۴ھ میں پیدا ہوئے ۷۲۱ھ میں قاہرہ آئے اور وہاں مختلف استادوں سے ادب، نحو، اصول فقہ اور حدیث میں تعلیم پائی۔ اپنے وقت میں فقہ شافعی میں یگانہ تھے۔ صاحبِ تدریس و تصنیف تھے۔ فقہ و اصول نحو میں بہت سی کتابیں آپکی تصنیف ہیں۔ آپ کا وصال جمادی الاولیٰ ۷۷۲ھ میں ہوا۔ آپ کے جنازے پر انوار و لایت نمایاں تھے (تفصیل کیلئے دیکھو بغیۃ الدعاۃ اور حسن المحاضرہ ہر دو مصنفہ جلال الدین سیوطی) رسالہ النصیحۃ اولی الالباب فی منع استخدام النصاریٰ آپکی ہی تصنیف ہے جیسا کہ مصنف کے بیان سے ظاہر ہے کشف الظنون میں ہے کہ علامہ سیوطی نے اس رسالہ کا اختصار کیا ہے اور اسکا نام جہد القریحہ فی تجرید النصیحہ ہے۔ علامہ جمال الدین اسنوی رح کے قلم سے اسی قسم کے ایک رسالہ حسن المحاضرہ میں لکھا ہے جسکا نام الریاضۃ الناصرۃ فی الرد علی من یعظم اہل الذمۃ و یستخدمہم علی المسلمین ہے۔ مگر کشف الظنون میں الریاستہ الناصریہ کو علامہ جمال الدین کے بھائی علامہ عماد الدین محمد بن حسن اسنوی (متوفی ۷۶۴ھ) کی تصنیف ظاہر کیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

کا نام انتصارات اسلامیہ رکھا ہے۔ میں نے اس پر علامہ موصوف کے شاگرد شیخ زین الدین مراغی کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے اور وہ یہ ہے نصیحۃ اولی الالباب فی منع استخدام النصاریٰ کتاب لشیخنا العلامہ جمال الدین اسنوی ؒ۔ استاد نے اس رسالے کا نام نہ رکھا تھا۔ میں نے آپ کے سامنے یہ نام عرض کیا جسے آپ نے برقرار رکھا۔ انتہیٰ۔ پس میں نے اس رسالے میں یہ عبارت دیکھی۔

سلطان عادل نورالدین شہید کے عہد سلطنت میں نصاریٰ کے نفسوں نے انہیں ایک بڑے امر پر آمادہ کیا۔ ان کا گمان تھا کہ وہ پورا ہو جائے گا۔ اور اللہ اپنی روشنی پورا کئے بغیر نہیں رہتا۔ خواہ منکر برا مانیں۔ وہ امر یہ ہے کہ سلطان مذکور رات کو تہجد اور وظائف پڑھا کرتا تھا۔ ایک روز تہجد کے بعد سو گیا۔ خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ دو سرخ رنگ شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں۔ میری مدد کر اور مجھے ان دو سے بچا۔ وہ ڈر کر جاگ اٹھا۔ پھر وضو کیا نماز پڑھی اور سو گیا۔ پھر اس نے وہی خواب دیکھا۔ جاگ اٹھا اور نماز پڑھ کر سو گیا۔ پھر تیسری بار وہی خواب دیکھا۔ پس جاگ اٹھا اور کہنے لگا۔ نیند باقی نہیں رہی۔ اسکا وزیر ایک صالح شخص تھا۔ جس کا نام جمال الدین موصلی تھا۔ رات کو اسے بلایا۔ اور تمام ماجرا اسے کہہ سنایا۔ اس نے کہا تم کیسے بیٹھے ہو۔ اسی وقت مدینۃ النبیؐ کی طرف روانہ ہو جاؤ اور اپنے خواب کو پوشیدہ رکھو۔ یہ سن کر اس نے بقیہ شب میں تیاری کر لی۔ اور سبکسار سواریوں پر بیس آدمیوں کے ساتھ نکلا۔ وزیر مذکور اور بہت سا مال بھی اس کے ساتھ تھا۔ سولہ دن میں وہ مدینے پہنچا۔ شہر سے باہر غسل کیا۔ اور داخل ہوا۔ روضہ منورہ میں نماز پڑھی اور زیارت کی۔ پھر بیٹھ گیا۔ حیران تھا

کہ کیا کرے۔ جب اہلِ مدینہ مسجد میں جمع تھے تو وزیر نے کہا۔ سلطان نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ارادے سے آیا ہے۔ اور خیرات کے لئے اپنے ساتھ
بہت سامال لایا ہے۔ جو یہاں کے رہنے والے ہیں ان کے نام لکھو۔ اس طرح
تمام اہل مدینہ کے نام لکھے۔ سلطان نے سب کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جو صدقہ
لینے آتا سلطان اسے بغور دیکھتا تاکہ وہ صفت و شکل جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
اسے دکھائی تھی، معلوم کرے۔ جس میں وہ حلیہ نہ پاتا اُسے صدقہ دے کر کہتا کہ
چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ سب لوگ آ چکے۔ سلطان نے پوچھا کہ کیا
کوئی باقی رہ گیا ہے جس نے صدقہ نہ لیا ہو۔ انہوں نے عرض کی نہیں۔
سلطان نے کہا غور و فکر کرو۔ اس پر انہوں نے کہا۔ اور تو کوئی باقی
نہیں مگر دو مغربی شخص جو کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ وہ پارسا اور دولتمند
ہیں اور محتاجوں کو اکثر صدقہ دیتے رہتے ہیں۔ یہ سن کر سلطان خوش
ہو گیا اور حکم دیا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ وہ لائے گئے۔
سلطان نے انہیں وہی دو شخص پایا جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ میری مدد کر۔ اور مجھے ان سے بچا۔ پس ان سے پوچھا کہ تم کہاں سے
آئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم دیارِ مغرب سے حج کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اس
لئے اس سال ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاورت اختیار کی ہے۔ سلطان نے کہا
سچ بتاؤ۔ مگر وہ اپنی بات پر قائم رہے۔ پھر لوگوں سے پوچھا۔ یہ کہاں ٹھیرے ہوئے ہیں۔
عرض کیا گیا کہ حجرۂ شریف کے قریب رباط میں رہتے ہیں۔ یہ سنکر سلطان نے دونوں کو

گرفتار کرلیا اور ان کے مکان میں آیا۔ وہاں بہت سا مال، دو قرآن مجید اور وعظ و
نصیحت کی کتابیں پائیں۔ ان کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔ اہلِ مدینہ نے ان کی بڑی
تعریف کی کہ یہ بڑے سخی اور فیاض ہیں۔ صائم الدہر ہیں اور روضۂ شریف میں صلوات
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے پابند ہیں۔ ہر صبح جنت البقیع کی زیارت
کو جاتے ہیں۔ اور ہر شنبہ قباء کی زیارت کرتے ہیں۔ کسی سائل کا سوال رد نہیں
کرتے۔ ان کی فیاضی سے اس قحط سالی میں مدینہ میں کوئی محتاج نہیں رہا۔ یہ سنکر
سلطان نے کہا۔ سبحان اللہ! اور اپنے خواب کو ظاہر نہ کیا۔ سلطان بذاتِ خود
اس مکان میں پھرتا رہا۔ اس میں ایک چٹائی جو اٹھائی تو اس کے نیچے تہ خانہ دیکھا
جو حجرۂ شریف کی طرف کھود رکھا تھا۔ لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے۔ اس وقت سلطان نے
کہا۔ تم اپنا حال سچ سچ بتاؤ۔ اور انہیں بہت مارا۔ پس انہوں نے اقرار کیا
کہ ہم عیسائی ہیں۔ ہم کو نصاریٰ نے مغربی حاجیوں کے بھیس میں بھیجا ہے اور
ہمیں بہت سا مال دیا ہے اور کہا ہے کہ اسے حجرۂ شریف تک پہنچنے اور جسد مبارک
نکالنے کا حیلہ وسیلہ ٹھہراؤ۔ بھیجنے والے عیسائیوں کا یہ وہم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو
اس بات پر قادر کردیگا۔ اور وہ وہ کرینگے جو شیطان نے انہیں سجھایا تھا۔ اس لئے
وہ دونوں حجرۂ شریف کے سب سے قریب رباط میں اترے تھے۔ اور انہوں نے وہ کیا جو اوپر ذکر
ہوا۔ وہ رات کو کھودا کرتے تھے۔ اور ہر ایک کے پاس مغربیوں کے لباس کے مطابق
ایک چمڑے کی تھیلی تھی جو مٹی جمع ہوتی۔ ہر ایک اپنی تھیلی میں ڈال لیتا۔ اور وہ
دونوں زیارت بقیع کے بہانے سے نکل جاتے اور قبروں میں پھینک آتے۔ کچھ مدت
وہ اسی طرح کرتے رہے۔ جب کھودتے کھودتے حجرۂ شریف کے قریب پہنچ گئے

تو آسمان میں گرج پیدا ہوئی، بجلی چمکی۔ اور ایسا زلزلۂ عظیم پیدا ہوا کہ گویا پہاڑ جڑ سے اکھڑ گئے ہیں۔ اسی رات کی صبح کو سلطان نور الدین آ پہنچا۔ اور دونوں کی گرفتاری اور اعتراف وقوع میں آیا۔ جب دونوں نے اعتراف کر لیا۔ اور اس کے ہاتھ پر ان کا حال ظاہر ہو گیا۔ اور اس نے اللہ کی یہ عنایت دیکھی کہ یہ کام اس سے لیا تو وہ بہت رویا۔ اور ان کی گردن زنی کا حکم دیا۔ پس وہ اس جالی کے نیچے قتل کئے گئے جو حجرۂ شریف کے قریب بقیع سے متصل ہے۔ پھر اس نے بہت سی رانگ منگوائی۔ اور تمام حجرۂ شریف کے گرد پانی کی تہ تک ایک بڑی خندق کھدوائی وہ رانگ پگھلائی گئی اور اس سے خندق بھر دی گئی۔ اس طرح حجرۂ شریف کے گرد پانی کی تہ تک رانگ کی دیوار تیار ہو گئی۔ پھر سلطان مذکور اپنے ملک کو چلا آیا۔ اور حکم دیا کہ نصاریٰ کمزور کر دیئے جائیں۔ اور کوئی کافر عامل نہ بنایا جائے۔ بایں ہمہ حکم دیا کہ محاصل چونگی تمام معاف کر دیئے جائیں۔

علامہ جمال الدین محمد مطری (متوفی ۷۴۱ھ) نے اس واقعہ کی طرف بطریق اختصار اشارہ کیا ہے اور حجرۂ شریف کے گرد خندق کھودنا۔ اور اس میں رانگ کا پگھلا کر ڈالا جانا ذکر نہیں کیا ہے مگر وہ سال بتا دیا ہے جس میں یہ حادثہ وقوع میں آیا۔ اور بیان بالا سے بعض تفاصیل میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ جو فصیل اب مدینہ کے گرد ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سلطان نور الدین محمود بن زنگی بن اسنقد ۵۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں پہنچا اس کے آنے کا سبب ایک خواب تھا۔ جو اس نے دیکھا تھا۔ اس خواب کو بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے اور میں نے اسے فقیہ علم الدین یعقوب بن ابی بکر جس کا باپ مسجد نبوی کی آتشزدگی

کی رات کو جل گیا تھا) سے سنا۔ اور علم الدین نے روایت کی ان اکابر سے کہ جن سے وہ ملا۔ کہ سلطان محمود نذکور نے ایک رات تین بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ ہر بار آپ فرماتے تھے، اے محمود! مجھے ان دو سرخ رنگ شخصوں سے بچا۔ اس لئے اس نے صبح ہونے سے پہلے اپنے وزیر کو بلایا۔ اور اسے یہ ماجرا سنایا۔ وزیر نے کہا کہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی امر حادث ہوا ہے جس کے لئے تیرے سوا کوئی اور نہیں۔ پس وہ تیار ہو گیا۔ اور قریباً ایک ہزار اونٹ اور گھوڑے وغیرہ لیکر جلدی روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ اپنے وزیر کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا۔ اور اہلِ مدینہ کو خبر نہ ہوئی۔ زیارت کے بعد مسجد میں بیٹھ گیا۔ اور حیران تھا کہ کیا کرے۔ وزیر نے کہا کہ آپ ان دو شخصوں کو دیکھ کر پہچان لیں گے؟ سلطان نے کہا، ہاں۔ پس تمام لوگوں کو خیرات کے لئے بلایا۔ اور بہت سا زر وسیم ان میں تقسیم کیا۔ اور کہا کہ مدینہ میں کوئی باقی نہ رہ جائے۔ اس طرح کوئی باقی نہ رہا مگر اہلِ اندلس میں سے دو مجاور جو اس جانب میں اترے ہوئے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے آگے مسجد سے باہر آل عمر بن الخطاب کے گھر (جو اب دار العشرۃ کے نام سے مشہور ہے) کے پاس ہے سلطان نے ان کو خیرات کیلئے بلایا۔ وہ نہ آئے اور کہنے لگے ہمیں ضرورت نہیں۔ ہم کچھ نہیں لیتے۔ سلطان نے انکے بلانے میں اصرار کیا۔ پس وہ لائے گئے۔ جب سلطان نے ان کو دیکھا تو اپنے وزیر سے کہا یہی وہ دو ہیں۔ پھر ان کا حال اور ان کے آنے کا باعث دریافت کیا۔ انہوں نے کہا ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاورت کے لئے آئے ہیں۔ سلطان نے کہا مجھ سے سچ سچ کہو۔ اور کئی دفعہ یہی سوال کیا۔ یہاں تک

کہ مارپیٹ کی نوبت پہنچی۔ پس انہوں نے اقرار کیا کہ ہم عیسائی ہیں اور عیسائی بادشاہوں کے اتفاق سے ہم یہاں آئے ہیں۔ تاکہ حجرۂ شریف سے جسد مبارک کو نکال کرلے جائیں۔ سلطان نے دیکھا کہ انہوں نے مسجد کی قبلہ رو دیوار کے نیچے سے زمین دوز نقب لگائی ہوئی ہے اور حجرہ شریف کی طرف کو لے جا رہے ہیں۔ اور جس مکان میں وہ رہا کرتے تھے اس میں ایک گڑھا تھا۔ جس میں وہ مٹی ڈال دیا کرتے تھے۔ اس طرح علم الدین یعقوب نے بالاسناد میرے پاس بیان کیا۔ پس اس جالی کے پاس جو مسجد سے باہر حجرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرق میں ہے ان کو قتل کر دیا گیا۔ پھر شام کو آگ سے جلا دیئے گئے۔ اور سلطان مذکور سوار ہو کر شام کی طرف روانہ ہوا۔

پیشین گوئی۔ ۱۷

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ	لڑو ان سے تا عذاب کرے اللہ انکو
وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ	تمہارے ہاتھوں کے ساتھ اور رسوا کرے
يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۙ	انکو اور غالب کرے تم کو ان پر اور ٹھنڈے
وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۚ وَيَتُوْبُ	کرے دل کتنے مسلمان لوگوں کے اور
اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ	دور کرے انکے دلوں کا غصہ اور اللہ
حَكِيْمٌ ۝ (توبہ۔ ع ۲)	توبہ دیگا جس کو چاہے گا اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

بنو خزاعہ میں سے کچھ لوگ ایمان لائے تھے اور ہجرت کے بعد مکہ مشرفہ میں باقی رہ گئے تھے۔ ان کو مشرکین سے تکلیف پہنچی۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ حدیبیہ

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جو عہد و پیمان ہوئے تھے
ان میں سے ایک یہ تھا کہ ایک دوسرے کے حلیفوں کو ایذا نہ پہنچائیں گے۔
اور اگر ایک کے حلیف دوسرے کے حلیفوں سے جنگ کریں تو ان کی مدد نہ
کرینگے۔ اس عہد کے خلاف کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
حلیف خزاعہ کے خلاف اپنے حلیف بنو بکر کو ہتھیار وغیرہ سے مدد دی جس
سے خزاعہ کا سخت نقصان جان ہوا۔ اس لئے خزاعہ نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بیان ہو چکا ہے
پس یہ آیتیں اتریں جن میں مسلمانوں کی نصرت اور بعض کفار کے تائب ہونے
کی پیشین گوئی ہے۔ یہ پیشین گوئی فتح مکہ سے پوری ہو گئی۔ اور کفار میں سے
بعض مثلاً ابوسفیان رضؓ اور عکرمہ رضؓ بن ابی جہل اور سہیل رضؓ بن عمرو وغیرہ ایمان لائے۔

پیشین گوئی ۔ ۱۸

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ	اور ان میں سے بعض کہتا ہے مجھ کو
لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ	رخصت دے اور فتنہ میں نہ ڈال۔ خبردار
وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝	رہو وہ فتنہ میں گر پڑے ہیں اور دوزخ
(توبہ ۔ ع ۷)	گھیر رہی ہے کافروں کو۔

ایک منافق جد بن قیس بہانہ لایا کہ روم کی عورتیں خوبصورت ہیں۔ میں اس
ملک میں جا کر بدی میں گرفتار ہوں گا۔ رخصت دو کہ سفر (غزوہ تبوک) میں نہ
جاؤں۔ لیکن مدد، خرچ کرونگا مال سے (موضح القرآن) اس پر یہ آیت نازل ہوئی
جس میں یہ اخبار بالغیب ہے، کہ جد بن قیس کافر ہی مریگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پیشین گوئی - ۱۹

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ (توبہ - ع ۱۰)	اور ان میں سے بعض وہ ہے کہ عہد کیا اللہ سے۔ اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو البتہ ہم خیرات دینگے۔ اور البتہ ہونگے ہم صالحین میں سے۔ پھر جب دیا انکو اپنے فضل سے اس میں بخل کیا انہوں نے اور پھر گئے منہ پھیر کر پھر اس کا اثر رکھا خدا نے نفاق انکے دلوں میں اس دن تک کہ ملیں گے اس سے بسبب اسکے کہ خلاف کیا انہوں نے جو وعدہ کیا اس سے اور بسبب اس کے کہ بولتے تھے جھوٹ۔

ایک منافق تھا ثعلبہ بن حاطب، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا چاہی کہ مجھ کو کشائش ہو۔ فرمایا کہ تھوڑا جس کا شکر ہو سکے بہتر ہے بہت سے کہ غفلت لاوے۔ پھر آیا لگا عہد کرنے کہ اگر مجھ کو مال ہو، مَیں بہت خیرات کروں۔ اور غفلت میں نہ پڑوں۔ حضور نے دعا کی۔ اس کو بکریوں میں برکت ملی۔ یہاں تک کہ مدینے کے جنگل سے کفایت نہ ہوتی۔ نکل کر گاؤں میں جا رہا۔ جمعہ اور جماعت سے محروم ہوا۔ حضور نے پوچھا کہ ثعلبہ کیا ہوا؟ لوگوں نے حال بیان کیا۔ فرمایا ثعلبہ خراب ہوا۔ پھر زکوٰۃ کا وقت آیا۔ سب دینے لگے۔ اس نے کہا یہ تو مال بھرنا گویا جزیہ دینا ہے۔ بہانہ کر کر ٹال دیا۔ پھر حضرت کے پاس مال لایا زکوٰۃ میں۔

آپ نے قبول نہ کیا۔ حضرت کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ بھی اپنی خلافت میں اس کی زکوٰۃ نہ لیتے۔ خلافت عثمانؓ میں مرگیا (موضح القرآن) اسی ثعلبہ کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اخیر آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ ثعلبہ منافق ہی مریگا۔ اسے توبہ نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پیشین گوئی - ۲۰

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

(توبہ - ع ۱۲)

عذر لاوینگے تمہارے پاس جب پھر کر جاؤگے انکی طرف۔ تو کہہ، عذر مت لاؤ ہم نہ مانیں گے ہرگز تمہاری بات ہم کو بتا دیا ہے اللہ نے تمہارا بعض احوال۔ اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارا عمل اور اس کا رسول۔ پھر جاؤگے تم طرف اس جاننے والے چھپے اور کھلے کے سو وہ بتادے گا تم کو جو تم کر رہے تھے اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی جب پھر کر جاؤ گے تم انکی طرف تاکہ ان سے در گزر کرو تم سو در گزر کرو ان سے۔ وہ لوگ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ ان کی کمائی کا۔

منافقین (جد بن قیس و معتب بن قشیر اور ان دونوں کے اصحاب) جو غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ انکی

نسبت ان آیتوں میں یہ پیشین گوئی ہے کہ وہ عدم شرکت کا یوں عذر کرینگے اور یوں قسم کھائیں گے۔ یہ پیشین گوئی غزوۂ تبوک سے واپسی پر پوری ہوئی۔

پیشین گوئی۔ ۲۱

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا	اور پہنچتا رہے گا کافروں کو ان کے کئے
تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ	پر کھڑکا یا اترے گا نزدیک ان کے گھر سے
أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ حَتَّىٰ	یہاں تک کہ آوے وعدہ اللہ کا بیشک
يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ	اللہ خلاف نہیں کرتا وعدہ۔
الْمِيعَادَ ۝ (رعد۔ ع ۴)	

اس آیت میں یہ پیشینگوئی ہے کہ جب تک سارے عرب ایمان نہ لائینگے مسلمان ان کے ساتھ جہاد کرتے رہیں گے۔ اور انہیں قتل و قید کرتے رہیں گے چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

پیشین گوئی۔ ۲۲

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ	ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت (قرآن)
لَحَافِظُونَ ۝ (حجر۔ ع ۱)	اور ہم اسکے نگہبان ہیں۔

اس آیت میں یہ خبر دی گئی کہ قرآن کریم تحریف و تبدیل سے محفوظ رہے گا۔ اس پیشینگوئی کے پورا ہونے کا مخالفین و اعدائے اسلام کو بھی اعتراف ہے۔ ملاحدہ و معطلہ بالخصوص قرامطہ نے تحریف قرآن کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر ایک حرف بھی ادل بدل نہ کر سکے۔ کتب سماویہ سابقہ اگرچہ سب کی سب کلام الٰہی تھیں۔ مگر تحریف سے کوئی خالی نہ رہی۔ فقط ایک قرآن مجید ہے جو تحریف و

تبدیل سے محفوظ رہا اور رہے گا۔ کیونکہ اس کا حافظ خود خدا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر کتب سابقہ میں تحریف ہو جاتی تھی تو دوسرا نبی آکر اسے بیان فرما دیتا تھا۔ مگر قرآن چونکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جن کے بعد کوئی نیا نبی نہ آئے گا جو بصورت وقوع تحریف اسے بیان فرما دیتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ اور اس طرح اپنے حبیب پاک کی شان محبوبیت کو بھی ظاہر فرما دیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی حَبِیْبِکَ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعَلَیْنَا مَعَھُمْ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا طرفہ سامان کیا ہے۔ علمائے اسلام قراء و محدثین ہر دور میں اسے بطریق تواتر روایت کرتے رہے ہیں۔ جن پر کذب کا وہم تک نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر ہر زمانے میں کثرت سے اس کتاب کے حافظ رہے ہیں اور آئندہ رہیں گے۔ اس طرح امت کے سینوں میں محفوظ ہونا اس کتاب الٰہی کا خاصہ ہے

بَلْ ھُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ	بلکہ یہ قرآن آیتیں ہیں صاف۔ سینے
الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا یَجْحَدُ	میں ان کے جن کو ملا ہے علم منکر
بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝	نہیں ہماری آیتوں سے مگر وہی جو
(عنکبوت۔ ع ۵)	بے انصاف ہیں۔

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام قاب قوسین او ادنیٰ میں منجملہ دیگر انعامات کے یہ بھی ارشاد فرمایا "میں [1] نے تیری امت میں سے ایسی جماعتیں بنائی ہیں کہ

[1] دیکھو صفحہ آئندہ

جن کے دل ان کی انجیلیں ہیں" یعنی ان کے دل کتابوں کی طرح ہیں۔ جس طرح انسان کتاب سے پڑھتا ہے۔ وہ دل سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔

امام بیہقی نے روایت کی کہ یحییٰ بن اکثم (متوفی ۲۴۲ھ) نے کہا۔ کہ ایک یہودی خلیفہ مامون کی خدمت میں آیا۔ اس نے کلام کیا اور اچھا کلام کیا۔ خلیفہ نے اسے دعوتِ اسلام دی۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ جب ایک سال گذرا تو وہ مسلمان ہو کر ہمارے پاس آیا اور اس نے علم و فقہ میں اچھی گفتگو کی۔ مامون نے اس سے پوچھا کہ تیرے اسلام لانے کا کیا باعث ہے؟ اس نے کہا میں نے آپ کے ہاں سے جا کر مذاہب کا امتحان کیا۔ میں نے تورات کے تین نسخے لکھے۔ اور ان میں کمی بیشی کر دی اور کنیسہ میں بھیج دیئے۔ وہ تینوں فروخت ہو گئے۔ پھر میں نے انجیل کے تین نسخے لکھے اور انمیں کمی بیشی کر دی اور گرجا میں بھیج دیئے وہ تینوں بھی فروخت ہو گئے پھر میں نے قرآن مجید کے تین نسخے لکھے اور ان میں کمی بیشی کر دی۔ اور انکو وراقین کے ہاں بھیج دیا۔ انہوں نے ان نسخوں کی ورق گردانی کی۔ جب ان میں کمی بیشی پائی تو ان کو پھینک دیا۔ اور انکو مول نہ لیا۔ اس سے میں نے جان لیا کہ یہ کتاب تحریف سے محفوظ ہے۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ + وجعلت من امتك اقواما قلوبهم اناجيلهم (خصائص کبریٰ للسیوطی۔ مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن جزء اول ص ۱۷)

لے خصائص کبریٰ للسیوطی۔ جزء ثانی ص ۱۸۵۔

لے بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ (مائدہ۔ ع ۷) — اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر۔ اور اس کی خبرداری پر تھے۔

اس آیت میں کتاب سے مراد تورات ہے۔

اس لئے مَیں مسلمان ہوگیا۔ یحیٰی نے کہا کہ مَیں نے اسی سال حج کیا۔ اور سفیان بن عیینہ سے ملا۔ میں نے یہ قصہ ان سے بیان کیا۔ حضرت سفیان نے فرمایا کہ اسکا مصداق قرآن مجید میں موجود ہے۔ مَیں نے پوچھا کس مقام پر۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کی نسبت بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ فرمایا ہے۔ پس ان کی حفاظت ان پر چھوڑ دی گئی تھی اور قرآن کی نسبت فرمایا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے تحریف و تبدیل سے محفوظ رکھا۔

پیشین گوئی ۔ ۲۳

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ	ہم بس ہیں تیری طرف سے ٹھٹھا کرنے
الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا	والوں کو جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے سوا
اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝	اور معبود۔ سو وہ آگے معلوم کریں گے۔

(حجر۔ ع ۶)

اشراف قریش میں سے پانچ شخص جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے ٹھٹھا کرتے تھے۔ جب ان کی شرارت حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں انکے بارے میں نازل فرمائیں۔ پس وہ ایک دن رات میں ہلاک ہو گئے۔ ان میں سے ایک عاص بن وائل سہمی تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ سیر کرنے نکلا اور ایک درہ کوہ میں اترا۔ جونہی اس نے پاؤں زمین پر رکھا کہنے لگا مجھے کچھ کاٹ گیا۔ ہر چند لوگوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ مگر کچھ نہ پایا۔ اس کے پاؤں میں ورم ہو گیا۔ یہاں تک کہ اونٹ کی گردن کی مانند ہو گیا اور وہیں مر گیا۔ دوسرا حارث بن قیس سہمی تھا۔ اس نے نمکین مچھلی کھائی۔ سخت پیاس جو لگی۔

وہ پانی پیتا رہا یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور مر گیا۔ مرتے وقت کہتا تھا کہ مجھے محمد کے رب نے مار ڈالا۔ تیسرا اسود بن المطلب بن الحارث تھا۔ وہ اپنے غلام کے ساتھ نکلا۔ ایک درخت کی جڑ میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور اسکے سر کو درخت پر مارنے لگے۔ وہ اپنے غلام سے فریاد کرنے لگا۔ غلام نے کہا، مجھے تو کوئی نظر نہیں آتا آپ ہی ایسا کر رہے ہیں۔ پس وہ وہیں مر گیا۔ چوتھا ولید بن مغیرہ تھا۔ وہ بنی خزاعہ میں سے ایک تیر تراش کی دکان سے گزرا۔ ایک پیکان اس کی چادر کے دامن سے چمٹ گیا۔ وہ چادر کا دامن اپنے کندھے پر ڈالنے لگا تو پیکان سے اسکی رگِ ہفت اندام کٹ گئی۔ پھر خون بند نہ ہوا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ پانچواں اسود بن عبد یغوث تھا۔ وہ اپنے گھر سے نکلا اُسے لُو لگی۔ پس وہ حبشی کی طرح سیاہ ہو گیا۔ جب وہ گھر آیا تو گھر والوں نے اسے نہ پہچانا۔ آخر وہ اس لُو کے اثر سے مر گیا۔[1]

پیشین گوئی۔ ۴۴

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ	اور تحقیق وہ قریب تھے کہ بچلاویں تجھ کو
الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا	زمین سے تاکہ نکالیں تجھ کو اس میں سے
لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝	اور اس وقت وہ نہ رہیں گے تیرے
(بنی اسرائیل۔ ع ۸)	پیچھے مگر تھوڑا زمانہ۔

کفارِ قریش چاہتے تھے کہ ایذا رسی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے آرام کر دیں۔ تاکہ گھبرا کر مکہ سے نکل جائیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس میں

---

[1] دلائل حافظ ابی نعیم مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد۔ صہ ۹۱-۹۲۔

یہ بتلا دیا گیا ہے کہ اگر وہ آپ کو نکال دینگے تو آپ کے بعد وہ دیر تک زندہ نہ رہیں گے۔ بدر کے دن یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اس دن آپ کو ایذار دینے والے قتل ہو گئے۔

پیشین گوئی - ۲۵

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	میں سے ایمان لائے ہیں اور کیئے ہیں
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ	نیک کام البتہ پیچھے حاکم کریگا انکو ملک
مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ	میں جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو
الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ	اور ثابت کر دیگا انکے واسطے دین ان کا جو
مِّنْ ۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ	پسند کر دیا انکے واسطے اور بدل دیگا انکو ڈر
لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔـا ۭ وَمَنْ كَفَرَ	کے بعد امن۔ میری بندگی کریں گے شریک
بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝	نہ ٹھہرائینگے میرا کوئی۔ اور جو کوئی ناشکری کریگا
(نور۔ ع ۷)	اس پیچھے سو وہی لوگ ہیں فاسق۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے جو موجود تھے۔ خلافت اور تمکین دین اور کفار سے امن کا وعدہ فرمایا۔ اور صاف کہہ دیا کہ یہ خلافت اس طرح ہو گی جیسے بنی اسرائیل میں قائم ہوئی تھی۔ یہ وعدہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں لفظ بلفظ پورا ہوا۔ جس کی تفصیل کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔ لہٰذا جو شخص انکی خلافت سے منکر ہو اس کا حکم وہی ہے جو اس آیت کے اخیر حصے میں مذکور ہے۔

پیشین گوئی-۲۶

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ — جس نے حکم بھیجا تم پر قرآن کا۔ وہ پھر

لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (قصص-ع ۸) — لانے والا ہے۔ تجھ کو پہلی جگہ۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ الٰہی مدینہ کو ہجرت فرمائی تو راستے میں مقام جحفہ میں آپ کو وطن کا خیال آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی۔ اور اس میں پھر مکہ میں واپس آنے کی خوشخبری دی۔ یہ پیشینگوئی ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے دن پوری ہوئی۔

پیشین گوئی-۲۷

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْ اَدْنَی — مغلوب ہو گئے ہیں رومی لگتے ملک

الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ — میں۔ اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد

سَیَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ؕ — اب غالب ہونگے کئی برس میں۔

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ — اللہ کے ہاتھ میں ہے کام پہلے اور پچھلے

وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ — اور اس دن خوش ہونگے مسلمان اللہ

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ — کی مدد سے۔ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے،

وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ (روم-شروع) — اور وہی ہے غالب مہربان۔

جب کسریٰ پرویز نے رومیوں پر حملہ کیا تو عرب سے لگتی زمین (اذرعات و بصرے یا اردن و فلسطین) میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور فارس روم پر غالب آئے۔ جب یہ خبر مکہ مشرفہ میں پہنچی تو مشرکین خوش ہوئے اور مسلمانوں سے کہنے لگے۔ تم اور نصاریٰ اہل کتاب ہو۔ اور ہم اور فارس بے کتاب ہیں جس طرح

ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آگئے ہم بھی تم پر غالب آجائیں گے۔ مسلمانوں کو یہ امر نہایت ناگوار گزرا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مذکور ہے کہ چند سال کے اندر روم فارس پر غالب آجائینگے۔ چنانچہ نو سال کے بعد بدر کے دن یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی۔[1]

[1] اتقان للسیوطی جزء اول

پیشین گوئی۔ ۲۸

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ	جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں
بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۙ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ	بغیر کچھ سند کے جو پہنچی ہو انکو۔ اور کچھ نہیں
إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ ۚ فَاسْتَعِذْ	انکے سینوں میں مگر تکبر وہ نہیں پہنچنے والے
بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ○	اس تک۔ سو تو پناہ مانگ اللہ کی بیشک
(مومن۔ ع ۶)	وہ ہے سنتا دیکھتا۔

اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ منکرین کے دلوں میں یہ غرور ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر رہیں گے۔ مگر یہ نہیں ہونے کا۔ چنانچہ کفار کو کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تعاظم و تقدم حاصل نہ ہوا۔

پیشین گوئی۔ ۲۹

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ ۖ	سو تم سستی نہ کرو۔ اور نہ بلاؤ انکو صلح
وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ ۖ وَاللَّهُ مَعَكُمْ	کی طرف۔ اور تم ہی رہو گے غالب اور
وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ○	اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز ضائع
(محمد۔ ع ۴)	نہ کریگا تمہارے اعمال۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کفار کے مقابلہ میں سستی نہ کرو۔

اور ان سے صلح طلب نہ کرو۔ تم ہی غالب آؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

پیشین گوئی۔ ۳۰

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا	بے شک اللہ نے سچ دکھایا اپنے رسول
بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ	کو خواب بتحقیق تم داخل ہو جاؤ گے مسجد
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ لا مُحَلِّقِيْنَ	حرام میں اگر اللہ نے چاہا امن سے بال
رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ	مونڈتے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے
فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ	بے خطرہ بس جانا اللہ نے جو نہ جانا تم
دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ○	نے۔ پس ٹھہرا دی اس سے ورے ایک
(فتح۔ ع ۴)	فتح (خیبر) نزدیک۔

حدیبیہ کی طرف جانے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ آپ مع صحابہ کرام سر منڈائے ہوئے کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے ہیں آپ نے یہ خواب صحابہ کرام سے بتا دیا۔ وہ سمجھے کہ داخلہ اسی سال ہوگا حالانکہ خواب میں داخلہ کے وقت کی تعیین نہ تھی۔ جب مسلمان کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے بغیر حدیبیہ ہی سے صلح کر کے مدینے واپس آنے لگے تو منافقین تمسخر سے کہنے لگے۔ اب وہ خواب کہاں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا۔ صحابہ کرام کو یہ امر ناگوار گزرا اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور دوسرے سال فتح خیبر کے بعد یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

پیشین گوئی۔ ۳۱

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى	وہ ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ساتھ ہدایت

وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ — اور سچے دین کے تاکہ غالب کرے
كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ — اس کو ہر دین پر اور کافی ہے اللہ
(فتح - ع ۴) — شہادت دینے والا۔

اس آیت میں دین اسلام کے تمام دینوں پر غالب آنے کی پیشین گوئی ہے جس کے پورا ہونے میں کلام نہیں۔ موضح القرآن میں ہے۔ "اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سب سے غالب کر دیا ایک مدت۔ اور دلیل سے غالب ہے ہمیشہ"

پیشین گوئی ۲

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ — کیا چاہتے ہیں کچھ داؤ کرنا۔ سو جو کافر
كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ۝ (طور - ع ۲) — ہیں وہی داؤ میں آنے والے ہیں۔

اس آیت مکی میں یہ اخبار بالغیب ہے کہ جن مشرکین نے بعثت کے تیرھویں سال دار الندوہ میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے پر اتفاق کیا تھا وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ یوم بدر میں ایسا ہی وقوع میں آیا۔

پیشین گوئی ۔۳۳

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ — کیا کہتے ہیں ہم سب جماعت بدلہ لینے والے
سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ — ہیں۔ اب شکست دی جاوے گی وہ جماعت
(قمر - ع ۳) — اور بھاگیں گے پیٹھ دے کر۔

یہ آیتیں مکہ میں نازل ہوئیں۔ جب بدر کا دن آیا اور قریش کو ہزیمت ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ پہنے اور تلوار کھینچے ہوئے ان کا تعاقب

گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس دن مجھے اس پیشین گوئی کا مطلب سمجھ میں آیا کہ کفار قریش ہزیمت اٹھائیں گے اور مسلمان تلوار و نیزہ سے ان کا تعاقب کریں گے۔ صحیح بخاری کتاب المغازی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔ اور آپ عریش میں تھے:۔

اللّٰھم انی انشدک عھدک و	یا اللہ میں تجھ سے تیرا عہد اور تیرا وعدہ
وعدک اللّٰھم ان شئت لم	طلب کرتا ہوں۔ یا اللہ تو اگر (ہم پر کافروں
تعبد	کو غالب کرنا) چاہے تو تیری عبادت نہ کی جائیگی

۳۳۔ یہ سن کر سیدنا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا۔ "آپ کو یہ کافی ہے"۔ پس حضور عریش سے نکلے۔ اور آپ یوں فرما رہے تھے۔ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔

پیشین گوئی۔ ۳۴

ھُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا	وہ ہے جس نے نکال دیئے جو کافر ہیں
مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ مِنْ دِیَارِھِمْ	کتاب والوں میں سے انکے گھروں سے
لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (حشر ع ۱)	پہلی جلا وطنی کے وقت۔

اس کتاب میں پہلے آچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کو ہجرت کے چوتھے سال جلا وطن کر دیا۔ اور وہ ملک شام میں چلے گئے۔ یہ یہود کی پہلی جلا وطنی تھی جیسا کہ آیت بالا سے ظاہر ہے۔ اس میں اشارہ تھا کہ یہود کی دوسری جلا وطنی بھی ہوگی۔ چنانچہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک

میں وقوع میں آئی جب کہ یہود تمام جزیرۂ عرب سے نکال دیئے گئے۔ مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے مالوں کی قیمت دی[1]۔

پیشین گوئی ۔ ۳۵

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا	ہرگز نہیں یوں اگر باز نہ آویگا ہم گھسیٹیں گے
بِالنَّاصِيَةِ ۝ (سورۂ علق)	پیشانی کے بال پکڑ کر۔

اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ ابو جہل ذلیل موت مریگا۔ اور اس کو گھسیٹ کر لائیں گے۔ یہ پیشین گوئی جنگ بدر کے دن پوری ہوئی۔ چنانچہ اس دن جب وہ لعین مر رہا تھا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو دبلے پتلے تھے اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور اس کا سر کاٹ دیا۔ جب[2] کمزوری کے سبب اسکے سر کو نہ اٹھا سکے تو اس کے کان میں سوراخ کر کے اس میں رسّی ڈالی اور گھسیٹتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔

پیشینگوئی

۳۶ ۔ ۳۷ ۔ ۳۸ ۔ ۳۹

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ	ہم نے دی تجھ کو کوثر۔ سو نماز پڑھ اپنے
لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ	رب کے آگے اور قربانی کر۔ بیشک دشمن
هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ (کوثر)	تیرا وہی ہے پچھا کٹا۔

یہ قرآن کی چھوٹی سی سورت ہے۔ اس کی تین آیتوں میں چار[3] پیشین گوئیاں

---

[1] دیکھو مشکوٰۃ باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب فصل اول۔

[2] دیکھو تفسیر کبیر جز ثامن۔ [3] تفسیر روح المعانی۔ جز اول ص۲۰

ہیں۔ ایک تو پہلی آیت میں ہے۔ جب کہ کوثر سے مراد کثرت اتباع ہو۔ جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے۔ دوسری پیشین گوئی دوسری آیت میں ہے۔ کیونکہ وَانْحَرْ (اور قربانی کر) صیغۂ امر ہے۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی امت کو تونگری عطا کرے گا جس سے قربانی پر اقدام ہو سکے۔ اسی طرح تیسری آیت میں دو پیشینگوئیاں ہیں۔ یعنی حضور نہیں بلکہ حضور کا دشمن بے اولاد مرے گا کہ اس کے پیچھے کوئی اس کا نام نہ لے گا۔ یہ چاروں پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ آپ کے اتباع کی کثرت ظاہر ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن آپ بلحاظ امت تمام نبیوں سے بڑھ کر ہونگے۔ اللہ نے حضور کو تونگری اس قدر عطا فرمائی کہ ایک دفعہ سو اونٹ بطور ہدی بھیجے۔ عاص بن وائل جو حضور کو پچھا کٹا ہونے کا طعن دیا کرتا تھا۔ بے اولاد مرا۔ اس کی نسل منقطع ہو گئی۔ کوئی اس کا نام بھی نہیں لیتا۔ حالانکہ حضور کی ذریت قیامت تک رہے گی۔ آپ کا نام قیامت تک روشن ہے۔ علاوہ ازیں سب مومنین آپ کی اولاد ہیں جو قیامت تک رہیں گے ؎

آثارِ اقتدارِ تو تا حشر متصل
خصمِ سیاہ روئے تو بے حاصل و خجل

پیشین گوئی ۴۰

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ	جب آوے مدد اللہ کی اور فتح
وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ	اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے ہیں
دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ	اللہ کے دین میں فوج فوج۔ پس پاکی بیان کر

وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ○ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اور بخشش
(سورۂ نصر) مانگ اس سے بیشک وہ معاف کرنے والا ہے

یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں فتح مکہ کی بشارت ہے۔ جو ہجرت کے آٹھویں سال پوری ہوئی۔ اور پیشین گوئی کے مطابق اہل مکہ وطائف ویمن وہوازن اور باقی قبائل عرب دین اسلام میں گروہ ہا گروہ داخل ہوئے۔ حالانکہ اس سے پہلے اکا دکا اسلام میں داخل ہوا کرتے تھے۔

مندرجہ بالا پیشین گوئیاں جو سب کی سب پوری ہوئیں فقط بطور مثال بیان کی گئی ہیں اور اس کتاب میں زیادہ کی گنجایش بھی نہیں۔ ورنہ قرآن مجید میں تو اس کثرت سے پیشینگوئیاں ہیں کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں جسمیں قرآن مجید کی کوئی نہ کوئی پیشین گوئی پوری نہ ہوتی ہو۔ اور کتنی پیشین گوئیاں ہیں کہ قرب قیامت اور یوم قیامت کو پوری ہونگی۔ مثلاً یاجوج وماجوج کا آنا۔ دابۃ الارض کا ظاہر ہونا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا تشریف لانا۔ آسمانوں کا پھٹنا پہاڑوں کا غبار ہونا۔ زمین کا چکنا چور ہونا۔ صور کا پھونکا جانا۔ مُردوں کا زندہ ہونا۔ ہاتھ پاؤں کا گواہی دینا۔ اعمال کا وزن کیا جانا وغیرہ وغیرہ۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم بے شک معجزہ ہے۔

اعجاز القرآن کی چوتھی وجہ

علوم القرآن

علوم کے لحاظ سے بھی قرآن کریم معجزہ ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں کہ معانی منظومہ قرآن پانچ علموں سے خارج نہیں۔ اول علم احکام یعنی واجب و مندوب و مباح و مکروہ و حرام خواہ از قسم عبادات ہوں یا معاملات یا تدبیر منزل یا سیاست مدن۔ دوسرے چار گمراہ فرقوں یعنی یہود و نصاریٰ و مشرکین و منافقین کے ساتھ مخاصمہ کا علم۔ تیسرے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں (آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر اور بندوں کی ضروریات کا الہام اور اللہ کی صفات کاملہ کا بیان) کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ چوتھے ایام اللہ۔ یعنی امم ماضیہ میں دشمنانِ خدا کیساتھ خدا کے وقائع بیان کرنے کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ پانچویں موت اور مابعد موت (حشر و نشر و حساب و میزان و بہشت و دوزخ) کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ قرآن میں ان علوم پنجگانہ کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی ہدایت کے لئے نازل فرمائی ہے۔ جس طرح عالم طب جب قانون شیخ کا مطالعہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ یہ کتاب بیماریوں کے اسباب و علامات اور ادویہ کے بیان میں غایت درجہ کو پہنچی ہوئی ہے تو اسے ذرا شک نہیں رہتا کہ اس کا مؤلف علمِ طب میں کامل ہے۔ اسی طرح شریعتوں کے اسرار کا عالم جب جان لیتا ہے کہ تہذیب نفوس میں افراد انسان کے لئے کن کن چیزوں کے بتانے کی ضرورت ہے۔ اور بعد ازاں فنون پنجگانہ میں تامل کرتا ہے تو بیشک اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ فنون اپنے معانی میں اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔[1]

قرآن کریم چونکہ تزکیۂ نفوس میں معجز کتاب ہے۔ اسی واسطے اس کتاب کی تلاوت کے وقت دلوں میں خشیت و ہیبت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ

---

[1] فوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۳۹۹

فرماتا ہے:-

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡہُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّھُمۡ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُھُمۡ وَقُلُوۡبُھُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ (زمر-ع ۳)

اللہ نے اتاری بہتر کتاب۔ کتاب ہے آپسمیں ملتی[1] دوہرائی ہوئی۔ بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھالوں پر ان لوگوں کی جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہو جاتے ہیں انکے چمڑے اور دل انکے اللہ کی یاد کی طرف۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:-

لَوۡ اَنۡزَلۡنَا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیۡتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡیَۃِ اللّٰہِ ؕ وَتِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُھَا لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ۝ (حشر-ع ۳)

اگر ہم اتارتے اس قرآن کو ایک پہاڑ پر البتہ تو دیکھتا اسکو دب جانے والا پھٹ جانے والا اللہ کے ڈر سے اور یہ مثالیں بیان کرتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے تاکہ وہ فکر کریں۔

قرآن کریم کی اس خارقِ عادت تاثیر سے بچنے کے لئے کفار قریش ایک دوسرے سے کہہ دیا کرتے تھے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم شور مچا دیا کرو (حٰم سجدہ ع ۴) اور اسی واسطے مکذبین پر اس کا سننا نہایت دشوار گزرتا تھا۔ اور بوجہ خبث طبع نفرت سے پیٹھ دے کر بھاگ جاتے تھے (بنی اسرائیل-ع ۵) ذیل میں تاثیر قرآن مجید کی توضیح کے لئے ہم چند مثالیں درج کرتے ہیں:-

---

[1] کتاب آپس میں ملتی یعنی خوبی میں کوئی آیت کم نہیں۔ دوہرائی ہوئی۔ یعنی ایک مدعا کئی کئی طرح تقریر کیا ہوا۔ (موضح القرآن)

ابنِ[1] اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی کیفیت مجھے یہ معلوم ہوئی ہے کہ آپ کی بہن فاطمہ اور فاطمہ کے خاوند سعید بن زید بن عمرو بن نفیل مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر اپنے اسلام کو اپنی قوم کے ڈر سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت نعیم بن عبداللہ النحام[2] بھی جو مکہ کے رہنے والے اور آپ ہی کی قوم بنی عدی بن کعب میں سے تھے اسلام لے آئے تھے اور اپنے اسلام کو اپنی قوم کے ڈر سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ حضرت خباب بن الارث حضرت فاطمہ کے پاس قرآن پڑھانے آیا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت عمرؓ کو جو خبر لگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مرد و زن قریباً چالیس کوہ صفا کے قریب ایک گھر میں جمع ہو رہے ہیں تو تلوار آڑے لٹکائے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے اصحاب کے قصد سے نکلے۔ ان اصحاب میں حضرت ابوبکر اور حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ جو ان مسلمانوں میں سے تھے جنہوں نے ملک حبشہ کی طرف ہجرت نہ فرمائی تھی۔ راستے میں حضرت نعیمؓ ملے۔ جن سے یوں گفتگو ہوئی۔

عمر۔ مَیں اس صابی (دین سے برگشتہ) محمد کا فیصلہ کرنے چلا ہوں جس نے قریش کی جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ اور جو ان کے داناؤں کو نادان اور ان کے دین کو معیوب بتاتا ہے اور ان کے معبودوں کو برا کہتا ہے۔

---

[1] دیکھو سیرت ابن ہشام۔ ذکر اسلام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

[2] نحام کے معنی ہیں کھانسنے والا۔ یہ حضرت نعیم بن عبداللہ کا لقب ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بہشت میں داخل ہوا تو مَیں نے نعیم کے کھانسنے کی آواز سنی (اصابہ)

نعیم - عمر! اللہ کی قسم - تجھے تیرے نفس نے دھوکا دیا ہے - کیا تو سمجھتا ہے کہ اگر تو حضرت محمد کو قتل کر دے گا تو عبد مناف کی اولاد تجھے زمین پر زندہ چھوڑ دیگی؟ تو اپنے اہل بیت میں جا، اور انہیں سیدھا کر۔

عمر - کون سے اہل بیت؟

نعیم - اللہ کی قسم! تیرا بہنوئی سعید بن زید اور تیری بہن فاطمہ دونوں مسلمان ہو گئے ہیں اور دین محمدی کے پیرو بن گئے ہیں - تو ان سے سلجھ لے۔

(یہ سن کر عمر اپنی بہن کے گھر پہنچتے ہیں - وہاں حضرت خباب آپ کی بہن اور بہنوئی کو قرآن کی سورۂ طٰہٰ پڑھا رہے ہیں جن کی آواز عمر کے کان میں پڑ جاتی ہے - عمر کی آہٹ سے حضرت خباب تو کوٹھڑی میں جا چھپتے ہیں اور فاطمہ وہ صحیفہ قرآن لیکر اپنی ران کے نیچے چھپا لیتی ہیں)

عمر - (اندر داخل ہو کر) یہ آواز جو میں نے سنی کیسی تھی؟

سعید و فاطمہ - تو نے کچھ نہیں سنا۔

عمر - کیوں نہیں - اللہ کی قسم مجھے خبر لگی ہے کہ تم دونوں دین محمدی کے پیرو بن گئے ہو۔

(یہ کہہ کر عمر سعید کو پکڑ لیتے ہیں - بہن جو چھڑانے اٹھتی ہے اسے بھی لہولہان کر دیتے ہیں)

سعید و فاطمہ - ہاں ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور اللہ و رسول پر ایمان لے آئے ہیں - تو کر جو کر سکتا ہے۔

عمر - (بہن کو لہولہان دیکھ کر ندامت سے) بہن! وہ کتاب تو دکھاؤ جو ابھی تم

پڑھ رہے تھے۔

فاطمہ۔ مجھے ڈر ہے کہ تو واپس نہ دے گا۔

عمر۔ تو نہ ڈر (اپنے معبودوں کی قسم کھا کر) مَیں پڑھ کر واپس کر دوں گا۔

فاطمہ (بھائی کے اسلام کے لالچ میں آکر) بھائی! تو مشرک ہونے کے سبب سے ناپاک ہے۔ اسے تو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہوں۔

عمر۔ (غسل کے بعد سورۂ طٰہٰ کی شروع کی آیتیں تلاوت کر کے) یہ کلام کیسا اچھا اور پیارا ہے۔

خباب (کوٹھڑی سے نکل کر) عمر! مجھے امید ہے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مصداق ہونگے۔ کیونکہ مَیں نے کل سنا کہ آپ یوں دعا فرما رہے تھے "یا اللہ تو ابو الحکم بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ساتھ اسلام کو تقویت دے"۔ اے عمر! تو اللہ سے ڈر۔

عمر۔ مجھے حضرت محمد کے پاس لے چلو۔ تاکہ مَیں مسلمان ہو جاؤں۔

خباب۔ آپؐ مع اصحاب کے کوہِ صفا کے قریب تشریف رکھتے ہیں۔

(عمر تلوار آڑے لٹکائے درِ دولت پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔

اہل خانہ میں سے ایک صحابی آپ کو اس ہیئت میں دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔

صحابی۔ یا رسول اللہ! یہ عمر بن الخطاب ہے جو تلوار حمائل کئے ہوئے ہے۔

حمزہ۔ اُسے آنے کی اجازت دو۔ اگر وہ کارِ خیر کے لئے آیا ہے تو ہمیں دریغ نہیں۔ اور اگر وہ شرارت کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم اسے اسی کی تلوار سے قتل کر دینگے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے اندر آنے دو۔

صحابی۔ اندر آیئے (عمر داخل ہوتے ہیں)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم عمر کی کمر یا چادر کا دامن کھینچ کر) خطاب کے بیٹے! کیونکر آنا ہوا۔ اللہ کی قسم! میں نہیں دیکھتا کہ تو باز آئے۔ یہاں تک کہ اللہ تجھ پر کھڑکا نازل کرے۔

عمر۔ یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں تاکہ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر اور اس پر جو وہ اللہ کے ہاں سے لائے ایمان لاؤں۔

(اس طرح عمر اسلام لاتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر پڑھتے ہیں۔ جس سے تمام حاضرین خانہ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے)

ایک[1] روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک اونٹ پر سوار ایک کوچے میں سے گزر رہے تھے۔ ایک قاری نے یہ آیت پڑھی:۔

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ ۙ (طور ع) — بے شک عذاب تیرے رب کا ہونے والا ہے۔ اسکو کوئی نہیں ہٹانے والا۔

اسے سُن کر آپ بیہوش ہو گئے اور بیہوشی کی حالت میں زمین پر گر پڑے وہاں سے اٹھا کر آپ کو گھر لائے۔ مدت تک اس درد سے بیمار رہے۔ یہاں تک کہ لوگ آپ کی بیمار پرسی کے لئے آتے تھے۔

دشمنان اسلام بھی قرآن کریم کی فوق العادت تاثیر کے قائل تھے۔ چنانچہ

---

[1] مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی بینا شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ۔ دفتر اول مکتوب سہ صد و دوم ۳۰۲

جب ۵ ؁ نبوت میں حضرت ابو بکر صدیق ہجرت کے ارادے سے حبشہ کی طرف
نکلے تو ابن الدغنہ ان کو برک الغماد سے اپنی جوار میں مکہ واپس لے آیا۔ قریش نے
ابن الدغنہ کی جوار کو رد نہ کیا۔ مگر اس سے کہا کہ ابو بکر سے کہہ دو کہ اپنے گھر میں
اپنے رب کی عبادت کرے اور نماز میں چپکے جو چاہے پڑھے۔ مگر ہمیں اذیت
نہ دے۔ اور آواز سے قرآن نہ پڑھے۔ کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ مبادا ہماری عورتوں
اور بچوں پر قرآن کا اثر پڑ جائے۔ ابن الدغنہ نے یہی آپ سے ذکر
کر دیا۔ کچھ مدت آپ نے اسی پر عمل کیا۔ بعد ازاں اپنے گھر کے پاس ایک مسجد
بنالی جس میں آپ نماز پڑھتے اور قرآن باآواز پڑھتے۔ رقیق القلب تھے قرآن
پڑھتے تو بے اختیار رو پڑتے۔ آپ کی قراءت و رقت سے سرداران قریش
ڈر گئے۔ انہوں نے ابن الدغنہ کو بلا کر کہا کہ ابو بکر نے خلاف شرط اپنے گھر کے
پاس ایک مسجد بنالی ہے جس میں وہ باآواز نماز و قرآن پڑھتا ہے۔ ہمیں ڈر
ہے کہ مبادا ہماری عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر پڑے۔ تم اس کو روک دو۔
ہاں اگر وہ اپنے گھر کے اندر چپکے عبادت کرنا چاہے تو کیا کرے۔ اور اگر باآواز قرآن
پڑھنے پر اصرار کرے تو تم اس کی حفاظت کی ذمہ داری واپس لے لو۔ کیونکہ
ہمیں یہ پسند نہیں کہ ہم تمہارے عہد کی حفاظت کو توڑ دیں۔ ہم ابو بکر کو قراءت
کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ سن کر ابن الدغنہ آپ کے پاس آیا اور کہنے
لگا کہ آپ کو میری جوار کی شرط معلوم ہے آپ اسکی پابندی کریں ورنہ میری ذمہ داری
واپس کر دیں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ عرب یہ سنیں کہ ایک شخص کی حفاظت کا عہد
جو میں نے کیا تھا وہ توڑ ڈالا گیا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں تمہاری جوار کو واپس کرتا ہوں

اور خدا کی جوار پر راضی ہوں[1]۔

حضرت جبیر[2] بن مطعم جو اسلام لانے سے پہلے اسیرانِ بدر کے بارے میں گفتگو کرنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں سورۂ طور پڑھتے پایا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے:۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ۝ (طور۔ ع ۲)	کیا وہ پیدا ہوئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں پیدا کرنے والے۔ یا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو بلکہ یقین نہیں کرتے۔ کیا انکے پاس خزانے ہیں تیرے رب کے یا وہی داروغے ہیں۔

تو قریب تھا کہ (خوف سے) میرا دل پھٹ جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ پہلی دفعہ تھی کہ ایمان نے میرے دل میں قرار پکڑا۔

حضرت طفیل[3] بن عمرو الدوسی جو ایک شریف و دانا شاعر تھے۔ اپنے اسلام لانے کا قصہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ میں مکہ میں آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تھے قبیلۂ قریش کے لوگوں نے مجھ سے کہا۔ اے طفیل! تو ہمارے شہروں میں آیا ہے۔ یہ شخص (حضرت محمد) جو ہمارے درمیان ہے اس نے ہمیں تنگ کردیا ہے اور

---

[1] صحیح بخاری باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
[2] صحیح بخاری و صحیح مسلم دیکھو۔
[3] دلائل النبوت للحافظ ابی نعیم جزء اول صفحہ ۷۹۔ یہ قصہ استیعاب لابن عبد البر میں بھی مذکور ہے۔

ہماری جماعت کو پراگندہ کر دیا۔ اس کا قول جادوگروں کا سا ہے جس سے وہ باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں اور میاں بیوی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہماری طرح تجھ پر اور تیری قوم پر بھی جادو کر دے، اس لئے تو اس سے کلام نہ کرنا۔ اور نہ اس سے کچھ سننا۔ وہ مجھے یہی کہتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ میں اس سے کچھ نہ سنوں گا اور نہ کلام کرونگا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب میں مسجد کی طرف جاتا تو اس ڈر سے کہ کہیں بے ارادہ آپ کی آواز میرے کان میں پڑ جائے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔ ایک روز جو صبح کو میں مسجد کی طرف گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں آپ کے قریب کھڑا ہو گیا پس اللہ نے مجھے آپکا بعض قول سنا ہی دیا۔ مگر میں نے ایک عمدہ کلام سنا۔ اور اپنے جی میں کہا۔ وائے بے فرزندئ مادر من۔ میں دانا شاعر ہوں۔ برے بھلے میں تمیز کر سکتا ہوں۔ پھر اس کا قول سننے سے مجھے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ جو کچھ وہ بیان کرے گا اگر اچھا ہوا تو میں قبول کر لونگا اور اگر برا ہوا تو رد کر دونگا۔ اس لئے میں ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانے کی طرف واپس ہوئے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب آپ اپنے دولت خانے میں داخل ہونے لگے تو میں نے عرض کیا۔ اے محمدؐ! آپ کی قوم نے مجھے ایسا ایسا کہا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ مجھے آپ کے قول سے ڈراتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ تاکہ آپ کا قول نہ سنوں مگر اللہ نے سنا ہی دیا۔ میں نے ایک اچھا قول

سنا۔ پھر میں نے التجا کی کہ اپنا دین آپ مجھ پر پیش کریں۔ اس سلئے
آپ نے مجھ پر اسلام پیش کیا۔ اور مجھے قرآن پڑھ کر سنایا۔ اللہ کی قسم! میں نے کبھی
اس کی بہ نسبت نہ کوئی اچھا قول اور نہ کوئی راست امر سنا۔ پس میں مسلمان
ہو گیا۔ اور میں نے کلمۂ شہادت پڑھا۔ اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میری قوم میرے
کہنے میں ہے۔ میں ان کی طرف جاتا ہوں۔ اور انہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں
آپ میرے لئے دعا کیجیے کہ خدا مجھے ایک نشانی دے۔ جو مجھے دعوتِ اسلام میں
ان کے مقابلہ میں میری مددگار ہو۔ یہ سُن کر آپ نے یوں دعا فرمائی۔ "اے اللہ!
اسے ایک نشانی عطا کر"۔ پھر میں اپنی قوم کی طرف روانہ ہوا۔ چلتے چلتے جب
میں گھاٹی میں پہنچا جہاں سے میرا قبیلہ مجھے دیکھ سکتا تھا تو میری آنکھوں کے
درمیان چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہوا۔ میں نے کہا۔ یا اللہ میری پیشانی
کے سوا کسی اور جگہ نور پیدا کر دے۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں۔ وہ یوں گمان
کریں گے کہ یہ عبرتناک سزا ہے جو ان کا دین چھوڑنے کے سبب میری پیشانی
میں ظاہر ہوئی ہے۔ پس وہ نور بجائے پیشانی کے میرے کوڑے کے سر
پر نمودار ہوا۔ جب میں گھاٹی سے اپنے قبیلے کی طرف اتر رہا تھا تو وہ نور انکو
میرے کوڑے میں معلق قندیل کی طرح نظر آتا تھا۔ یہاں تک کہ میں انکے
پاس پہنچ گیا۔ پھر صبح ہو گئی۔ جب میں مکان میں اترا تو میرا باپ جو بہت
بوڑھا تھا میرے پاس آیا۔ میں نے کہا۔ ابا! مجھ سے دور ہو۔ میں تیرا نہیں
اور نہ تو میرا ہے۔ وہ بولا۔ بیٹا! کیوں؟ میں نے کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں
اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا پیرو بن گیا ہوں۔ یہ سُن کر میرے

باپ نے کہا۔ میرا دین تیرا دین ہے۔ پس اس نے غسل کیا اور اپنے کپڑے پاک کیے۔ پھر میرے پاس آیا۔ میں نے اس پر اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر میری بیوی میرے پاس آئی۔ مَیں نے اس سے کہا مجھ سے دور ہو۔ مَیں تیرا نہیں، اور تُو میری نہیں۔ وہ بولی، میرے ماں باپ تجھ پر قربان کیوں؟ مَیں نے کہا اسلام میرے اور تیرے درمیان فارق ہے۔ مَیں مسلمان ہو گیا ہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا پیرو بن گیا ہوں۔ وہ کہنے لگی میرا دین تیرا دین ہے۔ اور وہ مسلمان ہو گئی۔ پھر میں نے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے اس میں تاخیر کی۔ پھر مَیں مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مَیں نے عرض کیا یا نبی اللہ! دوس مجھ پر غالب آ گئے۔ آپ ان پر بد دعا کیجئے۔ اس پر آپ نے یوں دعا کی "یا اللہ! دوس کو ہدایت دے۔" اور مجھ سے فرمایا کہ تو اپنی قوم میں لوٹ جا۔ اور انہیں نرمی سے دعوتِ اسلام دے۔ اس لئے مَیں لوٹ آیا اور دوس کو نرمی سے اسلام کی طرف بلاتا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی۔ اور غزوۂ بدر و احد و خندق ہو چکے۔ پھر میں اپنی قوم کے مسلمانوں کو ساتھ لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور آپ خیبر میں تھے۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں دوس کے ستر یا اسّی گھرانے اترے۔

پادری راڈویل صاحب لکھتے ہیں کہ عرب کے سیدھے سادے بھیڑ بکریاں چرانے والے خانہ بدوش بدّو لوگ ایسے بدل گئے جیسے کسی نے جادو کر دیا ہو۔ وہ لوگ مملکتوں کے بانی مبانی اور شہروں کے بنانے والے اور جتنے

کتب خانے انہوں نے خراب کئے تھے ان سے زیادہ کتبخانوں کے جمع کرنے والے ہوگئے۔ اور فسطاط، بغداد، قرطبہ اور دلّی کے شہروں کو وہ قوت ہوئی کہ عیسائی یورپ کو کپکپا دیا۔ اور قرآن کی قدر ہمیشہ ان تبدیلیوں کے اندازہ سے ہونی چاہیے جو اس نے اپنے بطیبِ خاطر ماننے والوں کی عادات اور اعتقادات میں داخل کیں۔ بت پرستی کے مٹانے، جنات اور مادیات کے شرک کے عوض اللہ کی عبادت قائم کرنے، اطفال کشی کی رسم کو نیست و نابود کرنے، بہت سے توہمات کو دور کرنے اور ازدواج کی تعداد کو گھٹا کر اس کی ایک حد معین کرنے میں قرآن بیشک عربوں کے لئے برکت اور قدرت حق تھا گو عیسائی مذاق پر وحی نہ ہو۔ انتہیٰ (از دیباچہ قرآن مطبوعہ ۱۸۶۱ء صفحہ ۲۴)

یحییٰ بن الحکم الغزال اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ کا حال بیان ہو چکا ہے۔ زیادہ کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

مذکورہ بالا وجوہ اربعہ کے علاوہ علمائے کرام نے قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی اور وجہیں بھی بیان کی ہیں۔ مگر میرے خیال میں یہ چاروں وجہیں بالکل کافی ہیں۔

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کی مثالیں

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم پہلے ایک وعدہ کر آئے ہیں اسی کے ایفاء کے لئے عنوانِ بالا قائم کیا گیا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے اپنے زعم فاسد میں قرآن کی بعض چھوٹی چھوٹی سورتوں کا معارضہ کیا تھا۔ از اں جملہ ایک سورۂ کوثر تھی جس کو

اس لعین نے یوں سجع کیا تھا:-

اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْجَوَاهِرَ۔ فَصَلِّ	ہم نے دیئے تجھ کو جواہرات۔ سو نماز
لِرَبِّكَ وَهَاجِرْ۔ اِنَّ مُبْغِضَكَ	پڑھ اپنے رب کے آگے اور ہجرت کر بیشک
رَجُلٌ فَاجِرٌ۔	جو دشمن رکھنے والا ہی تجھ کو۔ وہ بدکار شخص ہے

مگر کوئی منصف مزاج اسے معارضہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ سورت ہی کے الفاظ و ترتیب لیکر اس میں کچھ ادل بدل کر دیا جائے۔ علامہ جار اللہ زمخشری رح صاحب تفسیر کشاف نے اس سورت کی وجہِ اعجاز پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا خلاصہ امام فخر الدین رازی رح نے نہایت الاعجاز فی درایت الاعجاز میں یوں لکھا ہے۔

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ اس آیت میں آٹھ فائدے ہیں۔

۱- یہ جملہ معطی کبیر کی طرف سے عطیہ کثیرہ پر دلالت کرتا ہے۔ جب عطیہ منعم عظیم کی طرف سے ہو تو وہ نعمتِ عظمیٰ ہوتا ہے۔ کوثر سے مراد وہ مومنین امت ہیں جو قیامت تک پیدا ہونگے۔ نیز اس سے مراد وہ فضائل و خواص ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دو جہاں میں عنایت فرمائے ہیں۔ ان کی کنہ کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اور منجملہ کوثر وہ نہر ہے جس کی مٹی کستوری اور جس کے سنگریزے چاندی کی ڈلیاں ہیں۔ اور جس کے کناروں پر سونے چاندی کے برتن ستاروں کی گنتی سے زیادہ ہیں۔[1]

۲- اسم کی تقدیم مفید تخصیص ہے۔ یعنی ہم نے (نہ کسی غیر نے) تجھے یہ خیر کثیر عطا کی۔ جس کی کثرت کی کوئی غایت نہیں۔ امام رازی رح فرماتے ہیں کہ

---

[1] دیکھو مواہب لدنیہ للقسطلانی۔

تحقیق یہ ہے کہ یہاں محدث عنہ کی تقدیم تخصیص کے لئے نہیں - بلکہ اس واسطے ہے کہ ایسی تقدیم اثبات خبر کے واسطے زیادہ تاکید والی ہے - اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اسم محدث عنہ پہلے ذکر کیا جائے تو سامع کو خبر سننے کا شوق پیدا ہوتا ہے - اس لئے جب وہ خبر سنتا ہے تو اس کا ذہن اسکو یوں قبول کرتا ہے جیسا عاشق معشوق کو - پس وہ خبر اس کے ذہن میں باحسن وجوہ متمکن ہو جاتی ہے۔

۳ - ضمیر متکلم بصیغۂ جمع لایا گیا ہے جس سے ربوبیت کی عظمت پائی جاتی ہے۔

۴ - جملے کے شروع میں حرف تاکید لایا گیا ہے - جو قسم کے قائم مقام ہے۔

۵ - فعل کو بصیغۂ ماضی لایا گیا ہے تاکہ اس امر پر دلالت ہو کہ کریم کی عطاء آجلہ واقع کے حکم میں ہے -

۶ - کوثر کے موصوف کو محذوف کر دیا گیا - اس لئے کہ مذکور میں وہ فرط ابہام و شیاع نہیں جو محذوف میں ہے -

۷ - وہ صفت اختیار کی گئی ہے جس کے معنیٰ میں کثرت ہے - پھر اس کو اس کے صیغہ سے معدول کر کے لایا گیا -

۸ - اس صیغہ پر لام تعریف لایا گیا تاکہ یہ اپنے موصوف کو شامل اور کثرت کے معنیٰ دینے میں کامل ہو - چونکہ یہ لام عہد کا نہیں - اس لئے واجب ہے کہ حقیقت کا ہو - اور حقیقت کے بعض افراد بعض سے اولیٰ نہیں - پس وہ کاملہ ہو گی - اس میں اس طعن کا جواب بھی آگیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے بعد کوئی بیٹا نہیں - کیونکہ آپ کے بعد بیٹے کا باقی رہنا دو حال سے خالی نہیں - یا تو وہ بیٹا نبی بنایا جائے - اور یہ محال ہے

کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ یا نبی نہ بنایا جائے۔ اور یہ امر وہم میں ڈالتا ہے کہ وہ ناخلف ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیر کثیر عطا فرما کر اس عیب سے محفوظ رکھا۔ اولاد کے ہونے سے یہی غرض ہوا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ عیب بھی لازم نہ آیا جو بیٹوں کے نبی نہ ہونے کی صورت میں تھا۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ اس میں بھی آٹھ فائدے ہیں

۱۔ فاء تعقیب۔ یہاں دو باتوں کا سبب بنانے کے معنی کیلئے مستعار ہے۔ اول انعام کثیر کو منعم کے شکر و عبادت میں قیام کا سبب بنانا دوسرے انعام کثیر کو دشمن کے قول کی پرواہ نہ کرنے کا سبب بنانا۔ کیونکہ اس سورت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ عاص بن وائل نے کہا۔ ان محمداً صنبور[1]۔ یہ قول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناگوار گزرا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

۲۔ دو لاموں سے مقصود تعریض ہے عاص اور اس جیسے دوسروں کے دین سے جن کی عبادت و قربانی غیر اللہ کے واسطے تھی۔ اور نیز یہ مقصود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدم صراط مستقیم پر جما دیں۔ اور اپنی عبادت کو اللہ کی ذات کریم کیلئے خالص کر دیں۔

۳۔ ان دونوں عبادتوں سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عبادت کے دو نوع ہیں۔ ایک اعمال بدنیہ جن میں مقدم نماز ہے۔ دوسرے اعمال مالیہ جن میں اعلیٰ اونٹوں کی قربانی ہے۔

---

[1] صنبور۔ خرما جن تنہا گانہ۔ مرد فرد بے بر بے برادر و فرزند۔

۴- اس آیت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز اور اونٹوں کی قربانی سے بڑا اختصاص تھا۔ کیونکہ نماز آپ کی مبارک آنکھوں کے لئے ٹھنڈک بنائی گئی۔ اور اونٹوں کی قربانی میں آپ کی ہمت قوی تھی چنانچہ روایت ہے کہ آپ نے سو اونٹ قربانی دیئے۔ جن میں ابوجہل کا ایک اونٹ تھا جس کے ناک میں سونے کی نکیل تھی۔

۵- دوسرے لام کو اس لئے حذف کیا گیا کہ پہلا لام اس پر دلالت کر رہا ہے

۶- سجع کے حق کی رعایت کی گئی۔ اور یہ منجملہ بدائع ہے جب قائل اسے طبعی طور پر لائے اور تکلف سے کام نہ لے۔

۷- لِرَبِّكَ میں دو خوبیاں ہیں۔ ایک تو اس میں التفات ہے۔ دوسرے مضمر کی جگہ لفظ مظہر لایا گیا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی اور اس کے غلبۂ قدرت کا اظہار ہے۔ اسی سے خلفاء نے یہ قول لیا۔ یأمرك امیر المؤمنین بکذا۔

۸- اس سے معلوم ہوا کہ حق عبادت یہ ہے کہ بندے اس کے ساتھ اپنے رب اور اپنے مالک کو خاص کریں۔ اور اس شخص کی خطا سے تعریض[1] ہو گئی جو اپنے رب کی عبادت چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کرے۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ اس میں پانچ فائدے ہیں:۔

۱- امر (فَصَلِّ وَانْحَرْ) کی علت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شانی

---

[1] تعریض یہ ہے کہ ایک لفظ اپنے معنیٰ میں مستعمل ہو۔ تاکہ اس کے ساتھ ایک اور معنیٰ کی طرف اشارہ کیا جائے۔

(دشمن) کے حال اور اس کے قول کی طرف ترک توجہ کو بر سبیل استیناف بیان کیا گیا اور استیناف کا یہ اچھا عمل ہے۔ قرآن شریف میں مواقع استیناف بکثرت ہیں

۲۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس جملہ کو معترضہ قرار دیا جائے جو خاتمۂ اغراض کے لئے حکمت کے سیاق پر لایا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ (قصص۔ ع ۳) اور شانی سے مراد عاص بن وائل ہے۔

۳۔ عاص کو اس صفت کے ساتھ ذکر کیا اور نام کے ساتھ ذکر نہ کیا۔ تاکہ یہ متناول و شامل ہو اس شخص کو جو دین حق کی مخالفت میں عاص کی مانند ہو۔

۴۔ اس جملے کے شروع میں حرفِ تاکید لایا گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو کچھ عاص نے کہا جھوٹ ہے اور محض تعنت و عناد کا نتیجہ ہے۔ اسی واسطے اس کو شانی کہا گیا۔

۵۔ خبر معرفہ لائی گئی ہے تاکہ عدو شانی کے لئے بتر بدرجۂ کمال ثابت ہو۔ گویا کہ وہ جہور ہے۔ جس کو صنبور کہا جائے۔ پھر یہ سورت باوجود علو مطلع و تمام مقطع کے اور باوجود نکات جلیلہ سے پر ہونے اور محاسن کثیرہ کے جامع ہونے کے اس تصنع سے خالی ہے جس سے انسان اپنے خصم کو ساکت و مغلوب کر لیتا ہے۔ انتہیٰ

اِن تمام امور کے علاوہ اس سورت کی تین آیتوں میں چار پیشین گوئیاں ہیں جو پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔

آیہ یٰاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ کی خارق عادت فصاحت کی طرف پہلے اشارہ

آچکا ہے۔ علامہ کرمانی[1] کی کتاب عجائب میں ہے کہ معاندین نے عرب وعجم کے تمام کلام ڈھونڈ مارے، مگر کوئی کلام فخامت الفاظ، حسنِ نظم، جودتِ معانی اور ایجاز میں اس کی مثل نہ پایا۔ اور اس امر پر متفق ہو گئے کہ انسانی طاقت اس آیت کی مثل لانے سے قاصر ہے۔ ابن ابی الاصبع[2] کا قول ہے کہ میں نے کلام انسانی میں اس آیت کی مثل نہیں دیکھا۔ اس میں سترہ لفظ ہیں اور بیس بدائع ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱-۲- ابلعی اقلعی میں مناسبت تامہ ہے۔

۳-۴- ابلعی اقلعی میں استعارہ ہے۔

۵- ارض وسما میں طباق[3] ہے۔

۶- یسماآء میں مجاز ہے۔ کیونکہ حقیقت یا مطر السماء ہے۔

۷- وغیض المآء میں اشارہ[4] ہے۔ کیونکہ اس کی کئی معانی سے تعبیر کی گئی ہے۔ اس لئے کہ پانی خشک نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ آسمان کا مینہ تھم جائے۔ اور زمین پانی کے ان چشموں کو نگل جائے جو اس سے نکلتے ہیں۔ تب سطح زمین کا پانی کم ہو جائے۔

۸- واستوت میں صنعت ارداف ہے کیونکہ اس کی حقیقت جلست ہے[5]

---

[1] اتقان جزء ثانی ص ۵۵ [2] اتقان جزء ثانی ص ۹۶

[3] صنعت طباق یہ ہے کہ کلام میں ایسے دو معنے ذکر کریں۔ جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔

[4] اشارہ یہ ہے کہ کلام قلیل لایا جائے جس کے معنے بہت ہوں۔

[5] صنعت ارداف یہ ہے کہ متکلم ایک معنیٰ مراد رکھے اور اسے لفظ موضوع لہ سے یا دلالت و اشارہ سے تعبیر نہ کرے۔ بلکہ اسکے مرادف لفظ سے ادا کرے۔

پس اس لفظ خاص سے اس کے مرادف کی طرف عدول کیا گیا۔ اس واسطے کہ استوار میں اشعار ہے جلوس متمکن کا جس میں کوئی کجی نہ ہو۔ اور یہ معنی لفظ جلوس سے ادا نہیں ہوتے۔

۹۔ وَقُضِيَ الْأَمْرُ میں تمثیل[1] ہے۔

۱۰۔ اس آیت میں تعلیل[2] ہے کیونکہ غِيضَ الْمَاءُ استوار کی علت ہے۔

۱۱۔ اس میں صحت تقسیم ہے نقص کی حالت میں جو پانی کے اقسام ہیں وہ سب اس میں مذکور ہیں۔ کیونکہ اس کی صرف یہی قسمیں ہیں۔ آسمان کے پانی کا تھم جانا۔ زمین سے نکلنے والے پانی کا بند ہو جانا اور سطح زمین کے پانی کا خشک ہو جانا۔

۱۲۔ اس میں احتراس[3] فی الدعاء ہے تاکہ یہ وہم نہ گزرے کہ غرق اپنے عموم کے سبب سے اس کو شامل ہے۔ جو مستحق ہلاک نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عدل اس سے مانع ہے کہ غیر مستحق پر دعائے بد کرے۔

۱۳۔ اس میں حسن[4] النسق ہے۔ کیونکہ اس میں بعض جملے بعض پر واوِ عطف کے ساتھ اس ترتیب سے معطوف ہیں جو بلاغت کا مقتضا ہے چنانچہ پہلے زمین پر سے پانی کا ناپید ہونا ذکر کیا گیا۔ جس پر کشتی والوں کا غایت مقصود (کشتی کی

---

[1] تمثیل وہ ہے کہ جس کی وجہ متعدد امور سے منتزع ہو۔

[2] تعلیل کا فائدہ تقریر اور ابلغیت ہے۔ کیونکہ نفوس احکام معللہ کو دوسروں کی نسبت زیادہ قبول کرتے ہیں۔

[3] احتراس یہ ہے کہ کسی کلام میں جو خلاف مقصود کا موہم ہو۔ وہ امر ذکر کریں۔ جو اس وہم کو دور کر دے۔

[4] حسن النسق یہ کہ متکلم پے در پے معطوف جملے لائے جو باہم اس طرح پیوستہ ہوں کہ اگر ان میں سے کوئی جملہ علیحدہ کر دیا جائے تو وہ بذات خود ایک مستقل جملہ ہو جس کے معنی سمجھنے کیلئے اسی کے الفاظ کافی ہوں۔

قید سے نجات) موقوف ہے۔ پھر آسمان کے پانی کا تھم جانا بیان ہوا کہ جس پر یہ سب (یعنی کشتی سے نکلنے کے بعد کی اذیت کا دور کرنا اور زمین پر کے پانی کا پراگندہ ہو جانا) موقوف ہے۔ پھر ان ہر دو مادوں کے بند ہونے کے بعد پانی کے دور ہو جانے کی خبر دی۔ جو یقیناً ان سے متاخر ہے۔ پھر قضائے امر کی خبر دی۔ یعنی جس کا ہلاک ہونا مقدر تھا اسکے ہلاک ہونے کی اور جس کا بچنا مقدر تھا اسکے نجات پانے کی خبر دی۔ یہ امر ماقبل سے متاخر کیا گیا۔ کیونکہ کشتی والوں کو یہ کشتی سے نکلنے کے بعد معلوم ہوا۔ اور انکا نکلنا ماقبل پر موقوف تھا۔ پھر کشتی کے استقرار کی خبر دی جو اضطراب و خوف دور ہونے کا افادہ کرتا ہے۔ پھر ظالموں پر بددعا کرنے پر ختم کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ طوفان تو تمام روئے زمین پر تھا مگر غرق ہونا صرف مستحقین عذاب پر شامل تھا۔

۱۴۔ اس میں ائتلاف اللفظ مع المعنے ہے یعنی الفاظ معنئ مقصود کے مناسب لائے گئے ہیں۔

۱۵۔ اس میں ایجاز[۱] ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام قصہ نہایت ہی مختصر عبارت میں بیان فرما دیا۔

۱۶۔ اس میں تسہیم[۲] ہے۔ کیونکہ آیت کا اول اسکے آخر پر دلالت کرتا ہے۔

۱۷۔ اس میں تہذیب[۳] ہے۔ کیونکہ اس کے مفردات صفاتِ حسن سے متصف ہیں۔ ہر لفظ کے حروف کے مخارج سہل ہیں اور ان پر فصاحت کی رونق

ف۱ مقصود کو معمول سے کم الفاظ میں ادا کرنا ایجاز کہلاتا ہے۔

ف۲ تسہیم یہ ہے کہ فاصلہ کا ماقبل فاصلہ پر دلالت کرے۔

ف۳ تہذیب یہ ہے کہ کلام ایسا مہذب ہو کہ اعتراض کو اس میں گنجائش نہ ہو۔

ہے۔ اور بشاعت وعقارت سے خالی ہیں۔

۱۸۔ اس میں حسنِ بیان ہے۔ کیونکہ سامع کو اس کے معنے سمجھنے میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں اسی سے وہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے

۱۹۔ اس میں تمکین[1] ہے۔

۲۰۔ اس میں انسجام[2] ہے۔

علامہ سیوطی اتقان میں اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اعتراض[3] بھی ہے یعنی تین جملے معترضہ لائے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ وغیض الماء۔ وقضی الامر۔ واستوت علی الجودی۔ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ امر دونوں کے درمیان واقع ہوا۔ علاوہ ازیں اس میں اعتراض میں اعتراض ہے کیونکہ وقضی الامر۔ غیض اور استوت کے درمیان واقع ہے۔ اس لئے کہ استوا غیض کے بعد حاصل ہوا۔

ایجاز کی مثال ولکم فی القصاص حیوٰۃ ہے۔ اس سے پہلے یہ مقولہ ضرب المثل تھا القتلُ[4] انفیٰ للقتل جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس مثل کا استعمال متروک ہو گیا۔ اس آیت کی ترجیح مثلِ مذکور پر بوجوہ ذیل ظاہر ہے

---

[1] تمکین یہ ہے کہ فاصلہ اپنے محل میں متمکن اور اپنی جگہ قرار پذیر ہو۔ اور اس کے معنی کو کلام کے معنی سے ایسا تعلق تام ہو کہ اگر وہ گر جائے تو کلام کے معنی میں خلل آجائے۔

[2] انسجام یہ ہے کہ کلام پیچیدگی سے خالی ہونے کے سبب آبِ رواں کی مانند جاری اور ترکیب کی سہولت اور الفاظ کی شیرینی کے سبب نرم و آسان ہو۔

[3] اعتراض یہ ہے کہ ایک یا زیادہ جملوں کا کوئی محلِ اعراب نہ ہو۔ ایک یا دو کلاموں کے درمیان رفع ابہام کے سوا کسی اور نکتہ کے لئے لائیں۔

[4] کہتے ہیں کہ یہ فارس کے بادشاہ اردشیر کے قول کا ترجمہ ہے۔ الاعجاز والایجاز للثعالبی ص۱۶

۱- آیت میں مثل کی نسبت ایجاز ہے- جو ممدوح ہے- کیونکہ القصاص حیوٰۃ کے حروف دس ہیں- اور القتل انفی للقتل کے چودہ ہیں-

۲- قتل کی نفی حیات کو مستلزم نہیں- اور آیت حیات کے ثبوت پر نص ہے- جو مطلوب اصلی ہے-

۳- حیات کی تنکیر تعظیم کے لئے ہے- جیسا کہ ولتجدنھم احرص الناس علٰی حیوٰۃ الآیہ میں ہے- اور اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قصاص میں حیات متطاولہ ہے- مگر مثل میں یہ بات نہیں- کیونکہ اس میں لام جنس کے لئے ہے- اسی واسطے مفسرین نے وہاں حیوٰۃ کی تفسیر بقار سے کی ہے-

۴- آیت میں تعمیم ہے اور مثل میں نہیں- کیونکہ ہر قتل انفی للقتل نہیں بلکہ بعض قتل (اور وہ قتل ظلماً ہے) موجب قتل ہوتا ہے- اور اس کا (یعنی قتل ظلماً کا) نافی ایک خاص قتل ہے- اور وہ قصاص ہے- جس میں ہمیشہ حیات ہے-

۵- مثل میں لفظ قتل دو بار آیا ہے- اور آیت اس تکرار سے خالی ہے- اور تکرار سے خالی افضل ہے اس سے جس میں تکرار پائی جائے خواہ وہ تکرار مخل فصاحت نہ ہو-

۶- آیت میں محذوف نکالنے کی حاجت نہیں- مگر مثل میں ہے- کیونکہ اسمیں افعل تفضیل کے بعد من اور اس کا مابعد محذوف ہے- اور قتل اول کے ساتھ قصاصاً اور قتل ثانی کے ساتھ ظلماً محذوف ہے- اور تقدیر یوں ہے-

---

[۱] اتقان- جزء ثانی صفحہ ۵۵-

القتل قصاصًا انفی للقتل ظلمًا من ترکہ۔

۷۔ آیت میں صنعت طباق ہے۔ کیونکہ قصاص کا حیات کی ضد ہونا مشعر ہے مگر مثل میں ایسا نہیں۔

۸۔ آیت ایک فنِ بدیع پر مشتمل ہے۔ اور وہ دو ضدوں میں سے ایک کا جو فنا و موت ہے دوسری کے لئے جو حیات ہے محل و مکان بنانا ہے۔ اور حیات کا موت میں قرار پکڑنا بڑا مبالغہ ہے۔ جیسا کہ کشاف میں مذکور ہے۔ اور صاحب ایضاح نے اسے یوں تعبیر کیا ہے کہ فی کو قصاص پر داخل کر کے قصاص کو حیات کے لئے گویا منبع و معدن قرار دیا گیا ہے۔

۹۔ مثل میں پے در پے اسباب خفیفہ (سکون بعد التحرک) ہیں۔ اور یہ امر کلمہ کی سلاست اور اس کے زبان پر جریان میں نقص ڈال دیتا ہے جیسا کہ سواری جب ذرا سی حرکت کرے اور رک جائے۔ پھر حرکت کرے پھر رک جائے تو ایسی سواری کو سوار اپنی مرضی کے موافق نہیں چلا سکتا۔ مگر آیت اس نقص سے پاک ہے۔

۱۰۔ مثل میں بظاہر تناقض ہے۔ کیونکہ ایک شئ اپنی ہی ذات کے لئے منافی قرار دی گئی ہے۔

۱۱۔ مثل میں قلقلۂ قاف کا تکرار ہے۔ جو تنگی و شدت کا موجب ہے اور نون کا غنہ بھی ہے۔

۱۲۔ آیت حروف متلائمہ پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اس میں قاف سے صاد کی طرف خروج ہے۔ اور قاف حروف استعلاء سے ہے اور صاد حروف استعلاء و

اطباق سے ہے۔ مگر مثل میں قاف سے تار کی طرف خروج ہے۔ جو حرف منخفض ہے۔ اور وہ قاف کے ملائم نہیں۔ اسی طرح صاد سے حار کی طرف خروج احسن ہے لام سے ہمزہ کی طرف خروج سے کیونکہ کنارۂ زبان اور اقصٰی حلق میں بُعد ہے

۱۳۔ صاد اور حار اور تار کے تلفظ میں حسنِ صوت ہے۔ مگر قاف اور تار کی تکرار میں یہ خوبی نہیں۔

۱۴۔ آیت لفظ قتل سے خالی ہے۔ جو مشعرِ وحشت ہے بخلاف لفظ حیات کے جو طبائع کو زیادہ مقبول و مرغوب ہے۔

۱۵۔ آیت میں لفظ قصاص کے ذکر سے جو مشعر مساوات ہے۔ عدل ظاہر ہوتا ہے۔ مگر مطلق قتل میں ایسا نہیں۔

۱۶۔ آیت اثبات پر مبنی ہے۔ اور مثل نفی پر مبنی ہے۔ اور اثبات اشرف ہے۔ کیونکہ اثبات اول ہے۔ اور نفی اس سے دوسرے درجے پر ہے۔

۱۷۔ آیت کے معنٰی سنتے ہی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ مگر مثل کے معنی سمجھنے کے لئے پہلے القصاص ھو الحیوٰۃ کے معنے سمجھنے درکار ہیں۔

۱۸۔ مثل میں فعل متعدی سے افعل تفضیل ہے۔ اور آیت اس سے خالی ہے۔

۱۹۔ صیغۂ افعل اکثر اشتراک کا مقتضی ہوتا ہے۔ پس ترک قصاص قتل کا نافی نہ ہوگا۔ اور قصاص قتل کا زیادہ نافی ہوگا اور یہ درست نہیں۔ آیت اس نقص سے خالی ہے۔

۲۰۔ آیت قتل اور جرح دونوں سے روکنے والی ہے۔ کیونکہ قصاص دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ اور قصاص اعضاء میں بھی حیات ہے۔ کیونکہ عضو

کا قطع کرنا مصلحتِ حیات کو ناقص یا منغص کر دیتا ہے۔ اور بعض وقت جان تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مگر مثل میں یہ خوبی نہیں۔ کذا فی الاتقان للسیوطی۔

امثلۂ مذکورہ بالا سے جو بطور مشتے نمونہ از خروارے بیان کی گئی ہیں۔ ناظرین قرآن مجید کی خارقِ عادت فصاحت و بلاغت کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

علامہ سیوطی رح نے اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ الآیہ کی فصاحت و بلاغت کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے۔ اور اس میں ایک سو بیس بدائع بیان کئے ہیں۔ بخوف تطویل اسے یہاں درج نہیں کیا گیا۔

دیگر معجزات کا بیان

اس فصل میں جو معجزات بطریق اختصار بیان ہوتے ہیں ان سے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی وسعت کا اندازہ بخوبی لگ سکتا ہے۔

اسراء و معراج شریف

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخص خصائص اور اظہر معجزات میں سے یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسراء و معراج کی فضیلت سے خاص کیا۔ اور کسی دوسرے نبی کو اس فضیلت سے مشرف و مکرم نہیں فرمایا۔ اور جہاں تک آپ کو پہنچایا کسی کو نہیں پہنچایا۔ اور جو آیات و عجائبات آپ کو دکھائے۔ وہ کسی کو نہیں دکھائے ؎

بدیدہ آنچہ از دیدن بروں بود
مپرس از ماز کیفیت کہ چوں بود

بلکہ اگر تمام انبیاء کرام کے تمام فضائل یکجا جمع کئے جائیں تو انکا مجموعہ ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایک فضیلت (یعنی معراج اور اس میں جو انوار و اسرار اور حُب و قرب آپ کو حاصل ہوا) کے برابر نہ ہو گا۔

اسراء سے مراد خانہ کعبہ سے بیت المقدس تک رات کو جانا ہے۔ اور معراج بیت المقدس سے آسمانوں کے اوپر تشریف لے جانے کا نام ہے۔ اسراء قرآن کریم سے ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ	پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات
لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی	کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا
الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا	جس کے گرد ہم نے برکتیں دی ہیں۔ تاکہ ہم
حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ	اس کو اپنے چند عجائبات اور نشانیاں
ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ	دکھلائیں۔ بے شک اللہ ہے سننے والا
(بنی اسرائیل شروع)	دیکھنے والا۔

یہ آیت شریف اسراء کے ثبوت پر نص ہے۔ اور اس کا اخیر حصہ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا معراج شریف کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ تاکہ وہاں سے آسمانوں پر لے جا کر عجائب ملکوت و ربوبیت دکھلائے۔ کیونکہ آیات کا دکھانا اور غایت کرامات و معجزات کا ظہور آسمانوں پر ہے۔ صرف ان امور پر مقصور نہیں۔ جو مسجد اقصیٰ میں ظاہر ہوئے۔ مسجد اقصیٰ تک لے جانا تو اس کا مبدأ ہے اور فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ۝[1] (سورہ نجم)

---

[1] ترجمہ۔ پھر رہ گیا فرق دو کمان کا یا اس سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندے پر جو بھیجا۔

میں بنابر تحقیق منتہائے معراج کا ذکر ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اسراء و معراج شریف ہر دو جسدِ مبارک کے ساتھ حالتِ بیداری میں ایک ہی رات وقوع میں آئے۔ جمہور صحابہ و تابعین و محدثین و فقہا و متکلمین و صوفیائے کرام کا یہی مذہب ہے۔ اور یہی قرآن مجید سے ثابت ہے کیونکہ آیہ کریمہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ میں لفظ عبد موجود ہے۔ اور عبد مجموعہ جسم و روح کو کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں جہاں کہیں کسی انسان کو کلمہ عبد سے تعبیر کیا ہے وہاں روح اور جسم دونوں مراد ہیں۔ مثلاً سورۃ مریم میں۔

ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ یہ ذکر اس رحمت کا ہے جو پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔

یہاں عبد سے یقیناً حضرت زکریا مع جسم و روح کے مراد ہیں۔ سورۂ جن میں ہے۔

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ	جب اللہ کے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) عبادت
يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ	کے واسطے کھڑے ہوئے تو جن ان پر ٹوٹے پڑتے
لِبَدًا ۝	ہیں (تاکہ قرآن شریف سنیں)

اسی طرح آیت زیر بحث میں عبد سے مراد جسم اقدس مع روح انور ہے پس معراج جسمانی کا ثبوت اس آیت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ اور احادیث صحیحہ کثیرہ سے بھی جو حدِ تواتر کو پہنچنے والی ہیں۔ یہی ثابت ہوتا ہے۔ فی الواقع اگر خواب میں ہوتا تو کفار انکار نہ کرتے۔ اور بعض ضعیف مومن فتنہ میں نہ پڑتے۔ کیونکہ خواب میں تو اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ہم ایک لحظہ میں مشرق میں ہیں۔ دوسرے

لحظہ میں ہزاروں کوسوں پر مغرب میں ہیں۔ فلاسفہ اور دیگر عقل کے مقلد جو اعتراضات اس پر کرتے ہیں ان تمام کا جواب اسریٰ بعبدہٖ (اپنے بندے کو رات کے وقت لے گیا) سے ملتا ہے۔ کیونکہ لے جانے والا تو خدا ہے جو قادر مطلق اور جمیع نقائص سے پاک ہے۔ پس اگر وہ اپنے کامل بندے حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم اطہر کے ساتھ حالتِ بیداری میں رات کے ایک حصے میں خانہ کعبہ سے بیت المقدس تک اور بیت المقدس سے آسمانوں کے اوپر جہاں تک چاہا لے گیا۔ تو اس میں کونسا استحالہ لازم آتا ہے۔ وماذٰلک علی اللہ بعزیز۔[1]

شقُّ القمر

معجزہ شقُّ القمر قرآن کریم کی آیۂ ذیل سے ثابت ہے۔

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۝	پاس آگئی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند۔
وَاِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً يُّعۡرِضُوۡا وَيَقُوۡلُوۡا	اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو ٹال دیں
سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ۝ (سورۂ قمر شروع)	اور کہیں۔ یہ جادو ہے چلا آتا۔

پہلی آیت کا یہ مطلب ہے کہ قیامت قریب آگئی، اور دنیا کی عمر کا قلیل حصہ باقی رہ گیا۔ کیونکہ شق القمر جو منجملہ علاماتِ قیامت تھا وقوع میں آگیا۔ وانشق القمر سے مراد یہ ہے کہ شق القمر کا وقوع بالفعل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو چکا۔ اس معنی کی تائید حضرت حذیفہ کی قرات سے ہوتی ہے۔ وقد انشق القمر (اور حال یہ کہ چاند پھٹ چکا) کیونکہ اس صورت میں یہ جملہ

---

[1] اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو تحفۂ احمدیہ در ثبوت معراج محمدیہ مصنفہ شیخنا العلامہ مولانا مولوی مشتاق احمد صاحب انبھٹوی چشتی صابری مع حواشی خاکسار، دفتر انجمن نعمانیہ لاہور سے طلب فرما کر مطالعہ کریں۔

حال ہوگا۔ اور قیامت سے پہلے اقتراب ساعت اور وقوع انشقاق میں مقارنت کا مقتضی ہوگا۔ اور اس معنی کی تائید مابعد سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا مقتضا یہ ہے کہ شق القمر ایک معجزہ ہے جسے کفار قریش نے دیکھا اور ٹال دیا۔ اور اس سے پہلے بھی وہ پے در پے معجزات دیکھ چکے تھے کہ اسے دیکھ کر سحر مستمر بتانے لگے۔ اسی معنی پر مفسرین کا اجماع ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں بصراحت تام یہ قصہ مذکور ہے کہ رات کے وقت کفار قریش نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نشان طلب کیا جو آپ کی نبوت پر شاہد ہو۔ آپ نے ان کو یہ معجزہ دکھلایا۔ اس معجزے کے راوی حضرت علیؓ۔ ابن مسعودؓ۔ حذیفہؓ۔ ابن عمرؓ۔ ابن عباسؓ اور انسؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان میں سے پہلے چار صحابہ کرام نے تو بچشم خود دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے[1] ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر اور دوسرا دوسرے پہاڑ پر تھا۔ یہ وہ معجزہ ہے کہ کسی دوسرے پیغمبر کے لئے وقوع میں نہیں آیا۔ اور بطریق تواتر ثابت ہے۔

سوال

کیا اہل مکہ کے سوا اور لوگوں نے بھی شق القمر دیکھا؟

جواب

اہل مکہ کے علاوہ اطراف سے آنے والے مسافروں نے بھی شق القمر کی شہادت دی۔ چنانچہ مسند[2] ابوداؤد طیالسی (متوفی ۲۰۴ھ) میں بروایت حضرت عبداللہ

---

[1] بعض قصہ خواں بیان کرتے ہیں کہ چاند جناب رسالت مآب کی جیب میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا مگر یہ بے اصل ہے۔

[2] مسند ابوداؤد طیالسی مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن۔ جزء اول۔ صفحہ ۳۸

بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند پھٹ گیا۔ کفار قریش نے دیکھ کر کہا کہ یہ ابو کبشہ[1] کے بیٹے کا جادو ہے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ مسافر جو آئیں گے ان سے پوچھیں گے۔ دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں کیونکہ (حضرت) محمد کا جادو تمام لوگوں پر نہیں چل سکتا۔ چنانچہ مسافر آئے اور انہوں نے کہا کہ "ہم نے بھی شق القمر دیکھا ہے"۔ اگر بالفرض بعض جگہ نظر نہ آیا تو اس کا جواب یہ ہی کہ اختلاف مطالع کے سبب بعض مقامات میں چاند کا طلوع ہوتا ہی نہیں۔ اسی لئے چاند گہن سب جگہ نظر نہیں آتا۔ اور بعض دفعہ دوسری جگہوں میں ابر یا پہاڑ وغیرہ چاند کے آگے حائل ہو جاتا ہے۔

سوال

شق القمر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وقوع میں آیا جسے اب تیرہ سو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں تو یہ کس طرح قرب قیامت کا نشان ہو سکتا ہے۔ جو اب تک نہیں آئی۔

جواب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک اور آپ کی نبوت قرب قیامت کی علامات میں سے ہے۔ یعنی اس امر کا ایک نشان ہے کہ دنیا کی عمر کا اکثر حصہ گزر چکا ہے، اور بہت تھوڑا باقی رہ گیا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں ہے

---

[1] ابو کبشہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جد ادری تھا۔ زمانہ جاہلیت میں قریش بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور وہ ان کے خلاف شعریٰ عبور کی پرستش کرتا تھا۔ اس لئے جب حضور نے بتوں کی پرستش میں قریش کی مخالفت کی۔ اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی تعلیم دی تو وہ آپ کو بتوں کی مخالفت کے سبب ابو کبشہ کا بیٹا کہا کرتے تھے۔

کہ آپ نے اپنی انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ "بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ کَهَاتَیْنِ" یعنی میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی مانند ہیں کہ جس قدر وسطیٰ (درمیانی انگلی) سبابہ (شہادت کی انگلی) سے آگے ہے۔ قیامت سے پہلے میرا مبعوث ہونا بھی اسی کی مانند ہے کہ میں پہلے آگیا ہوں اور قیامت میرے پیچھے آرہی ہے۔ جب آپ کی نبوت قربِ قیامت کی علامت ہوئی تو شق القمر کا بالفعل وقوع بھی جو آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ قربِ قیامت کا نشان ٹھہرا۔

ردّ الشمس

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ صہباء[1] میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی آرہی تھی۔ اور آپ کا سر مبارک حضرت علیؓ کی گود میں تھا۔ اس وجہ سے حضرت علی نے نمازِ عصر نہ پڑھی، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر پڑھ لی تھی۔ آپ نے حضرت علی سے دریافت فرمایا، کیا تم نے نمازِ عصر پڑھ لی؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا، نہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2]۔ یا اللہ یہ تیری طاعت میں اور تیرے رسول کی طاعت میں تھا تو اس کے لئے آفتاب کو

---

[1] عرب میں خیبر سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔

[2] اللھم انہ کان فی طاعتك وطاعة رسولك فاردد علیہ الشمس (شفاء و مواہب و خصائص کبریٰ) اس حدیث کو امام طحاوی اور قاضی عیاض نے صحیح کہا ہے۔ اور ابن منذرؒ ابن شاہینؒ طبرانی نے اسے ایسے اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جن میں سے بعض صحیح کی شرط پر ہیں۔ اور ابن مردویہ نے اسناد حسن کے ساتھ اسے روایت کیا ہے

واپس لا۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے آفتاب کو دیکھا کہ غروب ہو گیا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ غروب ہونے کے بعد نکل آیا۔ اور اسکی شعاع پہاڑوں اور زمین پر پڑی۔[1]

ردّ الشمس کی طرح حبس الشمس بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقوع میں آیا ہے۔ چنانچہ شب معراج کی صبح کو جب کفار قریش نے حضورؐ سے اپنے قافلوں کے حالات پوچھے تو آپ نے ایک قافلہ کی نسبت فرمایا کہ وہ چہار شنبہ کے دن آئے گا۔ قریش نے اس دن انتظار کیا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا اور وہ قافلہ نہ آیا۔ اس وقت آپ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو ٹھہرا رکھا اور دن میں اضافہ کر دیا یہاں تک کہ وہ قافلہ آپہنچا۔[2]

مُردوں کو زندہ کرنا

امام بیہقیؒ نے دلائل النبوت میں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعوتِ اسلام دی۔ اس نے جواب دیا کہ میں آپ پر ایمان نہیں لاتا۔ یہاں تک کہ میری بیٹی زندہ کی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی قبر دکھا۔ اس نے آپ کو اپنی بیٹی کی قبر دکھائی۔ تو آپ نے اس لڑکی کا نام لے کر پکارا۔ لڑکی نے قبر سے نکل کر کہا، لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ[3]۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو پسند کرتی ہے کہ دنیا میں پھر آجائے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اقسم

---

[1] شفا شریف۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط میں بسند حسن حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے (مواہب لدنیہ) اور بیہقی نے اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ للسیوطی)

[2] دیکھو مواہب لدنیہ۔

[3] ترجمہ میں تیری طاعت کیلئے اور تیرے دین کی تائید کیلئے حاضر و تیار ہوں۔

ہے اللہ کی، مَیں نے اللہ کو اپنے والدین سے بہتر پایا۔ اور اپنے لئے آخرت کو دنیا سے اچھا پایا۔

حافظ ابو نعیم[1] نے کعب بن مالک کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور آپ کا چہرہ متغیر پایا۔ اس لئے وہ اپنی بیوی کے پاس واپس آئے اور کہنے لگے۔ مَیں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر دیکھا ہے۔ میرا گمان ہے کہ بھوک کے سبب سے ایسا ہے کیا تیرے پاس کچھ موجود ہے؟ بیوی نے کہا، اللہ کی قسم! ہمارے پاس یہ بکری اور کچھ بچا ہوا توشہ ہے۔ پس مَیں نے بکری کو ذبح کیا، اور اس نے دانے پیس کر روٹی اور گوشت پکایا۔ پھر ہم نے ایک پیالہ میں ثرید[2] بنایا۔ پھر مَیں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ آپ نے فرمایا، اے جابر اپنی قوم کو جمع کر لو۔ مَیں انکو لے کر آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا، ان کو میرے پاس جدا جدا جماعتیں بنا کر بھیجتے رہو۔ اس طرح وہ کھانے لگے۔ جب ایک جماعت سیر ہو جاتی تو وہ نکل جاتی اور دوسری آتی۔ یہاں تک کہ سب کھا چکے۔ اور پیالے میں جتنا پہلے تھا اتنا ہی بچ رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ کھاؤ اور ہڈی نہ توڑو۔ پھر آپ نے پیالے کے وسط میں ہڈیوں کو جمع کیا، اور ان پر اپنا مبارک ہاتھ رکھا۔ پھر آپ نے کچھ کلام پڑھا۔ جسے میں نے نہیں سنا۔ ناگاہ وہ بکری کان جھاڑتی اٹھی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔ اپنی بکری لے جا۔ پس میں اپنی بیوی کے پاس آیا۔

---

[1] خصائص کبریٰ جزء ثانی صہ ۶۷۔

[2] ایک قسم کا کھانا ہے جو روٹی کے ٹکڑوں کو گوشت کے شوربے میں تر کرنے سے تیار ہوتا ہے۔

وہ بولی یہ کیا ہے؟ میں نے کہا، اللہ کی قسم یہ ہماری بکری ہے۔ جسے ہم نے ذبح کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا مانگی۔ پس اللہ نے اسے زندہ کر دیا۔ یہ سن کر میری بیوی نے کہا۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

غزوۂ خیبر کے بعد سلام بن مشکم یہودی کی زوجہ نے بکری کا زہر آلود گوشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا۔ آپ اس میں سے بازو اٹھا کر کھانے لگے۔ وہ بازو بولا کہ مجھ میں زہر ڈالا گیا ہے۔ وہ یہودیہ طلب کی گئی تو اس نے اعتراف کیا کہ میں نے اس گوشت میں زہر ملایا ہے۔ یہ معجزہ مُردے کے زندہ کرنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ یہ میت کے ایک جزو کا زندہ کرنا ہے۔ حالانکہ اس کا بقیہ جو اس سے منفصل تھا مردہ ہی تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا آپ کی خاطر زندہ کیا جانا۔ اور اُن کا آپ پر ایمان لانا بھی بعض احادیث میں وارد ہے۔ علامہ سیوطی نے اس بارے میں کئی رسالے تصنیف کئے ہیں۔ اور دلائل سے اسے ثابت کیا ہے۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے بھی مردے زندہ ہو گئے چنانچہ حضرت انس[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک جوان نے وفات پائی۔ اس کی ماں اندھی بڑھیا تھی۔ ہم نے اس جوان کو کفنا دیا۔ اور اس کی ماں کو پُرسہ دیا۔ ماں نے کہا، کیا میرا بیٹا مر گیا ہے۔ ہم نے کہا۔ ہاں

---

[1] مواہب لدنیہ۔ اس حدیث کو ابن ابی الدنیا، بیہقی اور ابو نعیم نے نقل کیا ہے۔

یہ سن کر اس نے یوں دعا مانگی۔ یا اللہ اگر تجھے معلوم ہے کہ مَیں نے تیری طرف اور تیرے نبی کی طرف اس امید پر ہجرت کی ہے کہ تو ہر مشکل میں میری مدد کریگا۔ تو اس مصیبت کی مجھے تکلیف نہ دے۔ ہم وہیں بیٹھے تھے کہ اس جوان نے اپنے چہرے سے کپڑا اٹھادیا اور کھانا کھایا۔ اور ہم نے بھی اسکے ساتھ کھایا۔

انقلابِ اعیان

جن چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک لگا، یا حضور کے استعمال میں آئیں، ان کی حقیقت و ماہیت بدل گئی۔ بغرض توضیح ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:۔

ایک رات مدینہ منوّرہ کے لوگ ڈر گئے (گویا کوئی چور یا دشمن آتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ کا گھوڑا لیا جو سست رفتار تھا۔ اور اس پر بغیر زین کے سوار ہو کر اکیلے جنگل کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کے بعد لوگ بھی سوار ہو کر اس طرف نکلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ نے فرمایا "ڈرو نہیں، ڈرو نہیں"۔ اور گھوڑے کی نسبت فرمایا کہ ہم نے اسے دریا کی مانند تیز رفتار پایا۔ اس دن سے وہ گھوڑا ایسا چالاک بن گیا کہ کوئی دوسرا گھوڑا اس سے آگے نہ بڑھ سکتا تھا۔[1]

حضرت ام مالک کے پاس ایک چمڑے کی کُپّی تھی۔ جس میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گھی بطور ہدیہ بھیجا کرتی تھیں۔ ایک روز حضور نے فرمایا کہ اس کو نہ نچوڑنا۔ یہ فرما کر آپ نے کُپّی ام مالک کو دے دی۔ وہ کیا

---

[1] بخاری کتاب الجہاد۔ باب السرعۃ والرکض فی الفزع۔

دیکھتی ہیں کہ کُپّی گھی سے بھری ہوئی ہے۔ ام مالک کے لڑکے آکر نان خورش مانگتے تو وہ کُپّی میں گھی بدستور پاتیں۔ غرض وہ گھی اسی طرح خرچ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک روز ام مالک نے کُپّی کو نچوڑا تو خالی ہو گئی۔[1]

ام اوس بہزیہ نے کُپّی میں گھی ڈال کر بطور ہدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے قبول فرمایا اور کُپّی میں سے گھی نکال لیا۔ اور ام اوس کے لئے دعائے برکت فرما کر کُپّی واپس کر دی۔ جب ام اوس نے دیکھا تو گھی سے بھری ہوئی پائی۔ اسے خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ اس لئے وہ فریاد کرتی ہوئی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ حضور کے ارشاد سے صحابہ کرام نے اس سے حقیقت حال بیان کر دی۔ ام اوس اس کُپّی میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بقیہ عمر شریف اور خلافت صدیقی و فاروقی و عثمانی میں گھی کھاتی رہی۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ و امیر معاویہؓ کے درمیان جنگ وقوع میں آئی۔[2]

حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب قرشی عدوی کوتاہ قد پیدا ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی اس کا یہ اثر ہوا کہ عبدالرحمٰن جب کسی قوم میں ہوتے تو قد میں سب سے بلند نظر آتے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء کے لئے نکلے۔ رات اندھیری

---

[1] صحیح مسلم و شفاء شریف۔
[2] اصابہ بحوالہ طبرانی و ابن مندہ و ابن السکن۔ ترجمہ ام اوس بہزیہ۔

تھی اور بارش ہو رہی تھی۔ آپ نے حضرت قتادہ بن نعمان انصاری کو دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا، میں نے خیال کیا کہ نمازی کم ہونگے اس لئے میں نے چاہا کہ جماعت میں شامل ہو جاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر حضرت قتادہ کو کھجور کی ایک ڈالی دی۔ اور فرمایا کہ یہ ڈالی دس ہاتھ تمہارے آگے اور دس ہاتھ پیچھے روشنی کرے گی۔ جب تم گھر پہنچو تو اس میں ایک سیاہ شکل دیکھو گے۔ اسکو مار کر نکال دینا۔ کیونکہ وہ شیطان ہے۔ جس طرح حضور نے فرمایا، ویسا ہی ظہور میں آیا۔[1]

جنگ بدر میں حضرت عکاشہ بن محجن کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ حضور نے ان کو ایک لکڑی عنایت فرمائی۔ جب عکاشہ نے ہاتھ میں لیکر ہلائی تو وہ ایک سفید مضبوط تلوار بن گئی جس سے وہ جنگ کرتے رہے۔ اس تلوار کا نام عون تھا۔ حضرت عکاشہ اسی کے ساتھ جہاد کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں ایام الردۃ میں شہید ہو گئے۔[2]

جنگ احد میں حضرت عبداللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک کھجور کی شاخ عنایت فرمائی۔ وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ جس کے ساتھ وہ جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اس تلوار کو عرجون کہتے تھے۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پانی کا مشکیزہ لیا۔ اس کا منہ باندھ کر

---

[1] شفا شریف و مسند امام احمد۔ [2] سیرت ابن ہشام۔
[3] استیعاب و اصابہ۔

دعا فرمائی اور صحابۂ کرام کو عطا فرمایا۔ جب نماز کا وقت آیا، تو انہوں نے اسے کھولا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں بجائے پانی کے تازہ دُودھ ہے۔ اور اس کے منہ پر جھاگ آرہی ہے۔[۱]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سلمان فارسی کے لئے جو کھجور کے پیڑ اپنے دست مبارک سے لگائے تھے وہ ایک ہی سال میں پھل لائے۔ بانجھ بکری کے تھنوں پر آپ کا دست مبارک پھر گیا، وہ دودھ دینے لگی۔ گنجے کے سر پر دستِ شفا پھیرا تو اسی وقت بال اگ آئے۔ اس قسم کی برکات کا ذکر حضور کے حلیہ شریف کے بیان میں آچکا ہے۔

بچّوں کی شہادت (گواہی)

معرض بن معیقیب یمانی سے روایت ہے کہ میں نے حجۃ الوداع کیا۔ اور مکہ میں ایک گھر میں داخل ہوا۔ مَیں نے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ سے ایک عجیب امر دیکھنے میں آیا۔ اہلِ یمامہ میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک بچہ لایا، جو اسی دن پیدا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا اے بچے! مَیں کون ہوں؟ وہ بولا، آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا۔ اللہ تجھے برکت دے۔ پھر اس کے بعد اس بچے نے کلام نہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہوگیا۔ ہم اسے مبارک الیمامہ کہا کرتے تھے۔[۲]

حضرت شمرؒ بن عطیہ نے اپنے بعض شیوخ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت

---

[۱] شفا شریف و ابن سعد۔ [۲] اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے مواہب لدنیہ۔
[۳] اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ خصائص کبریٰ۔ جز ثانی صفحہ ۶۹ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۵۴۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک لڑکا لائی جو جوان ہو گیا تھا۔ اس نے کہا، میرے اس بیٹے نے جب سے پیدا ہوا کلام نہیں کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

بیماروں کو شفا دینا

حضرت فدیک بن عمرو السلامانی کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئی تھیں اور وہ کچھ نہ دیکھ سکتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کر دیا۔ وہ ایسے بینا ہو گئے کہ اسی برس کی عمر میں سوئی میں دھاگہ ڈال سکتے تھے[1]۔

امام رازی رحمۃ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاذ بن عفراء کی بیوی کو برص کی بیماری تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اپنا عصا مبارک اس کے بدن پر پھیر دیا۔ اسی وقت مرض جاتا رہا۔

حضرت ابو سبرہ کے ہاتھ میں ایک ایسی گلٹی تھی کہ اونٹ کی مہار نہ پکڑ سکتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تیر منگوایا اور گلٹی پر پھیر دیا۔ وہ فوراً جاتی رہی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سر پر اور چہرے پر ورم ہو گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست شفاء کپڑے پر سے ان کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴۰۔ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ حضرت شمر بن عطیہ اتباع تابعین میں سے ہیں دیکھو زرقانی علی المواہب۔

[1] اس حدیث کو ابن ابی شیبہ و بغوی و بیہقی و طبرانی و ابو نعیم نے روایت کیا ہے (مواہب لدنیہ)

چہرے اور سر پر رکھا اور دعا فرمائی، اسی وقت ورم جاتا رہا۔[1]

حضرت حبیب بن یساف ذکر کرتے ہیں کہ مَیں ایک غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میری گردن پر ایک ضربِ شدید ایسی لگی کہ میرا بازو لٹک پڑا۔ مَیں حضور کے پاس آیا۔ آپ نے اپنا لعابِ دہن لگا دیا اور بازو کو اسکی جگہ پر چسپاں کر دیا، وہ فوراً اچنگا ہو گیا۔ پھر مَیں نے اسے قتل کر دیا جس نے مجھے ضرب شدید لگائی تھی۔[2]

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ڈاڑھ کے درد کی شکایت کی آپ نے اپنا مبارک ہاتھ ان کے رخسار کی اس جگہ پر رکھا جہاں درد تھا اور دعا فرمائی۔ ابھی آپ نے دستِ شفا وہاں سے نہ اٹھایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔

حضرت جرہد بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ انہوں نے عرض کیا دائیں ہاتھ میں کچھ شکایت ہے جس کے سبب سے کھایا نہیں جاتا۔ حضور نے اس ہاتھ پر دم کر دیا۔ حضرت جرہد کو پھر عمر بھر یہ شکایت نہ ہوئی۔[3]

عنوان بالا کے متعلق اور مثالیں حلیہ شریف میں دہانِ مبارک اور لعاب مبارک اور دستِ مبارک کے تحت میں مذکور ہو چکی ہیں۔ جن کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔

---

[1] مواہب لدنیہ۔ کتاب فی المعجزات۔

[2] اس حدیث اور احادیث آئندہ کیلئے دیکھو خصائص کبریٰ للسیوطی۔ جزء ثانی ص۔

[3] یہ حدیث شریف صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے (مشکوٰۃ باب فی المعجزات)

طعامِ قلیل کو کثیر بنا دیا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے دن ہم خندق کھود رہے تھے۔ ایک سخت زمین ظاہر ہوئی۔ صحابۂ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی کہ خندق میں سخت زمین پیش آگئی ہے۔ آپ نے فرمایا میں خندق میں اترتا ہوں۔ پھر آپ کھڑے ہوئے (حالانکہ بھوک کی شدت سے آپ کے شکم پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ اور ہم نے بھی تین دن سے کچھ نہ چکھا تھا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کدال لی اور ماری۔ وہ سخت زمین ریگ رواں کا ایک ڈھیر بن گئی۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھ کر اپنی بیوی کے پاس آیا اور اس سے کہا۔ کیا تیرے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سخت بھوک کی علامت دیکھی ہے۔ میری بیوی نے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک صاع جَو تھے۔ ہمارے ہاں گھر میں پلا ہوا ایک بکری کا بچہ تھا۔ میں نے اسے ذبح کیا۔ میری بیوی نے جَو پیس لئے۔ ہم نے گوشت دیگ میں ڈال دیا۔ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور چپکے سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے۔ اور میری بیوی نے ایک صاع جَو پیسے ہیں۔ آپ مع چند صحابہ کے تشریف لائیں۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی اے اہلِ خندق! جابر نے ضیافت تیار کی ہے، جلدی آؤ۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ تم میرے آنے تک دیگ نہ اتارنا۔ اور خمیر کو نہ پکانا جب آپ تشریف لائے تو میری بیوی نے آپ کے سامنے خمیر نکالا۔ آپ نے اس میں اپنے دہن مبارک کا لعاب ڈال دیا۔ اور دعائے برکت فرمائی۔ پھر ہماری

دیگ کی طرف آئے۔ اس میں بھی لعاب مبارک ڈال دیا۔ اور دعائے برکت فرمائی۔ پھر میری بیوی سے فرمایا۔ روٹی پکانے والی کو بلا کہ تیرے ساتھ روٹی پکائے اور تو اپنی دیگ میں سے کفگیر سے گوشت نکالنا۔ اور دیگ کو چولھے پر سے نہ اتارنا۔ راوی کا بیان ہے کہ اہل خندق جو ایک ہزار تھے۔ اللہ کی قسم! سب کھا چکے۔ یہاں تک کہ اسے باقی چھوڑ گئے۔ مگر دیگ اسی طرح جوش مار رہی تھی۔ اور خمیر اسی طرح پکایا جا رہا تھا۔[1]

قصۂ مذکورہ بالا میں روایت احمد و نسائی میں ہے کہ جب حضرتؐ نے اس سخت پتھر پر بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو اس کی ایک تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئیں۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے دوسری بار کدال ماری تو دوسری تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں۔ خدا کی قسم! میں اس وقت مدائن کسریٰ کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری بار کدال ماری تو باقی تہائی بھی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں۔ خدا کی قسم! میں اس وقت یہاں سے ابواب صنعاء کو دیکھ رہا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے دن لوگوں کو بھوک لگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ان کو حکم دیں کہ جس کے پاس بچا ہوا توشہ ہے لے آئے۔ پھر آپ اس پر دعائے برکت فرمائیں آپ نے منظور فرمایا۔ اور چمڑے کا فرش

---

[1] یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے (مشکوٰۃ باب فی المعجزات)

طلب کیا۔ وہ بچھا دیا گیا تو آپ نے صحابہ کرام کا بچا ہوا توشہ طلب فرمایا کوئی چنے کی مٹھی لا رہا تھا۔ کوئی چھواروں کی مٹھی بھرے آ رہا تھا۔ کوئی روٹی کا ٹکڑا لا رہا تھا۔ یہاں تک کہ فرش پر تھوڑا سا توشہ جمع ہو گیا۔ پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے برکت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ اپنے برتنوں میں ڈال کر لے جاؤ۔ چنانچہ لوگ اپنے برتنوں میں لے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے لشکر میں کوئی برتن نہ چھوڑا جسے بھرا نہ ہو (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ تمام لشکر[1] نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اور بچ بھی رہا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں اس امر کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اس امر کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ان دو شہادتوں میں شک نہ کرنے والا کوئی بندہ اللہ سے نہ ملے گا کہ وہ بہشت سے روک دیا جائے۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم ایک سو تیس شخص تھے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس طعام ہے۔ ایک شخص کے پاس ایک صاع طعام نکلا۔ وہ گوندھا گیا۔ پھر ایک مشرک دراز قد ژولیدہ مو بکریاں ہانکتا آیا۔ آپ نے اس سے ایک بکری خریدی[2]۔ اسے ذبح کیا گیا۔ اور آپ کے حکم سے اس کا کلیجہ بھونا گیا۔ آپ نے اس کلیجہ کی ایک ایک بوٹی سب کو دی۔ پھر گوشت دو پیالوں میں ڈال دیا۔ سب نے سیر ہو کر کھایا اور دونوں پیالے بھرے کے بھرے بچ

---

[1] کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں لشکر کی تعداد ایک لاکھ کو پہنچ گئی تھی۔ کذا فی اشعۃ اللمعات۔

[2] صحیح بخاری باب قبول الهدیة من المشرکین۔

رہے ہیں۔ ہم نے بچے ہوئے کھانے کو اونٹ پر رکھ لیا۔ واضح رہے کہ اس قصہ میں دو معجزے ہیں۔ ایک تکثیر کلیجہ دوسرے تکثیر صاع و گوشت۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھوک کی شدت سے کبھی اپنے پیٹ کو زمین سے لگایا کرتا تھا۔ اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔ ایک دن میں اس راستے میں بیٹھ گیا۔ جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام گزرا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پاس سے گزرے میں نے ان سے قرآن کی آیت پوچھی تا کہ آپ میرا پیٹ بھر دیں۔ مگر انہوں نے کچھ توجہ نہ کی اور گزر گئے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ میں نے ان سے بھی ایک آیت پوچھی۔ مگر انہوں نے بھی کچھ توجہ نہ کی اور گزر گئے۔ اس کے بعد حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے۔ تو میری حالت کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ آپ دولت خانہ میں تشریف لے گئے تو ایک پیالہ میں کچھ دودھ دیکھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ دودھ کیسا ہے؟ جواب ملا کہ ہدیہ ہے۔ مجھ سے فرمایا کہ اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ کے پاس صدقہ آتا تو اسے اہلِ صفہ کے لئے بھیج دیتے۔ اور اس میں سے خود کچھ نہ کھاتے۔ اگر ہدیہ آتا تو اہلِ صفہ کو بلا کر اس میں شریک کر لیتے۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ اتنے دودھ سے اہلِ صفہ کو کیا ہو گا۔ اس کا تو میں ہی زیادہ مستحق تھا۔ مگر ارشادِ تعمیل سے چارہ نہ تھا۔ میں ان سب کو بلا لایا۔ آپ نے مجھے وہ پیالہ دیا اور فرمایا کہ ان کو پلاؤ۔ میں ایک ایک کو پلاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ سب سیر ہو گئے۔ آپ نے پیالہ لے کر اپنے دستِ

مبارک پر رکھا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ پھر فرمایا، ابوہریرہ! مَیں اور تم دونوں باقی ہیں۔ مَیں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا۔ آپ نے فرمایا، بیٹھ جاؤ اور پیو۔ مَیں نے ایسا ہی کیا۔ پھر فرمایا اور پیو۔ مَیں نے پھر پیا۔ اسی طرح آپ فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ مَیں نے عرض کیا کہ اب پیٹ میں گنجائش نہیں۔ بعد ازاں باقی آپ نے پی لیا۔[1]

حضرت جابر[2] ذکر کرتے ہیں کہ ایک بدوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طعام کا سوال کیا۔ حضور نے اسے آدھا وسق جو عنایت فرمائے۔ وہ اور اس کی بیوی اور اس کے مہمان ان کو کھاتے رہے (اور وہ کم نہ ہوئے) یہاں تک کہ ایک روز اس نے انکو ماپ لیا (تو وہ کم ہونے لگے) اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی اطلاع دی آپ نے فرمایا۔ اگر ان کو نہ ماپتا تو تم عمر بھر کھاتے رہتے، اور وہ کم نہ ہوتے۔

حضرت انس[3] بن مالک کا بیان ہے کہ ابو طلحہؓ (والد انس) نے ام سلیمؓ (والدۂ انسؓ) سے کہا کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھوک کی شدت سے ضعف کے آثار دیکھے ہیں۔ کیا گھر میں کچھ ہے۔ ام سلیم نے جَو کی چند روٹیاں کپڑے میں لپیٹ کر میرے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجیں۔ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ آپ مع اصحاب مسجد میں

---

[1] صحیح بخاری۔ باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ۔

[2] مواہب لدنیہ بحوالہ صحیح مسلم۔

[3] صحیح بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ام سلیم کے گھر چلو میں، گھر میں پہلے پہنچ گیا۔ اور ابو طلحہ سے صورتِ حال بیان کردی۔ ابو طلحہ نے راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا جب حضور گھر میں داخل ہوئے تو ام سلیم سے فرمایا کہ ما حضر لے آؤ۔ آپ کے ارشاد سے روٹیوں کے ٹکڑے کرکے ان میں کچھ گھی ڈال دیا گیا۔ پھر آپ نے دعا فرمائی اور اصحاب میں سے دس کو طلب کیا۔ وہ سیر ہو گئے تو پھر اور دس کو طلب کیا۔ اسی طرح ستر یا اسی اصحاب نے سیر ہو کر کھایا۔

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ میں چند کھجوریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ان میں دعائے برکت فرمائیں آپ نے دست مبارک میں لیکر دعائے برکت فرمائی۔ اور فرمایا کہ لو۔ ان کو اپنے توشہ دان میں رکھ لو جس وقت ان میں سے کچھ لینا چاہو تو ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرنا اور توشہ دان کو نہ جھاڑنا۔ ہم نے ان میں سے اتنے اتنے وسق[1] راہِ خدا میں دے دیئے۔ خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے رہے۔ وہ توشہ دان میری کمر سے جدا نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عثمان کی شہادت کا دن آیا تو وہ گم ہو گیا[2]۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ اس دن فرماتے تھے:۔

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَّلِيْ هَمَّانِ بَيْنَهُمُ	لوگوں کو ایک غم ہے اور مجھے دو غم ہیں
هَمُّ الْجِرَابِ وَهَمُّ الشَّيْخِ عُثْمَانَا	توشہ دان کے گم ہونے کا غم اور حضرت عثمان کے

---

[1] وسق بار شتر و شصت صاع۔

[2] صحیح بخاری۔ باب قضاء الوصیۃ و دیون للمیت۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ میرے والد احد کے دن شہید ہو گئے۔ اور چھ لڑکیاں اور بہت سا قرض چھوڑ گئے۔ جب کھجوروں کے توڑنے کا وقت آیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے۔ میرے باپ احد کے دن شہید ہو گئے اور بہت سا قرض چھوڑ گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ قرضخواہ آپ کی زیارت کریں"۔ آپ نے فرمایا کہ تم جاؤ اور ہر ایک قسم کی کھجوروں کا الگ الگ ڈھیر لگا دو میں نے تعمیلِ ارشاد کی اور آپ کو بلانے آیا۔ جب قرضخواہوں نے آپ کو دیکھا تو مجھے اور تنگ کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین بار پھرے پھر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ قرضخواہوں کو بلاؤ۔ آپ ماپ کر ان کو دیتے رہے یہاں تک کہ میرے باپ کی امانت، اللہ نے ادا کر دی۔ میں اسی پر راضی تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کی امانت ادا کر دے۔ خواہ میری بہنوں کے لئے ایک کھجور بھی نہ بچے۔ مگر اللہ کی قسم وہ تمام ڈھیر سالم رہے۔ میں نے اس ڈھیر کو دیکھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے۔ اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی تھی۔[1]

تکثیر طعام کی طرح حضور کی دعا و برکت سے قلیل پانی کا کثیر ہو جانا بھی بہت سی احادیث میں آیا ہے۔ اس قسم کا تکثیر طعام اور تکثیر آب جناب سید کائنات علیہ الوف التحیۃ والصلوٰۃ کے مربی اور ولیِ نعم ہونے کا اثر ہے۔ کیونکہ جس طرح حضور انور بحسب روحانیت قلوب و ارواح کے مربی و مکمل ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری۔ باب قضاء الوصیۃ و دیون المیت۔

عالم جسمانیت میں ابدان و اشباح کے پرورش فرمانے والے بھی ہیں ؎

شکرِ فیضِ تو چمن چوں کند اے ابرِ بہار
کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردہ تست

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز میں صفا و مروہ کے درمیان بازار میں سے گزر رہا تھا۔ وہاں میں نے ایک سبزی بیچنے والے کو دیکھا کہ سبزی پر پانی چھڑک رہا ہے اور یوں کہہ رہا ہے:۔

یَا بَرَکَۃَ النَّبِیِّ تَعَالِیْ وَانْزِلِیْ ثُمَّ	اے نبی کی برکت آ اور میرے مکان میں
لَا تَرْتَحِلِیْ	اتر۔ پھر کوچ نہ کر۔

اجابتِ دُعا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ جو دعا فرماتے وہ بارگاہِ رب العزت میں قبول ہوتی۔ یہ باب نہایت وسیع ہے۔ نظر بر اختصار صرف چند مثالیں درج کی جاتی ہیں[۱]۔

حضرت انس بن مالک کی ماں نے حضور کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ! انس آپ کا ادنیٰ خادم ہے۔ اس کے حق میں دعائے خیر فرمائیں پس آپ نے یُوں دعا فرمائی "یا اللہ! تو اس کا مال و اولاد زیادہ کر۔ اور جو نعمت تو نے اسے دی ہے اس میں برکت دے"۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ تو اس کی عمر زیادہ کر اور بہشت میں میرا رفیق بنا۔ یہ دعا ایسی مقبول ہوئی کہ حضرت انس کے باغ میں کھجوروں کے درخت سال میں دو دفعہ پھل دیتے۔ ان کی اولاد سو سے

---

[۱] ان مثالوں کیلئے بخاری و مسلم و ترمذی اور دلائل ابی نعیم و دلائل بیہقی اور طبرانی دیکھو۔

زیادہ تھی۔ ایک کم سو برس کی عمر پائی۔ اخیر عمر میں فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ حسب دعائے جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہشت میں آپ کا رفیق بھی ہوں گا۔

اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ اللہ تجھے برکت دے۔ اس دعا کی برکت سے اللہ تعالےٰ نے حضرت عبدالرحمٰن کو تجارت میں اس قدر نفع دیا کہ جب ۳۱ھ میں انہوں نے وفات پائی تو ان کے ترکہ کا سونا کلہاڑیوں سے کھودا گیا۔ یہاں تک کہ کثرتِ کار سے ہاتھ زخمی ہو گئے اور ان کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو اسی ہزار دینار ملے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ایک ہزار گھوڑے اور پچاس ہزار دینار فی سبیل اللہ خیرات کر دیئے جائیں۔ یہ تمام علاوہ ان صدقات کے تھا جو انہوں نے اپنی زندگی میں کیئے۔ چنانچہ ایک روز تیس غلام آزاد کیئے۔ ایک مرتبہ سات سو اونٹوں کا کارواں مع مال و اسباب تصدق کر دیا ایک دفعہ اپنا آدھا مال راہِ خدا میں دے دیا۔ پھر چالیس ہزار دینار، پھر پانچ سو گھوڑے، پھر پانچ سو اونٹ تصدق کیئے۔

جنگِ احد میں حضرت سعد بن ابی وقاص جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بیٹھے ہوئے تیر چلا رہے تھے۔ اور یوں کہہ رہے تھے "یا اللہ! یہ تیرا تیر ہے۔ اس سے تو اپنے دشمن کو ہلاک کر" اور حضور فرما رہے تھے "یا اللہ! اس کا نشانہ درست کر دے اور اس کی دعا قبول کر لے" آپ کی دعا سے حضرت سعد مستجاب الدعوات بن گئے۔ جو دعا کرتے قبول ہوتی اور جو تیر پھینکتے وہ کبھی

خطا نہ کرتا۔

اسی طرح حضور نے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ! اسلام کو عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) کے ساتھ عزت دے۔ یہ دعا حضرت عمر کے حق میں قبول ہوئی۔ وہ ایمان لائے اور اس دن سے اسلام کو عزت و غلبہ حاصل ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباس کے حق میں حضور نے دعا کی تھی کہ "یا اللہ! اس کو دین میں فقیہ بنا دے۔ اس دعا کی برکت سے حضرت ابن عباس رئیس المفسرین اور حبر الامت بن گئے!

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری اس دعا کے تمام ہونے تک اپنا کپڑا بچھائے رکھے گا، وہ میری احادیث میں سے کبھی کچھ نہ بھولے گا۔ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک کملی کے سوا کوئی کپڑا نہ تھا۔ مَیں نے کملی ہی بچھا دی۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا تمام کی۔ پھر مَیں نے اپنی کملی لپیٹ کر اپنے سینے سے لگا دی۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے کہ مَیں آپ کی احادیث کو آج تک نہیں بھولا[1]۔

جب حضرت طفیل بن عمرو دوسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام لائے تو انہوں نے یوں عرض کیا "یا رسول اللہ! میری قوم میری اطاعت کرتی ہے۔ مَیں اس کے پاس جاتا ہوں اور اس کو دعوتِ اسلام دیتا ہوں آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی نشانی عطا کرے۔ جو ان کے برخلاف میری مدد

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب فی المعجزات

ہوا" حضور نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! اس کے لئے ایک نشانی پیدا کر دے۔ یہ سنکر میں اپنی قوم کی طرف آیا۔ جب میں گھاٹی کدا میں پہنچا تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہوا۔ میں نے دعا کی۔ یا اللہ! اس نور کو میری پیشانی کے سوا کسی اور جگہ پیدا کر دے۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ میری قوم اسکو میری پیشانی میں مثلہ خیال کرے گی۔ پس وہ نور میرے چابک کے سرے پر لٹکتی ہوئی قندیل کی طرح ہو گیا۔ پھر میں نے اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دی مگر وہ ایمان نہ لائے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قبیلۂ دوس نے میری اطاعت سے انکار کر دیا ہے۔ آپ ان پر بد دعا فرمائیں۔ آپ نے بجائے بد دعا کے دعائے ہدایت فرمائی۔ اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو نرمی سے دعوت اسلام دو۔ میں تعمیلِ ارشاد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لے آئے۔ پھر میں اپنی قوم کے ستر یا اسی اشخاص کے ساتھ جو ایمان لائے تھے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مگر وہ قبول نہیں کرتیں۔ آپ دعا فرمائیں۔ حضور نے یہ سُن کر دعا فرمائی۔ اور وہ ایمان لائی۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔

حضرت نابغہ (نابغہ بنی جعدہ) بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر سنایا۔ آپ نے پسند فرمایا اور میرے حق میں یُوں دعا فرمائی۔ "اللہ تیرا دانت نہ گرائے"۔ حضرت نابغہ کی عمر سو سال سے زائد ہو گئی، مگر آپ کا کوئی دانت نہ گرا۔

حضرت ثابت بن زید نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرا ایک پاؤں لنگڑا ہے۔ زمین پر نہیں لگتا۔ حضور نے میرے حق میں دعا فرمائی۔ وہ پاؤں چنگا ہو گیا۔ اور دوسرے کی طرح زمین پر برابر لگنے لگا۔

حضرت عروۃ البارقی کے لئے حضور نے دعا فرمائی کہ یا اللہ اس کے سودے میں برکت دے۔ اس کے بعد حضرت عروہ جو چیز خریدتے خواہ وہ مٹی ہو اس میں نفع ہی ہوتا۔

ہجرت کے وقت جب حضور غار ثور سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو سراقہ بن مالک گھوڑے پر سوار آپ کے تعاقب میں بالکل قریب آگیا۔ حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمیں تو آلیا۔ آپ نے فرمایا کہ غم نہ کر۔ کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ جب دو تین نیزے کا فاصلہ رہ گیا تو آپ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! تو جس طرح چاہے ہم کو بچا۔ اس پر سراقہ کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ یہ دیکھ کر سراقہ نے عرض کیا۔ یا محمد! میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کا کام ہے۔ آپ اس مصیبت سے میری نجات کے لئے دعا فرمائیں۔ اللہ کی قسم! میں کسی کو تعاقب میں آپ تک نہیں آنے دوں گا۔ چنانچہ آپ کی دعا سے سراقہ نے نجات پائی۔ اور وہ واپس چلا گیا۔ راستے میں جس سے ملتا اسے یہ کہہ کر موڑ لیتا کہ میں نے بہت ڈھونڈا حضرت ادھر نہیں ہیں۔

حضور کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ میں طاعون و وبا سب سے زیادہ رہا کرتی تھی۔ آپ کی دعا سے ایسی دُور ہوئی کہ آج تک وہ مبارک شہر وبا و طاعون سے محفوظ ہے۔ اور محفوظ رہے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو لہب کے بیٹے عتیبہ پر بد دعا فرمائی۔ چنانچہ اس کو ایک شیر نے پھاڑ ڈالا جیسا کہ آگے مفصل بیان ہوگا۔

جب قریش نے ایمان لانے سے انکار کر دیا تو حضور نے دعا فرمائی۔ یا اللہ! ان پر حضرت یوسف کے سات سالوں کی طرح سات سال قحط لا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ قریش نے مردار اور ہڈیاں کھائیں۔ ابو سفیان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا محمد! آپ کی قوم ہلاک ہو گئی۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ قحط دور ہو جائے۔ پس آپ نے دعا فرمائی اور وہ مصیبت دُور ہو گئی[1]۔

حضور نے کسریٰ پرویز کو جو دعوت اسلام کا خط لکھا تھا۔ اُس نے اسے پڑھ کر پھاڑ دیا۔ جب آپ نے یہ سُنا تو فرمایا کہ اس کا ملک پارہ پارہ ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ فارس سے اکاسرہ کی سلطنت ہمیشہ کیلئے جاتی رہی۔

حکم بن ابی العاص نے حضور کے ساتھ استہزار کرنے کے لئے اپنا منہ ٹیڑھا کر لیا۔ حضور نے فرمایا کہ اسی طرح رہے۔ چنانچہ وہ کج دہان ہی رہا یہاں تک کہ مر گیا۔

جناب سرور کائنات علیہ الوف التحیۃ والصلوٰۃ نے محلم بن جثامہ کو ایک سریہ میں بھیجا تھا جس پر عامر بن الاضبط کو امیر بنایا تھا۔ جب وہ ایک وادی کے درمیان پہنچے تو محلم نے عامر کو ایک معاملے کے سبب جو دونوں میں تھا دھوکے سے قتل کر دیا۔ جب حضور کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان۔

دعا فرمائی کہ محلم کو زمین قبول نہ کرے۔ اس دعا کے سات دن بعد محلم مر گیا جب اس کو دفن کیا گیا تو زمین نے اسکو پھینک دیا۔ اسی طرح کئی دفعہ کیا گیا۔ مگر زمین نے قبول نہ کیا۔ آخر کار اسکو ایک غار میں پھینک دیا گیا۔ اور پتھروں کی ایک دیوار اس پر بنا دی گئی۔

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قحط پڑا۔ جمعہ کے دن حضور منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک بادیہ نشین عرب آپ کے پاس آیا۔ اور یوں عرض کرنے لگا "یا رسول اللہ! ہمارے مال ضائع ہو گئے اور بال بچے بھوکے مر رہے ہیں۔ آپ ہمارے حق میں دعا فرمائیں" یہ سن کر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ اس وقت آسمان پر کوئی بادل نظر نہ آتا تھا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، آپ نے ہاتھ نہ چھوڑے تھے کہ پہاڑوں کی مثل بادل اٹھا۔ پھر آپ منبر سے نہ اترے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ بارش کا پانی آپ کی ریش مبارک پر سے نیچے گر رہا ہے۔ اس طرح جمعہ آئندہ تک بارش ہوتی رہی۔ پھر وہی بادہ نشین عرب آیا اور عرض کرنے لگا "یا رسول اللہ! ہمارے مکانات گر گئے" آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی "یا اللہ! ہمارے گرد مینہ برسا اور ہمارے مکانات سے دور رکھ"[1] پس جس طرف آپ اشارہ فرماتے بادل دور ہو جاتا۔ یہاں تک کہ مدینہ گول گڑھے کے مانند ہو گیا اور وادی قناۃ[2]

---

[1] یعنی مدینہ کے اطراف میں بادل تھا اور مینہ برستا تھا مگر مدینہ پر نہ بادل تھا نہ مینہ برستا تھا۔

[2] قناۃ کا ایک وادی کا نام ہے جو طائف کی طرف سے آتی ہے۔ اور کوہ احد میں شہداء کی قبروں تک پہنچتی ہے۔

میں ایک مہینہ تک پانی جاری رہا جس طرف سے کوئی آتا، بارانِ کثیر کی خبر لاتا۔
جب مسلمان غزوۂ تبوکؓ کے لئے نکلے تو گرمی کی شدت تھی۔ ایک پڑاؤ پر
پیاس کی شدت سے یہ نوبت پہنچی کہ اونٹ ذبح کرتے۔ اس کی لید نچوڑ کر پانی پی
لیتے اور بقیہ کو اپنے جگر پر باندھتے۔ حضرت صدیق اکبر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے عرض کیا کہ دعا فرمائیے۔ چنانچہ حضور انور کی دعا سے پانی برسا۔ اور
مسلمانوں نے اپنے برتن بھر لئے۔ پھر جو دیکھا تو یہ بارش حدود لشکر سے متجاوز نہ تھی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو اپنی ذات شریف سے توسل
کا طریق بتایا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور بینا ہو گیا۔ جیسا کہ آگے بالتفصیل آئیگا۔
ہم اس عنوان کو ایک مشہور واقعہ پر ختم کرتے ہیں جس کی کیفیت ذیل میں درج ہے۔

نجران کے نصاریٰ کے ساتھ مباہلہ

نجران مکہ مشرفہ سے جانبِ یمن سات منزل کے فاصلہ پر ایک بڑا شہر
ہے۔ جو نجران بن زید بن یشجب بن یعرب کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شہر ملکِ
عرب میں عیسائی مذہب کا مرکز تھا۔ اور ۷۳ گاؤں اس سے متعلق تھے۔ جناب
سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ایک سال پیشتر یہاں کے عیسائیوں
کا ایک وفد مدینہ منورہ میں آیا جب وہ عصر کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو
ان کی نماز کا وقت آپہنچا۔ مسجد میں انہوں نے شرق رو ہو کر نماز ادا کی۔ صحابہ کرام
منع کرنے لگے۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلوب اور توقع اسلام
کو مد نظر رکھ کر ان سے تعرض کرنے سے منع فرمایا۔ اِس وفد میں ساٹھ آدمی تھے

۱؎ مستدرک حاکم۔ کتاب الطہارت۔

جن میں چوبیس ان کے اشراف میں سے تھے اور ان چوبیس میں سے تین مرجع کل تھے۔ عبد المسیحؒ جن کا لقب عاقب تھا۔ اور سیدؒ جس کا نام ایہم اور بقول بعض شرحبیل تھا۔ اور ابو حارثہؓ بن علقمہ جو اُن کا اسقف (بڑا پادری) تھا۔ حضور نے ان کو دعوت اسلام دی۔ مگر وہ روبراہ نہ ہوئے۔ بلکہ مباحثہ کرنے لگے۔ اور آخر کار کہنے لگے کہ اگر عیسیٰ خدا کا بیٹا نہیں تو بتاؤ ان کا باپ کون تھا؟ اس کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ○ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ○ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ○

(آل عمران - ع ٦)

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک جیسی مثال آدم کی۔ بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا کہ ہو جا۔ وہ ہو گیا۔ حق بات ہے تیرے رب کی طرف سے پس تو مت رہ شک میں پھر جو جھگڑا کرے تجھ سے اس بات میں بعد اسکے کہ پہنچ چکا تجھ کو علم تو تو کہہ آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو۔ پھر دعا کریں اور لعنت ڈالیں اللہ کی جھوٹوں پر۔

ان آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم کا نہ باپ تھا نہ ماں۔ اگر حضرت عیسیٰ کا باپ نہ ہو تو کیا عجب ہے۔ اگر نصاریٰ اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہ ہوں تو ان کے ساتھ قسم کرو کہ یہ بھی ایک صورت فیصلہ کی ہے۔

کہ دونوں اپنی جان سے اور اولاد سے حاضر ہوں، اور دعا کریں کہ جو کوئی ہم میں سے جھوٹا ہے اس پر لعنت اور عذاب پڑے۔

اہلِ اسلام اس طرح کے فیصلے کو مباہلہ کہتے ہیں۔ اور یہ کیا خوب فیصلے کا ڈھنگ ہے کہ صرف عادلِ حقیقی جو بے رو و رعایت اور بغیر بھول چوک کے فیصلہ کرنے والا ہے، فیصلہ کر دے۔ اس ارشادِ الٰہی کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علمائے نصاریٰ سے مباہلہ کیلئے کہا۔ انہوں نے مہلت مانگی۔ دوسرے روز صبح کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن اور امام حسین کو جو خورد سال تھے۔ ہاتھ سے پکڑا۔ آپ کے پیچھے حضرت فاطمۃ الزہرا، اور ان کے پیچھے حضرت علی المرتضیٰ مقام مباہلہ کو روانہ ہوئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تم آمین کہنا۔ پنجتن پاک کو دیکھ کر ابو حارثہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:۔

"میں[1] وہ صورتیں دیکھتا ہوں کہ اگر وہ خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو بیشک ان کی دعا سے ٹل جائے گا۔ اس لئے تم مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور روئے زمین پر قیامت تک کوئی عیسائی نہ رہے گا۔ اللہ کی قسم! تمہیں اسکی نبوت معلوم ہو چکی ہے۔ اور وہ تمہارے صاحب (عیسیٰ) کے بارے میں قولِ فیصل لایا ہے۔ اللہ کی قسم! جس قوم نے پیمبر سے مباہلہ کیا وہ ہلاک ہو گئی"

یہ سن کر عیسائی ڈر گئے اور مباہلہ کی جرأت نہ کر سکے۔ بلکہ صلح کر لی اور جزیہ

---

[1] زرقانی علی المواہب بروایت ابن ابی شیبہ وابی نعیم وغیرہما۔ جزء رابع صـ ۴۳

دینا قبول کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندر اور سور بن جاتے۔ اور یہ جنگل ان پر آگ برساتا۔ اللہ نجران اور اس کے باشندوں کو تباہ کر دیتا۔ یہاں تک کہ کوئی پرندہ بھی درخت پر باقی نہ رہتا۔[1]

نصاریٰ کا اس طرح مباہلہ سے گریز صاف بتا رہا ہے کہ اعدائے اسلام بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی اجابت کے قائل تھے۔ اس مباہلہ سے ایک اور بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر دینِ اسلام خدا کی طرف سے نہ ہوتا، اور حضور نبیٔ برحق نہ ہوتے تو ہرگز اپنے دعویٰ پر خدا کے حضور جھوٹے پر لعنت اور غضبِ الٰہی نازل ہونے کی بد دعاء کرنے کا حوصلہ اور جرأت نہ کر سکتے۔ کیا کوئی اپنی چالاکی سے خدا کو بھی دھوکا دے سکتا ہے؟ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو پھر عیسائی علماء کیوں دعاء مانگنے کی جرأت نہ کر سکے۔

انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی جاری ہونا

حضرت سالم بن الجعد حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چھاگل تھی آپ نے اس سے وضو فرمایا تو لوگ پانی کے لئے آپ کی طرف دوڑے۔ آپ نے فرمایا، تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی چھاگل کے پانی کے سوا ہمارے پاس نہ وضو کرنے کو پانی ہے، نہ پینے کو۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک چھاگل پر رکھا۔ پس آپ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی نکلنے لگا۔[2]

---

[1] ابن سعد کی روایت میں ہے کہ عاقب اور سید کچھ مدت بعد جلد مدینہ آئے اور حضور کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔

[2] صحیح بخاری۔ باب علامات النبوت فی الاسلام

ہم نے لیا اور وضو کیا۔ مَیں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا تم اس دن کتنے تھے۔
حضرت جابرؓ نے جواب دیا کہ ہم ڈیڑھ ہزار تھے۔ اگر ایک لاکھ ہوتے تو تب بھی
وہ پانی کفایت کرتا۔

یہ معجزہ حضور سے متعدد دفعہ مختلف جگہوں میں ایک جماعت کثیرہ کے
سامنے ظہور میں آیا۔ اور اسکے راوی حضرت جابر بن عبداللہ۔ انس بن مالک۔
عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عباس۔ ابویعلیٰ انصاری۔ زید بن الحارث الصدائی
اور ابوعمرہ انصاری رضی اللہ عنہم ہیں۔ پس یہ قطعی الثبوت ہے۔ نظر بر اختصار یہاں
صرف ایک روایت پر کفایت کی گئی ہے۔ یہ معجزہ بھی شق القمر کی طرح حضور کے
خصائص میں سے ہے۔

حیوانات کی طاعت اور کلام

جس طرح وہ انسان جن کے نام پر قرعۂ سعادت پڑا ہوا ہے حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطیع و مسخر ہیں۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ
نے حیوانات کو بطریق اعجاز و خرقِ عادت حضور کا مطیع و مسخر بنایا۔ ازاں جملہ چند
مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

اُونٹ کی شکایت اور سجدہ

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک کے ہاں
ایک اونٹ تھا جس سے آب کشی کیا کرتے تھے۔ وہ سرکش ہو گیا۔ اور اپنی پیٹھ

---

[1] اس حدیث کو امام احمد و نسائی نے روایت کیا ہے (مواہب لدنیہ) اور حافظ ابونعیم نے بھی دلائل میں نقل کیا ہے۔

پر پانی نہ اٹھاتا تھا۔ اونٹ کے مالک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کرنے لگے کہ ہمارے ہاں ایک اونٹ ہے۔ جس سے ہم آب کشی کیا کرتے تھے۔ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ اپنی پیٹھ پر پانی نہیں اٹھاتا۔ ہماری کھجوریں اور کھیتی سوکھ رہی ہے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اٹھو! وہ اٹھے اور آپ ان کے ساتھ ایک باغ میں داخل ہوئے۔ وہ اونٹ اس باغ کے ایک گوشہ میں تھا۔ آپ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ اصحاب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ اونٹ کاٹنے والے کتے کی مانند ہو گیا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں آپ کو تکلیف پہنچے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے اس سے کچھ ڈر نہیں جب اونٹ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ کی طرف آیا۔ یہاں تک کہ آپ کے آگے سجدے میں گر پڑا۔ آپ نے اس کی پیشانی کے بال پکڑ لئے۔ اور وہ ایسا مطیع ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے اسکو کام پر لگا دیا۔ آپ کے اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ حیوانِ لا یعقل آپ کو سجدہ کرتا ہے، اور ہم عقل والے ہیں۔ اس لئے ہم اس کی نسبت آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انسان کو سزاوار نہیں کہ دوسرے انسان کو سجدہ کرے۔ اگر ایک انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو مَیں حکم دیتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیونکہ خاوند کا عورت پر بڑا حق ہے۔[1]

حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ سب سے پسندیدہ شئی، جس کو

---

[1] اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے (تیسیر الوصول۔ مواہب لدنیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے اوٹ بنایا کرتے تھے۔ کوئی بلند چیز یا درختان خرما کا مجمع تھا۔ ایک دفعہ آپ انصار میں سے ایک شخص کے باغ میں داخل ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس باغ میں ایک اونٹ ہے [۱] اس اونٹ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو رو پڑا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس آئے اور اس کے پس گوش پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ وہ چپ ہو گیا، آپ نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ انصار میں سے ایک نوجوان نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تو اس چوپایہ کے بارے میں جس کا اللہ نے تجھے مالک بنایا ہے، اللہ سے نہیں ڈرتا۔ اس نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے۔ اور کثرتِ استعمال سے اسے تکلیف دیتا ہے۔

بکری کی طاعت اور سجدہ

حضرت انس [۱] بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے۔ اور آپ کے ہمراہ حضرت ابو بکر و عمر اور انصار کے چند اشخاص تھے۔ اس باغ میں ایک بکری تھی، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سجدہ کیا۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس بکری کی نسبت ہم آپکو سجدہ کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت کو جائز نہیں کہ ایک دوسرے کو سجدہ کرے۔ اگر ایک کا دوسرے کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم

---

[۱] دلائل حافظ ابو نعیم ص ۱۳۵ امام احمد و بزاز نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ (نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض جزء ثالث۔ ص ۸۰)

ہوتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

ام معبد کی بکری کا قصہ حالات ہجرت میں آچکا ہے۔ دودھ نہ دیتی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے اس نے دودھ دیا۔

بھیڑیے کی شہادت اور طاعت

حضرت ابو ہریرہ رضی سے روایت ہے کہ ایک بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ کی طرف آیا۔ اس نے بکریوں میں سے ایک بکری پکڑ لی۔ چرواہے نے بھیڑیے کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ بکری اس سے چھڑا لی۔ پس بھیڑیا ایک ریت کے ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اور کتے کی طرح اپنے چوتڑوں پر بیٹھ گیا اور اپنی دم کو اپنے پیروں کے درمیان کر لیا۔ اور بولا میں نے رزق کا قصد کیا۔ جو اللہ نے مجھے دیا۔ اور میں نے اسے لے لیا۔ پھر تو نے اسے مجھ سے چھین لیا۔ چرواہے نے کہا خدا کی قسم! میں نے آج کی طرح کسی دن بھیڑیے کو کلام کرتے نہیں دیکھا۔ بھیڑیے نے کہا کہ اس سے عجیب تر ایک شخص (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال ہے جو نخلستان میں دو حرہ کے درمیان یعنی مدینہ میں ہے تمہیں خبر دیتا ہے اس کی جو گزر چکا اور جو تمہارے بعد ہونے والا ہے۔ (اور لوگ اس امی لقب نبی کا یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے) حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے کہ چرواہا یہودی تھا اس نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی خبر دی اور مسلمان ہو گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس طرح کے امور قیامت

لہ اس قصہ کو شرح السنہ میں اور ابن عبد البر نے استیعاب میں اور ابن الجوزی نے کتاب الوفا میں نقل کیا ہے۔ (مشکوٰۃ باب فی المعجزات فصل ثالث)

کی نشانیوں میں سے ہیں۔ قریب ہے کہ ایک شخص اپنے گھر سے نکلے گا اور واپس نہ آئے گا۔ یہاں تک کہ اس کے ہر دو نعل اور اس کا تازیانہ بتائے گا۔ کہ اسکی غیر حاضری میں اس کے اہل خانہ نے کیا عمل کیا ہے[1]!

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک چرواہا[2] حرہ میں بکریاں چرا رہا تھا۔ ناگاہ ایک بھیڑیا اس کی بکریوں میں سے ایک بکری کو پکڑنے آیا۔ چرواہا بکری اور بھیڑیئے کے درمیان حائل ہو گیا۔ بھیڑیا اپنی دم پر کتے کی طرح بیٹھ گیا۔ پھر چرواہے سے بولا کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا کہ میرے رزق کے درمیان جو اللہ نے میرے قابو میں کر دیا ہے حائل ہوتا ہے۔ چرواہے نے کہا تعجب ہے کہ بھیڑیا انسان کی طرح کلام کرتا ہے۔ بھیڑیے نے کہا۔ دیکھ! میں تجھے اس سے بھی عجیب بات بتاتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذو حرۃ[3] (سنگلاخ زمینوں کے درمیان (مدینہ میں) لوگوں سے گذشتہ امتوں کے حال بیان فرما رہے ہیں۔ (اور وہ اس امی لقب نبی کا یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے) پس چرواہے نے بکریاں ہانک لیں۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں آیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بھیڑیے کا قصہ بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سچ ہے۔ دیکھو! درندوں کا انسان سے کلام کرنا قیامت کی نشانیوں

---

[1] مشکوۃ باب فی المعجزات۔ بحوالہ شرح السنہ۔ خصائص کبریٰ جزء ثانی ص۶۲ میں ہے کہ اس حدیث کو امام احمد و حافظ نعیم نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

[2] بقول واقدی اس کا نام اہبان بن اوس اسلمی تھا جو حرۃ الوبرہ میں ریوڑ چرا رہا تھا۔ اہبان مذکور صحابی ہیں۔ جنہوں نے حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں انتقال فرمایا۔

[3] حرۃ الوبرہ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے۔ دیکھو وفاء الوفا للعلامۃ السمہودی

ہیں سے ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ درندے انسان سے کلام کریں گے۔ اور انسان سے اس کے جوتے کا تسمہ اور اس کے کوڑے کا سرا کلام کرے گا۔ اور انسان کو اسکی ران خبر دے گی جو اس کی بیوی نے اس کی غیر حاضری میں کیا۔[1]

حضرت حمزہ بن اسید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازے میں نکلے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک بھیڑیا راستے میں پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ تم سے اپنا حصہ طلب کرتا ہے اس کے لئے کچھ مقرر کرو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا ہر اونٹ پر ہر سال ایک بکری۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ تو بہت ہے۔ آپ نے بھیڑیے کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہاں سے جلدی چل دو۔ بھیڑیا یہ سن کر چلا گیا۔[2]

شیر کی طاعت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کا بیان ہے کہ میں سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوا۔ وہ کشتی ٹوٹ گئی پس میں اسکے ایک تختے پر چڑھ بیٹھا اور ایک بن میں جا نکلا جسمیں شیر تھے۔ ناگاہ ایک شیر آیا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو میں نے کہا۔ اے ابو الحارث[3]! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب اشراط الساعۃ۔

۲؎ اس حدیث کو حافظ ابونعیم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ خصائص کبریٰ جزء ثانی ص ۶۳

۳؎ شیر کی کنیت ہے۔

کا آزاد کردہ غلام سفینہ ہوں۔ یہ سُن کر شیر دم ہلاتا ہوا آیا۔ یہاں تک کہ میرے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ پھر میرے ساتھ چلا۔ یہاں تک کہ مجھے راستے پر ڈال دیا۔ پھر اُس نے کچھ دیر ہلکی آواز نکالی۔ مَیں سمجھا کہ یہ مجھے وداع کرتا ہے[1]۔

جب ہجرت کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کوہ ثور کے غار میں تھے۔ اس غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تنا ہوا تھا۔ اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ کفار تعاقب میں وہاں پہنچے۔ اس عجیب دربانی و پاسبانی کو دیکھ کر واپس ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ اگر حضرت اس میں داخل ہوتے تو مکڑی جالا نہ تنتی اور کبوتری انڈے نہ دیتی۔ امثلۂ مذکورہ بالا کے علاوہ ہرنی کا قصہ اور سوسمار کی حدیث مشہور ہے۔

نباتات کا کلام وطاعت اور سلام وشہادت

جس طرح حیوانات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کے مطیع تھے۔ اسی طرح نباتات بھی آپ کے فرمانبردار تھے۔ چنانچہ درختوں کا آپکی خدمت اقدس میں آنا اور سلام کرنا۔ اور آپ کی رسالت پر شہادت دینا احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے جن میں سے صرف دو تین مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت[2] ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری طرف وحی بھیجی گئی تو جس پتھر اور درخت پر میرا گزر ہوتا تھا

---

[1] اس حدیث کو ابن سعد و ابو یعلیٰ و بزاز و ابن منذر و حاکم و بیہقی و ابو نعیم نے نقل کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے اور بغوی و ابن عساکر نے بھی اسکو نقل کیا ہے۔ خصائص کبریٰ جزء ثانی ص ۶۵

[2] اس حدیث کو بزاز و ابو نعیم نے روایت کیا ہے (مواہب لدنیہ)

وہ کہتا تھا۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک بادیہ نشین عرب آپ کے سامنے آیا جب وہ نزدیک ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا تو خدا کی وحدانیت اور محمد کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے کہا، آپ جو کچھ فرماتے ہیں اس پر کون شہادت دیتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ درخت! پس آپ نے اسے بلایا، حالانکہ وہ وادی کے کنارے پر تھا۔ وہ زمین کو چیرتا ہوا سامنے آکھڑا ہوا۔ آپ نے تین بار اس سے شہادت طلب کی۔ اور اس نے تینوں بار شہادت دی۔ کہ واقع میں ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ پھر درخت اپنی جگہ پر چلا گیا[1]۔

حضرت ابن عباس سے روایت[2] ہے کہ بنی عامر بن صعصعہ میں سے ایک بادیہ نشین عرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اور کہنے لگا۔ مَیں کس چیز سے پہچانوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا بتا! اگر مَیں اس درخت خرما کی شاخ کو بلالوں تو کیا تو میری رسالت کی گواہی دے گا؟ اس نے عرض کیا، ہاں۔ پس آپ نے اس شاخ کو بلایا۔ وہ درخت سے اترنے لگی یہاں تک کہ زمین پر گری اور پھدکنے لگی۔ حافظ ابونعیم کی روایت میں ہے کہ وہ

---

[1] مشکوٰۃ۔ باب فی المعجزات۔

[2] اس حدیث کو امام احمد نے اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور دارمی و ترمذی و حاکم و بیہقی و ابونعیم و ابویعلیٰ و ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔
(خصائص کبریٰ۔ جزء ثانی ص۳٦)

آپ کی طرف اس حال میں آئی کہ سجدہ کر رہی تھی، اور اپنا سر اٹھا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ آپ کے پاس پہنچ گئی۔ اور آپ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی جگہ پر واپس چلی جا۔ پس وہ اپنی جگہ واپس چلی گئی۔ یہ دیکھ کر اس اعرابی نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور ایمان لے آیا۔

حضرت جابرؓ[1] فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیر کی۔ یہاں تک کہ ہم ایک فراخ وادی میں اترے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ نے کوئی چیز نہ دیکھی جس کے ساتھ پردہ کر لیں۔ ناگاہ آپ نے اس وادی کے ایک کنارے دو درخت دیکھے آپ نے ان دو میں سے ایک کے پاس قدم رنجہ فرمایا۔ اور اس کی ایک شاخ کو پکڑ کر یوں ارشاد فرمایا۔ اللہ کے اذن سے میری فرمانبرداری کر۔ اس درخت نے آپ کی اس طرح فرمانبرداری کی، جیسے کہ نکیل والا اونٹ شتربان کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ دوسرے درخت کے پاس آئے اور اسکی ایک شاخ کو پکڑ کر فرمایا۔ اللہ کے اذن سے تم دونوں مجھ پر مل جاؤ۔ پس وہ درخت باہم مل گئے۔ (حضرت جابر کہتے ہیں) میں اپنے دل میں اس امر عجیب کی نسبت حیرت سے سوچنے لگا۔ میں نے جو نظر اٹھائی، کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف آ رہے ہیں۔ اور وہ درخت جدا جدا ہو گئے ہیں اور ہر ایک اپنی اصلی حالت میں اپنے تنے پر قائم ہے۔

---

[1] اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے (مشکوٰۃ باب فی المعجزات فصل اول)

جمادات کی طاعت اور تسبیح و سلام

جس طرح نباتات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان تھے اسی طرح جمادات بھی آپ کے مطیع تھے۔ چنانچہ شجر کا آپ کو سلام کرنا۔ اور آپ کی رسالت پر شہادت دینا پہلے آچکا ہے۔ سخت پتھروں کا آپ کے لئے نرم ہو جانا اور صخرۂ بیت المقدس کا خمیر کی مانند ہونا اس کتاب میں آگے آئے گا۔

حضرت علی[1] کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا۔ ایک روز ہم اس کے بعض نواح میں نکلے۔ جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے آتا تھا وہ کہتا تھا۔ السلام علیک یارسول اللہ۔

حضرت ابوذر[2] کا بیان ہے کہ ایک روز میں دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما نہ تھے۔ میں نے خادم سے دریافت کیا۔ اُس نے کہا کہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں ہیں۔ میں وہاں آپ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور کوئی آدمی آپ کے پاس نہ تھا۔ مجھے اس وقت یہ گمان ہوتا تھا کہ آپ وحی کی حالت میں ہیں۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا، تجھے کیا چیز یہاں لائی؟ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول کی محبت۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹھ جا۔ میں آپ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ نہ میں آپ سے کچھ پوچھتا تھا۔ اور نہ آپ مجھ سے کچھ فرماتے تھے۔ میں تھوڑی دیر ٹھہرا کہ اتنے

---

[1] ترمذی شریف مطبوعہ مطبع احمدی جلد ثانی صـ ۲۲۳

[2] اس حدیث کو بزاز و طبرانی و ابو نعیم و بیہقی نے روایت کیا ہے (خصائص کبریٰ۔ مواہب لدنیہ)

میں حضرت ابو بکرؓ جلدی جلدی چلتے ہوئے آئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا تجھے کیا چیز یہاں لائی؟ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول کی محبت۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جا۔ وہ ایک بلند جگہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عمرؓ آئے۔ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ویسا ہی فرمایا۔ حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے پھر اسی طرح حضرت عثمانؓ آئے اور حضرت عمرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات یا نو یا اس کے قریب سنگریزے لئے۔ ان سنگریزوں نے آپ کے مبارک ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ میں ان میں شہد کی مکھی کی مانند آواز سنی گئی (پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا اور وہ چپ ہو گئے) پھر آپ نے وہ سنگریزے مجھے چھوڑ کر حضرت ابو بکرؓ کو دئیے۔ ان سنگریزوں نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند ان کی آواز سنی) پھر آپ نے وہ کنکر حضرت ابو بکرؓ سے لیکر زمین پر رکھ دئیے۔ وہ چپ ہو گئے، اور ویسے ہی سنگریزے بن گئے۔ پھر آپ نے حضرت عمرؓ کو دئیے۔ ان کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح پڑھی جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں پڑھی تھی (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند ان کی آواز سنی) پھر آپ نے زمین پر رکھ دئیے۔ وہ چپ ہو گئے۔ پھر آپ نے حضرت عثمانؓ کو دئیے۔ ان کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح پڑھی۔ جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں پڑھی تھی (یہاں تک کہ

میں نے شہد کی مکھی کی مانند ان کی آواز سنی) پھر آپؐ نے لے کر ان کو زمین پر رکھ دیا وہ چپ ہو گئے۔ (پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نبوتؐ کی خلافت ہے)

حضرت امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے۔ حضرت جبرئیل ایک خوان لائے۔ جس میں بہشت کے انار اور انگور تھے۔ جب آپ نے تناول فرمانے کیلئے ان میں سے کچھ اٹھایا تو اس میں سے سبحان اللہ کی آواز آئی۔

یہ خارق عادت (تسبیح الطعام) بہت دفعہ آپ کے اصحاب کرام سے بھی ظہور میں آیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں "ہم البتہؐ بے شک طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ جس حال میں کہ وہ کھایا جاتا تھا"۔

حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ سے روایتؐ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

۱ء ابن عساکر کی روایت میں حدیث انس میں حضرت عثمان غنی رضؓ کے بعد یوں آیا ہے۔ ثم صیرھن فی ایدینا رجلاً رجلاً فما سبحت حصاۃ منھن (خصائص کبریٰ جزء ثانی ص۷۵) پھر حضور نے ان سنگریزوں کو ہم میں سے ایک ایک کے ہاتھ میں رکھا۔ مگر ان میں سے کسی سنگریزے نے تسبیح نہ پڑھی۔

۲ء اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت ابو ذر کو باوجودیکہ وہ مجلس میں اوروں کی نسبت آپ سے زیادہ قریب تھے سنگریزے نہ دیئے بلکہ اُن کو چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کو دیئے اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابو ذر خلفاء میں سے نہ تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بظاہر اس موقع پر حاضر نہ تھے۔

۳ء دیکھو شفائے قاضی عیاض۔

۴ء صحیح بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

۵ء اس حدیث کو بیہقی نے دلائل میں بالطوالت روایت کیا ہے۔ اور ابن ماجہ نے بالاختصار نقل کیا ہے (مواہب لدنیہ) حافظ ابو نعیم نے بھی دلائل میں اسے روایت کیا ہے۔

علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا۔ اے ابو الفضل! کل تم اور تمہارے بیٹے[1] اپنے مکان سے نہ جائیں۔ یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آؤں۔ کیونکہ مجھے تم سے ایک کام ہے۔ انہوں نے آپ کا انتظار کیا۔ یہاں تک کہ آپ چاشت کے بعد تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا السلام علیکم انہوں نے جواب دیا۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ نے فرمایا۔ تم نے کیونکر صبح کی۔ انہوں نے عرض کی بحمداللہ ہم نے بخیریت صبح کی۔ پس آپ نے ان سے فرمایا، نزدیک ہو جاؤ۔ وہ ایک دوسرے کے نزدیک ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب وہ آپ کے متصل ہو گئے تو آپ نے اپنی چادر مبارک سے ان کو ڈھانپ لیا۔ اور یوں دعا فرمائی "اے میرے پروردگار یہ میرا چچا اور میرے باپ کا بھائی ہے۔ اور یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان کو دوزخ کی آگ سے یوں چھپا لینا، جیسا میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپا لیا ہے" اس پر گھر کی چوکھٹ اور دیواروں نے تین بار آمین کہی۔

حضرت انس بن مالک سے روایت[2] ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوہ احد پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔ وہ پہاڑ ہلا۔ آپ نے اسے اپنے پائے مبارک سے ٹھوکر لگا کر فرمایا تو ساکن رہ۔ کیونکہ تجھ پر نبی اور صدیق اور شہید ہیں۔

---

[1] ان کے نام مبارک یہ ہیں فضل، عبداللہ، عبیداللہ، قاسم، معبد، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم۔ یہ سب ام الفضل کے بطن سے تھے۔

[2] اس حدیث کو امام بخاری و امام احمد و ترمذی و ابو حاتم نے روایت کیا ہے (مواہب لدنیہ)

حضرت عثمان سے روایت ہے[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ ثبیر پر تھے۔ اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر تھے اور میں تھا۔ وہ پہاڑ ہلا۔ یہاں تک کہ اس کے پتھر نیچے دامنِ کوہ میں گر پڑے۔ آپ نے پائے مبارک سے ٹھوکر لگا کر فرمایا۔ اے ثبیر ساکن رہ۔ کیونکہ تجھ پر نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ کوہ حراء پر تھے۔ وہ پہاڑ ہلا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے حراء! ساکن رہ کیونکہ تجھ پر نہیں ہیں[2] مگر نبی یا صدیق یا شہید۔ ایک روایت میں سعد بن ابی وقاص کا ذکر ہے۔ اور حضرت علیؓ کا ذکر نہیں اور ایک روایت میں سوائے ابوعبیدہ کے تمام عشرۂ مبشرہ[3] کا ذکر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب ہجرت کے وقت قریش نے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں اپنے آدمی بھیجے تو کوہ ثبیر نے کہا۔ یا رسول اللہ! اتر یئے۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ وہ آپ کو میری پشت پر قتل کر دیں۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ عذاب دے۔ پس حراء نے کہا۔ یا رسول اللہ میری طرف آئیے۔[4]

---

[1] یہ حدیث نسائی و ترمذی و دارقطنی میں ہے (مواہب لدنیہ)

[2] یعنی جو تجھ پر ہیں ان میں سے ہر ایک نہیں ہے مگر نبی یا صدیق یا شہید۔ مطلب یہ کہ ان میں سے ہر ایک اوصاف ثلٰثہ سے خارج نہیں۔

[3] عشرۂ مبشرہ جو دس صحابی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ان کے نام مبارک یہ ہیں:۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر و سعد ابن ابی وقاص و عبدالرحمٰن بن عوف و ابوعبیدہ بن جراح و سعید بن زید رضی اللہ عنہم۔

[4] دیکھو مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھا کرتے تھے مسجد کے ستونوں میں سے ایک درخت خرما کے خشک تنے سے پشت مبارک لگا لیا کرتے تھے۔ جب آپ کے لئے منبر بنایا گیا۔ اور آپ اس پر رونق افروز ہوئے تو اس تنے نے جس کے پاس خطبہ پڑھا جایا کرتا تھا۔ فریاد کی، قریب تھا کہ وہ پارہ پارہ ہو جائے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر آئے۔ یہاں تک کہ اس نے آرام و قرار پایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اس لئے رویا کہ جو ذکر یہ سنا کرتا تھا وہ اب اس سے جدا ہو گیا۔ اس ستون کو نالہ کرنے کے سبب حنانہ بولتے ہیں۔ نالۂ حنانہ کی حدیث متواتر ہے۔ اس لئے اس میں کسی طرح کے شک کی گنجائش نہیں۔

فتح مکہ کے روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور مہاجرین و انصار آپ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں تھے۔ آپ نے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر طواف کیا۔ اس وقت بیت اللہ شریف کے گرد اور اوپر تین سو ساٹھ بُت تھے۔ جو رانگ کے ساتھ پتھروں میں نصب کئے ہوئے تھے۔ حضور کے دستِ مبارک میں ایک لکڑی تھی۔ اس سے آپ جس بت کی طرف اشارہ فرماتے اور یہ پڑھتے

جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ	آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ۔ بیشک
الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝	جھوٹ نکل بھاگنے والا ہے۔

(بنی اسرائیل۔ ع ۵)

۱؎ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ۔ باب فی المعجزات)

وہ منہ کے بل گر پڑتا۔ اس طرح آپ نے بیت اللہ شریف کو بتوں سے پاک کر دیا۔

بدر کے دن جب لڑائی سخت ہو گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگریزوں کی ایک مٹھی لی اور قریش کی طرف منہ کر کے فرمایا:۔ شاھت الوجوہ (ان کے چہرے بدشکل ہو گئے) پھر ان کی طرف پھینک دی۔ کفار کو شکست ہوئی۔ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج۔ (انفال ع ۲)	اور نہیں پھینکا تو نے جس وقت کہ پھینکا تو نے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔

اسی طرح حنین کے دن جب حضور کے ساتھ صرف چند صحابہ رہ گئے تو آپ نے اپنے خچر سے اتر کر ایک مشت خاک لی اور شاھت الوجوہ کہہ کر کفار کی طرف پھینک دی۔ کوئی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں وہ مٹی نہ پڑی ہو پس وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔[1]

مغیبات پر مطلع ہونا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے آپ کا مغیبات پر مطلع ہونا اور غیوب ماضیہ اور مستقبلہ کی خبر دینا بھی ہے۔ علم غیب بالذات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ جو کچھ اس قبیل سے حضور کی زبان مبارک سے ظاہر ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی وحی و الہام سے ہوا۔ جیسا کہ آیات ذیل سے ظاہر ہے:۔

۱۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ	اور اسی طرح ہم نے تم کو بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول

---

[1] صحیح مسلم۔ غزوہ حنین۔

عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ - ع ۱۷)

تم پر گواہ ہو

۲- ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (آل عمران - ع ۵)

یہ غیب کی خبروں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔

۳- وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران - ع ۱۸)

نہیں ہے اللہ کہ خبردار کرے تم کو غیب پر لیکن اللہ پسند کرتا ہے اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہے۔

۴- وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (النساء - ع ۱۷)

اور خدا نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور سکھایا تجھ کو جو کچھ کہ تو نہ جانتا تھا۔ اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے۔

۵- تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا (ہود - ع ۴)

یہ بعض خبریں ہیں غیب کی جن کو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ انکو جانتا نہ تھا تُو اور نہ تیری قوم اس سے پہلے۔

۶- ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ (یوسف - ع ۱۱)

یہ غیب کی خبروں سے ہے۔ جسے ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ اور تو انکے پاس نہ تھا جس وقت انہوں نے اپنا کام مقرر کیا اور وہ مکر کرتے تھے

۷- فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝ (النجم - ع ۱)

پس اللہ نے وحی پہنچائی اپنے بندے کی طرف جو پہنچائی۔

۸- عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (جن - ع ۲)	وہ غیب کا جاننے والا - پس مطلع نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو مگر وہ پیغمبر جسکو اُس نے پسند کر لیا۔

اس مضمون کی اور آیتیں بھی ہیں - ان سب کی تفسیر کے لئے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے - یہاں صرف آیت (۱) کے حصۂ اخیر کی نسبت کچھ ذکر کیا جاتا ہے - علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ اپنی تفسیر روح البیان میں بعض ارباب حقیقت کا قول یوں نقل فرماتے ہیں۔

ومعنی شہادۃ الرسول علیھم اطلاعہ علی رتبۃ کل متدین بدینہ وحقیقتہ التی ھو علیھا من دینہ وحجابہ الذی ھو بہ محجوب عن کمال دینہ فھو یعرف ذنوبھم وحقیقۃ ایمانھم و اعمالھم وحسناتھم وسیاتھم واخلاصھم ونفاقھم وغیر ذٰلک بنور الحق	ان پر رسول کے گواہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضور مطلع ہیں اپنے دین کے ہر متدین کے رتبے پر - اور اس کے ایمان کی حقیقت پر اور اس حجاب پر کہ جس کے سبب سے وہ کمال دین سے محجوب ہے - پس حضور ان کے گناہوں کو اور انکے ایمان کی حقیقت کو اور انکے اعمال کو اور انکی نیکیوں اور برائیوں کو اور انکے اخلاص و نفاق وغیرہ کو نور نبوت سے پہچانتے ہیں۔

اسی طرح مولٰنا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں "ویکون الرسول علیکم شہیدًا - یعنی وباشد رسول شما بر شما گواہ - زیرا کہ او مطلع

است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدینِ خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ وحقیقت ایمان او چیست ۔ وحجاب کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است ۔ پس او مے شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمالِ نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا۔"

حالت خواب میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے حالات سے آگاہ رہا کرتے تھے ۔ چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ ملا حسن کشمیری کو یوں تحریر فرماتے ہیں ۔ حدیث تنام عینای ولا ینام قلبی کہ تحریر یافتہ بود اشارت بدوام آگاہی نیست ۔ بلکہ اخبار است از عدم غفلت از جریان احوالِ خویش و امتِ خویش[1]۔

عالمِ برزخ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے احوال سے آگاہ رہتے ہیں ۔ چنانچہ علامہ قسطلانی آداب زیارت میں یوں تحریر فرماتے ہیں ۔

وینبغی ان یقف عند محاذاۃ	چاہئے کہ زیارت کرنے والا قبر شریف
اربعۃ اذرع ویلازم الادب والخشوع	سے چار ہاتھ پر سامنے کھڑا ہووے ۔
والتواضع غاض البصر فی مقام	اور ادب وخشوع و تواضع کو لازم پکڑے ۔
الھیبۃ کما کان یفعل فی حال	اور مقامِ ہیبت میں آنکھیں بند کرے
حیاتہٖ اذ لا فرق بین موتہٖ و	جیسا کہ حضور کی حیات شریف کی حالت
حیاتہٖ فی مشاھدتہٖ لامتہٖ و	میں کیا جاتا تھا کیونکہ اپنی امت کے مشاہدے
معرفتہٖ باحوالھم ونیاتھم	اور انکے احوال و نیات و عزائم و خواطر کی

---

[1] مکتوبات احمدیہ جلد اول ۔ مکتوب ۹۹

وعزائمهم وخواطرهم ذلك عنده جلی لاخفاء به۔ فان قلت هٰذه الصفات مختصة بالله تعالیٰ فالجواب ان من انتقل الی عالم البرزخ من المومنین یعلم احوال الاحیاء غالباً وقد وقع کثیر من ذلك کما هو مسطورٌ فی مظنة ذلك من الکتب وقد روی ابن المبارك عن سعید بن المسیب قال لیس من یوم الا و تعرض علی النبی صلی الله علیه وسلم اعمال امته غدوةً وعشیةً فیعرفهم بسیماهم واعمالهم فلذلك یشهد علیهم (مواهب لدنیه)

معرفت میں حضور کی موت وحیات یکساں ہے۔ اور یہ آپ کے نزدیک ظاہر ہے اس میں کوئی پوشیدگی نہیں اگر اعتراض کیا جائے کہ یہ صفات تو اللہ تعالیٰ سے مختص ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ (کامل) مومنوں میں سے جو شخص عالم برزخ میں چلا جاتا ہے وہ زندوں کے حالات غالباً جانتا ہے۔ ایسا بہت وقوع میں آیا ہے۔ جیسا کہ اسکے متعلق کتابوں میں مذکور ہے حضرت عبداللہ بن مبارک نے بروایت سعید بن مسیب نقل کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں کہ صبح وشام امت کے اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش نہ کئے جاتے ہوں۔ لہٰذا آپ ان اعمال کو اور خود انکو ان کے چہرے سے پہچانتے ہیں، اسی واسطے آپ ان پر گواہی دینگے۔

مواہب لدنیہ کی طرح مدخل ابن حاج میں بھی زیارت سید الاولین والآخرین میں یہی مضمون مذکور ہے، اور یہ بھی لکھا ہے۔

فاذا زاره صلی الله علیه

جس وقت زائر آنحضرت صلی اللہ

وسلم فان قدر ان لا یجلس
فهو به اولیٰ فان عجز فله
ان یجلس بالادب والاحترام
والتعظیم وقد لا یحتاج الزائر
فی طلب حوائجه ومغفرة
ذنوبه ان یذکرها بلسانه
بل یحضر ذلك فی قلبه وهو
حاضر بین یدیه صلی الله
علیه وسلم لانه علیه الصلوٰة
والسلام اعلم منه بحوائجه
ومصالحه وارحم به منه
لنفسه واشفق علیه من
اقاربه وقد قال علیه الصلوٰة
والسلام انما مثلی ومثلکم
کمثل الفراش تقعون فی النار و
انا اٰخذ بحجزکم عنها او کما
قال وهذا فی حقه صلی الله
علیه وسلم فی کل وقت
واوان اعنی فی التوسل به

علیہ وسلم کی زیارت کرے۔ اگر وہ طاقت
رکھتا ہو کہ نہ بیٹھے تو اس کے لئے نہ
بیٹھنا اولیٰ ہے۔ اگر وہ کھڑا رہنے سے
عاجز ہو تو اسے ادب و احترام اور تعظیم
سے بیٹھنا جائز ہے۔ زائر کے لئے
اپنی حاجتیں اور گناہوں کی معافی
طلب کرنے میں یہ ضروری نہیں کہ انکو
اپنی زبان سے ذکر کرے۔ بلکہ انکو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں دل میں
حاضر کرلے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ و
السلام کو زائر کی حاجات و ضروریات کا
علم خود زائر سے زیادہ ہے۔ اور حضور
اس پر خود اس کی نسبت زیادہ رحم والے
اور اسکے اقارب سے زیادہ شفقت والے
ہیں چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا ہے "میرا حال اور تمہارا حال
پروانوں کے حال کی طرح ہے کہ تم آگ
میں گرتے ہو اور میں تم کو کمر سے پکڑ کر
آگ سے بچانے والا ہوں" اور یہ آنحضرت

وطلب الحوائج بجاهه عند
ربه عز وجل ومن لم يقدر له
زيارته صلى الله عليه وسلم
بجسمه فلينوها كل وقت بقلبه
وليحضر قلبه انه حاضر بين
يديه متشفعا الى من مَنّ به
عليه (مدخل لابن الحاج -
جزء اول - زيارت سيد الاولين
والآخرين صلى الله عليه و
سلم)

صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہر وقت
اور ہر لحظہ میں ہے یعنی حضور سے توسل
کرنے میں اور آپ کے جاہ کے وسیلہ سے حاجتیں
مانگنے میں اللہ عزوجل سے! اور جس شخص
کے لئے بذات خود آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی زیارت کا مقدور نہ ہو سے
چاہئے کہ ہر وقت اپنے دل میں زیارت
کی نیت کرے اور یہ سمجھے کہ میں حضور کے
سامنے حاضر ہوں اور حضور کو بارگاہِ الٰہی
میں شفیع لا رہا ہوں جس نے آپ کو
بھیج کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔

علامہ سیوطی عالمِ برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشغال میں یوں
تحریر فرماتے ہیں:۔

النظر فی اعمال امته والاستغفار
لهم من السیئات والدعاء
بکشف البلاء عنهم والتردد
فی اقطار الارض لحلول البرکة
فیها وحضور جنازة من مات
من صالحی امته فان هٰذه

اپنی امت کے اعمال کو دیکھنا اور انکے
گناہوں کی بخشش طلب کرنا۔ اور ان
سے بلا دور کرنے کی دعا کرنا اور اقطار
زمین میں حلول برکت کے لئے تشریف
لے جانا اپنی امت کے صالحین میں سے
کسی کے جنازے میں حاضر ہونا بیشک

الامور من جملة اشغالہ فی البرزخ کما وردت بذالك الاحادیث والاٰثار[1]

یہ امور برزخ میں حضور کے اشغال میں سے ہیں۔ جیسا کہ احادیث و آثار میں وارد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور کو علم ما کان و ما یکون عطا فرمایا۔ چنانچہ صحیح بخاری[2] و مسلم میں حضرت حذیفہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں (وعظ کے لئے) کھڑے ہوئے۔ اس میں آپ نے جو کچھ قیامت تک واقع ہونے والا ہے سب بیان فرما دیا۔ اُسے یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھلا دیا جس نے بھلا دیا۔ اس واقعہ کا میرے یاروں کو بھی علم ہے جو کچھ آپ نے خبر دی اس میں سے ایسی چیز واقع ہوتی ہے جس کو میں بھول گیا ہوں۔ جب اسکو دیکھتا ہوں تو یاد کر لیتا ہوں۔ جس طرح ایک شخص دوسرے شخص کا چہرہ (بطریق اجمال) یاد رکھتا ہے جب کہ وہ غائب ہو جاتا ہے، پھر جب اسکو دیکھتا ہے تو اسے (بہ تفصیل و تشخیص) پہچان لیتا ہے۔

حضرت ابو زید[3] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز فجر پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ آپ منبر سے اتر آئے اور نماز پڑھی، پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ پھر آپ اتر آئے اور نماز پڑھی۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔

۱؎ انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء مطبوعہ مطبع محمدی واقع لاہور۔

۲؎ مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن فصل اول ۳؎ صحیح مسلم۔ جلد ثانی۔ کتاب الفتن۔

آپ نے ہم کو جو کچھ واقع ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے سب کی خبر دی۔ ہم میں سے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہے، وہ زیادہ عالم ہے۔

حضرت ثوبان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا تو میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا اور قریب ہے کہ میری امت کی سلطنت ان تمام مقامات پر پہنچے اور مجھے دو خزانے سرخ و سفید دیئے گئے۔ الحدیث[1]۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قلعوں میں سے ایک پر کھڑے ہوئے۔ پھر فرمایا۔ کیا تم دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمہارے گھروں کے بیچ بارش کی طرح گر رہے ہیں۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عائش سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار کو نہایت اچھی صورت میں دیکھا۔ اس نے پوچھا کہ فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا تو زیادہ دانا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ پس پروردگار نے اپنا ہاتھ میرے دو شانوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے دو پستانوں کے درمیان پائی اور جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں[2] تھا۔ اور آنحضرت نے یہ آیت پڑھی :-

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الفتن۔

[2] عبارت است از حصول تمام علوم جزئی و کلی و احاطۂ آں۔ اشعۃ اللمعات۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ	اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ	کو سلطنت آسمان اور زمین کی تاکہ
مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○	اسکو یقین آوے۔

اس حدیث کو دارمی نے بطریق ارسال روایت کیا ہے۔ اسی کی مانند ترمذی میں ہے[1]۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے دولت خانہ سے) نکلے۔ اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ دو کتابیں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کیا، نہیں یا رسول اللہ! مگر یہ کہ آپ ہمیں بتادیں۔ جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی اسکی نسبت فرمایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے، اس میں بہشتیوں کے نام اور ان کے آباء و قبائل کے نام ہیں۔ پھر اخیر میں ان کا مجموعہ دیا گیا ہے۔ ان میں نہ کبھی زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی۔ پھر جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی اسکی نسبت فرمایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے اس میں دوزخیوں کے نام ہیں۔ پھر اخیر میں مجموعہ دیا گیا ہے۔ ان میں کبھی نہ زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر اس امر سے فراغت ہو چکی تو عمل کس واسطے ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اپنے عملوں کو درست کرو اور قربِ الٰہی ڈھونڈو۔ کیونکہ جو بہشتی ہے اس کا خاتمہ بہشتیوں کے عمل پر ہوگا خواہ وہ عمر بھر کیسا ہی عمل کرتا رہے اور جو دوزخی ہے اس کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوگا خواہ وہ عمر بھر کیسا ہی عمل کرتا

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ۔ باب المساجد۔

ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا اور ان دو کتابوں کو پس پشت ڈال دیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فارغ ہو گیا ہے۔ ایک گروہ بہشت میں اور ایک گروہ دوزخ میں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے[1]۔

امام احمد و طبرانی نے بروایت ابوذر نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آئے۔ اس حال میں کہ آسمان میں پرندہ جو اپنا بازو ہلاتا ہے۔ اسکے متعلق بھی اپنے علم کا آپ نے ہم سے ذکر فرما دیا[2]۔

طبرانی میں بروایت ابن عمر مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے رکھا دنیا کو۔ میں دنیا کی طرف اور اس میں قیامت تک ہونے والے حوادث کی طرف یوں دیکھتا تھا جیسے اپنے اس ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں[3]۔

طبرانی میں حضرت حذیفہ بن اسید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل رات اس حجرہ کے پاس میری امت اول سے آخر تک مجھ پر پیش کی گئی۔ آپ سے عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! پیش کئے گئے آپ پر وہ جو پیدا ہو چکے ہیں۔ کیونکہ وہ موجود ہیں مگر وہ کیونکر پیش کئے گئے جو پیدا نہیں ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے لئے آب و گل میں ان کی صورتیں بنائی گئیں یہاں تک کہ

---

[1] مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان۔ باب الایمان بالقدر فصل ثانی۔

[2] مواہب لدنیہ۔ مقصد ثامن فصل ثالث۔

[3] مواہب لدنیہ۔ مقصد ثامن فصل ثالث۔

میں ان میں سے ہر ایک کو اس بھی زیادہ پہچانتا ہوں جتنا کہ تم اپنے ساتھی کو پہچانتے ہوئے[1]

مسند فردوس میں ہے کہ میرے لئے آب و گل میں میری امت کی شکل بنائی گئی اور مجھے تمام اسماء کا علم حضرت آدم کی طرح دیا گیا۔[2]

جب حضور کے علم کی وسعت کا یہ حال ہے تو انس و جن و ملک میں سے کس کو یارا ہے کہ اس کا احاطہ کر سکے۔ لہٰذا یہاں جو کچھ بیان ہونا ہے اسے سمندر میں سے ایک قطرہ تصور کرنا چاہیئے۔

صاحب قصیدہ بردہ شریف یوں فرماتے ہیں:-

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا — کیونکہ دنیا اور آخرت آپکی بخشش سے ہے

وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ — اور لوح و قلم کا علم آپکے علوم میں سے ہے

اس بیت کی شرح میں ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری زبدہ شرح بردہ میں یوں فرماتے ہیں:-

توضیحہ ان المراد بعلم اللوح — توضیح اس کی یہ ہے کہ لوح کے علم سے

ما اثبت فیہ من النقوش — مراد نقوش قدسیہ اور صور غیبیہ ہیں۔

القدسیۃ والصور الغیبیۃ — جو اس میں منقوش ہیں۔ اور قلم علم

وبعلم القلم ما اثبت فیہ — سے مراد وہ ہے جو اللہ نے جس طرح

---

[1] خصائص کبریٰ للسیوطی۔ جزء ثانی ص ۱۹۷

[2] مواہب لدنیہ۔ کتاب فی المعجزات والخصائص۔ الفصل الثانی فیما خصہ اللہ تعالیٰ بہ من المعجزات
ایک روایت میں میری امت کی بجائے دنیا کا لفظ ہے دیکھو زرقانی۔

كما شاء والاضافة لادنى ملابسة وكون علمها من علومه صلى الله عليه وسلم لان علومه تتنوع الى الكليات والجزئيات وحقائق ودقائق وعوارف ومعارف تتعلق بالذات والصفات وعلمها انما يكون سطرا من سطور علمه ونهرا من بحور علمه ثم مع هذا هو من بركة وجوده صلى الله تعالى عليه وسلم۔

چاہا اس میں ودیعت رکھا۔ ان دونوں کی طرف علم کی اضافت ادنیٰ علاقہ کے باعث ہے۔ اور ان دونوں کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ایک جزو ہے اس لیئے کہ حضرت کے علم کئی قسم کے ہیں علم کلیات علم جزئیات علم حقائق اشیاء علم اسرار اور وہ علوم و معارف جو ذات و صفات باری تعالیٰ سے متعلق ہیں یہ اور لوح و قلم کے علوم تو علوم محمدیہ کی سطروں میں سے ایک سطر اور ان کی دریاؤں میں سے ایک نہر ہیں باایں ہمہ علم لوح و قلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وجود کی برکت سے ہے (کہ اگر حضور نہ ہوتے تو نہ لوح و قلم ہوتے نہ ان کا علم)

اس بیت کی شرح میں شیخ ابراہیم باجوری رحمہ اللہ تعالیٰ یوں لکھتے ہیں:

استشكل جعل علم اللوح و القلم بعض علومه صلى الله عليه وسلم بان من جملة علم اللوح والقلم الامور الخمسة المذكورة في

ناظم نے علم لوح و قلم کو حضرت کے علوم کا ایک جزو قرار دیا ہے اس میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ امور خمسہ جو آخر سورۂ لقمان میں مذکور ہیں علم لوح و قلم میں سے ہیں حالانکہ حضرت انکو نہیں

أخر سورة لقمان مع ان النبي
عليه الصلوٰة والسلام لا يعلمها
لان الله قد استأثر بعلمها
فلا يتم التبعيض المذكور و
أجيب بعدم تسليم ان هذه
الامور الخمسة مما كتب
القلم في اللوح والا لاطلع عليه
من شانه ان يطلع على اللوح
كبعض الملائكة المقربين وعلى
تسليم انها مما كتب القلم في
اللوح فالمراد ان بعض علومه
صلى الله عليه وسلم علم اللوح
والقلم الذي يطلع عليه المخلوق
فخرجت هٰذه الامور الخمسة
على انه صلى الله عليه وسلم
لم يخرج من الدنيا الا بعد
ان اعلم الله تعالىٰ بهٰذه الامور
فان قيل اذا كان علم اللوح و
القلم بعض علومه صلى الله

جانتے۔ کیونکہ ان کا علم اللہ تعالیٰ نے
اپنے لئے خاص کر لیا ہے۔ لہٰذا جزئیت
مذکورہ درست نہیں رہتی۔ اسکا جواب
یہ ہے کہ اول تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ
امور خمسہ مذکورہ قلم نے لوح محفوظ
میں لکھے ہیں اگر ایسا ہوتا تو بعض
مقرب فرشتے جن کی شان یہ ہے
کہ وہ لوح پر مطلع ہوتے ہیں، ان
امور پر مطلع ہوتے۔ اگر ہم تسلیم کرلیں
کہ امور خمسہ کو قلم نے لوح میں لکھا
ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت
کے علوم کا جزء وہ علم لوح و قلم ہے
جس پر مخلوق مطلع ہے پس یہ امور
خمسہ نکل گئے۔ علاوہ ازیں حضرت
اس دنیا سے تشریف نہیں لے گئے
مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے
آپ کو ان امور کا علم دے دیا۔ اگر یہ
کہا جائے کہ جب علم لوح و قلم حضرت
کے علوم کا ایک جزء ٹھہرا تو دوسرا

علیہ وسلم فما البعض الآخر	جزء کونسا ہے؟ اس کا جواب یوں
اجیب بان البعض الآخر ھو ما	دیا گیا ہے کہ دوسرا جزء وہ احوال آخرت
اخبرہ اللہ عنہ من احوال الآخرۃ	ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے حضرت کو
لان القلم انما کتب فی اللوح	خبر دی ہے۔ کیونکہ قلم نے تو لوح
ما ھو کائن الی یوم القیامۃ	میں فقط وہ لکھا ہے جو روزِ قیامت
	تک ہونے والا ہے۔

علامہ شیخ محی الدین محمد بن مصطفےٰ معروف بہ شیخ زادہ جنہوں نے تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا ہے اسی بیت کی شرح میں لکھتے ہیں :-

والعلم فی ھذا البیت اما	اس بیت میں علم یا تو اپنے معنیٰ میں ہے
بمعناہ او بمعنی المعلوم اے	یا معلوم کے معنیٰ میں ہے یعنی آنحضرت
معلوماتك المعلومات الحاصلۃ	صلی اللہ علیہ وسلم کے معلومات وہ معلومات
منھما ولعل اللہ اطلعہ علیٰ	ہیں جو دونوں سے حاصل ہوئے ہیں اور شاید اللہ
جمیع ما فی اللوح وزادہ ایضا	نے حضرت کو اس تمام پر مطلع کر دیا ہے جو لوح
لان اللوح والقلم متناھیان	میں ہے اور اس سے زیادہ کا بھی علم دیا ہے کیونکہ لوح
فما فیھما متناہ ویجوز احاطۃ	و قلم متناہی ہیں پس جو کچھ ان دونوں میں ہے وہ
المتناھی بالمتناھی ھذا علیٰ	متناہی ہے اور متناہی کا احاطہ متناہی
قدر فھمك اما من اکتحلت	سے جائز ہے۔ اس قدر بات تیری سمجھ
عین بصیرتہ بالنور الالٰھی	کے مطابق ہے لیکن وہ شخص جس کی
فیشاھد بالذوق ان علم اللوح	بصیرت کی آنکھ میں نور الٰہی کا سرمہ پڑا

والقلم جزء من علومه كما
هي جزء من علم الله سبحانه
لانه عليه السلام عند الانسلاخ
من البشرية كما لا يسمع ولا
يبصر ولا يبطش ولا ينطق الا
به جلت قدرته وعمت نعمته
كذلك لا يعلم الا بعلمه الذي
لا يحيطون بشيء منه الا بما
شاء كما اشار اليه بقوله و
علمك مالم تكن تعلم

ہوا ہے۔ وہ ذوق سے مشاہدہ کرتا ہے کہ
علوم لوح و قلم حضرت کے علوم کا جزء
ہیں۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ کے علم کا جزء ہیں۔
کیونکہ حضور علیہ السلام بشریت سے انسلاخ
کے وقت جیسا کہ نہیں سنتے نہیں دیکھتے
نہیں پکڑتے اور نہیں بولتے مگر ساتھ اللہ
کے اسی طرح حضور نہیں جانتے مگر ساتھ
اس علم خدا کے جس میں سے کسی چیز کو
نہیں گھیرتے ملائکہ و انبیاء وغیرہ مگر جو وہ
چاہے جیسا کہ اس نے اپنے ارشاد و علمک
مالم تکن تعلم میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔

بیان بالا سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی ہے۔ کیونکہ دونوں میں بلحاظ کیفیت و کمیت بڑا فرق ہے اللہ تعالیٰ کا علم بغیر ذرائع و وسائل ذاتی قدیم۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم عطائی حادث ہے۔ اسی طرح کمیت میں بھی فرق بین ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کا علم اللہ تعالیٰ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جو قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری (تفسیر کہف) میں قصہ حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام میں ہے۔

قال وجاء عصفور فوقع على

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

حرف السفينة فنقر فى	ایک چڑیا کشتی کے کنارے پر آکر بیٹھی۔
البحر نقرة فقال له الخضر	اس نے اپنی چونچ سمندر میں ڈبوئی۔
ما علمی و علمك من علم الله	حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا
الا مثل ما نقص هذا العصفور	کہ میرا علم اور آپ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم
من هذا البحر۔	کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں جتنا (پانی)

اس چڑیا نے سمندر میں سے اپنی چونچ میں لیا۔

شیخ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں آیہ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ کے تحت میں یوں لکھتے ہیں:۔

قال شیخنا العلامة ابقاه	ہمارے استاد علامہ نے اللہ ان کو سلامت
الله بالسلامة فى الرسالة	رکھے الرسالۃ الرحمانیہ فی بیان الکلمۃ
الرحمانية فى بيان الكلمة	الفرقانیہ میں فرمایا کہ اولیاء کا علم انبیاء
الفرقانية علم الاولياء من	کے علم کے مقابلہ میں بمنزلہ ایک قطرہ
علم الانبياء بمنزلة قطرة من	کے ہے سات سمندروں میں سے
سبعة ابحر و علم الانبياء	اور انبیاء کا علم ہمارے نبی محمد علیہ الصلوٰۃ
من علم نبينا محمد عليه	والسلام کے علم کے ساتھ یہی نسبت
الصلوٰة والسلام بهذه المنزلة	رکھتا ہے اور ہمارے نبی کا علم
و علم نبينا من علم الحق	حق سبحانہٗ کے علم کے ساتھ یہی
سبحانه بهذه المنزلة۔	نسبت رکھتا ہے۔

صاحب قصیدہ بردہ شریف فرماتے ہیں:۔

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ

غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّيَمِ

وَوَاقِفُوْنَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمِ

مِنْ نُقْطَةِ الْعِلْمِ اَوْ مِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ

ترجمہ منظوم

ہیں رسول اللہ کے فیضان سے سیراب سب

وہ کسی کے حق میں شبنم ہیں کسی کے حق میں یم

اس کی پیشی میں کھڑے ہیں اپنی اپنی حد پہ سب

ہے کوئی تو نقطۂ علم کوئی اعرابِ حکم

اِن شعروں کی تشریح و مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو پیدا کیا پھر اسے خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا۔ وہ روح پاک عالم ارواح میں دیگر انبیائے علیہم السلام کی روحوں کو تعلیم دیا کرتی تھی۔ ہر ایک روح نے حسب قابلیت و استعداد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح سے استفادۂ علم کیا۔ کسی نے حضور کے علم کے بحرِ ذخار سے بقدر ایک چلو کے لیا اور کسی نے حضور کے فیضان کی لگاتار بارشوں سے بقدر ایک قطرہ یا گھونٹ کے لیا۔ علوم و معارف جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ و والسلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس سے حاصل کئے ان کی غایت و نہایت حضور کے علم کے دفتر کا فقط ایک نقطہ یا آپ کے معارف کے دفتر کا محض ایک اعراب ہے۔

جو شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا مطلقاً انکار کرتا ہے اُسے آیۂ ذیل اور اس کا شان نزول مطالعہ کرنا چاہیئے :-

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا	اور البتہ اگر تو ان سے پوچھے تو البتہ وہ
كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ	کہیں گے سوائے اسکے نہیں کہ ہم بول
اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ	چال کرتے تھے اور کھیلتے تھے تو کہہ دے کیا
تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ لَا تَعْتَذِرُوْا	تم اللہ سے اور اسکے کلام اور اس کے رسول
قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ	سے ٹھٹھا کرتے ہو۔ بہانے مت بناؤ تحقیق
(توبہ - ع ۸)	تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہوگئے۔

علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر در منثور (جزء ثالث ص ۲۵۴) میں فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم و ابو الشیخ نقل کرتے ہیں کہ امام مجاہد نے اللہ تعالیٰ کے قول وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ کا شان نزول یہ بیان کیا ہے۔

قال رجل من المنافقين يحدثنا	منافقین میں سے ایک شخص نے کہا کہ محمد
محمد ان ناقة فلان بواد	(صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بتاتے ہیں کہ فلاں
كذا وكذا في يوم كذا وكذا	شخص کی اونٹنی فلاں دن فلاں وادی
وما يدريه الغيب	میں تھی۔ وہ غیب کیا جانیں۔

مطلب یہ کہ ایک شخص کی اونٹنی گم ہوگئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فلاں وادی میں ہے۔ ایک منافق بولا۔ وہ غیب کی خبریں کیا جانیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین جو بطریق استہزاء کہتے ہیں کہ حضرت

غیب کی خبر کیا جانیں اور اس کے لئے بہانے بناتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ اس استہزاء کے سبب تم کافر ہو گئے۔ یہ قصہ غزوۂ تبوک میں پیش آیا تھا۔ جیسے ہم بروایت ابن اسحاق و واقدی پہلے نقل کر آئے ہیں۔

اخبار بالمغیبات کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں دوسرے وہ جو احادیث میں وارد ہیں۔ قسم اول کا ذکر اعجاز القرآن میں ہو چکا۔ قسم دوم کی چند اور مثالیں یہ ہیں:۔

کفار پر اپنی امت کے غلبہ کی خبر دینا۔ حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت فرما دینا کہ اس سال کے بعد تو مجھے نہ پائے گا۔ حضرت عدی بن حاتم کو راستے کے امن کی خبر دینا اور فرما دینا کہ اگر تیری زندگی دراز ہوئی تو دیکھ لے گا کہ ایک عورت حیرہ سے تنہا سفر کر کے خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ صحیفۂ قریش جسے انہوں نے بحفاظت تمام خانہ کعبہ کی چھت میں رکھا تھا اس کی نسبت تین سال کے بعد بتا دینا کہ اللہ کے نام کے سوا باقی کو دیمک چاٹ گئی ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا کی نسبت فرمانا کہ اہل بیت میں سے میری وفات کے بعد وہ سب سے پہلے میرے پاس پہنچے گی۔ ام المؤمنین حضرت زینب کی نسبت یوں فرمانا کہ میری وفات کے بعد میرے ازواج میں سے سب سے پہلے جو مجھ سے ملے گی وہ دراز دست (لمبے ہاتھ والی) ہے۔ ابی بن خلف کی نسبت خبر دینا کہ یہ میرے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ اصحمہ نجاشی کی موت کی خبر دینا جس دن اس نے حبشہ میں وفات پائی۔ شب معراج کی صبح کو قریش کے قافلوں کی خبر دینا جو تجارت کے لئے شام کو گئے ہوئے تھے۔

غار ثور سے نکلنے کے بعد مدینہ کے راستے میں سراقہ بن مالک سے فرمانا کہ تو کسریٰ کے کنگن پہنایا جائے گا۔ سلسلۂ خلافت اور خلفائے ثلاثہ حضرت عمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر دینا۔ واقعۂ جمل وصفین کی خبر دینا۔ وبا، عمواس کی خبر دینا۔ حضرت امام حسن کے دو گروہ اسلام میں ذریعۂ صلح ہونے کی خبر دینا۔ حضرت امام حسین کی شہادت کی خبر دینا۔ حضرت امیر معاویہ کی ولایت کی خبر دینا۔ حضرت عمار بن یاسر سے فرما دینا کہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ خلفائے بنی امیہ وبنی عباس کے حالات کی خبر دینا۔ حجاج ظالم اور مختار کذاب کی خبر دینا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی نسبت فرمانا کہ یہ بیت اللہ شریف کو بچائے گا۔ یہاں تک کہ شہید ہو جائے گا۔ خوارج وروافضہ وقدریہ ومُرجئہ وزنادقہ کی خبر دینا۔ امت کے تہتر فرقے ہونے اور ان میں سے ایک کے ناجی ہونے کی خبر دینا۔ غزوۂ احد میں خبر دینا کہ حضرت حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ بدر کے دن میدانِ جنگ میں کفار قریش کے مرنے کی جگہوں کا الگ تھلگ نشان دینا کہ یہاں فلاں کافر مرے گا اور وہاں فلاں۔ جنگ بدر کے خاتمہ پر اپنے چچا عباس سے بتا دینا کہ تم اپنی بیوی ام الفضل کے پاس مکہ میں مال چھوڑ آئے ہو حالانکہ عباس وام الفضل کے سوا کسی اور کو اس مال کا علم نہ تھا۔ غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی کے وقت مدینہ منورہ کے قریب فرما دینا کہ یہ تیز ہوا ایک بڑے منافق (رفاعہ بن زید بن التابوت) کی موت کے لئے چلی ہے۔ حضرت اقرعِ بن شفی العکی سے حالت بیماری میں فرما دینا کہ تو اس بیماری میں نہیں مریگا۔ بلکہ ملک شام میں ہجرت کریگا اور وہیں وفات پائے گا اور رملہ میں دفن ہو گا۔ فتح

مکہ کی تیاریوں کے وقت حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کی خبر دینا جو اس نے اہل مکہ کو ان تیاریوں سے مطلع کرنے کے لئے لکھا تھا اور حضرت علی وغیرہ سے بتا دینا کہ اس حلیہ کی ایک عورت اس خط کو لے جا رہی ہے اور تم اسے فلاں جگہ جا پکڑو گے۔ وفد عبد القیس کے آنے کی خبر دینا۔ غزوۂ موتہ جو مدینۂ منورہ سے ایک مہینہ کی مسافت پر ملک شام میں ہو رہا تھا اسکی نسبت خبر دینا کہ حضرت زید و جعفر و ابن رواحہ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے اور آخر حضرت خالد نے فتح پائی۔ مقام تبوک میں جو شام و مدینہ کے درمیان ہے فرما دینا کہ آج مدینہ میں حضرت معاویہ لیثی نے انتقال فرمایا اور وہیں ان کی نماز پڑھنا۔ کسریٰ و قیصر کے ہلاک ہونے اور فارس و روم کے فتح ہونے کی خبر دینا۔ لبید بن عاصم یہودی کے جادو کی خبر دینا۔ مومنین و منافقین کے اسرار کی خبر دینا۔ حضرت اویس قرنی کی خبر دینا۔ بنائے بغداد و بصرہ و کوفہ کی خبر دینا۔ امام ابو حنیفہ و مالک و شافعی کی بشارت دینا وغیرہ وغیرہ یہ تمام امور اسی طرح وقوع میں آئے جس طرح حضور نے خبر دی تھی۔

قیامت کی نشانیاں جو آپ نے بیان فرمائیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اور وہ تین قسم کی ہیں۔ پہلی دو قسموں کو آثار صغریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور تیسری کو آثار کبریٰ کہتے ہیں:۔

اول۔ وہ آثار جو وقوع میں آ چکے۔ مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف۔ تمام صحابۂ کرام کا اس دنیا سے رحلت فرمانا۔ حضرت عثمان غنی کا شہید ہونا۔ تاتاریوں کا فتنہ۔ حجاز کی آگ۔ جھوٹے دجالوں کا دعوائے رسالت کے ساتھ نکلنا۔ بیت المقدس اور مدائن کا فتح ہو جانا۔ سلطنت عرب

کا زائل ہو جانا۔ تین خسوف کا وقوع (ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک جزیرۂ عرب میں) قتل اور فتنوں اور زلزلوں کی کثرت۔ مسخ و قذف۔ ریح احمر۔ انقطاع طریق حج۔ کعبۃ اللہ سے حجرِ اسود کا اٹھ جانا۔ کثرت موت وغیرہ۔

دوم۔ وہ آثار جو ظہور میں آ چکے اور زیادہ ہو رہے ہیں حتّٰی کہ قسم سوم سے مل جائینگے۔ مثلاً عابدوں کا جاہل ہونا۔ قاریوں کا فاسق ہونا۔ چاندوں کا اتنا بڑا نظر آنا کہ کہا جائے یہ دوسری رات کا چاند ہے۔ بارش کا زیادہ ہونا اور روئیدگی کا کم ہونا۔ قاریوں کی کثرت اور فقہاء کی قلت۔ امیروں کی کثرت اور امینوں کی قلت فاسقوں کا سردار قبیلہ اور فاجروں کا حاکم بازار بننا۔ مومن کا اپنے قبیلہ میں نقد[1] سے زیادہ ذلیل ہونا۔ تجارت کی کثرت۔ عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ شریک تجارت ہونا۔ قطع رحم کرنا۔ کاتبوں کی کثرت اور علماء کی قلت۔ جھوٹی گواہی کا ظاہر ہونا۔ امانت کو غنیمت سمجھنا۔ زکوٰۃ کو تاوان خیال کرنا۔ علم دین کو دنیا کی خاطر سیکھنا۔ عقوق والدین کی کثرت۔ بڑوں کی عزت نہ ہونا۔ چھوٹوں پر رحم نہ کیا جانا۔ اولادِ زنا کی کثرت۔ اونچے محلوں پر فخر کرنا۔ مسجدوں میں دنیا کی باتیں کرنا۔ نماز پڑھانے کے لئے مسجدوں میں اماموں کا نہ ملنا۔ بغیر شروط وارکان نمازیں پڑھنا حتّٰی کہ پچاس میں سے ایک نماز کا بھی قابل قبول نہ ہونا۔ مسجدوں کی آرائش کرنا۔ مسجدوں کو راستے بنانا۔ قریبی لڑکی سے اس کی مفلسی کے سبب نکاح نہ کرنا۔ اور کسی دنیا(؟) صل

---

[1] نقد بفتح نون و قاف۔ ایک قسم کی بدشکل بکری ہوتی ہے جس کے ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ ذلت میں ضرب المثل ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے اَذَلُّ مِنَ النَّقَدِ یعنی نقد سے زیادہ ذلیل۔ اس کی جمع نقاد ہے۔

سے اس کی دولت مندی کے سبب نکاح کرلینا - ناحق مال لینا - حلال درہم کا نہ پایا جانا - سائل کا محروم رہنا - اسلام کا غریب ہونا - لوگوں میں کینہ و بغض ہونا عمریں کم ہونا - درختوں کے پھلوں کا کم ہونا - جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا جاننا - مال حاصل کرنے کیلئے لوگوں کی منافقانہ مدح کرنا - خطباء کا جھوٹ بولنا - حکام کا ظلم کرنا - نجومیوں کو سچا جاننا - قضا و قدر کو حق نہ جاننا - مرد کا عورت یا دوسرے مرد سے لواطت کرنا - جہاد نہ کرنا - مالداروں کی تعظیم کرنا - کبیرہ گناہوں کو حلال جاننا - سود اور رشوت کھانا - قرآن کو مزامیر بنانا - درندوں کے چمڑوں کے فرش بنانا - ریشم پہننا - جہالت و زنا و شراب نوشی کی کثرت - خائن کو امین اور امین کو خائن سمجھنا - گانے والی لونڈیوں کا رکھنا - آلات لہو کو حلال سمجھنا - حدودِ شرعیہ کا جاری نہ ہونا - عہد توڑنا - عورتوں کا مردوں سے اور مردوں کا عورتوں سے مشابہت پیدا کرنا - اخیر امت کا اول امت کو برا کہنا - مردوں کا عمامے چھوڑ کر عجمیوں کی طرح تاج پہننا - قرآن کو تجارت بنانا - مال میں سے اللہ کا حق ادا نہ کرنا - جوا کھیلنا - باجے بجانا - کم تولنا - جاہلوں کو حاکم بنانا - مسجدیں بنانے پر فخر کرنا - مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت یہاں تک کہ ایک مرد پچاس عورتوں کا متکفل ہوگا - وغیرہ وغیرہ -

سوم - آثار کبریٰ جن کے بعد ہی قیامت آجائیگی - یہ آثار یکے بعد دیگرے پے در پے ظاہر ہونگے جیسے سلک مروارید سے موتی گرتے ہیں - امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے شروع ہو کر نفخ صور پر ختم ہو جائیں گے - ان کا بیان جو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں پایا جاتا ہے اس کا خلاصہ حسب معلومات خود نیچے درج کیا جاتا ہے :-

جب آثار صغریٰ سب ظاہر ہو چکیں گے تو اس وقت نصاریٰ کا غلبہ ہوگا - ایک مدت کے بعد خالد بن یزید بن ابی سفیان اموی کی اولاد سے ایک شخص سفیان نام جانبِ دمشق سے ظاہر ہوگا جس کی ننھیال قبیلہ قلب ہوگا وہ اہل بیت کو بری طرح قتل کرے گا - شام و مصر کے اطراف میں اس کا حکم جاری ہوگا - اسی اثناء میں شاہ روم کی عیسائیوں کے ایک فرقہ سے جنگ اور دوسرے سے صلح ہوگی - لڑنے والا فرقہ قسطنطنیہ پر قبضہ کرے گا - شاہ روم ملک شام میں آجائیگا اور دوسرے فرقہ کی مدد سے ایک خونریز لڑائی کے بعد فتح پائے گا - دشمن کی شکست کے بعد فرقۂ موافق میں سے ایک شخص بول اٹھے گا کہ یہ فتح صلیب کی برکت سے ہوئی ہے - اسلامی لشکر میں سے ایک شخص اسے مارپیٹ کریگا اور کہے گا نہیں - بلکہ اسلام کی برکت سے ایسا ہوا ہے - الغرض دونوں اپنی اپنی قوم کو مدد کے لئے پکاریں گے اور خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس میں بادشاہِ اسلام شہید ہو جائے گا اور دونوں عیسائی فریق باہم صلح کرلیں گے اس طرح شام میں عیسائی راج ہو جائے گا - بقیۃ السیف مسلمان مدینہ منورہ چلے آئیں گے - اور عیسائیوں کی حکومت مدینہ منورہ کے قریب خیبر تک پھیل جائے گی - اس وقت اہلِ اسلام کو امام مہدی علیہ السلام کی تلاش ہوگی -

حضرت امام مہدی علیہ السلام

حضرت امام مدینہ سے مکہ تشریف لے آئیں گے۔ اہلِ مکہ کی ایک جماعت حجر اسود و مقام ابراہیم کے درمیان آپ سے بیعت کریگی حالانکہ آپ اس منصبِ امامت پر راضی نہ ہونگے۔ آپ کا اسمِ گرامی محمد، باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔ آپ حضرت فاطمۃ الزہرا کی اولاد سے ہونگے۔ آپ کی عمر مبارک اس وقت چالیس سال ہوگی۔

ان حالات میں ماوراء النہر سے ایک شخص حارث حراث نام اہلِ اسلام کی مدد کے لئے ایک لشکر بھیجے گا جس کا مقدمہ منصور کے زیر کمان ہوگا۔ یہ لشکر راستہ ہی میں بہت سے عیسائیوں اور بددینوں کا صفایا کرے گا۔ ظالم سفیانی جسکا اوپر ذکر ہوا اپنا کچھ لشکر امام مہدی کے مقابلہ کے لئے بھیجے گا جو شکست کھائیگا۔ اسکے بعد خود سفیان لشکر کے ساتھ مقابلہ کے لئے آئے گا اور مقام بیداء میں مکہ و مدینہ کے درمیان لشکر سمیت زمین میں دھنس جائے گا۔ صرف ایک شخص بچے گا جو امام مہدی کو اس واقعہ کی خبر دے گا۔ حضرت امام کی اس کرامت کی خبر دور دور پہنچ جائے گی۔ شام کے ابدال اور عراق کے اوتاد آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کریں گے۔ فوج مدینہ کے علاوہ باقی عرب و یمن کے لوگ بکثرت آپ کے لشکر میں داخل ہو جائیں گے۔

افواج اسلام کی خبر سن کر نصاریٰ بھی ممالک روم وغیرہ سے لشکرِ جرار لے کر شام میں جمع ہو جائینگے۔ لشکر کفار میں اسّی جھنڈے ہونگے اور ہر جھنڈے

تلے بارہ ہزار سوار ہونگے۔ امام مہدی مکہ سے بغرض زیارت مدینہ منورہ جائینگے اور وہاں سے ملک شام پہنچیں گے۔ حلب یا دمشق کے نواح میں لشکرِ کفار سے مقابلہ ہوگا۔ حضرت امام کے لشکر کا تہائی حصہ بھاگ جائے گا جن کی موت کفر پر ہوگی اور ایک تہائی شہادت سے مشرف ہوگا اور باقی تہائی فتح پائے گا۔ دوسرے روز امام موصوف نصارٰی کے مقابلہ کیلئے نکلیں گے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت عہد کرے گی کہ بغیر فتح پائے یا شہید ہوئے میدان سے واپس نہ آئیں گے۔ یہ سب کے سب شہید ہو جائیں گے۔ اگلے روز پھر ایک جماعت یہی عہد کرے گی اور جامِ شہادت نوش کرے گی۔ اسی طرح تیسرے دن بھی وقوع میں آئے گا۔ چوتھے روز بقیہ اہل اسلام کفار پر فتح پائینگے۔ مگر اس سے کسی کو خوشی نہ ہوگی کیونکہ اس لڑائی میں بہت سے خاندان ایسے ہونگے جن میں فیصدی ایک بچا ہوگا۔ اس کے بعد امام موصوف نظم و نسق میں مشغول ہونگے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ پھر ایک سخت لڑائی کے بعد قسطنطنیہ فتح ہو جائے گا۔

دجال لعین

جب اہل اسلام غنائم قسطنطنیہ تقسیم کر رہے ہونگے تو شیطان آواز دے گا کہ دجال تمہارے اہل و اولاد میں آگیا ہے۔ یہ سنتے ہی غنائم چھوڑ کر دجال کی طرف متوجہ ہونگے اور دس سوار بطور طلیعہ خبر لانے کیلئے بھیجیں گے ان کی نسبت حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان کے نام، ان کے باپوں کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتا ہوں اور وہ

اس وقت روئے زمین پر بہترین سواروں میں سے ہونگے۔ یہ افواہ غلط ثابت ہو گی۔ لشکر اسلام جب قسطنطنیہ سے روانہ ہو کر شام پہنچے گا تو جنگ عظیم سے ساتویں سال شام و عراق کے درمیان ایک راستے سے دجال ظاہر ہو گا۔ اس کے ظہور سے پہلے دو سال قحط رہے گا۔ تیسرے سال دوران قحط ہی میں اس کا ظہور ہو گا۔

دجال کی ایک آنکھ اور ایک ابرو بالکل نہ ہو گی بلکہ وہ جگہ ہموار ہو گی ممسوح العین ہونے کے سبب سے اسے مسیح الدجال کہتے ہیں۔ وہ ایک بڑے گدھے پر سوار ہو گا اور اسکی پیشانی کے درمیان ک اف ر (کافر) لکھا ہو گا جسے صرف اہل ایمان کاتب وغیر کاتب پڑھ لیں گے۔ وہ روئے زمین پہ پھرے گا اور لوگوں کو اپنی الوہیت کی دعوت دے گا۔ اور وہ اسی غرض کے لئے اپنے سرایا مختلف اطراف میں بھیجے گا۔ اس کے ساتھ ایک باغ ہو گا جسے وہ جنت کہے گا اور ایک آگ ہو گی جسے دوزخ بتائے گا۔ مواقفین کو وہ اپنی بہشت میں اور مخالفین کو اپنی دوزخ میں ڈالے گا۔ مگر حقیقت میں وہ بہشت دوزخ کی خاصیت رکھتی ہو گی اور دوزخ باغ بہشت کے مانند ہو گی۔ اس کے پاس اشیاء خوردنی کا بڑا ذخیرہ ہو گا۔ اس میں سے جسے چاہے دے گا۔ لوگوں کی آزمائش کے لئے اس سے خارق عادت امور ظاہر ہونگے۔ جو لوگ اس پر ایمان لائیں گے ان کے لئے آسمان کو حکم دے گا تو مینہ برسنے لگ جائے گا۔ زمین کو حکم دے گا تو گھاس اور زراعت بکثرت اگائے گی۔ جو انکار کریں گے ان سے مینہ اور زراعت و نباتات کو روک دیگا۔

ایک ویرانے میں پہنچے گا تو زمین سے کہے گا کہ اپنے خزانے نکال دے۔ چنانچہ اس ویرانے کے خزانے اس کے پیچھے چلیں گے۔ بعض آدمیوں سے کہے گا کہ مَیں تمہارے مردہ ماں باپ کو زندہ کر دیتا ہوں اگر تم میری خدائی پر ایمان لاؤ۔ پھر وہ شیطانوں کو حکم دیگا کہ زمین میں سے ان کے ماں باپ کے ہم شکل ہو کر نکلو۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کریں گے۔ اسی طرح اس کے لشکری ایک مومن کو پیش کرینگے وہ دیکھتے ہی کہہ دے گا کہ لوگو! یہ تو دجال ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا ہے۔ یہ سُن کر دجال حکم دے گا کہ اس کو لٹا کر اسکا سر توڑ دو۔ ایسا ہی کیا جائے گا۔ پھر دجال اس سے پوچھے گا کیا تو مجھ پر ایمان نہیں لاتا؟ مومن جواب دے گا کہ تو جھوٹا مسیح ہے۔ پھر دجال کے حکم سے سر سے پاؤں تک اس کے دو ٹکڑے کیئے جائیں گے۔ دجال دونوں ٹکڑوں کے درمیان چلے گا اور کہے گا اُٹھ۔ وہ اٹھ بیٹھے گا۔ دجال کہے گا کیا تو مجھ پر ایمان لاتا ہے؟ مومن جواب دے گا۔ اب تو مجھے خوب یقین ہو گیا کہ تو جھوٹا دجال ہے۔ اور کہے گا۔ اے لوگو! میرے بعد یہ کسی اور سے ایسا نہ کر سکے گا۔ بعد ازاں دجال اسے ذبح کرنا چاہے گا مگر نہ کر سکے گا۔ اور اسے اپنی دوزخ میں پھینک دے گا مگر وہ اس مومن کے لئے جنت ہو جائیگی۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ مومن اللہ کے نزدیک بڑا شہید ہو گا۔ الغرض دجال مختلف مقامات پر جائے گا۔ شام سے اصفہان میں پہنچے گا۔ وہاں ستر ہزار یہودی اس کے پیرو بن جائیں گے۔ پھرتا پھراتا سرحد یمن پر پہنچ جائے گا۔ وہاں سے مکہ معظمہ کا قصد کرے گا مگر فرشتوں

کی محافظت کے سبب اس میں داخل نہ ہو سکے گا۔ پھر مدینہ منورہ میں پہنچے گا اس وقت مدینہ طیبہ کے سات دروازے ہونگے ہر دروازے پر دو دو فرشتے محافظ ہونگے اس لئے شہر کے اندر داخل نہ ہو سکے گا۔ یہاں سے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہوا شام کی طرف روانہ ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام

قبل اس کے کہ دجال دمشق میں پہنچے، امام مہدی علیہ السلام وہاں پہنچ کر جنگ کی تیاری کر چکے ہونگے۔ اسی اثنا میں اچانک اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کو آسمان سے بھیجے گا۔ آپ دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے زرد رنگ کا جوڑا زیب تن کئے ہوئے نہایت نورانی شکل میں دمشق کے مشرقی جانب سفید منارہ پر اتریں گے اور اس امت کی تکریم و تعظیم کی جہت سے حضرت امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ پھر لشکر اسلام لشکرِ دجال پر حملہ کرے گا، گھمسان کا معرکہ ہوگا۔ اس وقت دمِ عیسیٰ کی یہ خاصیت ہوگی کہ جہاں تک آپ کی نظر کی رسائی ہوگی وہاں تک آپ کا سانس بھی پہنچے گا اور جس کافر تک وہ پہنچے گا ہلاک ہو جائیگا۔ اور دجال بھاگ جائے گا مگر حضرت مسیح علیہ السلام اس کو بیت المقدس کے قریب موضع لد کے دروازے میں جالیں گے اور نیزہ سے اس کا کام تمام کر دینگے۔ لشکر اسلام لشکر دجال کے قتل و غارت میں مشغول ہو جائیگا۔ لشکرِ دجال میں جو یہود ہونگے ان کو کوئی چیز پناہ نہ دے گی یہاں تک کہ رات کے وقت اگر کوئی یہودی پتھر یا درخت کی آڑ میں چھپا ہوگا تو وہ پتھر

یا درخت بول اٹھے گا کہ یہاں یہودی ہے اسکو قتل کردو۔

زمین پر دجال کا فتنہ چالیس دن رہے گا جن میں سے ایک دن ایک سال، ایک دن ایک مہینے اور ایک دن ایک ہفتہ کے مانند ہوگا۔ باقی دن معمولی دنوں کے مانند ہونگے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا، کیا اس میں ایک دن کی نمازیں کافی ہونگی۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ ایک سال کی نمازیں اس دن میں تخمینہ سے ادا کرنی ہونگی۔

دجال کے فتنہ کے رفع ہونے کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام اصلاحات میں مشغول ہونگے۔ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کردیں گے اور کفار سے جزیہ قبول نہ کیا جائے گا۔ سوائے قبول اسلام اور قتل کے دوسرا حکم نہ ہوگا سب کافر مسلمان ہو جائیں گے۔ امام مہدی علیہ السلام کی خلافت ۷ یا ۸ یا ۹ سال ہوگی، اس کے بعد آپ کا وصال ہوگا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائیں گے۔

یاجوج و ماجوج

اس کے بعد لوگ امن و امان کی زندگی بسر کرتے ہونگے کہ اللہ تعالٰی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجے گا کہ میں ایسے بندے نکالنے والا ہوں کہ کسی میں ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت و قدرت نہیں ہے۔ تم میرے خالص بندوں کو کوہِ طور کی طرف لے جاؤ۔ آپ قلعۂ طور میں پناہ گزیں ہوکر سامانِ حرب و رسد کے مہیا کرنے میں مشغول ہونگے۔ اس وقت یاجوج و ماجوج

نکل پڑیں گے۔ یہ لوگ یافث بن نوح کی اولاد سے ہیں۔ ان کا ملک قطب شمالی کی طرف ہفت اقلیم سے باہر بتایا جاتا ہے۔ اس کے جانب شمال سمندر ہے جو سال بھر منجمد رہتا ہے۔ مشرق و مغرب میں دیواروں کی مثل دو پہاڑ ہیں ان کے درمیان کی ایک گھاٹی سے نکل کر وہ اس طرف کے لوگوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ سکندر ذو القرنین نے ان کو ایک آہنی دیوار کے ذریعہ سے بند کر دیا تھا جس کی بلندی ان دونوں پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچتی ہے اور موٹائی ساٹھ گز ہے۔ وہ دن بھر اس دیوار کے توڑنے میں لگے رہتے ہیں مگر رات کو قدرت الٰہی سے وہ دیوار ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ جب ان کے نکلنے کا وقت آئے گا تو وہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ لوگ ٹڈی دل کی طرح ہر طرف پھیل جائیں گے اور بے دریغ قتل و غارت کرینگے۔ ان کی کثرت کا یہ حال ہے کہ جب انکی پہلی جماعت بحیرۂ طبریہ میں (جو دس میل لمبا ہے) پہنچے گی تو اس کا تمام پانی پی جائے گی اور دیکھ کر کہے گی کہ یہاں کبھی پانی تھا؟ پھر وہ قتل و غارت کرتے ہوئے قدس کے پہاڑ خمر میں پہنچیں گے تو کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کا تو صفایا کر دیا۔ چلو آسمان والوں کو بھی مار ڈالیں۔ پھر وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے جن کو اللہ تعالیٰ خون آلود کر کے لوٹا دے گا۔ وہ دیکھ کر خوش ہونگے کہ اب تو ہمارے سوا کوئی نہیں رہا محصورین (حضرت عیسیٰ اور آپ کے اصحاب) میں قحط کا یہ عالم ہوگا کہ گائے کا کلہ سو سو دینار سے بھی زیادہ قیمتی ہوگا۔ پس محصورین دعا کریں گے اس پر اللہ تعالیٰ ان میں مرض نغف بھیجیگا یہ ایک دانہ ہوتا ہے جو اونٹ اور بھیڑ بکری کی گردنوں میں نکلتا ہے اور

طاعون کی طرح ہلاک کر دیتا ہے۔ اس مرض میں یاجوج و ماجوج یکبارگی ہلاک ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام اور آپ کے اصحاب میدان کی طرف آئیں گے اور زمین میں ایک بالشت بھر جگہ ایسی نہ پائیں گے جو انکی چربی و گندگی سے پر نہ ہو۔ پھر آپ مع اصحاب دست بدعا ہونگے تو اللہ تعالٰے ایسے پرندے بھیجے گا جن کی گردنیں شتران بختی کی مانند لمبی ہونگی۔ وہ پرندے ان کی لاشوں کو وہاں پھینک دیں گے جہاں اللہ تعالٰی چاہے۔ پھر اللہ تعالٰی ایک عالمگیر بارش بھیجے گا جس سے زمین بالکل صاف ہو جائے گی۔ اس بارش کی برکت سے زمین کی پیداوار میں بڑی ترقی ہوگی یہاں تک کہ ایک انار ایک جماعت کے لئے کافی ہوگا۔ حیوانات کا دودھ اس کثرت سے ہوگا کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک قبیلہ کے لئے کافی ہوگا۔ اور ایک بکری کا دودھ ایک کنبہ کے لئے کافی ہوگا۔ قوم یاجوج ماجوج کی کمانیں، ترکش اور تیر مومنوں کے لئے سات سال ایندھن کا کام دیں گے۔ حضرت عیسٰی علٰی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں چالیس سال رہیں گے۔ آپ کا نکاح ہوگا اور اولاد پیدا ہوگی۔ پھر آپ انتقال فرمائیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ میں دفن ہونگے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد قبیلۂ قحطان میں سے ایک شخص جہجاہ نام یمن کے رہنے والے آپ کے خلیفہ ہونگے اور امور خلافت کو عدل و انصاف کے ساتھ سرانجام دیں گے۔ جہجاہ کے بعد چند اور بادشاہ ہونگے جن کے عہد میں رسوم کفر و جہل شائع ہو جائیں گی اور علم کم ہو جائیگا۔

اسی اثنا میں ایک مکان مشرق میں اور ایک مغرب میں زمین میں دھنس جائیگا۔ جن میں منکرین تقدیر ہلاک ہو جائیں گے۔

دخان (دھواں)

اس کے بعد ایک بڑا دھواں آسمان سے نمودار ہو گا جو چالیس روز رہے گا۔ اس سے مسلمان زکام میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کافروں اور منافقوں پر بیہوشی طاری ہو جائے گی۔ بعض ایک دن بعض دو دن اور بعض تین دن کے بعد ہوش میں آئیں گے۔

آفتاب کا مغرب سے نکلنا

اسکے بعد ماہ ذی الحجہ میں یوم نحر کے بعد رات اس قدر لمبی ہو جائے گی کہ بچے چلا اٹھیں گے، مسافر تنگ دل اور مویشی چراگاہ کے لئے بے قرار ہونگے۔ یہاں تک کہ لوگ بے چینی کی وجہ سے نالہ وزاری کریں گے اور توبہ توبہ پکاریں گے۔ آخر تین چار رات کی مقدار اس رات کے دراز ہونے کے بعد اضطراب کی حالت میں آفتاب مغرب سے چاند گرہن کی مانند تھوڑی سی روشنی کے ساتھ نکلے گا۔ اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور اس دن آفتاب اتنا بلند ہو کر غروب ہو گا جتنا کہ چاشت کے وقت ہوتا ہے۔ پھر حسبِ معمول مشرق کی طرف سے نکلتا رہے گا۔

دابۃ الارض

دوسرے روز لوگ اسی کا ذکر کر رہے ہونگے کہ کوہِ صفا زلزلہ سے پھٹ جائے گا، اور اس سے ایک عجیب شکل کا جانور نکلے گا جسے دابۃ الارض کہتے ہیں

وہ چہرے میں آدمی سے، گردن میں اونٹ سے، دم میں بیل سے، سرین میں ہرن سے، سینگوں میں بارہ سنگے سے، ہاتھوں میں بندر سے، اور کانوں میں ہاتھی سے مشابہ ہوگا۔ پہلے یمن میں پھر نجد میں ظاہر ہو کر غائب ہو جائیگا۔ پھر دوبارہ مکہ مشرفہ میں ظاہر ہوگا۔ اس کے ایک ہاتھ میں حضرت موسیٰ کا عصا اور دوسرے میں حضرت سلیمان کی انگوٹھی ہوگی۔ وہ ایسی تیزی سے شہروں کا دورہ کرے گا کہ کوئی بھاگنے والا اس سے نہ بچ سکے گا۔ وہ اہلِ ایمان کی پیشانی پر عصائے موسیٰ سے ایک نورانی خط کھینچ دے گا جس سے تمام چہرہ نورانی ہو جائیگا اور کفار کی ناک یا گردن پر خاتم سلیمان سے مہر کردے گا جس سے ان کا چہرہ سیاہ اور بے رونق ہو جائے گا۔

خانۂ کعبہ کا گرایا جانا

اِس کے بعد ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی جس کے سبب سے ہر صاحب ایمان کی بغل میں درد پیدا ہوگا۔ افضل فاضل سے، فاضل ناقص سے، اور ناقص فاسق سے پہلے مرنے شروع ہو جائیں گے، یہاں تک کہ کوئی اہلِ ایمان باقی نہ رہے گا۔ بعد ازاں کفار حبشہ کا غلبہ ہوگا اور ان کی سلطنت قائم ہوگی۔ وہ خانۂ کعبہ کو ڈھا دیں گے۔ حج موقوف ہو جائیگا۔ قرآن مجید دلوں زبانوں اور کاغذوں سے اٹھ جائے گا۔ خداترسی اور خوفِ آخرت دلوں سے اٹھ جائے گا۔ شرم وحیا نہ رہے گی۔ آدمی گدھوں اور کتوں کی مانند دوستوں کے سامنے جماع کرینگے۔ حکام کا ظلم اور رعایا کی ایک دوسرے پر دست درازی رفتہ رفتہ بڑھ جائے گی۔ جس سے شہر و قصبات ویران ہو جائیں گے۔ قحط و وبا کا ظہور ہوگا۔

ایک بڑی آگ

اس وقت ملک شام میں کچھ ارزانی ہو گی۔ دیگر ممالک کے لوگ اہل وعیال سمیت شام کو روانہ ہونگے۔ اسی اثنا میں ایک بڑی آگ جنوب کیطرف سے نمودار ہوگی وہ انکا تعاقب کریگی۔ یہاں تک کہ وہ شام پہنچ جائیں گے پھر وہ آگ غائب ہو جائیگی۔

نفخ صور

اس کے بعد چار پانچ سال لوگ عیش وعشرت کے ساتھ غفلت میں زندگی بسر کریں گے۔ بت پرستی عام ہو گی۔ کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا۔ یکایک جمعہ کے روز جو یوم عاشورا بھی ہو گا صبح کے وقت اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ صور کی آواز کے صدمہ سے تمام جہان فنا ہو جائے گا۔ زمین و آسمان کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ چاند، سورج اور تمام ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ دریا خشک ہو جائینگے۔ آگ بجھ جائے گی۔ سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے کوئی باقی نہ رہے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ لمن الملك اليوم (آج سلطنت کس کی ہے۔) پھر خود ہی جواب دیگا۔ لِلّٰہ الواحد القهار (اس ایک اللہ کی جو قہار ہے۔) ایک مدت کے بعد بارِ دیگر نئے آسمان اور نئی زمین پیدا ہوگی۔ پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام دوبارہ صور پھونکیں گے۔ اس کی آواز سے سب مردوں کے جسم دوبارہ وہی بن جائیں گے اور زندہ ہو کر قبروں سے اٹھیں گے۔ اسی کو قیامت کہتے ہیں۔ قیامت کے واقعات جو قرآن مجید و احادیث شریفہ میں مذکور ہیں۔ مثلاً مردوں کا ان ہی اجساد کے ساتھ زندہ ہو کر اٹھنا۔ آفتاب کا زمین کے قریب آجانا۔ حساب اعمال ہونا۔ ہاتھ پاؤں اور دیگر

اعضاء کا نیک و بد اعمال کی گواہی دینا۔ نیکوں کو نامۂ اعمال کا سامنے کی طرف سے دائیں ہاتھ میں ملنا اور بدوں کو پشت کی طرف سے بائیں ہاتھ میں ملنا۔ اعمال کا ترازو میں تلنا۔ پل صراط سے گزرنا۔ مومنوں کا اپنے مرتبہ کے موافق کسی کا بجلی کی طرح، کسی کا دوڑتے گھوڑے کی طرح، کسی کا اڑتے پرندے کی طرح، کسی کا معمولی چال سے پل صراط عبور کر جانا اور منافقین و کفار کا کٹ کٹ کر دوزخ میں گرنا۔ حوض کوثر کے لذیذ و سرد پانی کے پینے سے مومنوں کی سب کلفتوں کا دور ہو جانا اور جنت میں داخل ہونا وغیرہ۔ ان سب کے لئے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔ یہاں بطور نمونہ ذیل میں دو تین پیشگوئیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حجاز کی آگ

صحیحین[1] میں بروایت سعید بن المسیب مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایک آگ حجاز کی زمین سے نکلے گی جو بصریٰ[2] میں اونٹوں کی گردنیں روشن کرے گی۔

مذکورہ بالا پیشین گوئی کے مطابق وہ آگ سرزمین حجاز میں ظاہر ہوئی۔ اس کے ظہور سے پہلے کئی زلزلے آئے جو اس کا پیش خیمہ تھے۔ چنانچہ ماہ جمادی الاولیٰ ۶۵۴ھ کی اخیر تاریخ کو مدینہ منورہ میں کئی دفعہ زلزلہ آیا مگر چونکہ خفیف تھا اس لئے بعض لوگوں کو محسوس نہ ہوا۔ سہ شنبہ کے روز سخت زلزلہ آیا جسے

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ کتاب الفتن۔ امام بخاری کی ولادت ۱۹۴ھ میں اور وفات ۲۵۶ھ میں۔ امام مسلم کی ولادت ۲۰۴ھ میں اور وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ [2] ملک شام کے ایک شہر کا نام

عام وخاص سب نے محسوس کیا۔ شب چہار شنبہ ۳ جمادی الاخری کو رات کے اخیر تہائی حصہ میں مدینہ میں ایسا سخت زلزلہ آیا کہ لوگ ڈر گئے اور اسکی ہیبت سے دل کانپ گئے۔ زلزلے کا یہ سلسلہ جمعہ کے دن تک رہا۔ اسکی آواز بجلی سے بڑھ کر تھی، زمین کانپتی تھی اور دیواریں ہل رہی تھیں۔ یہاں تک کہ صرف دن کے وقت اٹھارہ دفعہ حرکت ہوئی۔ جمعہ کو چاشت کے وقت زلزلہ بند ہو گیا۔ دوپہر کیوقت مدینہ منورہ سے تقریباً ایک منزل جانب شرق یہ آگ نمودار ہوئی۔ اسکے ظاہر ہونے کی جگہ سے آسمان کی طرف بکثرت دھواں اٹھا جس نے افق کو گھیر لیا۔ جب تاریکی چھا گئی اور رات آگئی تو آگ کے شعلے تیز ہو گئے۔ یہ آگ ایک ایسے بڑے شہر کی مانند معلوم ہوتی تھی جسکے گرد ایک فصیل ہو اور اس فصیل پر کنگرے اور برج اور مینار ہوں۔ غرض اس آگ کو دیکھ کر اہل مدینہ ڈر گئے۔ چنانچہ قاضی سنان حسینی کا بیان ہے کہ "میں امیر مدینہ عزالدین منیف بن شیمہ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ عذاب نے ہم کو گھیر لیا ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کر۔ یہ سُن کر اس نے اپنے تمام غلام آزاد کر دیئے اور لوگوں کے اموال ان کو واپس کر دیئے۔ پھر وہ اپنے قلعہ سے نکل کر حرم شریف میں آیا۔ اس نے اور تمام اہل مدینہ حتّٰی کہ عورتوں اور بچوں نے جمعہ اور ہفتہ کی رات حرم شریف میں گذاری اور باغات میں کوئی ایسا نہ رہا جو حرم شریف میں نہ آیا ہو۔ لوگ رات کو گریہ وزاری اور تضرع کرتے تھے اور حجرۂ شریف کے گرد ننگے سر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے گڑگڑا کر دعا مانگ رہے تھے اور

---

[۱] مفصل حالات کے لئے دیکھو وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰے للعلامۃ السمهودی المتوفی ۹۱۱ھ جز اول صفحہ ۹۹ تا ۱۰۶۔

نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ طلب کر رہے تھے۔"

قطب قسطلانی جو اس وقت مکہ میں مقیم تھے، ان کا بیان ہے کہ یہ آگ بڑھتی ہوئی حرۃ اور وادئ شظات کے متصل آ پہنچی۔ اور وادئ شظات میں سے جس کی ایک طرف وادئ حمزہ رضی اللہ عنہ ہے گزر کر حرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ٹھہر گئی۔ اس آگ کے شعلے ایسے تیز تھے کہ شجر و حجر جو اسکے راستے میں آتا اسے پارہ پارہ کر دیتی اور پگھلا دیتی۔ غرض اس رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت شریف کی برکت سے یہ آگ حرم شریف سے خارج ہی رہی اور وہاں سے پیچھے ہٹ کر اپنا رخ جانب شمال کر لیا۔ اور ۵۲ دن تک روشن رہی۔

یہ آگ مکہ، ینبع اور تیمار سے دکھائی دیتی تھی اور شہر بصرا کے لوگوں کو اس کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں نظر آگئیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ مؤرخین کا قول ہے کہ یہ آگ چار فرسنگ لمبی اور چار میل چوڑی اور ڈیڑھ قامت عمیق وادی میں چلتی تھی۔ اس کی حرارت سے پتھر رانگ کی مانند پگھل جاتا تھا۔ اس طرح وادی کے اخیر میں حرۃ کے منتہا کے نزدیک پگھلے ہوئے پتھر جمع ہوتے گئے اور آخر کار وادی شظات کے وسط میں کوہ وعیرہ کی طرف ایک سد بن گئی۔ اس سد کے آثار ہنوز باقی ہیں۔ اور اہل مدینہ اسے حبس کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں اس آگ کا ظہور ایسا مشہور ہے کہ مؤرخین کے نزدیک حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔ کذا فی الوفاء للسمہودی۔

امام نودی (متوفی ۶۷۶ھ) جو اس زمانے میں موجود تھے۔ اس آگ کی

نسبت شرح صحیح مسلم (مطبوعہ انصاری - جلد ثانی - کتاب الفتن ص ۳۹۳) میں یوں تحریر فرماتے ہیں:-

وقد خرجت فی زماننا نار بالمدینۃ سنۃ اربع وخمسین وستمائۃ وکانت نارًا عظیمۃ جدا خرجت من جنب المدینۃ الشرقی وراء الحرۃ تواتر العلم بھا عند جمیع اھل الشام وسائر البلدان واخبرنی من حضرھا من اھل المدینۃ۔	اور تحقیق ہمارے زمانے میں ۶۵۴ھ میں مدینہ میں ایک آگ نکلی اور نہایت بڑی آگ تھی جو مدینہ کے شرقی جانب سے حرّہ کے پیچھے نکلی۔ شام اور باقی شہروں کے تمام باشندوں کو بطریق تواتر اس کا علم ہوا۔ اور مجھے اہل مدینہ میں سے ایک شخص نے خبر دی جس نے اس آگ کو دیکھا۔

علامہ تاج الدین سبکی (متوفی ۷۷۱ھ) طبقات الشافعیۃ الکبرٰی (جزء خامس ص ۱۱۲) میں لکھتے ہیں کہ جب ماہ جمادی الاخرٰی ۶۵۴ھ کی پانچویں تاریخ ہوئی تو مدینۃ النبی میں اس آگ کا ظہور ہوا اور اس سے پہلے کی دو راتوں میں ایک بڑی آواز ظاہر ہوئی پھر ایک بڑا زلزلہ آیا۔ پھر قریظہ کے قریب حرّہ میں آگ ظاہر ہوئی۔ اہل مدینہ اپنے گھروں سے اسے دیکھتے تھے۔ اس آگ کی روئیں پانی کی طرح جاری ہوئیں اور پہاڑ آگ بن کر رواں ہوئے۔ یہ آگ حاجیوں کے راستہ عراق کی طرف روانہ ہوئی پھر ٹھہر گئی اور زمین کو کھانے لگی۔ رات کے اخیر حصہ سے چاشت کے وقت تک اس میں سے ایک بڑی آواز آتی تھی۔ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کی اور گناہ ترک کر دیئے۔ یہ

آگ ایک مہینہ سے زیادہ روشن رہی۔ یہ وہی آگ ہے جس کی خبر جناب مصطفٰے صلوٰت اللہ علیہ نے دی تھی۔ کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ "قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ سرزمینِ حجاز سے ایک آگ نکلے گی جس سے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی"۔ ایک شخص سے جو رات کے وقت بصریٰ میں تھا روایت ہے کہ اس کو اس آگ کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں نظر آگئیں۔

تاتاریوں کا فتنہ اور حادثۂ بغداد

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کے لوگ ایک پست زمین میں جس کا نام بصرہ ہوگا ایک دریا کے نزدیک اتریں گے جس کو دجلہ کہتے ہیں۔ اس دریا پر ایک پل ہوگا۔ بصرہ کے باشندے بکثرت ہونگے اور وہ شہر مسلمانوں کے بڑے شہروں میں سے ہوگا۔ جب آخر زمانہ آئے گا تو قنطورا کے بیٹے آئیں گے جن کے چہرے فراخ اور آنکھیں چھوٹی ہونگی یہاں تک کہ وہ اس دریا کے کنارے پر اتریں گے۔ اس وقت بصرہ کے باشندے تین گروہ ہو جائیں گے۔ ایک گروہ بیلوں کی دموں[1] اور بیابان میں پناہ لے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اور ایک گروہ اپنی جانوں کے لئے طالبِ امان ہوگا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اور ایک گروہ اپنی اولاد کو پسِ پشت ڈال دے گا اور ان سے لڑے گا۔ وہی حقیقی شہید ہونگے۔ اس حدیث کو ابو داؤد[2] نے روایت کیا ہے۔[3]

---

[1] یعنی اہل و عیال اور مال و اسباب کو بیلوں پر لاد کر جنگل کو چلے جائیں گے۔ (بقیہ بر صفحہ ٦١٧)

اس حدیث میں قنطوراء سے مراد تاتاری لوگ یعنی ترک ہیں کیونکہ قنطوراء حضرت ابراہیمؑ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک لونڈی کا نام ہے جس کی نسل سے یہ لوگ ہیں۔ ان کے چہروں کے کشادہ اور آنکھوں کے چھوٹا ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ البتہ حدیث میں بصرہ کا لفظ ہے مگر اس مراد شہر بغداد ہے کیونکہ دریائے دجلہ اور پل بغداد میں ہیں نہ کہ بصرہ میں۔ و نیز ترک لڑائی کے لئے اس کیفیت سے جو حدیث میں مذکور ہے بصرہ میں نہیں آئے بلکہ بغداد میں آئے ہیں جیسا کہ مشہور و معروف ہے۔ حدیث میں بصرہ کا ذکر اس لئے ہے کہ بغداد کی نسبت بصرہ قدیم شہر ہے جس کے مضافات میں سے وہ گاؤں اور مواضع تھے جن میں شہر بغداد بنا۔ علاوہ ازیں بغداد کے نزدیک ایک گاؤں کا نام[۱] بھی بصرہ ہے۔

یہ پیشین گوئی ماہ محرم ۶۵۶ھ میں پوری ہوئی جب کہ چنگیز خاں تاتاری کے پوتے ہلاکو نے شہر بغداد پر لشکر کشی کی۔ اس کی مختصر کیفیت[۲] یہ ہے کہ اس وقت بغداد میں خاندان عباسیہ کا آخری خلیفہ معتصم باللہ مسند خلافت پر متمکن تھا۔ اس کا وزیر مؤید الدین محمد بن علی العلقمی فاضل و ادیب مگر رافضی تھا اور اس کے دل میں اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے کینہ و بغض تھا۔ وزیر مذکور شہزادہ ابوبکر اور امیر کبیر رکن الدین دویدار کا بھی دشمن تھا۔ کیونکہ یہ دونوں اہل سنت تھے اور انہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱۶)

۲ھ ابوداؤد کی ولادت ۲۰۲ھ میں اور وفات ۲۷۵ھ میں ہوئی۔

۳ھ مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن۔ باب الملاحم فصل ثانی۔

۱ھ اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن۔ باب الملاحم۔

۲ھ مفصل حالات کے لئے دیکھو طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للتاج السبکی المتوفی ۷۷۱ھ جزء خامس صفحہ ۱۱۶ تا ۱۱۷

نے یہ سن کر کہ کرخ[1] کے رافضیوں نے اہل سنت سے تعرض کیا ہے کرخ کو لوٹ لیا تھا اور روافض کو سخت سزائیں دی تھیں۔ ابن علقمی چونکہ بظاہر ان کے خلاف کچھ نہ کر سکتا تھا اس لئے اس نے پوشیدہ طور پر بذریعہ کتابت تاتاریوں کو عراق پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ ہلاکو کے دربار میں حکیم نصیر الدین طوسی رافضی تھا جس نے ابن علقمی کی ترغیب کو اور سہارا دیا اور آخر کار ہلاکو کو بغداد پر چڑھائی کے لئے آمادہ کر دیا۔ چنانچہ ہلاکو بڑی تیاری کے ساتھ بغداد پر چڑھ آیا۔ لشکر بغداد بسرکردگی رکن الدین دویدار مقابلہ کے لئے بڑھا اور بغداد سے دو منزل کے فاصلہ پر ہلاکو کے مقدمۃ لشکر سے جس کا سردار تایجو تھا مٹھ بھیڑ ہوئی۔ بغدادیوں کو شکست ہوئی، کچھ تہ تیغ ہوئے، کچھ پانی میں ڈوب گئے اور باقی بھاگ گئے۔ تایجو آگے بڑھا اور دریائے دجلہ کے مغربی کنارہ پر اترا۔ ہلاکو نے مشرق سے حملہ کیا اور بغداد کو گھیر لیا۔ اس وقت ابن علقمی نے خلیفہ کو صلح کا مشورہ دیا اور کہا کہ میں صلح کی شرائط ٹھہرانے جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ گیا اور واپس آ کر خلیفہ معتصم سے کہنے لگا۔ اے امیر المؤمنین! ہلاکو کی دلی خواہش ہے کہ اپنی بیٹی کا نکاح آپ کے بیٹے امیر ابوبکر سے کر دے اور آپ کو منصب خلافت پر قائم رکھے۔ مگر وہ صرف آپ سے اتنا چاہتا ہے کہ آپ اس کی اطاعت تسلیم کر لیں۔ پھر وہ اپنا لشکر لے کر واپس چلا جائے گا۔ لہٰذا آپ اس پر عمل کریں کیونکہ اس طرح مسلمان خونریزی سے بچ جائیں گے۔ یہ سن کر خلیفہ مع ارکان و اعیان سلطنت طالب امن و امان ہو کر نکلا۔ وہاں پہنچا تو وہ ایک خیمہ میں اتارا گیا۔ پھر وزیر مذکور

---

[1] کرخ بفتح اول و ثانی و خائے معجمہ دہے است قریب بغداد و قیل محلہ از بغداد۔ غیاث اللغات۔

شہر میں آیا اور علماء و فقہاء سے کہا کہ آپ شہزادہ کے عقد میں شامل ہوں چنانچہ وہ بغداد سے نکلے اور قتل کیئے گئے۔ اسی طرح عقد کے بہانہ سے ایک کے بعد دوسرا گروہ بلایا گیا اور قتل کیا گیا۔ پھر خلیفہ کے حاشیہ نشین طلب ہوئے اور قتل کئے گئے۔ پھر خلیفہ کی سب اولاد قتل ہوئی۔

خلیفہ کی نسبت کہا گیا ہے کہ کافر ہلاکو نے اسے رات کے وقت بلایا اور کئی باتیں دریافت کیں۔ پھر اس کے قتل کا حکم دیا۔ ہلاکو ظالم سے کہا گیا کہ اگر خلیفہ کا خون گرایا جائیگا تو دنیا تاریک ہو جائیگی اور تیرا ملک تباہ ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ رسول اللہ کے چچا کی اولاد میں سے ہے اور دنیا میں خلیفۃ اللہ ہے۔ اس پر وہ سنگدل حکیم نصیر الدین طوسی کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ وہ مار ڈالا جائے مگر اسکا خون نہ گرایا جائے۔ چنانچہ بتاریخ ۲۸ محرم سنہ ۶۵۶ھ اس بیچارے کو ایک بوری میں بند کر کے ہتھوڑوں سے مار ڈالا گیا۔ بعضے کہتے ہیں کہ اسے لاتوں سے مار ڈالا گیا۔ اور اس کے امیروں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا گیا۔ پھر شہر بغداد میں خونریزی شروع ہوئی۔ اکثر باشندے شہید ہوئے۔ تیس دن سے کچھ اوپر قتل جاری رہا۔ کہا گیا ہے کہ مقتولین کی کل تعداد اٹھارہ لاکھ تھی۔

اس کے بعد امان دی گئی جو لوگ چھپے ہوئے تھے ان میں سے اکثر تو زمین کے نیچے ہی طرح طرح کی مصیبتوں سے مر گئے۔ جو زندہ نکل آئے انہوں نے بڑی دقتیں اٹھائیں۔ پھر گھروں کو کھود کر بے شمار دفینے نکالے گئے۔ پھر نصاریٰ بلائے گئے تاکہ علانیہ شراب خوری کریں اور سور کا گوشت کھائیں اور مسلمان بھی ان کے ساتھ شریک ہوں۔ ستمگار ہلاکو سوار ہو کر قصر خلافت تک آیا اور حرم کی

بے آبروئی کی۔ وہ محل ایک عیسائی کو دیا گیا۔ مسجدوں میں شراب بہادی گئی اور مسلمانوں کو علانیہ اذان دینے سے منع کیا گیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ سب کچھ صرف بغداد میں ہوا۔ بغداد کے علاوہ اور جگہ بھی تاتاریوں نے بہت کچھ کیا۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ تاتاریوں کے فتنہ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی فتنہ وقوع میں نہیں آیا ہے۔ خلیفہ مستعصم باللہ کے ساتھ خاندانِ عباسیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ بلکہ یوں سمجھو کہ عرب کی سلطنت روئے زمین سے اٹھ گئی جو قربِ قیامت کے آثار میں سے ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ (متوفی ۶۹۱ھ) نے جو حادثۂ بغداد کے وقت زندہ تھے مستعصم باللہ کا ایک نہایت دردناک مرثیہ لکھا ہے۔ جس میں سے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:۔

۱۔ آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں بر زوالِ ملک مستعصم امیر المومنیں	آسمان پر واجب ہے کہ امیر المومنین مستعصم کی سلطنت کی تباہی پر زمین پر خون برسائے۔
۲۔ اے محمد گر قیامت را برآری سر ز خاک سر برآر و ایں قیامت در میانِ خلق بیں	اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ قیامت کو تربت شریف سے نکلیں گے تو ابھی نکل کر خلقت میں یہ قیامت دیکھ لیجیے۔
۳۔ نازنینانِ حرم را خونِ خلق نازنیں ز آستاں بگذشت ما را خونِ دل از آستیں	محل کے نازپروردوں کا خون ڈیوڑھی سے بہ گیا۔ اور ہمارے دل کا خون آستین سے ٹپک نکلا۔

۴- زینہار از دورِ گیتی و انقلاب روزگار
در خیالِ کس نہ گشتی کانچناں گردد چنیں

زمانے کی گردش اور دنیا کے انقلاب سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ یہ بات کسی کے خیال میں نہ آتی تھی کہ یوں سے یوں ہو جائیگا۔

۵- دیدہ بردار اے کہ دیدی شوکتِ بیت الحرام
قیصرانِ روم سر بر خاک و خاقاں بر زمیں

اے مخاطب تو نے بیت الحرام کی سی شان و شوکت دیکھی ہے۔ جہاں روم کے قیصر خاک پر سر رگڑتے تھے اور چین کے خاقان زمین پر بیٹھتے تھے۔

۶- خونِ فرزندانِ عمِ مصطفےٰ شد ریختہ
ہم بر آں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبیں

ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ کہ حضرت مصطفےٰ کے بنی عم کا خون اس خاک پر بہایا گیا ہے۔ جہاں بڑے بڑے بادشاہ ماتھا رگڑتے تھے۔

۷- دجلہ خوں ناب است زیں پس گر نہد سر در نشیب
خاکِ نخلستانِ بطحا را کند با خوں عجیں

دریائے دجلہ کا پانی خون ہو گیا ہے۔ اگر پستی کی طرف بہے گا تو نخلستانِ بطحا کی خاک کو خون سے رنگیں کر دے گا۔

کعبہ شریف کی حجابت

ہم پہلے فتح مکہ میں اس کے متعلق حضرت عثمان بن طلحہ کی روایت نقل کر آئے ہیں جس میں تین پیشین گوئیاں ہیں۔ ایک یہ کہ ہجرت سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے فرمایا تھا کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی۔ سو اسی کے مطابق فتح مکہ کے روز وقوع میں آیا۔ دوسری یہ کہ آپ نے قریش کی نسبت فرمایا تھا کہ وہ اس دن بجائے ہلاک و ذلیل ہونے کے زندگی و عزت پائیں گے۔ اسی کے مطابق فتح مکہ کے دن واقع ہوا۔ قریش نے اسلام

میں داخل ہوکر دارین میں حیات طیبہ حاصل کی اور عزت پائی۔ واقع میں وہ اس سے پہلے ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ان بتوں کے آگے سر جھکاتے تھے جنہیں خود انہیں کے ہاتھوں نے تراشا تھا۔ فتح کے دن وہ اس ذلت سے نکل گئے اور ان کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا شرف حاصل ہوا۔ تیسری یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمان بن طلحہ کو کنجی دیتے وقت فرمایا کہ یہ کنجی ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی۔ ظالم کے سوا کوئی اسے تم سے نہ چھینے گا چنانچہ آج تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال ہو چکے ہیں کہ خانہ کعبہ کی کنجی حضرت عثمان بن طلحہ کے خاندان میں رہی۔ اب ابن سعود نجدی نے جو سلوک اس خاندان سے کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ نجدی مذکور حسب ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظالم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اس فتنہ نجدیہ کا جلدی خاتمہ کر دے۔ آمین ثم آمین۔

محاسنِ ظاہری و باطنی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ و اخلاق جلیلہ منجملہ دلائل و ثبوت ہیں۔ چنانچہ آپکی طلاقت آپ کا حسنِ منظر اور آپ کا اعتدال صورت ایسا تھا کہ اپنوں کا تو کیا ذکر بیگانے بھی جب روئے مبارک کو دیکھتے تو بے ساختہ پکار اٹھتے۔ ھٰذا الوجہ لیس بوجہ کذاب (یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے) ان شمائل کے ساتھ آپ کے حسن اخلاق و آداب پر غور کریں۔ آپ امی تھے، آپ کی ولادت ایسے شہر میں ہوئی جہاں کوئی ذریعۂ تعلیم نہ تھا۔ نہ آپ نے کبھی وطن کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں جاکر علم حاصل کیا بلکہ امیوں ہی میں

یتیمی کی حالت میں نشو ونما پائی۔ علوم و معارف سے قطعِ نظر یہ مکارمِ اخلاق اور محاسنِ آداب آپ نے بجز وحیِ الٰہی کہاں سے سیکھے۔

الغرض جو شخص بنظرِ انصاف آپ کی صورت، آپ کی سیرت، آپ کے افعال اور آپ کے احوال کا مطالعہ کرتا ہے اُسے آپ کی نبوت کی صحت میں ذرا بھی شک نہیں رہتا۔ کیونکہ جو اوصاف آپ میں مجتمع تھے۔ وہ آپ سے پہلے یا آپ کے زمانہ میں کبھی کسی میں جمع نہیں ہوئے اور نہ قیامت تک ہونگے

نصارٰی کا اعتراض

معجزوں کا اکثر ذکر قرآن میں پایا جاتا ہے مگر کوئی آیت ایسی نظر نہیں آتی جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت محمد صاحب نے معجزے دکھائے ہیں۔ بلکہ بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن میں معجزے نہ دکھانے کا سبب درج ہے اور بعض ایسی بھی ہیں جن میں وہ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ مَیں معجزے دکھانے کو نہیں بھیجا گیا۔ سورہ عنکبوت میں یُوں مرقوم ہے:۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (عنکبوت۔ ع ۵)

کہتے ہیں کہ اگر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی اس پر نازل نہ ہو گی تو ہم ایمان نہ لائیں گے۔ پس اے محمد آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں خدا کے پاس ہیں میں تو ایک نصیحت کرنے والا ہوں۔

پھر سورہ بنی اسرائیل میں لکھا ہے:۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ

کوئی چیز ہمیں مانع نہیں ہوئی کہ تجھے

اِلَّآ اَنۡ کَذَّبَ بِہَا الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ معجزوں کے ساتھ بھیجیں۔ مگر یہ کہ اگلے
پیغمبروں کو جو ہم نے معجزے دیکر بھیجا تھا
تو انہیں لوگوں نے جھٹلایا۔

اس مضمون کو طویل کرنا ضروری نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کا ہر بے تعصب پڑھنے والا اس قول کی تصدیق کریگا کہ اکثر محمدی (مسلمان) مصنف معجزوں کا ذکر کرکے محمد صاحب سے منسوب کرتے ہیں۔ مگر یہ بات خود محمد صاحب کی باتوں کے خلاف ہے۔ کہ بالکل قابلِ اعتبار نہیں (خطوط بنام جوانانِ ہند۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لودھیانہ۔ امریکن مشن پریس ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۴۳-۲۴۴)

جواب

عیسائی لوگ مسلمانوں پر اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں مگر انہیں اپنے گھر کی بھی خبر نہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزات کی نسبت جو کچھ اناجیل اربعہ میں آیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ متی باب ۱۲۔ آیہ ۳۸-۳۹ میں ہے کہ بعض فقیہوں اور فریسیوں نے مسیح سے ایک نشان طلب کیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا:۔

"اس زمانہ کے بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں۔ پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہیں دکھایا نہ جائے گا۔ کیونکہ جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہے ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔"

اسی طرح متی باب ۱۶۔ آیہ ۱-۴ میں ہے کہ فریسیوں اور صدوقیوں نے آزمائش کے لئے حضرت مسیح سے آسمانی نشان طلب کیا مگر یہاں بھی آپ نے

وہی جواب دیا کہ یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان انہیں نہ دکھایا جائے گا۔ اگر بنظرِ غور دیکھیں تو یہ جواب بھی قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ سوال تو آسمانی نشان کا تھا اور جواب میں زمینی نشان کا وعدہ ہوا۔ سوال از آسماں جواب از ریسماں۔ باوجود اس کے اسی انجیل میں مسیح علیہ السلام سے بہت سے معجزے منسوب کئے گئے ہیں۔ چنانچہ پانچ روٹیوں سے چار ہزار آدمیوں کا پیٹ بھرا (باب ۱۴۔ آیہ ۱۵۔ ۲۱) اور دریا پر اپنے پاؤں سے چلے (باب ۱۴۔ آیہ ۲۵) پھر سات روٹیوں سے چار ہزار کو کھلایا (باب ۱۵۔ آیہ ۳۸) پھر دو اندھوں کو بینا کیا (باب ۲۰۔ آیہ ۳۰۔ ۳۴) پھر انجیر کے درخت کو سکھا دیا (باب ۲۱۔ آیہ ۱۹) وغیرہ۔ اسی طرح جب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کے اختیار کی بابت پُوچھا (باب ۲۱۔ آیہ ۲۳۔ ۲۴) تب بھی آپ نے کچھ صاف جواب نہ دیا۔

۲۔ مرقس باب ۸۔ آیہ ۱۱۔ ۱۳ میں ہے کہ فریسیوں نے مسیح کے امتحان کے لئے آسمان سے کوئی نشان چاہا۔ اُس نے اپنے دل سے آہ کھینچ کر کہا:۔

"اس زمانے کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا"

یہاں یونس نبی کے نشان کا کوئی ذکر نہیں۔ بایں ہمہ اس انجیل میں بھی اندھے کو چنگا کرنا، چار ہزار کو سات روٹیوں سے سیر کرنا، کوڑھی کو چنگا کرنا وغیرہ معجزات حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔

۳۔ لوقا باب ۱۱۔ آیہ ۱۴۔ ۱۶ و ۳۰ میں ہے کہ مسیح نے ایک دیو کو نکالا۔

مگر دیکھنے والوں نے اس معجزے کو تسلیم نہ کیا بلکہ آزمائش کے لئے ایک آسمانی نشان مانگا۔ آپ نے یونس نبی کے نشان کا وعدہ فرمایا۔ اس انجیل میں اور بھی بہت سے معجزات آپ سے منسوب کئے گئے ہیں۔ مسیح نے ہیرودیس کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ حالانکہ ہیرودیس آپ کے معجزات دیکھنے کا خواہشمند تھا۔ آپ سے اس نے بہتیری باتیں پوچھیں پر آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔

۴۔ یوحنا باب ۶۔ آیہ ۳۰ میں ہے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح سے کہا "پس تو کونسا نشان دکھاتا ہے تاکہ ہم دیکھ کر تجھ پر ایمان لاویں"۔ یہاں بھی حضرت عیسٰی نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ بلکہ یونس نبی کے نشان کا بھی وعدہ نہ فرمایا باایں ہمہ اس انجیل میں بھی بہت سے معجزے حضرت مسیح سے منسوب ہیں۔

اب ہم اس اعتراض کے تحقیقی جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر معجزات دکھائے کہ کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں دکھائے۔ اور وہ ایسے متواتر و مشہور طریقوں سے ثابت ہیں کہ دنیا کے کسی اور مذہب میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ (جیسا کہ اس کتاب کے ناظرین پر روشن ہے) مگر کفار قریش کے مکابرہ کا یہ عالم تھا کہ وہ معجزات گویا ان کے نزدیک معجزے ہی نہ تھے۔ اس لئے سرکشی و عناد کے سبب انہوں نے اور نشانیاں طلب کیں جو عطا نہ کی گئیں۔ جن دو آیتوں سے معترض نے استدلال کیا ہے۔ اُن میں ایسی نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ مذکور ہے جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ ہم کو نہیں روکا نشانیاں بھیجنے سے کسی

اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَ	شئے نے مگر یہ کہ جھٹلایا ان کو اگلوں نے
اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً	اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی سوجھانے
فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ	کو پھر اس کا حق نہ مانا۔ اور ہم نہیں
اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ (بنی اسرائیل۔ ع ۶)	بھیجتے نشانیاں مگر ڈرانے کو۔

اس آیت کا خلاصہ تفسیر یہ ہے کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ قریش جو باوجود معجزات کثیرہ دیکھنے کے اور نشانیاں (مثلاً کوہ صفا کا سونا ہو جانا۔ مکہ کے پہاڑوں کا دور کیا جانا تاکہ زمین قابلِ زراعت ہو جائے اور نہروں کا جاری ہونا تاکہ باغات لگ جائیں) طلب کرتے ہیں۔ ان نشانیوں کے دینے سے ہمیں اس امر نے روکا ہے کہ اس قسم کی نشانیاں ہم نے پہلی امتوں کو طلب کرنے پر عطا کیں مگر وہ ایمان نہ لائے اور ہلاک ہوئے۔ چنانچہ قوم ثمود نے جن کی ہلاکت کے آثار بوجہ قربِ دیار یہ قریش آتے جاتے دیکھتے ہیں حضرت صالح علیہ السلام سے نشانی طلب کی اور ہم نے ان کی دعا سے پتھر سے اونٹنی نکالی۔ مگر اس قوم نے اس سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ اس کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ اس لئے وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ ہماری عادت یوں ہی جاری ہے کہ ہم کسی قوم کے سوال پر ایسی آیات کو صرف عذاب استیصال سے ڈرانے کے لئے بطور پیش خیمہ بھیجا کرتے ہیں۔ اگر وہ قوم ان آیات پر ایمان نہ لائے تو ہم ضرور ان پر عذاب استیصال نازل کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کفار قریش کے سوال پر وہ نشانیاں ہمارے حبیب کی دعا سے عطا کی جائیں تو یہ بھی انہیں کی طرح

لہ (حاشیہ بر صفحہ ۶۲۸)

تکذیب کریں گے اور عذابِ استیصال کے مستوجب ہونگے۔ مگر ہم نے بمقتضائے حکمت[1] اس امت کو عذاب استیصال سے محفوظ رکھا ہے۔ لہٰذا ہم نے وہ نشانیاں ان کو عطا نہیں کیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (عنکبوت۔ ع ۵)	اور کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر کچھ نشانیاں اسکے رب سے۔ تو کہہ نشانیاں تو ہیں اختیار میں اللہ کی۔ اور میں تو سنا دینے والا ہوں کھول کر۔ کیا ان کو بس نہیں کہ ہم نے تجھ پر اتاری کتاب کہ ان پر پڑھی جاتی ہے بیشک اس میں بڑی رحمت ہے اور سمجھانا ان لوگوں کو جو مانتے ہیں۔

اِن آیتوں کا خلاصہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار قریش باوجود ملاحظۂ آیات سرکشی و عناد کے سبب سے ہمارے جبیب پاک کی نسبت کہتے ہیں کہ ان پر ایسی نشانیاں کیوں نہیں اتریں جیسا کہ ناقۂ صالح اور عصائے موسیٰ اور مائدۂ عیسیٰ ہیں۔ اے ہمارے جبیب! ان کفار سے کہہ دیجئے کہ ایسی نشانیاں اللہ کی قدرت و حکم میں ہیں۔ وہ انکو حسب مقتضائے حکمت نازل کرتا ہے۔ میرا کام تو

(حاشیہ صفحہ ۶۲۷)

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ یُؤْمِنُوْنَ ۝ (انبیاء۔ ع ۱)	نہیں مانا ان سے پہلے کسی بستی نے جسکو ہلاک کیا ہم نے اب یہ کیا مانیں گے۔

[1] حکمت یہ کہ ان میں سے بعض ایمان لائیں گے اور بعض کی نسل سے مومن پیدا ہونگے۔ فافہم

یہ ہے کہ ان آیات کے ساتھ جو مجھے ملی ہیں کفار کو ڈراؤں - نہ یہ کہ وہ نشانیاں لاؤں جو وہ عناد و تعنت سے طلب کرتے ہیں - اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کفار کی تردید میں جو ایسی نشانیاں طلب کرتے ہیں یوں فرماتا ہے - کیا ان کو ایک نشانی کافی نہیں جو تمام نشانیوں سے مستغنی کر دینے والی ہے یعنی قرآن کریم جو ہم نے تجھ پر اتارا ہے - وہ ایک زندہ معجزہ ہے، ہر مکان و زمان میں ان پر پڑھا جاتا ہے اور ہمیشہ کے لئے انکے ساتھ رہے گا - اس میں بڑی رحمت اور تذکرہ ہے ایمان والوں کے لئے نہ ان کے لئے جو عناد رکھتے ہیں -

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ آیاتِ بالا سے معجزات کی نفی نہیں پائی جاتی بلکہ ان میں باوجود کثرت معجزات ان خاص نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ بیان ہوئی ہے جو کفار نے محض عناد سے طلب کیں - لہٰذا عیسائیوں کا یہ کہنا کہ قرآن میں کوئی آیت نظر نہیں آتی جس سے ثابت ہو کہ آنحضرت نے معجزے دکھائے، صرف عناد پر مبنی ہے - وہ اپنے منہ سے بڑا بول بولتے ہیں (یہوداہ ۱۶)

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ○ — کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں -

(کہف - ع ۱)

آٹھواں باب

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فضائل وخصائص کا بیان

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل وکمالات کا احاطہ طاقتِ بشری سے خارج ہے۔ علمائے ظاہر وباطن سب یہاں عاجز ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ صالح بن مبارک بخاری خلیفۂ مجاز حضرت خواجۂ خواجگاں سید بہاؤ الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ انیس الطالبین ص۹ میں لکھتے ہیں:۔

اجماعِ اہلِ تصوف است کہ صدیقیت نزدیک ترین مقامے ومرتبہ ایست بہ نبوت وسخن سلطان العارفین ابو یزید بسطامی است قدس سرہٗ کہ آخر نہایت صدیقان اول احوالِ انبیاء است واز کلمات قدسیۂ ایشانست کہ نہایت مقامِ عامۂ مومناں بدایت مقامِ اولیاست ونہایت

صوفیۂ کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نبوت کے سب سے نزدیک مقام ومرتبہ صدیقیت ہے۔ اور سلطان العارفین ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ کا قول ہے کہ صدیقوں کے مقام کی نہایت نبیوں کے مقام کی ابتدا ہے اور ان کے کلمات قدسیہ میں سے ہے کہ عامۂ مومنین کے مقام کی غایت اولیاء کے مقام کی ابتدا ہے اور اولیاء کے مقام کی غایت شہیدوں کے مقام

مقامِ اولیاء بدایت مقامِ شهیدان
است و نہایت مقامِ شہیداں
بدایت مقام صدیقان است
و نہایت مقام صدیقاں
بدایت مقامِ انبیاء است و نہایت
مقامِ انبیاء بدایت مقامِ رسل
است و نہایت مقامِ رسل
بدایت مقامِ اولوا العزم است
و نہایت مقامِ اولو العزم بدایت
مقام مصطفےٰ است صلی اللہ علیہ
وسلم و مقامِ مصطفےٰ را نہایت
پیدا نیست جز حق جل و علا کسے
نہایت مقامِ وے راندانند و در روز
ازل مقام ارواح و بروز میثاق
ہم بریں مراتب بود کہ ذکر کردہ شد
و در روزِ قیامت ہم بریں مراتب
باشد۔

کی غایت صدیقوں کے مقام کی ابتدا
ہے اور صدیقوں کے مقام کی غایت
نبیوں کے مقام کی ابتدا ہے اور نبیوں
کے مقام کی غایت رسولوں کے مقام
کی ابتدا ہے اور رسول کے مقام کی
غایت اولوالعزم کے مقام کی ابتدا
ہے اور اولوالعزم کے مقام کی
غایت حضرت مصطفےٰ کے مقام کی
ابتدا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت
مصطفےٰ کے مقام کی کوئی انتہا نہیں
اور حق جل وعلا کے سوا اور کوئی آپ کے مقام
کی انتہا نہیں جانتا روزِ ازل میں
میثاق کے دن روحوں کا مقام ان
ہی مراتب پر تھا جو مذکور ہوئے اور
قیامت کے دن بھی ان ہی مراتب
پر ہوگا۔

شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ (متوفی روز عاشورہ ۴۲۵ھ)
یوں فرماتے ہیں:۔

"سہ چیز را غایت ندانستم۔ غایت درجاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ندانستم۔ و غایت کیدِ نفس ندانستم۔ و غایت معرفت ندانستم۔" (نفحات الانس)	مجھے ان تین چیزوں کی غایت و حد معلوم نہ ہوئی۔ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات۔ مکر نفس۔ معرفت۔

امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۹۴ھ) اپنے قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِی نَبِیِّهِمْ	چھوڑ کر دعویٰ وہ جس کے ہیں نصاریٰ مدعی
وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمِ	چاہو جو مانو اسے زیبا ہے اللہ کی قسم
فَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ	جو شرف چاہو کرو منسوب اسکی ذات سے
وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمِ	کوئی عظمت کیوں نہ ہو، ہے منزلت سے اسکی کم
فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ	حد نہیں رکھتی فضیلت کچھ رسول اللہ کی
حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ	لب کشائی کیا کریں اہلِ عرب اہلِ عجم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوت میں یوں فرماتے ہیں ؎

ہر رتبہ کہ بود در امکاں بروست ختم ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:۔

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرِ	اے صاحبِ جمال اے سید البشر
مِنْ وَّجْهِكَ الْمُنِيْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرُ	آپ کے روشن چہرہ سے چاند روشن ہے

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ — آپ کی ثنا کما حقہٗ ممکن نہیں

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر — قصہ مختصر یہ کہ خدا کے بعد آپ ہی بزرگ ہیں

جو معجزات و کمالات و فضائل دیگر انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین میں جدا جدا موجود تھے ان سب کے نظائر یا ان سے بھی بڑھ کر حضور انور بابی ہو و امی کی ذات شریف میں مجتمع تھے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بغرضِ توضیح صرف چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں :-

انبیائے سابقین	سیدنا و مولٰنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
۱۔ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلٰوۃ والسلام آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے ناموں کا علم دیا۔ آپ کو فرشتوں نے سجدہ کیا۔	سیدنا و مولٰنا محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسماء کے علاوہ مسمیات کا بھی علم دیا۔ جیسا کہ حدیث طبرانی و مسند فردوس کے حوالہ سے پہلے آچکا ہے۔ آپ پر اللہ اور اللہ کے فرشتے درود بھیجتے رہتے ہیں اور مومنین بھی سلام و درود بھیجتے ہیں۔ یہ شرف اتم و اکمل ہے۔ کیونکہ سجدہ تو ایک دفعہ ہو کر منقطع ہو گیا اور درود و سلام ہمیشہ کیلئے جاری ہے اور اعم بھی۔ کیونکہ سجدہ تو صرف فرشتوں سے ظہور میں آیا اور درود میں اللہ اور فرشتے

انبیائے سابقین علیہم السلام	سیدنا و مولٰنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم
	اور مومنین شامل ہیں۔ علاوہ ازیں امام فخرالدین رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس لئے سجدے کا حکم دیا تھا کہ نور محمدی حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تھا۔
۲۔ حضرت ادریس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھایا۔	آپ کو اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں آسمانوں کے اوپر مقامِ قاب قوسین تک اٹھایا۔
۳۔ حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو غرق ہونے سی نجات دی۔	آپ کے وجود کی برکت سے آپ کی امت عذاب استیصال سے محفوظ رہی۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ[1] اللہ تعالیٰ نے کشتیٔ نوح کو بھی آپ ہی کے نور کی برکت سے غرق ہونے سے بچایا۔ کیونکہ اس وقت نور محمدی حضرت سامؑ کی پیشانی میں تھا۔[2]
۴۔ ہود علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپکی مدد کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی۔	آپ نے فرمایا کہ بادِ صبا[3] سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد مغربی ہوا سے ہلاک کی گئی۔

۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دینے کا جس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہیں۔

۲؎ دیکھو زرقانی علی المواہب۔ جزء ثالث صفحہ ۵۴

۳؎ خصائص کبریٰ بحوالہ صحیحین۔ جزء اول صفحہ ۲۳

انبیاء سابقین علیہم السلام	سیدنا و مولٰنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم
۵۔ حضرت صالح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے پتھر میں سے اونٹنی نکالی۔ آپ فصاحت میں یگانۂ روزگار تھے۔	اونٹ نے آپ کی اطاعت کی اور آپ سے کلام کیا۔ فصاحت میں کوئی آپ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔
۶۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آگ کو ٹھنڈا کردیا۔	آپ ہی کے نور[۱] کی برکت سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ آپ کی ولادت شریف پر فارس کی آگ جو ہزار برس سے نہ بجھی تھی، گل ہوگئی۔ شبِ معراج میں کرۂ نار سے آپ کا گزر ہوا اور کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ آپ کی امت میں بھی ایسے بزرگ گزرے ہیں کہ آگ میں ڈالے گئے اور سلامت رہے۔ چنانچہ ابومسلم[۲] خولانی و ذویب بن کلیب۔

۱؎ جب غزوۂ تبوک کے بعد رمضان ۹ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباس نے آپ کی اجازت سے آپ کی مدح میں چند شعر کہے ہیں۔ ان میں سے ایک شعر یہ ہے ؎

وردت نار الخلیل مکتتما — آپ حضرت خلیل اللہ کی آگ میں پوشیدہ داخل ہوئے
فی صلبہ انت کیف یحترق — آپ ان کی پشت میں تھے وہ کیسے جل سکتے تھے۔

طبرانی وغیرہ نے اس قصہ کو روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب و زرقانی۔ غزوۂ تبوک۔

۲؎ خصائص کبریٰ جزء ثانی ص۹۷

انبیائے سابقین علیہم السلام	سیدنا و مولٰنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
آپ کو مقام خلت عطا ہوا۔ اسی واسطے آپ کو خلیل اللہ کہتے ہیں۔	آپ کو نہ صرف درجۂ خلت عطا ہوا بلکہ اس سے بڑھ کر درجۂ محبت عطا ہوا اسی واسطے آپ کو حبیب اللہ کہتے ہیں[1]
آپ نے اپنی قوم کے بتخانے کے بت توڑے۔	آپ نے خانہ کعبہ کے گرد اور اوپر جو تین سو ساٹھ بت نصب تھے محض ایک لکڑی کے اشارے سے یکے بعد دیگرے گرا دیئے۔
آپ نے خانہ کعبہ بنایا	آپ نے بھی خانہ کعبہ بنایا۔ اور حجر اسود کو اسکی جگہ پر رکھ دیا۔ تاکہ آپ کی امت کے لوگ طواف وہاں سے شروع کیا کریں۔
۷۔ حضرت اسمٰعیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کو والد بزرگوار ذبح کرنے لگے تو آپ نے صبر کیا۔	اس کی نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہے جو وقوع میں آیا۔ حالانکہ ذبح اسمٰعیل وقوع میں نہ آیا۔ بلکہ ان کی جگہ دنبہ ذبح کیا گیا۔
۸۔ حضرت یعقوب علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو جب برادرانِ یوسف نے خبر دی کہ یوسف کو بھیڑیا	آپ سے بھی بھیڑیئے نے کلام کیا۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔

[1] زرقانی علی المواہب جزء خامس ص۱۹۳

انبیاء سابقین علیہم السلام	سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کھا گیا ہے تو آپ نے بھیڑیے کو بلا کر پوچھا۔ بھیڑیا بولا کہ میں نے یوسف کو نہیں کھایا۔ (خصائص کبریٰ جز ثانی ص ۱۸۲)	
آپ فراق یوسف میں مبتلا ہوتے اور صبر کیا۔ یہاں تک کہ غم کے مارے آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اور قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتے۔	آپ اپنے صاحبزادے ابراہیم کی دائمی مفارقت میں مبتلا ہوئے۔ مگر آپ نے صبر کیا حالانکہ اس وقت اور کوئی صاحبزادہ آپ کا نہ تھا۔
۹۔ حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپکو اللہ تعالیٰ نے بڑا حسن و جمال عطا فرمایا۔	آپ کو ایسا حسن عطا ہوا کہ کسی کو نہیں ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو تو نصف حسن ملا تھا مگر آپ کو تمام ملا۔
آپ خوابوں کی تعبیر بیان کرتے تھے مگر قرآن مجید میں صرف تین خوابوں کی تعبیر آپ سے وارد ہے۔	آپ سے تعبیر رویا کی کثیر مثالیں احادیث میں مذکور ہیں۔

انبیاء سابقین علیہم السلام	سیدنا و مولٰنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
آپ اپنے والدین اور وطن کے فراق میں مبتلا ہوئے	آپ نے اہل اور رشتہ داروں اور دوستوں اور وطن کو چھوڑ کر ہجرت کی
۱۰۔ حضرت ایوب علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ صابر تھے۔	صبر میں آپ کے احوال حد حصر سے خارج ہیں
۱۱۔ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کو ید بیضا عطا ہوا۔	آپ کی پشت مبارک پر مہر نبوت تھی۔ علاوہ ازیں آپ سراپا نور تھے۔ اگر آپ نے نقاب بشریت نہ اوڑھا ہوتا تو کوئی آپ کے جمال کی تاب نہ لاتا۔
آپ نے عصا مار کر پتھر سے پانی جاری کر دیا۔	آپ نے اپنی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی جاری کر دیا۔ یہ اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ پتھر سے پانی کا نکلنا متعارف ہے مگر خون و گوشت میں سے متعارف نہیں۔
آپ کو عصا عطا ہوا جو اژدہا بن جاتا تھا۔	ستون حنانہ جو کھجور کا ایک خشک تنہ تھا آپ کے فراق میں رویا اور اس سے اس بچہ کی سی آواز نکلی جو ماں کے فراق میں رو رہا ہو۔
آپ نے کوہِ طور پر اپنے رب سے کلام کیا۔	آپ نے عرش پر مقامِ قاب قوسین میں اپنے رب سے کلام کیا۔ اور دیدارِ الٰہی سے بھی بہرہ ور

انبیاء سابقین علیہم السلام	سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
	ہوئے اور حالت تمکین میں رہے ؎ موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمے
آپ نے عصا سے بحیرۂ قلزم کو دو پارہ کر دیا۔	آپ نے انگشتِ شہادت سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ معجزۂ کلیم تو زمین پر تھا اور یہ آسمان پر۔ وہاں عصا کا سہارا تھا اور یہاں صرف انگلی کا اشارہ۔
۱۲۔ حضرت یوشع علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کے لئے آفتاب ٹھہرایا گیا۔	آپ کے لئے بھی آفتاب غروب ہونے سے روکا گیا۔
آپ نے حضرت موسیٰ کے بعد جبارین سے جہاد کیا۔	آپ نے بدر کے دن جبارین سے جہاد کیا اور ان پر فتح پائی۔ آپ وفات شریف تک جہاد کرتے رہے اور جہاد قیامت تک آپ کی امت میں جاری رہے گا۔
۱۳۔ حضرت داؤد علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کے ساتھ پہاڑ تسبیح پڑھتے تھے۔	آپ کے دست مبارک میں سنگریزوں نے تسبیح پڑھی بلکہ آپ نے دوسروں کے ہاتھ میں بھی کنکروں سے تسبیح پڑھوا دی۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ آپ کے طعام میں سے تسبیح کی آواز

انبیاء سابقین علیہم السلام	سیدنا و مولٰنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
	آیا کرتی تھی کیونکہ پہاڑ تو خشوع و خضوع سے متصف ہیں مگر طعام سے تسبیح معہود نہیں۔
پرندے آپ کے مسخر کر دیئے گئے۔	پرندوں کے علاوہ حیوانات (اونٹ، بھیڑیئے شیر وغیرہ) آپ کے مسخر و مطیع کر دیئے گئے۔
آپ کے ہاتھ میں لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔	آپ کے لئے شب معراج میں صخرۂ بیت المقدس خمیر کی مانند ہو گیا تھا۔ پس آپ نے اس سے اپنا براق باندھا (دلائل حافظ ابو نعیم اصفہانی)
آپ نہایت خوش آواز تھے۔	آپ بھی نہایت خوش آواز تھے۔ چنانچہ ترمذی نے حدیث انس میں نقل کیا ہے۔ وکان نبیکم احسنہم وجھا واحسنہم صوتا۔
۱۶۔ حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو ملک عظیم عطا ہوا۔	آپ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ نبوت کے ساتھ ملک لیں یا عبودیت۔ آپ نے عبودیت کو پسند فرمایا۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے خزائن الارض کی کنجیاں آپ کو عطا فرمائیں۔ اور آپ کو اختیار دیا کہ جس کو چاہیں عطا کریں۔
آپ کے تخت کو جہاں چاہتے ہوا اڑا لے جاتی۔ صبح سے زوال تک ایک مہینہ کی	آپ کو شب معراج میں براق عطا ہوا جو ہوا بلکہ بجلی سے بھی تیز رفتار تھا۔

انبیاء سابقین علیہم السلام	سیدنا و مولٰنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم
مسافت اور زوال سے شام تک ایک مہینے کی مسافت طے کرتے تھے۔	
جن بقہر و غلبہ آپ کے مطیع تھے۔	جن بطوع و رغبت آپ پر ایمان لائے۔
آپ پرندوں کی بولی سمجھتے تھے۔	آپ اونٹ بھیڑیے وغیرہ حیوانات کا کلام سمجھتے تھے، آپ سے پتھر نے کلام کیا جسے آپ نے سمجھ لیا۔
۱۵۔ حضرت عیسٰی علٰی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ مُردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کر دیتے تھے۔	آپ نے مردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کیا۔ جب خیبر فتح ہوا تو وہاں کی ایک یہودی عورت نے آپ کو زہر آلود بکری کا گوشت بطور ہدیہ بھیجا۔ آپ نے بکری کا بازو لیا اور اس میں سے کچھ کھایا۔ وہ بازو بولا کہ مجھ میں زہر ڈالا گیا ہے۔ یہ مردے کو زندہ کرنے سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ یہ میت کے ایک جزو کا زندہ ہونا ہے۔ حالانکہ اس کا بقیہ جو اس سے الگ تھا مردہ ہی تھا۔
آپ نے مٹی سے پرندہ بنا دیا	غزوۂ بدر میں حضرت عکاشہ بن محصن کی تلوار

انبیاء سابقین علیہم السلام	سیدنا و مولٰنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم
	ٹوٹ گئی۔ آپ نے ان کو ایک خشک لکڑی دے دی۔ جب انہوں نے اپنے ہاتھ میں لیکر ہلائی تو وہ سفید مضبوط لمبی تلوار بن گئی۔
آپ نے گہوارہ میں لوگوں سے کلام کیا	آپ نے ولادت شریف کے بعد کلام کیا۔
آپ بڑے زاہد تھے۔	آپ کا زہد سب سے زیادہ تھا۔

خصائص سیّد المرسلین

صلی اللہ علیہ وسلم

فضائل و معجزات مذکورہ بالا تو وہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان مشترک ہیں۔ ان کے علاوہ اور فضائل و معجزات وغیرہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہیں۔ ان کو آپ کے خصائص کہتے ہیں۔ یہ خصائص بھی بکثرت اور حد و حصر سے خارج ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سال بڑی محنت سے احادیث و آثار و کتب تفسیر و شرح حدیث و فقہ و اصول و تصوف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص کا تتبع کیا۔ اور خصائص کبریٰ اور انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب تصنیف فرمائیں جن میں ہزار سے زائد

خصائص مذکور ہیں۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔ قطب شعرانی نے کشف الغمہ میں اپنے استاد علامہ سیوطی کے خط سے یہی خصائص نقل کئے ہیں۔

یہ خصائص چار قسم کے ہیں۔ اول وہ واجبات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختص ہیں۔ مثلاً نماز تہجد۔ دوم وہ احکام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر حرام ہیں، دوسروں پر نہیں۔ مثلاً تحریم زکوٰۃ۔ سوم وہ مباحات جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مختص ہیں۔ مثلاً نماز بعد عصر۔ چہارم وہ فضائل و کرامات جو حضور انور بابی ہوامی سے مخصوص ہیں۔ اس مختصر میں صرف قسم چہارم میں سے بعض خصائص ذکر کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نبیوں سے پہلے پیدا کیا اور سب سے اخیر میں مبعوث فرمایا۔

۲۔ عالم ارواح ہی میں آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور اسی عالم میں دیگر انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحوں نے آپ کی روح انور سے استفاضہ کیا۔

۳۔ عالم ارواح میں دیگر انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحوں سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا کہ اگر وہ حضور انور کے زمانے کو پائیں تو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔

۴۔ یوم الست میں سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلیٰ کہا تھا۔

۵۔ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور تمام مخلوقات حضور انور

ہی کے لئے پیدا کئے گئے۔

۶۔حضور کا اسم مبارک عرش کے پایہ پر اور ہر ایک آسمان پر اور بہشت کے درختوں اور محلات پر اور حوروں کے سینوں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان لکھا گیا ہے۔

۷۔کتب الہامیہ سابقہ تورات و انجیل وغیرہ میں آپ کی بشارت درج ہے۔

۸۔حضور انور بنی آدم کے بہترین قرون قرناً بعد قرن سے اور بہترین قبائل و خاندان سے ہیں۔یعنی برگزیدہ ترین برگزیدگاں اور بہترین بہتراں اور مہترین مہتراں ہیں۔

۹۔حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر حضور کے والد ماجد تک اور حضرت حوا سے لیکر حضور کی والدہ ماجدہ تک حضور کا نسب شریف سفاح (زنا) سے پاک و صاف رہا ہے۔

۱۰۔حضور انور کی ولادت شریف کے وقت بت اوندھے گر پڑے اور جنوں نے اشعار پڑھے۔

۱۱۔حضور ختنہ کئے ہوئے، ناف بریدہ اور آلودگی سے پاک و صاف پیدا ہوئے۔

۱۲۔پیدائش کے وقت آپ حالت سجدہ میں تھے اور ہر دو انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے۔

۱۳۔آپ کے ساتھ پیدائش کے وقت ایسا نور نکلا کہ اس میں آپ کی والدہ ماجدہ نے ملک شام کے محل دیکھ لئے۔

۱۴- فرشتے حضور کے گھوارے کو ہلایا کرتے تھے۔ آپ نے گھوارے میں کلام کیا۔ چنانچہ آپ چاند سے باتیں کیا کرتے۔ جس وقت آپ اس کی طرف انگشت مبارک سے اشارہ فرماتے وہ آپ کی طرف جھک آتا۔

۱۵- بعثت سے پہلے گرمی کے وقت اکثر بادل آپ پر سایہ کرتا تھا اور درخت کا سایہ آپ کی طرف آجاتا تھا۔

۱۶- حضور کا سینۂ مبارک چار دفعہ شق کیا گیا۔ یعنی حالت رضاعت میں، دس برس کی عمر شریف میں، غار حرا میں ابتدائے وحی کے وقت شب معراج میں جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

۱۷- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر عضو کا ذکر کیا ہے جس سے حق جل وعلا کی کمال محبت وعنایت پائی جاتی ہے۔

قلب مبارک { مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (نجم۔ ع ۱)
نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ (شعراء۔ ع ۱۱)

زبان مبارک { وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (نجم شروع)
فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ (دخان۔ ع ۳)

چشم مبارک مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (نجم۔ ع ۱)

چہرۂ مبارک قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ (بقرہ۔ ع ۱۷)

ہاتھ مبارک اور گردن مبارک { وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ (بنی اسرائیل۔ ع ۳)

سینہ مبارک اور پشت مبارک { اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ (انشراح شروع)

۱۸۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم مبارک (محمد) اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک (محمود) سے مشتق ہے۔

۱۹۔ حضور کے اسمائے مبارکہ میں سے تقریباً ستر نام وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

۲۰۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اسم مبارک احمد ہے۔ آپ سے پہلے جب سے دنیا پیدا ہوئی کسی کا یہ نام نہ تھا تاکہ اس بات میں کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے کہ کتب سابقہ الہامیہ میں جو احمد کا ذکر ہے وہ آپ ہی ہیں۔

۲۱۔ آپ کو آپ کا پروردگار بہشت کے طعام وشراب سے کھلاتا پلاتا تھا۔

۲۲۔ حضور اپنے پیچھے سے ایسا دیکھتے جیسا کہ سامنے سے دیکھتے۔ رات کو اندھیرے میں ایسا دیکھتے جیسا کہ دن کے وقت اور روشنی میں دیکھتے۔

۲۳۔ حضور کے دہنِ مبارک کا لعاب آبِ شور کو میٹھا بنا دیتا اور شیر خوار بچوں کے لئے دودھ کا کام دیتا۔

۲۴۔ جب آپ کسی پتھر پر چلتے تو اس پر آپ کے پائے مبارک کا نشان ہو جاتا۔ چنانچہ مقام ابراہیم میں ہے اور سنگ مکہ میں آپ کی کہنیوں کا نشان مشہور ہے۔

۲۵۔ حضور کی بغل شریف پاک وصاف اور خوشبودار تھی۔ اس میں کسی قسم کی بوئے ناخوش نہ تھی۔

۲۶- آپ کی آواز مبارک اتنی دور تک پہنچتی کہ کسی دوسرے کی نہ پہنچتی۔ چنانچہ جب آپ خطبہ دیا کرتے تھے تو نوجوان لڑکیاں اپنے گھروں میں سن لیا کرتی تھیں۔

۲۷- آپ کی قوتِ سامعہ سب سے بڑھ کر تھی یہاں تک کہ اکثر ازدحام ملائک کے سبب سے آسمان میں جو آواز پیدا ہوتی ہے آپ وہ بھی سُن لیتے تھے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام ابھی سدرۃ المنتہیٰ میں ہوتے کہ آپ ان کے بازوؤں کی آواز سن لیتے تھے اور جب وہ وہاں سے آپ کی طرف وحی کیلئے اترنے لگتے تو آپ ان کی خوشبو سونگھ لیتے۔ آسمان کے دروازوں کے کھلنے کی آواز بھی آپ سن لیا کرتے تھے۔

۲۸- خواب میں آپ کی چشمِ مبارک سو جاتی مگر دل مبارک بیدار رہتا۔ بعض کہتے ہیں کہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی یہی حال تھا۔

۲۹- آپ نے کبھی جمائی اور انگڑائی نہیں لی اور نہ کبھی آپ کو احتلام ہوا دیگر انبیائے کرام بھی اس فضیلت میں مشترک ہیں۔

۳۰- حضور انور کا پسینہ مبارک کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

۳۱- حضور میانہ قد مائل بہ درازی تھے۔ مگر جب دوسروں کے ساتھ چلتے یا بیٹھتے تو سب سے بلند نظر آتے تاکہ باطن کی طرح ظاہری صورت میں بھی کوئی آپ سے بڑا معلوم نہ ہو۔

۳۲- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا کیونکہ آپ نور ہی نور تھے

اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

۳۳۔ آپ کے بدن شریف پر مکھی نہ بیٹھتی اور کپڑوں میں جوں نہ پڑتی۔

۳۴۔ جب آپ چلتے تو فرشتے (بغرضِ حفاظت) آپ کے پیچھے ہوتے۔ اسی واسطے آپ نے اپنے اصحاب کرام سے فرمایا کہ تم میرے آگے چلو اور میری پیٹھ فرشتوں کے واسطے چھوڑ دو۔

۳۵۔ حضور انور کا خون اور تمام فضلات پاک تھے بلکہ آپ کے بول کا پینا شفا تھا۔

۳۶۔ حضور کے براز کو زمین نگل جایا کرتی تھی اور وہاں سے کستوری کی خوشبو آیا کرتی تھی۔

۳۷۔ آپ جس گنجے کے سر پر اپنا دستِ شفا پھیرتے اسی وقت بال اگ آتے۔ اور جس درخت کو لگاتے وہ اسی سال پھل دیتا۔

۳۸۔ آپ جس سر پر اپنا دست مبارک رکھتے۔ آپ کی دست مبارک کی جگہ کے بال سیاہ ہی رہا کرتے کبھی سفید نہ ہوتے۔

۳۹۔ آپ رات کے وقت دولت خانے میں تبسم فرماتے تو گھر روشن ہو جاتا۔

۴۰۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے خوشبو آتی تھی جس راستے سے آپ گزرتے۔ اس میں بوئے خوش رہتی جس سے پتہ چلتا کہ آپ یہاں سے گزرے ہیں۔

۴۱۔ جس چوپائے پر آپ سوار ہوتے وہ بول و براز نہ کرتا جب تک کہ آپ سوار رہتے۔

۴۲۔ آپ کی بعثت پر کاہنوں کی خبریں منقطع ہو گئیں اور شہابِ ثاقب کے ساتھ آسمانوں کی حفاظت کر دی گئی اور شیاطین تمام آسمانوں سے روک دیئے گئے۔

۴۳۔ حضور کا قرین و مؤکل (جن) اسلام لے آیا۔

۴۴۔ شبِ معراج میں حضور کے لئے براق مع زین و لگام آیا۔

۴۵۔ حضور انور شب معراج میں جسدِ مبارک کے ساتھ حالت بیداری میں آسمانوں سے اوپر تشریف لے گئے۔

بلکہ جائے کہ جا نبود آنجا   محرمے جز خدا نبود آنجا

اور آپ نے اپنے پروردگار جل شانہٗ کو آنکھوں سے دیکھا اور اس کے ساتھ کلام کیا۔ اسی رات آپ بیت المقدس میں نماز میں دیگر انبیائے کرام اور فرشتوں کے امام بنے۔

۴۶۔ بعضے غزوات میں فرشتے آپ کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑے۔

۴۷۔ ہم پہ واجب ہے کہ حضور پر درود و سلام بھیجیں۔ پہلی امتوں پر واجب نہ تھا کہ اپنے پیغمبروں پر درود بھیجیں۔

۴۸۔ قرآن کریم اور دیگر کتب الہامیہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوائے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پیغمبر پر درود وارد نہیں۔

۴۹۔ حضور کو اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب عطا فرمائی جو تحریف سے محفوظ اور بلحاظ لفظ و معنی معجز ہے۔ حالانکہ آپ امی تھے، لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اور نہ عالموں کی صحبت میں رہے تھے۔

۵۰- حضور انور کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ چنانچہ آپ کا ارشاد مبارک ہے۔ انما انا قاسم واللہ یعطی (میں تو بانٹنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے) ان خزانوں میں سے جو کچھ کسی کو ملتا ہے وہ آپ ہی کے دست مبارک سے ملتا ہے۔ کیونکہ آپ حضرت باری تعالیٰ کے خلیفہ مطلق و نائب کل ہیں۔ جو کچھ چاہتے ہیں باذنِ الٰہی عطا فرماتے ہیں۔

۵۱- اللہ تعالیٰ نے حضور کو جوامع کلم عطا فرمائے ہیں یعنی آپ کے کلام شریف میں فصاحت و بلاغت اور غوامض معانی اور بدائع حکم اور محاسنِ عبارت بلفظ موجز لطیف سب پائے جاتے ہیں۔

۵۲- اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر شے کا علم دیا یہاں تک کہ روح اور ان امور خمسہ کا علم بھی عنایت فرمایا جو سورۂ لقمان کے اخیر میں مذکور ہیں[1]۔

۵۳- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے جہان (انس و جن و ملائک) کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۵۴- حضور انور سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۵۵- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رعب کا یہ حال تھا کہ دشمن خواہ ایک ماہ کی مسافت پر ہوتا آپ اس پر رعب سے فتح پاتے اور وہ مغلوب ہو جاتا۔ یہ تخصیص بہ نسبت دیگر انبیائے کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہے۔ سلاطین و جبابرہ کا معاملہ خارج از مبحث ہے۔

۵۶- آپ کے لئے (اور آپ کی امت کے لئے) غنائم حلال کر دی گئیں۔

---

[1] کشف الغمہ للشعرانی بحوالہ الخصائص للسیوطی۔ جزء ثانی صـ۳۶

آپ سے پہلے کسی پر حلال نہ تھیں۔

۵۷۔ آپ کے لئے (اور آپ کی امت کے لئے) تمام روئے زمین سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنا دی گئی۔ جہاں نماز کا وقت آجائے اور پانی نہ ملے تیمم کرکے وہیں نماز پڑھ لی جاتے۔ دوسری امتوں کے لئے پانی کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ طہارت نہ تھی اور نماز بھی معین جگہ کنیسہ وغیرہ کے سوا اور جگہ جائز نہ تھی۔

۵۸۔ چاند کا ٹکڑے ہونا۔ شجر وحجر کا سلام کرنا اور رسالت کی شہادت دینا حنانہ کا رونا، اور انگلیوں سے چشمے کی طرح پانی جاری ہونا۔ یہ سب معجزات آپ کو عطا ہوئے۔

۵۹۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہ آئے گا۔

۶۰۔ حضور کی شریعت تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں کی ناسخ ہے اور قیامت تک رہے گی۔

۶۱۔ حضور کو اللہ تعالیٰ نے کنایہ سے خطاب فرمایا۔ بخلاف دیگر انبیاء کے کہ انہیں ان کے نام سے خطاب کیا ہے۔ دیکھو آیات ذیل:۔

۱۔ وَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (پ۱-ع۴)

۲۔ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (پ۱۶-طٰہٰ-ع۷)

۳۔ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ (پ۱۲-ہود-ع۴)

۴- وَ نَادٰی نُوحٌ ابْنَهٗ وَ کَانَ فِی مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَلَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ (پ ۱۲- ہود- ع ۴)

۵- یٰاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (پ ۱۲- ہود- ع ۷)

۶- وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (پ ۱- بقرہ- ع ۱۵)

۷- قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِکَلَامِیْ فَخُذْ مَاۤ اٰتَیْتُکَ وَ کُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ (پ ۹- اعراف- ع ۱۷)

۸- فَوَکَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ (پ ۲۰- قصص- ع ۲)

۹- اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ وَ عَلٰی وَالِدَتِکَ (پ ۷- مائدہ- ع ۱۵)

۱۰- قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰیَةً مِّنْکَ وَ ارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (پ ۷- مائدہ ع ۱۵)

۱۱- یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (پ ۲۳- ص- ع ۲)

۱۲- وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ (پ ۲۳- ص- ع ۳)

۱۳- یٰزَکَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ ٱسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا (پ ۱۶- مریم- ع ۱)

۱۴- كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا (پ ۳- آل عمران ع ۴)

۱۵- يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ (پ ۱۶- مریم - ع ۱)

۱۶- وَ زَكَرِيَّا اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ

(پ ۱۷- انبیاء- ع ۶)

مگر ہمارے آقائے نامدار بابی ہو وامی کو اللہ تعالیٰ یوں خطاب فرماتا ہے-

۱- يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (پ ۱۰- انفال ع ۸)

۲- يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (پ ۶- مائدہ- ع ۱۰)

۳- يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (پ ۲۹- مزمل شروع)

۴- يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (پ ۲۹- مدثر شروع)

جہاں اللہ تعالیٰ نے حضور کے نام مبارک کی تصریح فرمائی ہے وہاں ساتھ ہی رسالت یا کوئی اور وصف بیان فرمایا ہے- دیکھو آیات ذیل-

۱- وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ (پ ۴- آل عمران- ع ۱۵)

۲- مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (پ ۲۶- فتح - ع ۴)

۳- مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (پ ۲۲- احزاب- ع ۵)

۴- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (پ ۲۶- محمد- ع ۱)

۵- جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل و حبیب کا یکجا ذکر کیا ہے وہاں اپنے خلیل کا نام لیا ہے اور اپنے حبیب کو نبوت کے ساتھ یاد فرمایا ہے چنانچہ

یوں ارشاد ہوا ہے۔ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰھِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ وَھٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ ۳۔ آل عمران۔ ع ۷)

۶۲۔ حضور کو نام مبارک کے ساتھ خطاب کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ حالانکہ دوسری امتیں اپنے اپنے نبیوں کو نام کیساتھ خطاب کیا کرتی تھیں دیکھو آیات ذیل :۔

۱۔ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ ؕ (پ ۹۔ اعراف۔ ع ۱۶)

۲۔ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ھَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّکَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ (پ ۷۔ مائدہ۔ ع ۱۵)

۳۔ قَالُوْا یٰھُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَۃٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِکِیْٓ اٰلِھَتِنَا عَنْ قَوْلِکَ وَمَا نَحْنُ لَکَ بِمُؤْمِنِیْنَ (پ ۱۲۔ ہود۔ ع ۶)

۴۔ قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ ھٰذَآ اَتَنْھٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ مُرِیْبٍ (پ ۱۲۔ ہود۔ ع ۶)

مگر ہمارے آقائے نامدار ابی ہو و امی کی نسبت یوں ارشاد باری ہوتا ہے۔

لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ	مت مقرر کرو پکارنا پیغمبر کا
کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ؕ	درمیان اپنے جیسا پکارنا بعضے
(پ ۱۸۔ نور۔ ع ۹)	تمہارے کا ہے بعضوں کو۔

۶۳۔ حضور کا نام مبارک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں طاعت و معصیت، فرائض و احکام، وعدہ و وعید اور انعام و اکرام کا ذکر کرتے وقت اپنے پاک نام کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ دیکھو آیات ذیل :۔

۱- يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (پ ۵- نساء- ع ۸)

۲- يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ (پ ۹- انفال- ع ۳)

۳- وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (پ ۱۰- توبہ- ع ۹)

۴- إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلٰى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتّٰى يَسْتَأْذِنُوهُ (پ ۱۸- نور- ع ۹)

۵- يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (پ ۹- انفال- ع ۳)

۶- وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ (پ ۴- نساء- ع ۲)

۷- إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا (پ ۲۲- احزاب- ع ۷)

۸- بَرَاءَةٌ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (پ ۱۰- توبہ شروع)

۹- وَأَذَانٌ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ

اللہ بریٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۵ وَرَسُوْلُہٗ ؕ (پ ۱۰۔ توبہ۔ ع ۱)

۱۰۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَکُوْا وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ وَلَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلَا رَسُوْلِہٖ وَلَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَۃً ؕ وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (پ ۱۰۔ توبہ۔ ع ۲)

۱۱۔ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّہٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاَنَّ لَہٗ نَارَ جَھَنَّمَ خٰلِدًا فِیْھَا ؕ ذٰلِکَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ (پ ۱۰۔ توبہ۔ ع ۸)

۱۲۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ (پ ۶۔ مائدہ۔ ع ۵)

۱۳۔ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ (پ ۱۰۔ توبہ۔ ع ۴)

۱۴۔ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ ۚ (پ ۹۔ انفال شروع)

۱۵۔ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (پ ۹۔ انفال ع ۲)

۱۶۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ (پ ۵۔ نساء۔ ع ۸)

۱۷۔ وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَرَسُوْلُہٗٓ اِنَّآ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوْنَ ۝

(پ ۱۰۔ توبہ۔ ع ۱۰)

١٨- وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ (پ ١٠ شروع)

١٩- وَمَا نَقَمُوْا اِلَّا اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (پ ١٠- توبہ- ع ١٠)

٢٠- وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (پ ١٠- توبہ- ع ١٢)

٢١- وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ (پ ٢٢- احزاب- ع ۵)

٦۴- اللہ تعالیٰ نے حضور کا ذکر بلند کیا ہے۔ چنانچہ اذان اور خطبے اور تشہد میں اللہ عزوجل کے ساتھ آپ کا ذکر بھی ہے۔

٦۵- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آپ کی امت پیش کی گئی اور جو کچھ آپ کی امت میں قیامت تک ہونے والا ہے وہ سب آپ پر پیش کیا گیا بلکہ باقی امتیں بھی آپ پر پیش کی گئیں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چیز کا نام بتایا گیا۔

٦٦- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور محبت و خلت اور کلام و رویت کے جامع ہیں۔

٦٧- جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پہلے نبیوں کو ان کے مانگنے کے بعد عطا فرمایا وہ آپ کو بن مانگے عنایت فرمایا۔ دیکھو امثلہ ذیل:-

ا- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے سوال کیا۔

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ (شعراء ع ۵) اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن جی کر اٹھیں۔

حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے بارے میں خدا تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے:۔

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَہٗ (تحریم ع ۲) جس دن اللہ رسوا نہ کریگا نبی کو اور انکو جو ایمان لائے ہیں اس کے ساتھ۔

یہاں سوال سے پہلے بشارت ہے۔

(ب) حضرت ابراہیم علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:۔

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم ع ۶) مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچا۔

حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بن مانگے خدا فرماتا ہے:۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (احزاب ع ۴) اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے گھر والو۔ اور ستھرا کرے تم کو ستھرا کرنا۔

یہ ابلغ ہے اس سے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے حق میں ہوا۔ کیونکہ دعائے خلیل تو فقط عبادت اصنام کی نفی کے لئے تھی اور یہ ہر گناہ و نقص کو عام ہے۔ وہ تو اپنے بیٹوں کے حق میں خاص تھی اور یہ عام ہے ہر ایک کو کہ شامل ہے اس کو بیت حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یعنی آپ کے ازواج مطہرات اور اولاد وغیرہ۔

(ج) حضرت خلیل اللہ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:۔

وَاجْعَلْنِي مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ (شعرا - ع ۵) مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں سے کر۔

حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بن مانگے خدا فرماتا ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (کوثر) ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (ضحیٰ) اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہو جائے گا۔

(د) حضرت خلیل اللہ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:۔

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (شعرا - ع ۵) یعنی آئندہ امتوں میں قیامت تک میرا ذکر جمیل قائم رکھ۔

حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے بن مانگے اس سے بڑھ کر عطا فرمایا۔ چنانچہ سورۂ الم نشرح میں وارد ہے:۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور ہم نے تیرا نام بلند کیا

لہٰذا حضور از عرش تا فرش مشہور ہیں اور نماز و خطبہ و اذان میں اللہ کے نام مبارک کے ساتھ آپ کا نام مبارک مذکور ہے اور عرش پر، قصور بہشت پر، حوروں کے سینوں پر، درختانِ بہشت کے پتوں پر اور فرشتوں کی چشم و ابرو پر آپ کا اسم شریف لکھا ہوا ہے۔ اور آپ سے پہلے جس قدر انبیاء گزرے ہیں، وہ سب آپ کے ثنا خواں رہے ہیں اور قیامت کو ثنا خواں ہونگے۔

(ہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:۔

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ (طٰہٰ - ع ۲) اے میرے پروردگار میرا سینہ میرے واسطے روشن کر دے۔

حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بن مانگے یوں ارشاد ہوتا ہے:۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (الانشراح شروع) کیا ہم نے تیرے واسطے تیرا سینہ روشن نہیں کیا۔

(و) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے کتاب کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا پھر دس راتیں اور زیادہ کی گئیں۔ بعد ازاں کتاب تورات عطا ہوئی۔

مگر حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر کسی وعدہ سابق کے نزولِ قرآن شروع ہوا۔ چنانچہ باری تعالیٰ یُوں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا اَنْ يُّلْقٰى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اور تو توقع نہ رکھتا تو کہ اتاری جائے تجھ پر کتاب

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (قصص۔ ع ۹) مگر فضل ہو کر تیرے رب کی طرف سے۔

۶۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی رسالت پر قسم کھائی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں وارد ہے:۔

يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ يٰسٓ۔ قسم ہے قرآن محکم کی۔ تحقیق تو

لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ البتہ پیغمبروں سے ہے۔

۶۹۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی زندگی اور آپ کے شہر کی اور آپ کے زمانے کی قسم کھائی ہے۔

ا۔ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ یعنی تیری زندگی کی قسم! وہ (قوم لوط)

يَعْمَهُوْنَ (حجر۔ ع ۵) البتہ اپنی مستی میں سرگرداں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کسی اور پیغمبر کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔

ب۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی حالانکہ

وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ (سورۂ بلد) تو اترنے والا ہے اس شہر میں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر یعنی مکہ معظمہ کی قسم کھائی ہے جسے پہلے ہی سے شرفِ ذاتی حاصل تھا مگر حضور انور کے نزول سے اور شرف حاصل ہوگیا۔ مدارج النبوۃ میں یوں لکھا ہے۔ "در مواہب لدنیہ میگوید کہ روایت کردہ شدہ است از عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہ گفت مر آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم بابی انت وامی یارسول اللہ! بتحقیق رسیدہ است فضیلت تو نزد خدا بمرتبۂ کہ سوگند خورد خدا تعالیٰ بحیات تو، نہ بحیات سائر انبیاء علیہم السلام و رسیدہ است فضیلت تو نزد خدا تعالیٰ بحدیکہ سوگند خورد بخاک پائے تو و گفت لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ یعنی سوگند خوردن بہ بلد کہ عبارت است از زمین کہ بے سپر میکند آنرا پائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوگند بخاک پائے حضرت رسالت است و نظر بحقیقت معنی صاف و پاک است کہ غبارے بر آں نمے نشیند۔"

ج۔ وَالْعَصْرِۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍۙ (سورۂ عصر) قسم ہے زمانہ کی! بتحقیق انسان ٹوٹے میں ہے۔

۷۰۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وحی کی تمام قسموں کے ساتھ کلام کیا گیا۔

۷۱۔ حضور کا رؤیا وحی ہے یہی حال تمام پیغمبروں کا ہے۔ علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۷۲۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت اسرافیل علیہ السلام

نازل ہوئے جو آپ سے پہلے کسی اور نبی پر نازل نہیں ہوئے۔

۷۳۔ حضور بہترینِ اولادِ آدم ہیں۔

۷۴۔ آپ کے پچھلے اگلے گناہ (بالفرض والتقدیر) معاف کیے گئے ہیں۔ یعنی اگر آپ سے کسی گناہ (ترک اولیٰ جسے بلحاظ آپ کے منصبِ جلیل کے گناہ سے تعبیر کیا جائے) کا صدور تصور کیا جائے تو اس کی معافی کی بشارت خدا نے دے دی ہے۔ حالانکہ ایسا تصور میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ آپ سے کبھی کوئی گناہ (خواہ ترک اولیٰ ہی ہو) صادر نہیں ہوا۔ کسی دوسرے پیغمبر کو خدا تعالیٰ نے حیاتِ دنیوی میں ایسی مغفرت کی بشارت نہیں دی۔

۷۵۔ حضور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم الخلق ہیں۔ اس لئے دیگر انبیاء و مرسلین اور ملائک سے افضل ہیں۔

۷۶۔ اجتہاد میں حضور سے خطاء (بر تقدیر تسلیم وقوع) جائز نہیں۔

۷۷۔ قبر میں میت سے حضور کی نسبت سوال ہوتا ہے۔

۷۸۔ حضور کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام کیا گیا۔

۷۹۔ حضور کی ازواج مطہرات کے اشخاص واجسام کا اظہار خواہ چادروں میں پوشیدہ ہوں (باستثنائے ضرورت) جائز نہ تھا۔ اسی طرح ان پر شہادت وغیرہ کے لئے منہ ہاتھ کا ننگا کرنا حرام تھا۔

۸۰۔ حضور کی صاحبزادیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کے صاحبزادے کہلاتے ہیں۔

۸۱۔حضور کی صاحبزادیوں پر تزوّج حرام تھا۔یعنی اگر آپ کی کوئی صاحبزادی کسی مرد کے نکاح میں ہو تو اس مرد پر حرام تھا کہ کسی دوسری عورت سے بھی نکاح کرے۔

۸۲۔جس محراب کی طرف حضور نے نماز پڑھی۔اس میں کسی کو اجتہاد وتحری سے دائیں بائیں ہونا جائز نہیں۔اور اگر کوئی شخص ایسا کرے اور اصرار کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسی طرح تھی تو وہ کافر ہو گیا۔ اور اگر یہ تاویل کرے کہ یہ محراب جو اب ہے، وہ نہیں جو حضور کے زمانہ میں تھی۔بلکہ اس میں تغیر آ گیا ہے تو وہ کافر نہیں ہوتا۔

۸۳۔جس نے حضور کو خواب میں دیکھا اس نے بیشک آپ ہی کو دیکھا۔ کیونکہ شیطان آپ کی صورت شریف کی طرح نہیں بن سکتا۔اس بات پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ جس صورت سے کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا اس نے آپ ہی کو دیکھا۔تفاوت آئینے کے حال میں ہے۔جس کا آئینہ خیال زیادہ صاف اور اسلام کے نور سے زیادہ منور ہے اس کا دیکھنا درست تر اور کامل تر ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ شیطان کسی نبی کی صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا۔

۸۴۔حضور کا اسم شریف یعنی محمدؐ کسی کا نام رکھنا مبارک اور دنیا اور آخرت میں نافع ہے۔مگر ابو القاسم کنیت رکھنے میں اختلاف ہے۔بعضوں نے اسم وکنیت کے درمیان جمع کرنے سے منع کیا ہے۔اور افراد یعنی اسم وکنیت میں سے ایک کا رکھنا جائز بتایا ہے۔تفصیل مطولات میں دیکھنی چاہیئے۔

۸۵۔ کسی کے لئے جائز نہیں کہ اپنی انگوٹھی پر محمد رسول اللہ نقش کرائے جیسا کہ حضور کی انگوٹھی پر تھا۔

۸۶۔ حضور کی حدیث شریف کے پڑھنے کے لئے غسل و وضو کرنا اور خوشبو ملنا مستحب ہے۔ اور یہ بھی مستحب ہے کہ حدیث شریف کے پڑھنے میں آواز دھیمی کی جائے۔ جیسا کہ حضور کی حیات شریف میں جس وقت آپ کلام کرتے حکم الٰہی تھا کہ آپ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔ آپ کے وصال شریف کے بعد آپ کا کلام مروی و ماثور عزت و رفعت میں مثل اس کلام کے ہے جو آپ کی زبان مبارک سے سنا جاتا تھا۔ لہٰذا کلام ماثور کی قرارت کے وقت بھی وہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اور یہ بھی مستحب ہے کہ حدیث شریف اونچی جگہ پر پڑھی جائے۔ اور پڑھتے وقت کسی کی تعظیم کے لئے خواہ کیسا ہی ذی شان ہو کھڑا نہ ہووے۔ کیونکہ یہ خلاف ادب ہے۔

۸۷۔ حضور کی حدیث شریف کے قاریوں کے چہرے تازہ و شاداں رہیں گے۔

۸۸۔ جس شخص نے بحالت ایمان ایک لمحہ یا ایک نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا اسے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ طویل صحبت شرط نہیں۔ ہاں تابعی ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ صحابی کی صحبت میں دیر تک رہا ہو۔

۸۹۔ حضور کے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں۔ لہٰذا شہادت و روایت میں ان میں سے کسی کی عدالت سے بحث نہ کی جائے جیسا کہ دیگر

راویوں میں کی جاتی ہے۔ کیونکہ صحابۂ کرام کی تعدیل ظواہر کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

۹۰۔ نمازی تشہد میں حضور سے یوں خطاب کرتا ہے۔ السلام علیك ایھا النبی (آپ پر سلام اے نبی) اور آپ کے سوا کسی اور مخلوق کو اس طرح خطاب نہیں کرتا۔ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں الفاظ سے خطاب کیا تھا۔ فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ نمازی کو چاہئے کہ تشہد میں شب معراج کے واقعہ کی حکایت و اخبار کا ارادہ نہ کرے بلکہ انشار کا قصد کرے کہ گویا وہ اپنی طرف سے اپنے نبی پر سلام بھیجتا ہے۔ اگر حکایت و اخبار کی نیت ہو گی تو وہ سلام نمازی کا نہ ہو گا۔ اور تشہد جو واجب ہے ادا نہ ہو گا۔ لہٰذا نماز واجب الاعادہ ہو گی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ نمازی کو چاہئے کہ اپنے قلب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جسم کریم کو حاضر کر کے کہے۔ السلام علیك ایھا النبی۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں۔ ”و نیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں و قرۃ العین عابدان است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادت و آخر آں کہ وجود نورانیت و انکشاف دریں محل بیشتر و قوی تر است۔ و بعضے از عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات و افراد ممکنات۔ پس آنحضرت در ذات مصلیان موجود و حاضر است۔ پس مصلی را باید کہ ازیں معنیٰ آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب و اسرار معرفت متنور و فائض گردد۔“

امام عبدالوہاب شعرانی میزانِ کبریٰ (باب صفۃ الصلوٰۃ) میں لکھتے ہیں کہ مَیں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ شارع علیہ السلام نے نمازی کو التحیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کا اس لئے امر کیا ہے کہ غافلوں کو آگاہ کردے کہ تم جو اللہ عزوجل کے سامنے بیٹھے ہو۔ اس دربار میں تمہارے نبی موجود ہیں۔ کیونکہ آپ بارگاہِ الٰہی سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ اس واسطے نمازی آپ کو سلام کیساتھ روبرو خطاب کرتے ہیں۔

۹۱۔ جس مومن کو حضور پکاریں۔ اس پر آپ کو جواب دینا واجب ہے۔ خواہ وہ نماز میں ہو۔ حضرت ابوسعید بن معلیٰ کا بیان ہے کہ مَیں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا۔ مَیں نہ آیا۔ نماز سے فارغ ہو کر حاضرِ خدمت ہوا اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مَیں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اللہ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (انفال۔ ع ۳)

قبول کرو خدا اور رسول کا پکارنا جب وہ پکارے تمہیں اس چیز کے لئے جو تم کو زندہ کرے۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ انفال)

اگر کوئی مومن آپ کو جواب نہ دے تو بالاتفاق گنہگار ہے۔ اس کی نماز کے بارے میں اختلاف ہے کہ باطل ہو جاتی ہے یا نہیں۔

۹۲۔ حضور پر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں جیسا کہ آپ کے غیر پر ہے۔ حدیث صحیحین میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ "جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا۔ وہ آگ میں اپنا ٹھکانا بنالے۔" ایسے شخص کی روایت خواہ وہ توبہ کرے ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔ بعضوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

عمدًا جھوٹ باندھنا کفر ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ سخت گناہِ عظیم و کبیرہ ہے۔

۹۳۔ حضور انور کی ازواجِ مطہرات کے حجروں کے باہر سے آپ کو پکارنا حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ	البتہ وہ لوگ جو پکارتے ہیں تجھ کو حجروں
الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○	کے باہر سے ان میں اکثر عقل نہیں رکھتے
وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ	اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تُو انکی
اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ	طرف نکلتا تو یہ البتہ ان کے لئے بہتر
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (حجرات۔ ع ۱)	ہوتا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

۹۴۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلند آواز سے کلام کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

۹۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں۔ گناہ صغیرہ اور کبیرہ سے عمدًا اور سہوًا قبل از نبوت اور بعد نبوت۔ یہی مذہب مختار ہے۔

۹۶۔ حضور پر جنون اور لمبی بے ہوشی طاری نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ منجملہ نقائص ہیں۔ علامہ سبکی نے کہا کہ پیغمبروں پر نابینائی وارد نہیں ہوتی، کیونکہ یہ نقص ہے۔ کوئی پیغمبر نابینا نہیں ہوا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت جو کہا گیا کہ وہ نابینا تھے۔ سو وہ ثابت نہیں (بر تقدیر ثبوت وہ نابینائی مضر نہیں کیونکہ وہ تحقیقِ نبوت کے بعد طاری ہوئی) رہے حضرت یعقوب علیہ السلام سو ان کی آنکھوں پر پردہ آگیا تھا۔ اور وہ پردہ دور ہو گیا۔ مشہور یہ ہے کہ کوئی پیغمبر اصم (بہرا) نہ تھا۔

۹۷۔ حضور کی برارت و تنزیہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمادی، بخلاف دیگر انبیائے کرام کے کہ اپنے مکذبین کی تردید وہ خود کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قوم نوحؑ نے جب ان سے کہا:۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○	تحقیق ہم تجھے صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

اس کی نفی خود حضرت نوح علیہ السلام نے کی، جب ان سے کہا:۔

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (پ ۸۔ اعراف۔ ع ۸)	اے میری قوم مجھ میں گمراہی نہیں ولیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

قومِ ہودنے ان سے کہا:۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○	تحقیق ہم تجھ کو بیوقوفی میں دیکھتے ہیں اور تجھے جھوٹوں سے گمان کرتے ہیں۔

اس پر ہود علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (پ ۸۔ اعراف۔ ع۔ ۹)	اے میری قوم مجھ میں بیوقوفی نہیں۔ ولیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

فرعون نے حضرت موسٰی علیہ السلام سے کہا تھا:۔

اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ○	تحقیق میں تجھے اے موسٰی جادو کیا ہوا گمان کرتا ہوں۔

اس پر حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا
(پ۱۵- بنی اسرائیل - ع ۱۲)

اور تحقیق میں تجھے اے فرعون ہلاک کیا گیا گمان کرتا ہوں۔

قوم شعیبؑ نے ان سے کہا:-

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ○
(ہود - ع ۸)

تحقیق البتہ ہم تجھ کو اپنے درمیان کمزور دیکھتے ہیں۔ اگر تیری برادری نہ ہوتی تو البتہ ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے اور تو ہم پر قدرت والا نہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام اس کا جواب یوں دیتے ہیں:-

یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْۤ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ○
(ہود - ع ۸)

اے میری قوم! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ عزیز ہے اور تم نے اسکو اپنی پیٹھ پیچھے ڈالا ہوا ہے۔ تحقیق میرا پروردگار گھیرنے والا ہے اس چیز کو کہ تم کرتے ہو۔

کفار نے ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو طعن و تنقیص کی، حق سبحانہ نے بذاتِ خود اس کی تردید فرما دی۔ جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان محبوبیت عیاں ہے۔ چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

کفار کا اعتراض وطعن	باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا جواب

(۱)

کفار کا اعتراض وطعن	باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا جواب
يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ○ (حجر - ع ۱)	مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ○ (قلم - ع ۱)
اے وہ شخص کہ اتارا گیا اس پر قرآن۔ تُو البتہ دیوانہ ہے۔	نہیں تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ

(۲)

کفار کا اعتراض وطعن	باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا جواب
أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ○ (صافات ع ۲)	بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ○ (صافات ع ۲)
کیا ہم چھوڑ دینے والے ہیں اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کے واسطے۔	بلکہ وہ لایا ہے حق اور سچا کیا ہے پیغمبروں کو
	وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ط (یٰسٓ - ع ۵)
	اور ہم نے اس کو شعر نہیں سکھایا۔ اور اسکے لائق نہیں۔

(۳)

کفار کا اعتراض وطعن	باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا جواب
إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ○ (بنی اسرائیل - ع ۵)	اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ○ (بنی اسرائیل ع ۵)
نہیں پیروی کرتے تم مگر ایک مرد مسحور (جادو مارا) کی	دیکھ کیونکر بیان کیں انہوں نے تیرے واسطے مثالیں۔ پس وہ گمراہ ہو گئے۔ پس نہیں پا سکتے کوئی راہ (طعن کی)

(۴)

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ○ (انفال - ع ۴)

اگر ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسا - یہ کچھ نہیں مگر قصے کہانیاں پہلوں کی -

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ○

(بنی اسرائیل - ع ۱۰)

کہہ دے اگر جمع ہوویں آدمی اور جن اس پر کہ لاویں ایسا قرآن - تو نہ لاویں گے ایسا خواہ مدد کریں ایک کی ایک -

(۵)

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ (یونس - ع ۴)

یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو باندھ لیا ہے -

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ (یونس - ع ۴)

کہہ دے تم لے آؤ ایک سورت ایسی - اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ کے سوا - اگر ہو تم سچے -

(۶)

لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً (فرقان - ع ۳)

كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ○ (فرقان - ع ۳)

کفار کا اعتراض و طعن	باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا جواب
آپ پر قرآن ایک دفعہ کیوں نازل نہیں کیا گیا۔	اسی طرح اتارا ہم نے تا کہ ثابت رکھیں ہم اس کے ساتھ تیرے دل کو۔ اور آہستہ آہستہ پڑھا ہم نے اس کو آہستہ پڑھنا (یعنی ہر بات کے وقت پر اس کا جواب آتا رہے تو پیغمبر کا دل ثابت رہے۔ موضح)

(۷)

کفار کا اعتراض و طعن	باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا جواب
لَسْتَ مُرْسَلًا (رعد۔ اخیر آیت) تو رسول نہیں۔	قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (رعد اخیر آیت) کہہ دے کافی ہے اللہ گواہی دینے والا درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور وہ شخص کہ اس کے پاس ہے علم کتاب کا۔ یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ یٰسٓ۔ قسم ہے قرآن محکم کی تحقیق تو البتہ رسولوں میں سے ہے۔

(۸)

کفار کا اعتراض و طعن	باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا جواب
اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل۔ ع ۱۱)	قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ

کفار کا اعتراض وطعن	باری تعالیٰ عزاسمہٗ کا جواب
کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟	مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل - ع ١١) کہہ دے اگر ہوتے زمین میں فرشتے چلا کرتے آرام سے۔ تو البتہ ہم اتارتے ان پر آسمان سے فرشتے کو پیغمبر بنا کر۔ مطلب یہ کہ تجانس موجب توانس اور تخالف موجب تباین ہے۔ اس لئے فرشتوں کے لئے فرشتہ مبعوث ہونا چاہیئے۔ اور اہلِ ارض کے لئے بشر رسول چاہیئے۔

(٩)

کفار کا اعتراض وطعن	باری تعالیٰ عزاسمہٗ کا جواب
مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط (فرقان - ع ١) کیا ہوا ہے اس پیغمبر کو کہ کھاتا ہے کھانا اور چلتا ہے بازاروں میں۔	وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ط (فرقان - ع ٢) اور نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے پیغمبر مگر تحقیق وہ البتہ کھاتے تھے کھانا اور چلتے تھے بازاروں میں۔

(١٠)

کفار کا اعتراض وطعن	باری تعالیٰ عزاسمہٗ کا جواب
لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (زخرف - ع ٣)	اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ط نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

کفار کا اعتراض وطعن	باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا جواب
کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ایک بڑے مرد پر ان دو بستیوں سے۔	وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ (زخرف - ع ۳) کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے پروردگار کی رحمت کو۔ ہم نے بانٹی ہے ان کے درمیان ان کی روزی حیات دنیا میں۔ اور ہم نے بلند کیا ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں۔ تاکہ پکڑیں بعضے ان کے بعضوں کو محکوم۔ اور تیرے پروردگار کی رحمت بہتر ہے اس چیز سے کہ وہ جمع کرتے ہیں۔

(۱۱)

کفار کا اعتراض وطعن	باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا جواب
هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ○ (سبا - ع ۱) کیا ہم راہ بتادیں تم کو اس شخص کیطرف جو خبر دیتا ہے تم کو کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے نہایت ریزہ ریزہ ہونا۔ تحقیق	اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ○ (سبا - ع ۱) کیا باندھ لیا ہے اس نے اللہ پر جھوٹ یا اس کو جنون ہے۔ بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے عذاب اور دور کی گمراہی میں ہیں۔

البتہ نبی پیدائش ہیں ہو گے۔

(١٢)

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام سے نکل رہے تھے کہ باب بنی سہم میں عاص بن وائل سہمی آپ سے ملا اور کلام کیا۔ جب وہ مسجد میں داخل ہوا تو اشقیائے قریش نے پوچھا کہ تم کس سے باتیں کر رہے تھے۔ عاص بولا کہ اسی ابتر (بے نسل) سے حضور کا صاحبزادہ جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن مبارک سے تھا انتقال کر چکا تھا۔ اس لئے عاص نے حضور کو یہ طعن دیا کہ زندگی تک ان کا نام ہے پیچھے کون نام لے گا (مدارج النبوۃ)

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝ (کوثر)
تحقیق تیرا دشمن وہی ہے بے نسل۔
چنانچہ عاص مذکور کا نام نابود ہو گیا۔
مگر حضور انور بابی ہو و امی کا نام قیامت تک روشن ہے۔ اور آپ کی ذریت قیامت تک رہے گی۔

١٣

حضرت کو کئی دن وحی نہ آئی۔ دل مکدر رہا۔ تہجد کو نہ اٹھے۔ کافروں نے کہا اسکو چھوڑ دیا اسکے رب نے (موضح القرآن)

وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ إِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ (الضحیٰ)
قسم ہے دن چڑھے کی اور رات کی جب

کفار کا اعتراض وطعن	باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا جواب
	ڈھانپ لیوے نہیں چھوڑ دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ ناخوش رکھا۔ موضح القرآن میں ہے کہ پہلے فرمائی دھوپ روشن کی اور رات اندھیری کی۔ یعنی ظاہر میں بھی اللہ تعالیٰ کی دو قدرتیں ہیں۔ باطن میں بھی کبھی چاندنا ہے کبھی اندھیرا۔ دونوں اللہ کے ہیں۔ اللہ سے دور کبھی نہیں بندہ۔

(۱۴)

کفار کا اعتراض وطعن	باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا جواب
هُوَ اُذُنٌ ط (توبہ۔ ع ۸) وہ ہر کسی کی بات سن کر لگ جانے والا ہے۔	قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ (توبہ ع ۸) کہہ دے وہ اچھا سننے والا ہے تمہارے واسطے ایمان لاتا ہے اللہ پر اور باور کرنے والا ہے مومنوں کی بات، اور رحمت ہے واسطے ان (منافقوں) کے جنہوں نے اظہار ایمان کیا تم میں سے۔

(۱۵)

کفار کا اعتراض وطعن	باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا جواب
منافقوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم عائشہ صدیقہؓ پر بہتان لگایا تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔	خود اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہؓ کی برات آسمان سے نازل فرمائی۔ (دیکھو سورۂ نور۔ ع ۳)

۹۸۔ جو شخص حضور کو سبّ و شتم کرے یا کسی وجہ سے صراحۃً یا کنایۃً آپ کی تنقیص شان کرے۔ اس کا قتل کرنا بالاتفاق واجب ہے۔ مگر اس میں اختلاف ہے۔ کہ یہ قتل کرنا بطریق حد ہے کہ بالفعل مار ڈالنا چاہیئے اور توبہ نہ کرانی چاہیئے۔ یا بطریق ردت ہی کہ اس سے توبہ طلب کی جائے۔ اگر توبہ کرے تو بخش دینا چاہیئے۔ اس مسئلے میں مختار قول اول ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اہانت کرنے والا مسلمان ہو۔ اگر کافر ہو۔ اور اسلام لاوے تو درگزر کرنا چاہیئے۔

۹۹۔ اگر حضور بنفس نفیس جہاد کے لئے نکلیں تو ہر مسلمان پر واجب تھا کہ آپ کے ساتھ نکلے۔ اور اگر کوئی ظالم آپ کے قتل کا قصد کرے تو جو مسلمان حاضر ہو اس پر واجب تھا کہ آپ کی حفاظت میں اپنی جان سے دریغ نہ کرے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ	نہ چاہیئے مدینے والوں کو اور جو انکے
حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ	گرد اعراب ہیں کہ رہ جائیں رسول اللہ
يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا	کے ساتھ سے اور نہ یہ کہ اپنی جان کو
يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ	چاہیں زیادہ ان کی جان سے۔

(توبہ ۔ ع ۱۵)

۱۰۰۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس شخص کیلئے جس حکم کی تخصیص چاہتے کر دیتے۔ چنانچہ آپ نے حضرت خزیمہ انصاری کے لئے یہ تخصیص فرمائی کہ ان کی شہادت، حکم دو شہادت کا رکھتی ہے۔ اسی طرح آپ نے حضرت

ام عطیہ انصاریہ کو نیاحت کی رخصت دی۔ اور حضرت اسماء بنت عمیس کو رخصت دی کہ وہ اپنے خاوند حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت پر صرف تین دن سوگواری کرے۔ بعد ازاں جو چاہے کرے۔ اور حضرت ابوبردہ بن نیار کو اجازت دے دی کہ تمہارے واسطے قربانی میں ایک سال سے کم کا بزغالہ کافی ہے۔ اور آپ نے ایک فقیر سے ایک عورت کا نکاح کر دیا۔ اور اس کا مہر یہ مقرر فرمایا کہ فقیر کو جتنا قرآن یاد تھا وہ اس عورت کو پڑھا دے۔

۱۰۱۔ حضور کو تپ اس شدت سے چڑھتا تھا جیسا کہ دو آدمیوں کو چڑھتا ہے۔ تاکہ ثواب دو چند ملے۔

۱۰۲۔ مرض موت میں حضور انور کی عیادت کیلئے حضرت جبرئیل علیہ السلام تین دن حاضرِ خدمت ہوتے رہے۔

۱۰۳۔ جب ملک الموت حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو اذن طلب کیا۔ آپ سے پہلے اس نے کسی نبی سے اذن طلب نہیں کیا۔

۱۰۴۔ حضور کے جنازہ شریف کی نماز مسلمانوں نے گروہا گروہ الگ الگ بغیر امامت کے پڑھی۔ آپ کے غلام شقران نے جسدِ مبارک کے نیچے لحد میں قطیفہ نجرانیہ بچھا دی جو آپ اوڑھا کرتے تھے۔ نماز بے جماعت اور قطیفہ کا بچھانا آپ کے خصائص سے ہے۔

۱۰۵۔ آپ کے جسم مقدس کو مٹی نہیں کھاتی۔ تمام پیغمبروں کا یہی حال ہے۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۱۰۶۔ حضور نے بطور میراث کچھ نہیں چھوڑا۔ جو کچھ آپ نے چھوڑا وہ صدقہ ووقف تھا۔ اور اس کا مصرف وہی تھا جو آپ کی حیات شریف میں تھا۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

۱۰۷۔ حضور اپنے مرقد شریف میں حیاتِ حقیقیہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ تمام پیغمبروں کا یہی حال ہے۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۱۰۸۔ حضور کا مرقد منور کعبہ مکرمہ اور عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے۔

۱۰۹۔ آپ کے مرقد منور پر ایک فرشتہ مؤکل ہے۔ جو آپ کی امت کے درود آپ کو پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ امام احمد و نسائی کی روایت میں ہے۔ جس وقت کوئی شخص آپ پر درود بھیجتا ہے وہ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ یا محمدؐ! اس وقت فلاں بن فلاں آپ پر درود بھیجتا ہے۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ کے فرشتے ہیں جو زمین میں گشت کرتے ہیں۔ وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

۱۱۰۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر روز صبح وشام آپ کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ نیک اعمال پر آپ اللہ کا شکر بجالاتے ہیں اور برے اعمال کے لئے بخشش طلب فرماتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کی کہ کوئی روز ایسا نہیں، مگر یہ کہ صبح وشام امت کے اعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کئے جاتے ہیں۔ پس آپ ان کی پیشانیوں سے اور ان کے اعمال سے

پہچانتے ہیں۔

۱۱۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے قبر مبارک سے نکلیں گے۔ آپ کا حشر اس حالت میں ہوگا کہ آپ براق پر سوار ہونگے۔ اور ستر ہزار فرشتے ہمرکاب ہونگے۔ حضرت کعب احبار کی روایت میں ہے کہ "ہر روز صبح کو ستر ہزار فرشتے آسمان سے اتر کر حضور انور کی قبر مبارک کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے بازو ہلاتے ہیں۔ (اور آپ پر درود بھیجتے ہیں) اسی طرح شام کے وقت وہ آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ اور ستر ہزار اور حاضر ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب آپ قبر شریف سے نکلیں گے تو ستر ہزار فرشتے آپ کے ساتھ ہونگے۔ موقف میں آپ کو بہشت کے حلّوں کی نہایت نفیس خلعت عطا ہوگی۔

۱۱۲۔ آپ کے منبر منیف اور قبر مبارک کے مابین بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

۱۱۳۔ حضور کو قیامت کے دن مقام محمود عطا ہوگا۔ جس سے مراد بقولِ مشہور مقامِ شفاعت ہے۔

۱۱۴۔ قیامت کے دن اہلِ موقف طول وقوف کے سبب سے گھبرا جائیں گے اور بغرض شفاعت دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس یکے بعد دیگرے جائیں گے۔ اور آخر کار حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونگے۔ آپ کو اہلِ موقف میں فصل قضاء کے لئے شفاعت عظمیٰ عطا ہوگی۔ اور ایک جماعت کے حق میں بغیر حساب جنت میں داخل کئے جانے کے لئے اور دوسری جماعت کے رفع درجات

کے لئے شفاعت کی اجازت ہو جائے گی۔ اس طرح ستر ہزار بہشت میں بے حساب داخل ہونگے اور ستر ہزار کے ساتھ اور بہت سے بے حساب بہشت میں جائیں گے۔ اس کے علاوہ آپ کو اپنی امت کے لئے اور کئی قسم کی شفاعت کی اجازت حاصل ہو گی۔

۱۱۵۔ قیامت کے دن حضور سے تبلیغ پر شاہد طلب نہ کیا جائے گا۔ حالانکہ باقی انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے طلب کیا جائے گا۔ اور آپ تمام انبیائے کرام کے لئے تبلیغ کی شہادت دیں گے۔

۱۱۶۔ حضور انور کو حوضِ کوثر عطا ہو گا۔

۱۱۷۔ حضور کا منبر منیف آپ کے حوض پر ہو گا۔

۱۱۸۔ قیامت کے دن حضور کی امت پہلے سب پیغمبروں کی امتوں سے زیادہ ہو گی۔ کُل اہلِ بہشت کی دو تہائی آپ ہی کی امت ہو گی۔

۱۱۹۔ قیامت کے دن ہر ایک نسب وسبب منقطع ہو گا (یعنی سود مند نہ ہو گا) مگر حضور کا نسب وسبب منقطع نہ ہو گا۔ اسی واسطے حضرت عمر فاروق نے ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا سے نکاح کیا تھا۔

۱۲۰۔ قیامت کے دن لوائے حمد حضور کے دستِ مبارک میں ہو گا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے سوا اور تمام انبیاء علیہم السلام اس جھنڈے تلے ہونگے۔

۱۲۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (امت سمیت) سب سے پہلے پل صراط سے گذریں گے۔

۱۲۲-حضور سب سے پہلے بہشت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے خازنِ جنت پوچھے گا کہ کون ہیں۔ آپ فرمائیں گے کہ مَیں محمد ہوں۔ وہ عرض کریگا کہ مَیں اٹھ کر کھولتا ہوں۔ مَیں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہیں اٹھا اور نہ آپ کے بعد کسی کے لئے اٹھوں گا۔ پھر آپ سب سے پہلے بہشت میں داخل ہونگے۔

۱۲۳-آپ کو وسیلہ عطا ہوگا۔ جو جنت میں اعلیٰ درجہ ہے۔

۱۲۴-جنت میں حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی کنیت ان کی تمام اولاد میں سے سوائے حضور کے کسی اور کے نام پر نہ ہوگی چنانچہ ان کو ابو محمد کہا جائے گا۔

۱۲۵-جنت میں سوائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب (قرآن کریم) کے کوئی اور کتاب نہ پڑھی جائیگی۔ اور نہ سوائے حضور کی زبان کے کسی اور زبان میں کوئی تکلّم کرے گا۔

نواں باب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولاد کرام کا بیان

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات کی فضیلت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورۃ احزاب میں باری تعالیٰ عز اسمہ ارشاد فرماتا ہے

۱- یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝	اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگانی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ فائدہ دوں اور خوش اسلوبی سے تمہیں رخصت کر دوں۔
۲- وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝	اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور سرائے آخرت کو چاہتی ہو تو تم میں[۱] سے نیکوکاروں کیلئے خدا نے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

---

[۱] موضح القرآن میں ہے کہ یہ جو فرمایا کہ جو نیکی پر رہیں ان کو بڑا ثواب ہے۔ حضرت کی ازواج سب نیک ہی رہیں وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ مگر حق تعالیٰ صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تا نڈر نہ ہو جاوے۔ خاتمہ کا ڈر لگا رہے۔ مدارک و بیضاوی میں ہے کہ مِنْكُنَّ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ کیونکہ ازواج مطہرات سب محسنات تھیں

۳- يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو صریح بے حیائی کا کام کرے گی۔ اس کو دہری سزا دی جائے گی۔ اور یہ خدا پر آسان ہے۔

۴- وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝

اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کے لئے فرمانبرداری اور نیک عمل کریگی ہم اسکو دوہرا ثواب دینگے اور اس کیلئے ہم نے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔

۵- يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مثل نہیں ہو۔ اگر تم پرہیزگاری رکھو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو جس سے وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہے لالچ کرے اور تم نیک بات کہا کرو۔

۶- وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝

اور تم اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔ اور قدیم جاہلیت کے سے بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو۔ اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ اور خدا اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اے اہل بیت نبی! خدا تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دور کر دے اور تم کو خوب پاک کر دے

۷۔ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝

اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں اور دانائی کی باتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اُن کو یاد کرو۔ بیشک اللہ لطف کرنے والا اخبردار ہے۔

آیات مذکورہ بالا سے متعلق امور ذیل قابل غور ہیں:۔

(آیہ ۱ و ۲) ہجرت کے نویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلار کیا۔ جب ۲۹ دن گزرنے پر مہینہ پورا ہوا تو حضرت جبرئیلؑ یہ آیۂ تخییر لائے اس وقت ازواجِ مطہرات نو تھیں۔ یعنی حضرات عائشہ و حفصہ وام حبیبہ بنت ابی سفیان وسودہ بنت زمعہ وام سلمہ بنت ابی امیہ وصفیہ بنت حیی بن اخطب ومیمونہ بنت حارث ہلالیہ وزینب بنت جحش اسدیہ وجویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہن۔ ان سب نے زینتِ دنیا پر اللہ اور رسول کو اختیار کیا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ نہ دُنیا چاہتی تھیں اور نہ ان کے دلوں میں دنیا کی زینت کی کچھ ہوس تھی۔ کیونکہ اگر ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مفارقت کر کے کچھ دے دلا کر انہیں رخصت فرما دیتے۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ پس معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رضائے خدا ورسول کی طلبگار تھیں۔ اور حسن آخرت کی متمنی تھیں اس عمل نیک پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انہیں کو پر مقصور کر دیا اور فرما دیا:۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ

اس کے بعد تیرے واسطے اور عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ تو ان کی بجائے

وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ط — اوروں کو بیویاں بنالے اگرچہ ان کا حسن تجھ کو اچھا لگے۔ مگر وہ جن کا مالک ہو گیا تیرا دایاں ہاتھ۔

یعنی چونکہ انہوں نے آپ کو اختیار کیا ہے اس لئے آپ بھی ان پر دوسری عورتوں کو اختیار نہ کریں۔

(آیہ ۳ و ۴) اسی نیک عمل پر جزائے مذکورہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو یہ شرف بخشا کہ خود اُن سے خطاب کیا۔ اور ان کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت دیکر فرمایا۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے اگر کوئی ناشائستہ حرکت کرے گی تو دیگر عورتوں کی نسبت اسے دگنا عذاب ہوگا۔ اور اگر نیک عمل کریگی تو اسے دوسری عورتوں سے دگنا ثواب ملیگا۔ موضح القرآن میں ہے۔ یہ بڑے درجے کا لازمہ ہے نیکی کا ثواب دونا اور برائی کا عذاب دونا، پیغمبر کو بھی فرمایا۔

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ — اس وقت البتہ ہم تجھے چکھاتے دگنا عذاب زندگی کا اور دگنا عذاب موت کا۔

(بنی اسرائیل - ع ۸) (انتہیٰ)

اس سے ازواج مطہرات کا مقربات درگاہِ الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حر کی حد رقیق کی حد سے دگنی ہے۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام کو ان امور پر عتاب ہوتا ہے جن پر دوسرے لوگوں کو نہیں ہوتا۔ یہاں سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ازواج مطہرات باقی تمام عورتوں سے بہتر تھیں۔ کیونکہ ان کا عذاب و ثواب باقی تمام عورتوں کے عذاب و ثواب سے دگنا ہے۔

یہاں ازواجِ مطہرات کے لئے یہ بھی بشارت ہے کہ اُن سے کوئی کھلی ناشائستہ حرکت سرزد نہ ہوگی کیونکہ آیہ (۳۰) سورۂ احزاب از قبیل لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ[1] ہے باینہمہ جو لوگ ازواج مطہرات کے حق میں دریدہ دہنی کرتے ہیں وہ اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کی ازواج کو ناشائستہ حرکات سے محفوظ رکھا ہے۔ اور اجر مضاعف کے علاوہ انکے لئے آخرت میں رزق کریم تیار کر رکھا ہے۔ اس سے ان کا بہشتی ہونا ظاہر ہے۔

(آیہ ۵)۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کے لئے تضعیف ثواب و عذاب کی وجہ بیان فرمادی کہ تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔ تم میں وہ وصف ہے جو اوروں میں نہیں۔ یعنی تم تحریم نکاح اور احترام و تعظیم کے لحاظ سے مومنوں کی مائیں ہو (وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ) اور زوجاتِ سید المرسلین ہو۔ پھر فرمایا۔ کہ اگر تم حکمِ الٰہی اور رضائے رسول کی مخالفت سے ڈرتی ہو تو پس پردہ سے مردوں کے ساتھ نرمی سے کلام نہ کرو۔ کیونکہ ایسا کرنا اگرچہ فاجر سے فاجر مومن میں کسی شہوت و طمع کا باعث نہیں ہو سکتا، مگر منافق میں ہو سکتا ہے۔ اور تم ایسی نیک بات کیا کرو جو تہمت و اطماع سے پاک ہو۔ یعنی سنجیدگی و خشونت سے کلام کیا کرو اور ناز و کرشمہ سے بات نہ کیا کرو۔

(آیہ ٦) اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو۔ کیونکہ تمہارا تبرز یعنی باہر نکلنا کرشمہ آمیز کلام سے بھی زیادہ طمع دلانے والا ہے۔ اور تم جاہلیت اولیٰ کی عورتوں

---

[1] یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ یعنی اگر بر سبیل فرض و تقدیر تو شرک کرے گا اگرچہ یہ محال ہے تیرا عمل باطل ہو جائے گا۔ (زمر ع ۷)

کی طرح چلنے میں تبختر نہ کرو۔ کیونکہ تبختر تو تبرز سے بھی اشد ہے۔ اور تم نماز و زکوٰۃ
ادا کیا کرو۔ اور تمام اوامر و نواہی میں خدا اور رسول کی اطاعت کیا کرو۔ کیونکہ
اے اہل بیت نبی! اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی دور کر دے
اور پاک و صاف بنائے جیسا کہ پاک صاف بنانے کا حق ہے۔

(آیہ ۷) اور تمہارے گھروں میں جو آیات تلاوت کی جاتی ہیں تم ان کو
یاد کر لیا کرو تاکہ خود عمل کرو اور دوسروں کو بھی بتاؤ۔

آیہ (۶) میں جسے آیۂ تطہیر کہتے ہیں اس بات کا ثبوت ہے کہ ازواج
مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت ہیں۔ اسی واسطے
ازواج کے ساتھ مطہرات استعمال کیا جاتا ہے۔ آیہ (۱) سے آیہ (۷) تک ان
ہی سے خطاب اور ان ہی کا ذکر ہے۔ اور ان ہی کے لئے اوامر و نواہی بیان
ہوئے ہیں۔ مگر شیعہ کہتے ہیں کہ آیات سابقہ و لاحقہ کے احکام تو ازواج
کے لئے ہیں۔ درمیان میں صرف آیہ (۶) میں ان سے خطاب نہیں بلکہ فقط
حضرات علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم مخاطب ہیں۔ ان کا یہ قول
محض ہٹ دھرمی ہے۔ ان چاروں کا آیات میں ذکر تک نہیں۔ باعتبار
موارِدِ آیات سابقہ و لاحقہ کسی اجنبی کے ساتھ فصل موجب فسادِ بلاغت
ہے۔ زوجہ کا مرد کے اہل بیت میں ہونا نصِ قرآن سے ثابت ہے دیکھو
آیات ذیل:-

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ	فرشتے (ابراہیم سے) بولے ڈرو مت۔ ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور ان کی

فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ○ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

(ہود - ع ۷)

بیوی (سارہ) کھڑی تھی - وہ ہنس پڑی ہم نے اسکو اسحاق اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی - وہ کہنے لگی - ہائے میری خرابی! کیا میرے اولاد ہو گی - حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا شوہر بوڑھا ہے - بیشک یہ عجیب بات ہے - فرشتے بولے - کیا تو خدا کے امر سے تعجب کرتی ہے - اے اہل بیت نبی! تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں وہ بیشک تعریف کیا گیا اور بزرگ ہے -

اِن آیتوں میں فرشتوں نے حضرت سارہ کو بیٹا اور پوتا پیدا ہونے کی بشارت دی ہے - حضرت سارہ اس پر تعجب کرتی ہیں - فرشتے حضرت سارہ کو لفظ اہل بیت سے خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ یہ جائے تعجب نہیں تم پر خدا کی رحمت اور برکتیں ہیں جنمیں سے ایک یہ بھی ہے - مزید بحث کے لئے تحفۂ شیعہ مؤلفہ خاکسار دیکھو -

ازواج مطہرات کی تعداد میں اختلاف ہے - گیارہ پر سب کا اتفاق ہے - جن میں سے چھ (حضرات خدیجہ، عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، ام سلمہ، سودہ) قبیلہ قریش سے اور چار (حضرات زینب بنت جحش، میمونہ، زینب بنت خزیمہ، جویریہ) عربیات غیر قریش خلفائے قریش سے ہیں - اور ایک (حضرت صفیہ) غیر عربیہ بنی اسرائیل سے ہے - ذیل میں بہ ترتیبِ تزوج ان سب کا حال بطریق اختصار

لکھا جاتا ہے[1]

حضرت خدیجہ بنت خویلد

اِن کا سلسلہ نسب قصی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے جا ملتا ہے۔ حضور کی بعثت سے پہلے طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان کی پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تیمی سے ہوئی۔ جن سے دو لڑکے ہند و ہالہ نام پیدا ہوئے۔ یہ دونوں صحابی ہیں۔ حضرت ہند کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ شریف منقول ہے۔

ابوہالہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوئی جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام بھی ہند تھا۔ یہ اسلام لائیں اور اپنے چچیرے بھائی صیفی بن امیہ بن عائذ مخزومی سے شادی کی۔ ان سے ایک لڑکا محمد بن صیفی پیدا ہوا جس کی اولاد کو حضرت خدیجہ کے تعلق کے سبب سے بنو طاہرہ کہتے ہیں۔

عتیق کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سوائے ابراہیم کے اسی نیک نہاد بیوی کے بطن مبارک سے تھی۔ تفصیل آگے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت خدیجہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں نکاح کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں۔ ان کی زندگی میں حضور علیہ الصلوٰۃ

---

[1] یہ حالات عموماً زرقانی علی المواہب سے ماخوذ ہیں۔ زرقانی نے بحوالہ دیگر کتب انکو یکجا جمع کر دیا ہے

والسلام نے دوسری شادی نہیں کی۔ انہوں نے اپنے مال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد دی۔ ایک روز حرا میں حضور اقدس کے لئے کھانا لا رہی تھیں۔ حضرت جبرئیل نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خدیجہ جب آئیں تو آپ ان کو ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام پہنچا دیں اور بہشت میں ایک موتیوں کے محل کی بشارت دیں۔

ازواجِ مطہرات میں حضرت خدیجہ و عائشہ باقی سب سے افضل تھیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے ہجرت سے تین سال پہلے ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اور کوہ حجون میں دفن ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبر میں اتارا۔ ان پر نماز نہ پڑھی گئی۔ کیونکہ اس وقت تک نماز جنازہ فرض نہ ہوئی تھی۔

حضرت سودہ بنت زمعہ

انکا سلسلۂ نسب کعب بن لوئی بن غالب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ قدیم الاسلام تھیں۔ پہلے اپنے والد کے چچیرے بھائی سکران بن عمرو بن عبد شمس کے نکاح میں تھیں۔ حضرت سکران بھی قدیم الاسلام تھے۔ دونوں نے حبشہ کیطرف ہجرتِ ثانیہ کی۔ جب مکہ میں واپس آئے تو حضرت سکران نے وفات پائی اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا۔ جس کا نام عبد الرحمٰن تھا۔ حضرت عبد الرحمٰن نے جنگ جلولا، (آخر سنہ ۱۶ھ) میں شہادت پائی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے انتقال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت پریشانی ہوئی۔ کیونکہ گھر بار بال بچوں کا انتظام ان ہی سے متعلق تھا۔ یہ

دیکھ کر خولہ بنت حکیم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نکاح کر لیجئے۔ فرمایا کس سے؟ خولہ نے حضرت عائشہ و سودہ کا نام لیا۔ آپ نے دونوں سے خواستگاری کی اجازت دیدی۔ خولہ حضرت سودہ کے پاس گئیں اور کہا کہ خدا نے تم پر کیسی خیر و برکت نازل فرمائی ہے! سودہ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ خولہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ کے پاس بغرض خواستگاری بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے منظور ہے۔ مگر میرے باپ سے بھی دریافت کر لو۔ چنانچہ وہ ان کے والد کے پاس گئیں۔ اور جاہلیت کے طریق پر سلام کیا۔ یعنی اَنعِمْ صَبَاحًا کہا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ خولہ نے اپنا نام بتایا۔ پھر نکاح کا پیغام سنایا۔ انہوں نے کہا کہ محمد شریف کفو ہیں مگر سودہ سے بھی دریافت کر لو۔ خولہ نے کہا کہ وہ راضی ہیں۔ یہ سن کر زمعہ نے کہا کہ نکاح کے لئے آجائیں۔ اس طرح باپ نے نبوت کے دسویں سال سودہ کا نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کر دیا۔ سودہ کا بھائی عبداللہ بن زمعہ آیا۔ یہ معلوم کر کے کہ بہن کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو چکا ہے اس نے اپنے سر پر خاک ڈال لی۔ عبداللہ مذکور جب اسلام لائے تو ان کو اپنے اس فعل پر افسوس ہوا کرتا تھا۔

حضرت سودہ طبیعت کی فیاض تھیں۔ ایک روز حضرت عمر فاروق نے ایک درہموں کی تھیلی آپ کی خدمت میں بھیجی۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لانے والوں نے جواب دیا کہ درہم ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ درہم کھجوروں کی طرح تھیلی میں بھیجے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اسی وقت تمام درہم تقسیم کر دیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں آپ امتیازی حیثیت رکھتی تھیں۔ چنانچہ امام احمد نے بروایت ابوہریرہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا۔ کہ یہ حج اسلام ہے جو گردن سے ساقط ہو گیا۔ اس کے بعد تم بوریا کو غنیمت سمجھنا (یعنی گھر سے نہ نکلنا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد تمام ازواج مطہرات سوائے سودہ اور زینب بنت جحش کے حج کو جایا کرتی تھیں۔ اور وہ دونوں فرماتی تھیں کہ خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سننے کے بعد ہم چوپایہ پر سوار نہ ہونگی۔

حضرت سودہ سے کتب متداولہ میں پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ایک صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔ انہوں نے خلافت فاروقی کے آخری زمانہ میں انتقال فرمایا۔ بعضے سال وفات ۵۴ھ یا ۵۵ھ بتاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق

ان کا نسب مرہ بن کعب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے۔ بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں۔ اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے ام عبداللہ کنیت رکھتی تھیں۔

چھ برس کی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں۔ پہلے جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں۔ خولہ بنت حکیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء سے اُمِّ رومان (والدہ عائشہ صدیقہ) کے پاس گئیں اور نکاح کا پیغام سنایا۔ ام رومان نے رضامندی ظاہر کی حضرت ابوبکر گھر آئے تو ان سے تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ عائشہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی کی بیٹی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلا بھیجا کہ تم اسلام میں میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں یہ نکاح جائز ہے۔ حضرت ابوبکر نے ام رومان سے کہا کہ "مطعم بن عدی اپنے پوتے کے لئے خواستگاری کرچکا ہے۔ واللہ! ابوبکر نے کبھی وعدہ کے خلاف نہیں کیا۔" اس لئے وہ مطعم کے پاس گئے اور اس سے تذکرہ کیا۔ مطعم نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیوی نے حضرت صدیق اکبر سے کہا کہ اگر ہم نے اس لڑکے کا نکاح تمہارے ہاں کردیا تو شاید تم اس کو صابی بنالو گے اور اپنے دین میں داخل کرلو گے۔ یہ سنکر حضرت ابوبکر وہاں سے اُٹھ آئے اور خولہ کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ نکاح کے لئے تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ اور حضرت ابوبکر نے (ماہ شوال سنہ ۱۰ نبوت میں) حضرت عائشہ کا نکاح کردیا۔ اور ہجرت کے پہلے سال ماہ شوال میں مدینہ منورہ میں نو سال کی عمر میں آپ کی رسم عروسی ادا کی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت حضرت عائشہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال کی تھی۔ انہوں نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں سنہ ۵۷ ہجری میں انتقال فرمایا اور حسب وصیت رات کے وقت جنت البقیع میں

دفن ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہ نے جو مروان بن الحکم کی طرف سے اس وقت حاکم مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہ سے زیادہ محبت تھی۔ ان کو دوسری ازواج پر اور کئی باتوں میں فضیلت تھی۔ چنانچہ ان کے سوا کسی اور زوجہ کے والدین مہاجر نہ تھے۔ ان کی برارت اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمائی۔ حضرت جبرئیل ان کی صورت ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور عرض کیا کہ ان سے شادی کر لیجئے۔ ان کے سوا کسی اور زوجہ نے حضرت جبرئیلؑ کو نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ ایک برتن میں غسل فرمایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے اور یہ سامنے لیٹی ہوتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی اور آپ اور یہ ایک لحاف میں ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ان ہی کی گود میں اور ان ہی کی نوبت میں ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کے حجرے میں دفن ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ عالمہ فصیحہ تھیں۔ حضرت موسیٰ بن طلحہ ذکر کرتے ہیں کہ میں نے عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں پایا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ صحابۂ کرام کو کوئی ایسا مشکل مسئلہ پیش نہیں آیا کہ جس کا حل انہوں نے حضرت عائشہ کے پاس نہ پایا ہو۔ محمود بن لبید کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو بہت سی حدیثیں یاد تھیں۔ مگر حضرت

عائشہ وام سلمہ ان میں ممتاز تھیں۔ حضرت عائشہ حضرت عمر و عثمان کے عہد میں فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ انتقال فرما گئیں یرحمہا اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اکابر حضرت عمرؓ و حضرت عثمان حضور کے بعد حضرت صدیقہ رضؓ کی خدمت میں کسی کو بھیج کر حدیثیں پوچھا کرتے تھے۔

آپ کثیرۃ الحدیث تھیں۔ دو ہزار دو سو دس حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ جن میں سے ۱۷۴ پر شیخین کا اتفاق ہے۔ اور ۵۴ میں امام بخاری اور ۶۸ میں امام مسلم منفرد ہیں۔

آپ وقائع و اشعار عرب سے خوب واقف تھیں۔ حضرت عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے بڑھ کر کسی کو قرآن و فرائض و حلال و حرام و فقہ و شعر و طب و حدیث غریب و نسب کا عالم نہیں پایا۔

آپ زاہدہ اور سخی تھیں۔ ام الدرداء روایت کرتی ہیں کہ ایک روز حضرت عائشہ روزہ دار تھیں۔ ان کے پاس ایک لاکھ درہم آئے۔ انہوں نے وہ سب تقسیم کر دیئے۔ میں نے کہا، کیا آپ یوں نہ کہہ سکتی تھیں کہ ایک درہم بچا لیتیں جس سے گوشت خرید کر روزہ افطار کرتیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تو مجھے یاد دلا دیتی تو میں ایسا ہی کر لیتی۔

حضرت حفصہ بنت عمر فاروق

بعثت سے پانچ برس پہلے جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے پیدا ہوئیں۔ پہلے خنیس بن حذیفہ سہمی کے نکاح میں تھیں۔ ان ہی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ حضرت خنیس نے غزوۂ بدر میں کئی زخم کھائے۔ غزوہ کے بعد ان ہی

زخموں کی وجہ سے انتقال فرما گئے۔

حضرت خنیس کی شہادت کے بعد حضرت عمر فاروق کو اپنی بیٹی کے نکاح کی فکر ہوئی۔ فتح بدر کے دن حضرت رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے حضرت عمر فاروق نے حضرت عثمان غنی سے کہا کہ اگر تم چاہو تو مَیں حفصہ کا نکاح تم سے کر دیتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس معاملہ میں غور کرونگا۔ پھر چند روز کے بعد کہہ دیا کہ میرا ارادہ ان ایام میں نکاح کرنے کا نہیں ہے۔ بعد ازاں حضرت فاروق نے حضرت ابو بکر صدیق سے ذکر کیا۔ مگر وہ چپ ہو رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر حضرت عمر کو رنج ہوا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواستگاری کی اور شعبان ۳ھ میں نکاح ہو گیا۔ نکاح کے بعد حضرت صدیق اکبر نے حضرت فاروقِ اعظم سے کہا کہ میری بے التفاتی کی وجہ صرف یہ تھی جو مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کا ذکر کیا تھا، مَیں حضور کا راز افشا کرنا نہ چاہتا تھا۔ اگر حضور حفصہ سے نکاح نہ کرتے تو مَیں قبول کر لیتا۔

حضرت حفصہ سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے صرف پانچ بخاری میں ہیں۔ انہوں نے شعبان ۴۵ھ میں حضرت معاویہ کے عہدِ خلافت میں انتقال فرمایا۔ مروان بن الحکم نے جو مدینہ کا گورنر تھا نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور بنو حزم کے گھر سے مغیرہ کے گھر تک جنازہ کو کندھا دیا۔ اور مغیرہ کے گھر سے قبر تک حضرت ابو ہریرہ نے یہ شرف حاصل کیا۔

حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ

ہند نام - ام سلمہ کنیت تھی - باپ کا نام حذیفہ اور بقول بعض سہیل تھا - ماں کا نام عاتکہ بنت عامر کنانیہ تھا - پہلے اپنے چچازاد بھائی ابو سلمہ (عبداللہ) بن عبدالاسد بن مغیرہ کے نکاح میں تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے - ام سلمہ و ابو سلمہ دونوں قدیم الاسلام تھے دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی - چنانچہ ان کے بیٹے سلمہ حبشہ ہی میں پیدا ہوئے - پھر مکہ میں آئے اور مدینہ کی طرف ہجرت کی - ام سلمہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کرکے مدینہ میں آئیں - مدینہ ہی میں ان کے ہاں عمر اور درہ و زینب پیدا ہوئیں -

حضرت ابو سلمہ بدر و احد میں شریک ہوئے - احد میں زخمی ہو گئے - ایک ماہ کے بعد زخم چنگا ہو گیا - پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک سریہ میں بھیج دیا - ایک ماہ کے بعد واپس آئے تو زخم پھر پھوٹ آیا - اور ۸ جمادی الاخریٰ سنہ ۴ھ میں وفات پائی - وفات کے وقت حضرت ام سلمہ حاملہ تھیں - وضع حمل کے بعد حضرت ابوبکر و عمر نے خواستگاری کی تو ام سلمہ نے انکار کر دیا - پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھیجا تو مرحبا کہہ کر یہ عذر پیش کیے :-

۱ - مَیں سخت غیور عورت ہوں -

۲ - صاحبِ عیال ہوں -

۳ - میرے اولیاء میں سے کوئی یہاں نہیں کہ میرا نکاح کر دے ایک

روایت میں ہے کہ میری عمر زیادہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عذروں کا تسلی بخش جواب دیا اور نکاح ہوگیا۔

جب حدیبیہ میں صلحنامہ لکھا جاچکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اب اٹھو، قربانیاں دو اور سر منڈواؤ۔ چونکہ صحابۂ کرام کو بے نیل ومرام واپسی سے رنج وملال تھا۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد میں تامل کیا۔ حضور خفا ہوکر حضرت ام سلمہ کے خیمہ میں تشریف لے آئے۔ اور امتثالِ امر میں توقف کی شکایت کی۔ ام سلمہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ ان کو معذور رکھیں۔ ان پر ایک امر عظیم گذرا ہے۔ ان کا خیال تو فتح مکہ کا تھا۔ ان کو یقین تھا کہ وہ مکہ میں عمرہ بجالائیں گے۔ باوجود فقدان مطلوب آپ نے قریش سے صلح کرلی۔ اور ان کی نہ سنی۔ اگر خاطرِ اشرف اس پر ہے کہ وہ نحر وحلق کریں تو آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ اور خود نحر وحلق فرمائیں۔ یہ دیکھ کر ان کو بجز اتباع چارہ نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا اور حضرت ام سلمہ کی تدبیر سے وہ مشکل حل ہوگئی۔ اور یہ ان کی دانشمندی اور صواب رائے کی واضح دلیل ہے۔

حضرت ام سلمہ سے کتب متداولہ میں ۳۷۸ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے تیرہ پر بخاری ومسلم کا اتفاق ہے۔ اور تین کے ساتھ امام بخاری اور تیرہ کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں۔ باقی دیگر کتب میں ہیں۔

ازواج مطہرات میں سب کے بعد حضرت ام سلمہ نے ۸۴ برس کی عمر میں

وفات پائی۔ ان کے سنہ وفات میں سخت اختلاف ہے۔ واقدی کا قول ہے کہ شوال ۵۹ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ امام بخاری تاریخ کبیر میں ۵۹ھ لکھتے ہیں۔ بقول ابن حبان امام حسین کی شہادت کی خبر آنے کے بعد آخر ۶۱ھ میں وفات پائی۔ ابراہیم حربی ۶۲ھ بتاتے ہیں۔ مگر صحیح مسلم میں ہے کہ حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے اس لشکر کی بابت پوچھا جو زمین میں دھنس جائے گا۔ یہ سوال اس وقت کیا گیا جب یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو لشکر اسلام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعہ حرہ پیش آیا تھا۔ جو ۶۳ھ میں تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہ واقعہ حرہ تک زندہ تھیں۔

حضرت امِ حبیبہ

اصلی نام رملہ اور کنیت امِ حبیبہ تھی۔ آپ حضرت ابوسفیان کی دختر بلند اختر اور حضرت معاویہ کی بہن تھیں۔ پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ دونوں نے اسلام لاکر حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی۔ وہیں انکی لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی۔ عبداللہ عیسائی ہو کر حبشہ ہی میں مر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ کی حالت و غربت کو مدنظر رکھتے ہوئے نجاشی کی معرفت نکاح کا پیغام دیا جسے انہوں نے بخوشی قبول کیا۔ چنانچہ نجاشی نے ۷ھ میں ان کا نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کر دیا جیسا کہ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ جب نکاح کے تمام رسوم ادا ہو گئے تو نجاشی نے ان کو

شرجیل بن حسنہ کے ساتھ حضور کی خدمت اقدس میں روانہ کردیا۔

حضرت ام حبیبہ کی روایت سے کتب متداولہ میں ۶۵ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے دو پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ اور ایک کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں۔ باقی دیگر کتب میں ہیں۔ آپ کا وصال مدینہ منورہ میں ۴۴ھ میں ہوا اور وہیں دفن ہوئیں۔

حضرت زینب بنت جحش اسدیہ

ان کی پہلی شادی حضرت زید بن حارثہ سے ہوئی تھی۔ حضرت زید قبیلہ قضاعہ میں سے تھے۔ لڑکپن میں گرفتار ہو کر مکہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ہاتھ بطور غلام فروخت ہوئے۔ حضرت خدیجہ نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کردیا۔ حضور نے نبوت سے پہلے ان کو آزاد کر کے متبنیٰ بنالیا۔ اس لئے لوگ ان کو زید بن محمد کہا کرتے تھے۔ حضرت زید سابقین الی الاسلام میں سے تھے۔ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص توجہ تھی۔ آپ اہم امور میں ان سے کام لیتے۔ اور لشکر کی قیادت تک ان کے سپرد کردیتے۔ اسی وجہ سے حضور نے ان کا نکاح اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی زینب بنت جحش سے کردینا چاہا۔ مگر زینب اور ان کا بھائی راضی نہ ہوئے۔ اس پر یہ آیت اتری :-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا	کسی مسلمان مرد یا عورت کو لائق نہیں
قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ	جس وقت خدا اور اس کا رسول کوئی
الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ	کام مقرر کردے۔ کہ ان کو اپنے کام میں

اللهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا○ (احزاب ع ۵)	اختیار ہو۔ اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے۔ وہ صریح گمراہ ہو گیا۔

پس حضرت زینب نکاح پر راضی ہو گئیں اور نکاح ہو گیا۔

حضرت زید اگرچہ عربی الاصل تھے مگر قریشی نہ تھے۔ قریش کی لڑکیوں خصوصاً اولاد عبد المطلب کے لئے اشراف قریش میں کفو تلاش کئے جایا کرتے تھے۔ اس لئے کچھ عرصہ کے طبعی طور پر حضرت زید حضرت زینب کی حرکاتِ عادیہ کو کبر و تعاظم پر محمول کرنے لگے۔ اور حضرت زینب بھی ان سے متکدر رہنے لگیں۔ چنانچہ حضرت زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شکایت کی۔ حضور نے فرمایا کہ اس طرح کی باتوں پر طلاق نہیں دیا کرتے۔ اسی امر کی طرف آیۂ ذیل میں اشارہ ہے:۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ (احزاب۔ ع ۵)	اور جس وقت تو کہہ رہا تھا اس شخص سے جس پر اللہ نے اور تو نے انعام کیا ہے کہ اپنی بیوی کو اپنے لئے تھام رکھ اور خدا سے ڈر۔ اور تو اپنے جی میں چھپاتا تھا اس چیز کو جسے اللہ ظاہر کرنے والا ہے اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا۔ اور اللہ زیادہ لائق ہے اسکا کہ تو اس سے ڈرے

بایں ہمہ اگر زید ان کو طلاق دیتے تو ایسی سیدہ شریفہ کے لئے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کفو اور کون ہو سکتا تھا؟ اس لئے حضور انور کی خاطر اشرف میں آتا تھا کہ بصورت طلاق زینب کی تطییب خاطر اور اس کے حقوق کی رعایت کے لئے ان سے نکاح کر لینا ضروری ہو گا۔ مگر آپ ایسے ظاہر نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ جاہلیت میں متبنّٰی کو بمنزلہ ولد حقیقی سمجھتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ متبنّٰی کی مطلقہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

آخر کار حضرت زید نے طلاق دے دی۔ عدت گزرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ہی کو نکاح کا پیغام دینے کے لئے زینب کے پاس بھیجا۔ حضرت زینب نے جواب دیا کہ میں استخارہ کر لوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۗ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (احزاب ع ۵)	پس جب زید نے اس سے حاجت پوری کر لی۔ ہم نے اسکو تجھ سے بیاہ دیا تا کہ مومنوں پر ان کے لے پالکوں کی بیویوں میں تنگی نہ ہو جب وہ ان سے حاجت پوری کر لیں اور امر الٰہی ہو کر رہتا ہے۔

اس طرح حضرت زینب کا نکاح (۳ھ یا ۵ھ میں) ۳۵ برس کی عمر میں ہو گیا۔ حضرت زینب فخر کیا کرتی تھیں۔ کہ دیگر ازواج مطہرات کا نکاح تو ان کے باپ یا بھائی یا اہل نے کر دیا۔ مگر میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کر دیا۔ اس نکاح میں یہ حکمت بھی تھی کہ پسر خواندہ کی مطلقہ کا حکم معلوم ہو گیا۔

جب یہ نکاح ہو گیا تو مخالفوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام کر دیا۔ مگر خود اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔

اس پر یہ آیتیں اتریں:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (احزاب ع۵)	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن خدا کے پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں۔
وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ (احزاب ع ۱)	اور تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے نہیں بنایا یہ تمہارے مونہوں کی بات ہے۔

پس حضرت زید جو زید بن محمد کہلاتے تھے اس کے بعد زید بن حارثہ کہلانے لگے۔

حضرت زینب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہونے کے علاوہ جمال میں بھی ممتاز تھیں۔ اس لئے ازواج مطہرات میں سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ ہمسری کا دم بھرتی تھیں۔ چنانچہ خود حضرت صدیقہ فرماتی ہیں۔

كَانَتْ تُسَامِيْنِيْ — وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں۔

آپ نہایت راست گو اور پارسا تھیں۔ جب حضرت عائشہ پر بہتان لگایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے حضرت عائشہ کی نسبت پوچھا۔ آپ نے صاف کہہ دیا۔

وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَیْرًا   واللہ! مجھ کو عائشہ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔

اسی راستی سے متاثر ہو کر حضرت عائشہ نے فرمایا۔ کہ میں نے کوئی عورت زینب سے دین میں بہتر، خدا سے زیادہ ڈرنے والی، زیادہ سچ بولنے والی اور زیادہ صلہ رحم اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مال مہاجرین میں تقسیم فرما رہے تھے۔ حضرت زینب اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں۔ حضرت عمر فاروق کو ناگوار گزرا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ عمر! ان کو جانے دو یہ اوّاہ یعنی خاشع متضرع ہیں۔

حضرت زینب زاہدہ اور طبیعت کی فیاض تھیں۔ اپنے ہاتھ سے معاش پیدا کرتیں اور خدا کی راہ میں لٹا دیتیں۔ حضرت عمر فاروق نے ان کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم مقرر کیا تھا۔ جو انہوں نے صرف ایک سال لیا۔ اور اپنے حاجتمند رشتہ داروں میں تقسیم کر کے دعا مانگی کہ خدایا! یہ عطیہ مجھے اگلے سال نہ ملے۔ حضرت فاروق کو یہ خبر لگی تو انہوں نے حضرت زینب کے لئے ایک ہزار اور بھیجا۔ مگر حضرت زینب نے اسے بھی تقسیم کر دیا۔ آپ کی دعا قبول ہو گئی۔ اور آئندہ سال وفات پائی۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا:

اَسْرَعُکُنَّ لِحَاقًا بِیْ اَطْوَلُکُنَّ یَدًا   تم میں سے مجھ سے جلدی ملنے والی وہ ہے جس کا ہاتھ تم سب سے لمبا ہے۔

ازواج مطہرات اس ارشاد کو حقیقت پر محمول کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد جب ہم کسی ایک کے حجرے میں جمع ہوتیں۔ تو ہم دیوار پر اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ ہمارا یہی خیال رہا یہاں تک کہ حضرت زینب نے جو کوتاہ قد تھیں ہم سب سے پہلے انتقال فرمایا۔ اس وقت ہماری سمجھ میں آیا کہ ارشاد مذکور میں ہاتھ کا لمبا ہونا فیاضی کی طرف اشارہ تھا۔

جب حضرت زینب کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ حضرت عمر فاروق بھی ایک کفن بھیجیں گے۔ دونوں میں سے ایک کو خیرات کر دینا۔ چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ حضرت زینب نے مدینہ منورہ میں ۲۰ھ میں پچاس یا ترپن برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت عمر فاروق نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت فاروق کی یہ آرزو تھی کہ خود حضرت زینب کو قبر میں اتاریں۔ اس لئے ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ ان کو قبر میں کون اتارے۔ جواب آیا کہ جو حیات میں ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا۔

حضرت زینب سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے دو پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیہ

آپ مساکین کو کثرت سے کھانا کھلایا کرتی تھیں اس لئے ام المساکین کی کنیت سے مشہور تھیں۔ پہلے حضرت عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔

حضرت عبداللہ نے جنگ احد (۳ھ) میں وفات پائی۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ اور صرف دو تین مہینے حضور کی خدمت میں رہنے پائی تھیں کہ تیس سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد یہی ایک بی بی تھیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں انتقال فرمایا۔

حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ

ان کی بہن ام الفضل لبابہ کبریٰ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے نکاح میں تھیں۔ حضرت میمونہ پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی کے نکاح میں تھیں۔ مسعود نے طلاق دے دی۔ تو ابو رہم بن عبدالعزیٰ نے ان سے شادی کرلی۔ ابو رہم کے انتقال کے بعد حضرت عباس نے ان کا نکاح مقام سرف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کردیا۔ سرف ہی میں ۵۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ حضرت ابن عباس نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ جب جنازہ اٹھانے لگے تو حضرت ابن عباس نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں۔ ان کے جنازے کو زیادہ حرکت نہ دو۔ آہستہ لے چلو۔ ان کی روایت سے ۷۶ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے سات پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

حضرت جویریہ خزاعیہ مصطلقیہ

حضرت جویریہ کا والد حارث بن ابی ضرار تھا جو قبیلۂ بنی مصطلق کا سردار تھا۔ یہ پہلے مسافع بن صفوان مصطلقی کے نکاح میں تھیں جو غزوۂ مریسیع

(۵ھ) میں قتل ہوا۔ اس غزوہ میں بہت سے لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ چنانچہ حضرت جویریہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں۔ مگر انہوں نے حضرت ثابت سے نو اوقیہ سونے پر کتابت کر لی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یوں عرض کی۔ "یا رسول اللہ! میں حارث کی بیٹی جویریہ ہوں۔ میرا حال آپ سے پوشیدہ نہیں۔ میں ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئی ہوں۔ میں نے ان سے نو اوقیہ سونے پر کتابت کر لی ہے۔ یہ رقم میرے مقدور سے زائد ہے۔ مگر میں نے آپ کی فیاضی کی امید پر منظور کر لی ہے۔ اور اب اسی کا سوال کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم اس سے بہتر چیز نہیں چاہتی ہو؟ انہوں نے پوچھا وہ چیز کیا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تمہارا زر کتابت ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔ حضرت جویریہ نے عرض کیا کہ مجھے منظور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت کو بلایا۔ وہ بھی راضی ہو گئے چنانچہ حضور انور نے نو اوقیہ سونا ادا کر دیا اور حضرت جویریہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔

جب لوگوں کو اس نکاح کی خبر لگی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتۂ مصاہرت کی رعایت سے بنی مصطلق کے باقی تمام لونڈی غلاموں کو آزاد کر دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا ارشاد ہے کہ "ہم نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو اپنی قوم کے لئے جویریہ سے بڑھ کر باعث برکت ہو۔ کیونکہ انکے

سبب سے بنی مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد ہو گئے۔"

جب حضرت جویریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ ان کا نام برہ تھا۔ حضور انور نے بدل کر جویریہ رکھا۔ ربیع الاول ۵۰ھ میں انتقال فرما گئیں اور مدینہ منورہ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ان کی روایت سے سات حدیثیں منقول ہیں۔ جن میں سے دو بخاری میں اور دو مسلم میں اور باقی دیگر کتب میں ہیں۔

حضرت صفیہ اسرائیلیہ

باپ کا نام حیی بن اخطب تھا۔ جو بنو نضیر کا سردار تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا جو بنو قریظہ کے سردار سموال کی بیٹی تھی۔ حضرت صفیہ کی پہلی شادی سلام بن مشکم قریظی سے ہوئی۔ طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔ جب غزوہ خیبر (۷ھ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ابی الحقیق کا قلعہ قموص فتح کیا۔ کنانہ قتل ہوا۔ حضرت صفیہ کا باپ اور بھائی کام آئے۔ خود بھی گرفتار ہوئیں۔ جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے تو دحیہ کلبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ حضور انور نے فرمایا کہ جاؤ ایک لونڈی لے لو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت صفیہ کو لے لیا۔ ایک صحابی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ! آپ نے صفیہ جو رئیسہ قریظہ ونضیر تھی دحیہ کو عطا فرما دی۔ وہ تو آپ ہی کے لائق ہے"۔ اس پر حضورؐ نے دحیہؓ کو دوسری لونڈی عطا فرما دی اور خود صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ جب خیبر سے روانہ ہو کر صہبا میں پہنچے تو رسم عروسی ادا کی گئی

اور لوگوں سے ماحضر جمع کر کے دعوت ولیمہ دی گئی۔

حضرت صفیہ نے تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں ۵۰ھ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ان کی روایت سے دس حدیثیں منقول ہیں۔ جن میں صرف ایک متفق علیہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ کرام

پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام اولاد سوائے ابراہیم کے جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن مبارک سے تھے حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے تھی۔ صاحبزادیاں بالاتفاق چار تھیں۔ چاروں نے زمانۂ اسلام پایا۔ اور شرفِ ہجرت حاصل کیا۔ مگر صاحبزادوں کی تعداد میں اختلاف ہے، قاسم و ابراہیم پر اتفاق ہے بقول زبیر بن بکار (متوفی ۲۵۶ھ) صاحبزادے تین تھے۔ قاسم عبدالرحمٰن (جنکو طیب و طاہر بھی کہتے تھے) ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اکثر اہلِ نسب کی یہی رائے ہے۔

حضرت قاسم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کرام میں حضرت قاسم بعثت سے پہلے پیدا ہوئے اور قبل بعثت ہی سب سے پہلے انتقال فرما گئے۔ ابن سعد نے بروایت محمد بن جبیر بن مطعم نقل کیا ہے کہ دو سال زندہ رہے۔ بقول مجاہد سات دن اور بقول مفضل بن غسان غلابی تیرہ مہینے زندہ رہے۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم ان ہی کے نام پر ہے۔

حضرت زینب

صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ بعثت سے دس سال پہلے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تیس سال کی تھی پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص لقیط بن ربیع سے ہوئی۔ ابوالعاص حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بہن ہالہ کے بطن سے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے کہنے سے ان کا نکاح بعثت سے پہلے حضرت زینب سے کر دیا تھا۔ جب حضور انور کو منصب رسالت عطا ہوا تو حضرت خدیجہ اور آپ کی صاحبزادیاں آپ پر ایمان لائیں۔ مگر ابوالعاص شرک پر قائم رہا۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے اپنی صاحبزادی رقیہ کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے اور ام کلثوم کا نکاح عتیبہ بن ابی لہب سے کر دیا تھا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا کام شروع کیا تو قریش نے آپس میں کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیاں چھوڑ دو۔ اور ان کو اس طرح تکلیف پہنچاؤ۔ چنانچہ وہ ابوالعاص سے کہنے لگے کہ تو زینب کو طلاق دیدے۔ ہم تیرا نکاح قریش کی جس لڑکی سے تو چاہے کرا دیتے ہیں۔ ابوالعاص نے انکار کیا۔ مگر ابولہب کے بیٹوں نے حضرت رقیہ و ام کلثوم کو ہم بستری سے پیشتر طلاق دے دی۔

اگرچہ اسلام نے حضرت زینب و ابوالعاص میں تفریق کر دی تھی۔ مگر مسلمانوں کے ضعف کے سبب سے عمل درآمد نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ ہجرت وقوع میں

آئی۔ جب قریش جنگِ بدر کے لئے آئے تو ابو العاص بھی ان کے ساتھ آئے اور گرفتار ہو گئے۔ حضرت زینب نے ان کے بھائی عمرو کے ہاتھ مکہ سے ان کا فدیہ بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے حضرت زینب کو پہنا کر پہلے پہل ابو العاص کے ہاں بھیجا تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ہار کو دیکھا تو آپ پر نہایت رقت طاری ہوئی۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا زمانہ یاد آگیا۔ حضور کے ارشاد سے صحابۂ کرام نے فدیہ واپس کر دیا اور ابو العاص کو بھی چھوڑ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص سے وعدہ لیا کہ مکہ جا کر حضرت زینب کو مدینہ بھیج دیں گے۔

جب ابو العاص مکہ روانہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ اور ایک انصاری کو بھیجا کہ حضرت زینب کو بطن یاجج سے مدینہ لے آئیں۔ ابو عاص نے مکہ میں پہنچ کر ایفائے وعدہ کیا۔ اور حضرت زینب سے کہہ دیا کہ تم اپنے والد کے ہاں چلی جاؤ۔ حضرت زینب نے چپکے چپکے سفر کی تیاری کر لی۔ ابو العاص کے بھائی کنانہ نے ان کو اونٹ پر سوار کر لیا۔ اور تیر و کمان لیکر دن کے وقت روانہ ہوا۔ قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا اور ذو طویٰ میں جا گھیرا۔ ہبار بن اسود جو بعد میں ایمان لایا آگے بڑھا۔ اس نے حضرت زینب کو نیزہ سے ڈرا کر اونٹ سے گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں حمل ساقط ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کنانہ نے ترکش میں سے تیر نکال کر زمین پر رکھ لئے اور کہنے لگا۔ "جو شخص میرے نزدیک آئے گا وہ تیر سے بچ کر نہ جائے گا"۔ یہ سُن کر لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ ابو سفیان نے کہا "ٹھہرو، ہماری بات سن لو"۔ پھر

کنانہ رک گیا۔ ابوسفیان بولا۔ "ہمیں محمد کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں
وہ تمہیں معلوم ہیں۔ اب اگر تم دن دہاڑے ان کی لڑکی کو لے جاؤ گے تو
لوگ اسے ہماری کمزوری پر محمول کریں گے۔ ہمیں زینب کو روکنے کی ضرورت
نہیں۔ جب شور ہنگامہ کم ہو جائے گا تو رات کو اسے چوری چھپے لے جانا۔"
کنانہ نے اس رائے کو تسلیم کیا اور چند روز کے بعد ایک رات حضرت زینبؓ
کو اونٹ پر سوار کر کے لے آیا۔ اور زید اور انصاری کے حوالہ کر دی وہ دونوں
ان کو مدینہ لے آئے۔

جمادی الاولیٰ ۶ھ میں ابو العاص ایک قافلۂ قریش کے ساتھ بغرض
تجارت ملک شام کو گئے۔ ان کے پاس قریش کا بہت سا مال تھا مقام
عیص کے نواح میں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سریہ ملا۔ جو
حضور نے بسر کردگی حضرت زید بن حارثہ بھیجا تھا۔ اس سریہ نے ابو العاص
کا تمام مال لے لیا۔ ابو العاص ہمراہیوں سمیت گرفتار ہو گئے۔ حضرت زینبؓ
نے ابو العاص کو پناہ دی۔ صبح کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر
سے فارغ ہوئے تو حضرت زینب نے پکار کر کہا کہ میں نے ابو العاص
کو پناہ دی ہے۔ مسلمانوں میں سے ایک ادنیٰ شخص پناہ دے سکتا ہے
اس لئے ہم نے بھی اس کو پناہ دی۔ حضور نے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم
نہ تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش پر ابو العاص کا
تمام مال واپس کر دیا گیا۔ ابو العاص نے مکہ میں پہنچ کر وہ مال قریش کے
حوالہ کر دیا۔ پھر کہا، اے گروہ قریش! کیا تم میں سے کسی کا مال میرے ذمہ

باقی ہے؟ سب بولے کہ نہیں۔ خدا تجھے جزائے خیر دے۔ بعد ازاں ابو العاص نے کلمۂ شہادت پڑھ کر کہا۔ "اللہ کی قسم! حضرت کے پاس اسلام لانے سے مجھے یہی امر مانع ہوا کہ تم گمان کرتے کہ میں نے صرف تمہارے مال ہضم کر جانے کے لئے ایک حیلہ کیا ہے، اس کے بعد ابو العاص نے محرم ۷ھ میں مدینہ میں آ کر اظہار اسلام کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو نکاح اول یا نکاح جدید کے ساتھ انکے حوالہ کر دیا۔

حضرت زینب نے ۸ھ میں انتقال فرمایا۔ ام ایمن سودہ بنت زمعہ اور ام سلمہ نے غسل دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو العاص نے قبر میں اتارا۔

حضرت زینب کی اولاد ایک لڑکا علی نام اور ایک لڑکی امامہ تھی۔ حضرت علی نے اپنی والدہ ماجدہ کی زندگی میں چھوٹی عمر میں قریب بلوغ کے وفات پائی۔ ابنِ عساکر کہتے ہیں کہ بعض اہلِ نسب نے ذکر کیا ہے کہ وہ جنگِ یرموک میں شہید ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امامہ سے بڑی محبت تھی۔ نماز میں بھی ان کو اپنے کندھے پر رکھ لیتے۔ جب رکوع کرتے تو اتار دیتے۔ اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پھر سوار کر لیتے۔ ایک دفعہ نجاشی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک حلہ بھیجا۔ جس میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی۔ انگوٹھی کا نگینہ حبشی تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انگوٹھی عمامہ کو عطا فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک روز کسی نے حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔ جس میں ایک زرین ہار تھا۔ ازواج مطہرات سب ایک مکان میں جمع تھیں۔ امامہ مکان کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں۔ حضور نے ہم سب سے پوچھا کہ یہ ہار کیسا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اس سے خوبصورت و عجیب ہار ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اسے اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ ازواج مطہرات سمجھیں کہ عائشہ کو ملے گا۔ مگر حضور نے امامہ کو بلایا اور اپنے دستِ مبارک سے وہ ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔

حضرت ابوالعاص حضرت زبیر بن العوام سے امامہ کے نکاح کر دینے کی وصیت کر گئے تھے۔ حضرت فاطمہ زہرا نے مرتے وقت حضرت علی مرتضیٰ سے وصیت کی کہ میرے بعد امامہ سے نکاح کر لینا۔ اس لئے حضرت زہرا کے بعد حضرت زبیر نے امامہ کا نکاح حضرت علی سے کر دیا۔ حضرت علی نے حضرت مغیرہ بن نوفل سے وصیت کی کہ میرے بعد تم امامہ سے نکاح کر لینا۔ چنانچہ حضرت مغیرہ نے حضرت علی کی شہادت کے بعد امامہ سے نکاح کر لیا اور ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا۔ بعضے کہتے ہیں کہ امامہ کی کوئی اولاد نہیں۔ حضرت امامہ نے حضرت مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔

حضرت رقیہ

حضرت رقیہ اور ام کلثوم دونوں کی شادی ابولہب کے بیٹوں سے ہوئی تھی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا کام شروع کیا تو ابولہب لعین نے اپنے بیٹوں سے کہا "اگر تم محمد کی بیٹیوں سے

علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میری نشست و برخاست حرام ہے۔" عتبہ اور عتیبہ دونوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رقیہ کا نکاح حضرت عثمان غنی سے کر دیا۔

نکاح کے بعد حضرت عثمان نے حضرت رقیہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کے ہاں وہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ نے اپنی ماں کے بعد ۴ھ میں چھ برس کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت عثمان حبشہ سے مکہ میں آئے۔ اور مکہ سے دونوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ایام بدر میں حضرت رقیہ بیمار تھیں۔ اس لئے حضرت عثمان ان کی تیمارداری کے لئے غزوۂ بدر میں شامل نہ ہوئے۔ جس روز حضرت زید بن حارثہ فتح کی بشارت لیکر مدینہ میں آئے، اسی روز حضرت رقیہ نے بیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے سبب جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت ام کلثوم

کنیت کے ساتھ ہی مشہور ہیں۔ پہلے عتیبہ بن ابی لہب کے نکاح میں تھیں۔ جب عتیبہ نے ان کو اپنے باپ کے کہنے سے طلاق دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی سے پیش آیا۔ حضور کی قمیص پھاڑ دی۔ تو حضور کی زبان مبارک سے نکلا "یا اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتے کو اس پر مسلط کر دے"۔ کچھ مدت کے بعد ابولہب اور عتیبہ بغرض تجارت ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک

راہب کے صومعہ کے پاس اترے۔ راہب نے کہا کہ یہاں درندے بہت ہیں۔ ابولہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تمہیں میری عمر اور میرا حق معلوم ہے؟ وہ بولے کہ ہاں۔ ابولہب نے کہا کہ محمد نے میرے بیٹے پر بددعا کی ہے تم اپنی متاع صومعہ پر جمع کردو۔ اور عتیبہ کے لئے اس کے اوپر بستر کردو۔ اور خود اس کے گرداگرد سو جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رات کو ایک شیر آیا۔ اس نے سب کو سونگھا۔ پھر متاع پر کود کر عتیبہ کو پھاڑ ڈالا۔ اہلِ قافلہ نے ہر چند شیر کو تلاش کیا، مگر نہ ملا۔

حضرت رقیہ کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان غنی سے ہوا۔ اور شعبان ۹ھ میں انتقال ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت فاطمہ زہرا

فاطمہ نام، زہرا اور بتول لقب ہیں۔ جمال و کمال کے سبب سے زہرا کہلاتی تھیں اور ماسوا سے انقطاع کی وجہ سے بتول تھیں۔ بعثت کے پہلے سال یا بعثت سے ایک سال پہلے یا پانچ سال پہلے بنا بر اختلاف روایات پیدا ہوئیں۔

ہجرت کے دوسرے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ سے کر دیا۔ آپ نے حضرت علی سے پوچھا کہ ادائے مہر کے واسطے تمہارے پاس کچھ ہے؟ حضرت علی نے جواب دیا کہ ایک گھوڑا اور زرہ ہے۔ فرمایا کہ گھوڑا جہاد کے لئے ضروری ہے۔ زرہ کو فروخت کر ڈالو۔ چنانچہ

وہ زرہ حضرت عثمان غنی نے ۴۸۰ درہم کو خریدی۔ حضرت علی نے قیمت لاکر حضور کے آگے ڈال دی۔ حضور نے اس میں سے کچھ حضرت بلال کو دیا کہ خوشبو خرید لائیں اور باقی جہیز وغیرہ کے لئے ام سلیم کے حوالہ کیا۔ اس طرح عقد ہو گیا۔ جہیز میں یہ چیزیں تھیں[1]۔ ایک لحاف، ایک چمڑے کا تکیہ جس میں درخت خرما کی چھال بھری ہوئی تھی، دو چکیاں، ایک مشک، دو گھڑے۔ اسی سال ۲ھ ذی الحجہ میں رسم عروسی ادا کی گئی۔ حضرت علی مرتضیٰ نے ادائے رسم کے لئے مکان کرایہ پر لیا۔ پھر حضرت حارثہ بن نعمان نے دیدیا[2]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اہل میں فاطمہ سب سے پیاری تھیں۔ جب سفر پر جایا کرتے تو آخر میں فاطمہ سے مل کر جاتے۔ جب واپس آتے تو سب سے پہلے فاطمہ سے ملتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "فاطمہ میرا پارۂ گوشت ہے۔ جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا"۔ فاطمہ ہی کی نسبت حضور کا ارشاد ہے۔ خیر نساء ھذہ الامۃ۔ سیدۃ نساء العالمین سیدۃ نساء اہل الجنۃ۔ سیدۃ نساء المؤمنین۔ افضل نساء الجنۃ۔ صاحبزادیوں میں صرف حضرت فاطمہ زہراء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلسلۂ نسل جاری ہے اور قیامت تک رہے گا۔

حضرت فاطمہ کو گھر کا تمام کام کرنا پڑتا تھا۔ ایک روز خبر لگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لونڈی غلام آئے ہیں۔ اس لئے وہ ایک خادمہ کی

---

[1] طبقات ابن سعد۔ جزء ثامن۔ ترجمۂ زہراء۔
[2] وفاء الوفاء للسمہودی۔

درخواست کرنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ میں آئیں۔ آخرکار بارگاہِ رسالت سے جو جواب ملا۔ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے! اعادہ کی ضرورت نہیں۔

خانگی معاملات میں بعض دفعہ حضرت علی و فاطمہ میں رنجش ہو جایا کرتی تھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں میں مصالحت کروا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا کے دولتخانہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت علی کو وہاں نہ پایا۔ آپ نے حضرت زہرا سے (محاورۂ عرب کے موافق) پوچھا کہ میرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم دونوں میں کچھ ان بن ہو گئی ہے۔ وہ ناراض ہو کر نکل گئے اور میرے ہاں قیلولہ نہیں فرمایا۔ حضور نے ایک شخص سے فرمایا کہ دیکھو تو کہاں ہیں؟ اس نے آکر عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ حضور مسجد میں تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ پہلو کے بل لیٹے ہوئے ہیں۔ چادر پہلو سے گری ہوئی ہے۔ اور خاک آلود ہو رہے ہیں۔ حضور خاک جھاڑنے لگے اور فرمایا۔ اے ابو تراب! اُٹھ بیٹھ۔ اس حدیث کے راوی حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی کو اس نام سے پیارا کوئی نام نہ تھا (صحیحین)

فتح مکہ کے بعد حضرت علی نے ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا۔ حضرت زہرا نے سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگیں۔ "آپ کی قوم کہتی ہے کہ آپ اپنی صاحبزادیوں کے لئے ناراض نہیں ہوتے۔ یہ دیکھئے کہ علی ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کرنے لگے ہیں۔" یہ سن کر حضور

نے فرمایا "اما بعد میں نے ابوالعاص سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔ اس نے مجھ سے بات کہی اور سچ کر دکھائی۔ مجھ سے وعدہ کیا اور پورا کر دیا۔ فاطمہ میرا گوشت پارہ ہے۔ میں پسند نہیں کرتا کہ اسے تکلیف پہنچے۔ اللہ کی قسم! رسولِ خدا کی لڑکی اور دشمنِ خدا کی لڑکی ایک شخص کے ہاں جمع نہ ہونگی"۔ یہ سن کر حضرت علی نے خواستگاری چھوڑ دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد حضرت فاطمہ کبھی ہنستی نہ دیکھی گئیں۔ اور وصال شریف کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان ۱۱ھ میں انتقال فرما گئیں۔ حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ حضرات علی و عباس و فضل نے قبر میں اتارا۔

حضرت زہراء کی اولاد تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ امام حسن و امام حسین جو اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ محسن و رقیہ جو بچپن میں انتقال کر گئے۔ ام کلثوم جن کی شادی حضرت عمر فاروق سے ہوئی۔ زینب جنکا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا۔ ان میں سے سوائے حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کسی سے نسل نہیں رہی۔

حضرت عبداللہ

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی اولاد میں یہ سب سے چھوٹے ہیں۔ بعثت کے بعد پیدا ہوئے اور بچپن میں انتقال فرما گئے۔ طیب و طاہر ان ہی کے لقب ہیں۔

حضرت ابراہیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ ذی الحجہ ۸ھ

میں مقام عالیہ میں جہاں ان کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہ رہا کرتی تھیں پیدا ہوئے۔ اسی سبب سے عالیہ کو مشربۂ ابراہیم بھی کہنے لگے تھے۔ ابو رافع کی بیوی سلمٰی نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کی پھوپھی صفیہ کی لونڈی تھیں دایہ گری کی خدمت انجام دی۔ جب ابو رافع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی ولادت کی بشارت دی تو حضور نے ابو رافع کو ایک غلام عطا فرمایا۔ ساتویں دن عقیقہ دیا اور سر کے بالوں کے برابر چاندی خیرات کی اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے نام پر ابراہیم نام رکھا۔

دودھ پلانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کو ام سیف کے حوالہ کیا۔ ام سیف کا شوہر ابو سیف لوہار تھا۔ حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم کو دیکھنے کیلئے عوالی مدینہ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ہم آپ کے ساتھ ہوا کرتے۔ حضور ابراہیم کو گود میں لے کر چوما کرتے۔ گھر دھوئیں سے پر ہوا کرتا۔ بعض دفعہ میں پیشتر پہنچ کر ابو سیف کو اطلاع کر دیتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ دھواں نہ کرو۔ یہ سنکر ابو سیف اپنا کام بند کر دیتے۔

حضرت ابراہیم نے ام سیف ہی کے ہاں انتقال فرمایا۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی کہ ابراہیم حالتِ نزع میں ہے اس وقت عبدالرحمٰن بن عوف آپ کے پاس تھے۔ حضور ان کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ نزع کی حالت ہے۔ گود میں اٹھالیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عبدالرحمٰن نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ ایسا کرتے ہیں!

فرمایا، ابن عوف! یہ رحمت و شفقت (میت پر) ہے۔ پھر فرمایا "ابراہیم! ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔ آنکھیں اشکبار ہیں۔ دل غمگین ہے۔ ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو۔"

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا۔ بقیع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے متصل دفن ہوئے فضل و اسامہ نے قبر میں اتارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے کھڑے تھے۔ آپ کے ارشاد سے ایک انصاری پانی کی مشک لایا اور قبر پر چھڑک دیا۔ اور شناخت کے لئے ایک نشان قائم کیا گیا۔ جیسا کہ حضرت عثمان کی قبر پر کیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم کی عمر حسب روایت صحاح ۱۷ یا ۱۸ ماہ تھی۔

عرب جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا یا کوئی حادثہ عظیم وقوع میں آتا ہے تو سورج یا چاند میں گہن لگ جاتا ہے۔ اتفاق سے حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج میں گہن لگ گیا تھا۔ اس لئے لوگ کہنے لگے کہ یہ ابراہیم کی موت کے سبب سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج چاند خدا تعالیٰ کے دو نشان ہیں۔ کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا۔

اعتراض

یہود و نصاریٰ اور ان کے کاسہ لیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازدواج پر طعن کرتے ہیں۔ اور آپ کی شان میں دریدہ دہنی کرتے ہیں۔

جواب

اس اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں یوں دیا ہے:-

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ط	اور البتہ بیشک ہم نے تجھ سے پہلے پیغمبر بھیجے۔ اور ان کو عورتیں اور اولاد دی۔

(رعد - ع ٦)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتا ہے کہ آپ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں ہم نے ان کو عورتیں دیں جیسا کہ تجھ کو دیں۔ اس کی تفصیل بائبل میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے ہاں تین بیویاں تھیں (پیدائش باب ۱۱- آیہ ۲۹- باب ۱۶- آیہ ۳- باب ۲۵- آیہ اول) حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں (پیدائش باب ۲۹ باب ۳۰، آیہ ۴ و ۹) ان چار میں سے راحیل کی نسبت لکھا ہے:-

"راحیل خوبصورت اور خوشنما تھی۔ یعقوب (نکاح سے پہلے) راحیل پر عاشق تھا۔" (پیدائش باب ۲۹- آیہ ۱۷-۱۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں (خروج باب ۲- آیہ ۲۱- اعداد باب ۱۲- آیہ اول) حضرت جدعون نبی کی بہت سی بیویاں تھیں۔ جن سے ستر لڑکے پیدا ہوئے (القضاۃ باب ۸- آیہ ۳۰) حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں بہت سی بیبیاں تھیں (اول سموئیل باب ۱۸- آیہ ۲۷- باب ۲۵- آیہ ۴۲- ۴۳- دوم سموئیل باب ۳- آیہ ۲ تا ۵- باب ۵- آیہ ۱۳) حضرت داؤد علیہ السلام نے حالت پیری میں ابی ساج سونمی سے نکاح کیا تاکہ وہ گرم رہیں (اول سلاطین باب

اول) حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں بہت عورتیں تھیں۔ چنانچہ اول سلاطین (باب ۱۱۔ آیہ ۳-۴) میں یوں ہے:۔

"اس کی سات سو جورواں بیگمات تھیں اور تین سو حرمیں۔ اور اس کی جوروؤں نے اس کے دل کو پھیرا۔ کیونکہ ایسا ہوا کہ جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی جوروؤں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا۔"

پس ثابت ہوا کہ ایک سے زائد زوجہ کا ہونا نبوت کے منافی نہیں۔ بائبل میں جو پیغمبروں کی نسبت دریدہ دہنی کی گئی ہے ہم اسے غلط سمجھتے ہیں اور پیغمبروں کو معصوم جانتے ہیں علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا النِّسَاءُ	دنیا سے میرے لئے عورتیں اور خوشبو
وَالطِّیْبُ وَجُعِلَ قُرَّۃُ عَیْنِیْ	محبوب بنائی گئی اور میری آنکھ
فِی الصَّلٰوۃِ (النسائی۔ باب حب النساء)	کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی۔

اِس حدیث کے معنٰی میں دو قول بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ حبِ ازواج زیادہ موجبِ ابتلاء و تکلیف اور بمقتضائے بشریت آنحضرت کے ادائے رسالت سے غافل ہونے کا اندیشہ ہے مگر اس کے باوجود حضور اس سے کبھی بھی غافل نہ رہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حبِّ نساء میں حضور کے لئے مشقت زیادہ اور اجر اعظم ہے۔ دوسرے یہ کہ حبِّ نساء اس واسطے ہوا کہ حضور کے خلوات اپنی ازواج کے ساتھ ہوں۔ اور مشرکین جو آپ کو ساحر و شاعر ہونے کی تہمت لگاتے تھے وہ جاتی رہے۔ پس عورتوں کا محبوب بنایا

جانا آپ کے حق میں لطفِ ربانی ہے۔ غرض بہر صورت یہ حب آپ کے لئے باعث فضیلت ہے۔

اس حدیث کے اخیر میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اپنے پروردگار کے ساتھ کمالِ مناجات سے مانع نہیں۔ بلکہ حضور باوجود اس محبت کے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے متوجہ ہیں کہ اس کی مناجات میں آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رہتی ہیں۔ اور ماسوا میں آپ کے لئے ٹھنڈک نہیں۔ پس حضور کی محبت حقیقت میں صرف اپنے خالق تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے۔ اور حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ حبِ نسا، حب حقوقِ عبودیت کے ادا میں مخل نہ ہو، بلکہ انقطاع الی اللہ کے لئے ہو تو وہ از قبیل کمال ہے۔ ورنہ از قبیل نقصان ہے۔

شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چار سے زیادہ ازواج کی اجازت دی گئی۔ اس میں بھید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بواطن شریعت وظواہر شریعت اور وہ امور جن کے ذکر سے حیا آتی ہے اور وہ جن کے ذکر سے شرم نہیں آتی یہ سب بطریق نقل امت تک پہنچ جائیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ شرمیلے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے چار سے زائد عورتیں جائز کر دیں جو شرع میں سے نقل کریں حضرت کے افعال آنکھوں دیکھے اور اقوال کانوں سنے جن کو حضور مردوں کے سامنے بیان کرنے سے حیاء کرتے تھے۔ تاکہ اس طرح نقل شریعت کامل ہو جائے۔ حضور کی ازواج کی تعداد کثیر ہو گئی تاکہ اس طرح کے اقوال وافعال

کے نقل کرنے والے زیادہ ہو جائیں۔ ازواج مطہرات ہی سے غسل وحیض و عدت وغیرہ کے مسائل معلوم ہوئے۔ یہ کثرت ازواج حضور کی طرف سے معاذ اللہ شہوت کی غرض سے نہ تھی۔ اور نہ آپ وطی کو العیاذ باللہ لذت بشریہ کے لئے پسند فرماتے تھے۔ عورتیں آپ کے لئے صرف اس واسطے محبوب بنائی گئیں کہ وہ آپ سے ایسے مسائل نقل کریں جن کے زبان پر لانے سے حضور شرم وحیا کرتے تھے۔ پس آپ بدیں وجہ ازواج سے محبت رکھتے تھے کہ اس میں شریعت کے ایسے مسائل کے نقل کرنے پر اعانت تھی۔ ازواج مطہرات نے وہ مسائل نقل کئے جو کسی اور نے نہیں کئے۔ چنانچہ انہوں نے حضور کے منام اور حالت خلوت میں جو نبوت کی آیات بینات دیکھیں اور عبادت میں آپ کا جو اجتہاد دیکھا اور وہ امور دیکھے کہ ہر ایک عاقل شہادت دیتا ہے کہ وہ صرف پیغمبر میں ہوتے ہیں اور ازواج مطہرات کے سوا کوئی اور ان کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ یہ سب ازواج مطہرات سے مروی ہیں۔ اس طرح حضور کی کثرت ازواج سے نفع عظیم حاصل ہوا۔[1]

---

[1] زہر الربیع للسیوطی وحاشیہ سندی بر نسائی۔

دسواں باب

اُمّت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کا بیان

ا۔ ایمان واتباع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر ایمان لانا فرض ہے۔ آپ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اس کی تصدیق فرض ہے ایمان بالرسول کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ○ (فتح۔ ع۲)	اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لایا۔ پس تحقیق ہم نے کافروں کے لئے آگ تیار کی ہے۔

اس آیت میں بتادیا گیا ہے کہ جو شخص ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کا جامع نہ ہو وہ کافر ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت واجب ہے۔ آپ کے اوامر کا امتثال اور آپ کے نواحی سے اجتناب لازم ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج	اور جو کچھ رسول تم کو دے تم اسے لے لو۔ اور جس سے تم کو منع فرمائے اس سے تم باز رہو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (سورہ حشر ع ۱)

اور اللہ سے ڈرو۔ تحقیق اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سنت کا اقتدار و اتباع واجب ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (آل عمران۔ ع ۴)

کہہ دیجئے اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم کو دوست رکھے گا اور تم کو تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (احزاب۔ ع ۳)

بیشک تمہارے واسطے رسول اللہ میں اچھی پیروی تھی اس شخص کے لئے جو ثواب خدا اور روز آخر کی توقع رکھتا تھا اور جس نے اللہ کو بہت یاد کیا۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (احزاب۔ ع ۱)

نبی مومنوں کے لئے ان کی جانوں سے سزاوار تر ہیں۔ اور ازواج پیغمبر ان کی مائیں ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ دین و دنیا کے ہر امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کو اپنی جانوں سے زیادہ پیارے ہیں۔ اگر حضور کسی امر کیطرف بلائیں اور انکے نفوس کسی دوسرے امر کیطرف بلائیں تو حضور کی فرمانبرداری لازم ہے کیونکہ حضور جس امر کیطرف بلاتے ہیں اسمیں انکی نجات ہے۔ اور انکے نفوس جس امر کی طرف بلاتے ہیں اس میں ان کی تباہی ہے۔ اس لئے واجب ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

مومنوں کو اپنی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں۔ وہ اپنی جانیں حضور پر فدا کر دیں۔ اور جس چیز کی طرف آپ بلائیں اس کا اتباع کریں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جو شخص یہ نہ سمجھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی میری جان کے مالک ہیں اور یہ نہ سمجھا کہ تمام حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت (حکم و تصرف) نافذ ہے اس نے کسی حال میں آپ کی سنت کی حلاوت نہیں چکھی۔ کیونکہ آپ اولیٰ بالمومنین ہیں۔"

ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیسے بے چون و چرا کیا کرتے تھے۔

۱۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات سے چند گھنٹے پیشتر اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کتنے کپڑے تھے۔ حضور کی وفات شریف کس دن ہوئی۔ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی آرزو تھی کہ کفن و یوم وفات میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت نصیب[۱] ہو۔ حیات میں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع تھا ہی۔ وہ ممات میں بھی آپ ہی کا اتباع چاہتے تھے۔ اللہ اللہ یہ شوق اتباع! کیوں نہ ہو۔ صدیق اکبر تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۱۔ صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب موت یوم الاثنین۔

۲۔ حضرت صدیق اکبر فرماتے ہیں کہ جس امر پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمل کیا کرتے تھے۔ مَیں اسے کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اگر مَیں آپ کے حال سے کسی امر کو چھوڑ دوں تو مجھے ڈر ہے کہ میں سنت سے منحرف[۱] ہو جاؤنگا۔

۳۔ زید کے باپ اسلم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب کو دیکھا کہ حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ اور (اس کی طرف نگاہ کر کے) فرمایا۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو مَیں تجھ کو بوسہ نہ دیتا (بخاری۔ کتاب المناسک)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی۔ آپ نے اس کو نکال کر پھینک دیا اور فرمایا۔ "کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ آگ کی انگاری اپنے ہاتھ میں ڈالے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اس شخص سے کہا گیا کہ تو اپنی انگوٹھی اٹھا لے اور (بیچ کر) اس سے فائدہ اٹھا۔ اس نے جواب دیا۔ نہیں، اللہ کی قسم! مَیں اسے کبھی نہ لوں گا۔ حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینک دیا ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم باب الخاتم)

۵۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر ایک جماعت پر ہوا جن کے سامنے بھنی ہوئی بکری رکھی تھی۔ انہوں نے آپ کو بلایا۔ آپ نے کھانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما گئے اور جَو کی روٹی

---

[۱] نسیم الریاض بحوالہ ابو داؤد و بخاری۔

پیٹ بھر کر نہ کھائی۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری۔ باب فضل الفقراء)

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہ کی جاتی تھی۔ (بخاری کتاب الاطعمہ) ابن سعد نے بروایت ابو اسحاق روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو بن چھانے آٹے کی روٹی کھاتے دیکھا ہے۔ اس لئے میرے واسطے آٹا نہ چھانا جایا کرے (طبقات ابن سعد۔ جزء اول قسم ثانی۔ ص ۱۰۹)

۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا کہ اپنی اونٹنی ایک مکان کے گرد پھرا رہے ہیں۔ اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں نہیں جانتا مگر اتنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ اس لئے میں نے بھی کیا (امام احمد و بزار) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابر صحابہ امورِ عادیہ میں بھی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدار کیا کرتے تھے۔

۸۔ مسجدِ نبوی سے ملحق حضرت عباس بن عبدالمطلب کا مکان تھا جس کا پرنالہ بارش میں آنے جانے والے نمازیوں پر گرا کرتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اُکھاڑ دیا۔ حضرت عباس آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اللہ کی قسم اس پرنالے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے میری گردن پر سوار ہو کر لگایا تھا۔ یہ سُن کر حضرت عمر فاروق نے جواب دیا کہ آپ میری گردن پر سوار ہو کر اس کو پھر اسی جگہ لگا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا[1]۔

---

[1] وفاء الوفاء جزء اول ص ۳۴۸

۲- محبّت و عشق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت واجب ہے - چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

(توبہ - ع ۳)

کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا قبیلہ و کنبہ اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو - اور گھر جو تم پسند رکھتے ہو - تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اسکی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہیں تو تم انتظار کرو - یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا -

اس آیت سے ثابت ہے کہ ہر مسلمان پر اللہ اور رسول کی محبت واجب ہے - کیونکہ اس میں بتا دیا گیا ہے کہ تم کو اللہ اور رسول کی محبت کا دعویٰ ہے اس لئے کہ تم ایمان لائے ہو - پس اگر تم غیر کی محبت کو اللہ اور رسول کی محبت پر ترجیح دیتے ہو تو تم اپنے دعوے میں صادق نہیں ہو - اگر تم اس طرح محبت غیر سے اپنے دعوے کی تکذیب کرتے رہو گے تو خدا کے قہر سے ڈرو - آیت کے اخیر حصے سے ظاہر ہے کہ جس کو اللہ و رسول کی محبت نہیں وہ فاسق ہے

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن (کامل) نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں کی نسبت زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری۔ کتاب الایمان)

ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسی محبت تھی۔

۱۔ ایک روز حضرت عمر فاروق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بیشک آپ سوائے میری جان کے جو میرے دو پہلوؤں میں ہے۔ میرے نزدیک ہر شے سے زیادہ محبوب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم میں سے کوئی ہرگز مومن (کامل) نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" یہ سن کر حضرت عمر نے جواب میں عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ بیشک آپ میرے نزدیک میری جان سے جو میرے دونوں پہلوؤں میں ہے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور نے ان سے فرمایا۔ الآن یا عمر یعنی اے عمر! اب تمہارا ایمان کامل ہو گیا۔ (صحیح بخاری)

۲۔ حضرت عمرو بن العاص کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنے صاحبزادے سے اپنی تین حالتیں بیان کیں۔ دوسری حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"کوئی شخص میرے نزدیک رسول اللہ سے زیادہ محبوب اور میری آنکھوں میں آپ سے زیادہ جلالت وہیبت والا نہ تھا۔ میں آپ کی ہیبت کے

سبب سے آپ کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا" (صحیح مسلم)

۳۔ جب فتح مکہ کے دن حضرت ابوبکر صدیق کے والد ابو قحافہ ایمان لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے۔ اس پر حضرت صدیق نے عرض کیا:۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے۔ اس (ابو قحافہ) کے اسلام کی نسبت (آپ کے چچا) ابو طالب کا اسلام (اگر وہ اسلام لاتے) میری آنکھوں کو زیادہ ٹھنڈا کرنے والا ہوتا۔ اس واسطے کہ ابو طالب کا اسلام آپ کی آنکھ کو (بہت سے امور کی نسبت) زیادہ ٹھنڈا کرنے والا تھا[1]"

۴۔ حضرت ثمامہ بن آثال یمامی جو اہل یمامہ کے سردار تھے ایمان لا کر کہنے لگے:۔

"اے محمد! خدا کی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ آج وہی چہرہ مجھے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی دین میرے نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی شہر میرے نزدیک سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔" (صحیح بخاری۔ باب وفد بنی حنیفہ)

۵۔ حضرت ہند بنت عتبہ (زوجۂ ابوسفیان بن حرب) جو حضرت امیر حمزہ کا کلیجہ چبا گئی تھیں، ایمان لا کر کہنے لگیں:۔

یا رسول اللہ! روئے زمین پر کوئی اہل خیمہ میری نگاہ میں آپ کے اہل خیمہ سے

---

[1] نسیم الریاض بحوالہ احمد و ابن اسحاق۔ اصابہ ترجمہ ابو طالب۔

زیادہ مبغوض نہ تھے۔ لیکن آج سے میری نگاہ میں روئے زمین پر کوئی اہلِ خیمہ آپ کے اہلِ خیمہ سے زیادہ محبوب نہیں رہے" (صحیح بخاری۔ باب ذکر ہند بنت عتبہ)

۶۔ حضرت صفوان بن امیہ کا بیان ہے کہ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مال عطا فرمایا۔ حالانکہ آپ میری نظر میں مبغوض ترین خلق تھے۔ آپ مجھے عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ میری نظر میں محبوب ترین خلق ہو گئے۔ (جامع ترمذی۔ باب ما جاء فی اعطاء المؤلفۃ قلوبھم)

۷۔ فتح مکہ میں حضرت عباس، ابوسفیان بن حرب کو جواب تک ایمان نہ لائے تھے اپنے پیچھے خچر پر سوار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضرت عمر فاروق نے عرض کیا۔ اگر اجازت ہو تو اس دشمنِ خدا کی گردن اڑا دوں۔ حضرت عباس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مَیں نے ابوسفیان کو پناہ دی ہے۔ حضرت عمر فاروق نے اصرار کیا تو حضرت عباس نے کہا۔ اے ابن خطاب اگر ابوسفیان قبیلہ بنو عدی میں سے ہوتے تو آپ ایسا نہ کہتے۔ اس پر حضرت عمر فاروق نے کہا۔ اے عباس جس دن آپ اسلام لائے، آپ کا اسلام میرے نزدیک خطّاب کے اسلام سے (اگر وہ اسلام لاتا) زیادہ محبوب تھا۔ کیونکہ آپ کا اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ محبوب تھا[1]۔

۸۔ جنگ احد میں ایک عفیفہ کے باپ، بھائی اور شوہر شہید ہو گئے۔

---

[1] بیہقی و بزار۔ اصابہ ترجمہ ابو طالب بحوالہ ابن اسحاق۔

اسے یہ خبر لگی تو کچھ پروا نہ کی۔ اور پوچھا کہ یہ تو بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ جب اسے بتا دیا گیا کہ حضور بحمد اللہ بخیر ہیں۔ تو بولی کہ مجھے دکھا دو۔ حضور کو دیکھ کر کہنے لگی:۔

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ	تیرے ہوتے ہر ایک مصیبت ہیچ ہے

(سیرت ابن ہشام)

~

بڑھ کر اس نے رخ اقدس کو جو دیکھا تو کہا	تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج والم
میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا	اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

۹۔ حضرت عبد الرحمن بن سعد کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر کا پاؤں سُن ہو گیا۔ ان سے یہ سن کر ایک شخص نے کہا کہ آپ کے نزدیک جو سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے اسے یاد کیجیے۔ یہ سن کر آپ نے کہا۔ یا محمد[1] (اور آپ کا پاؤں اچھا ہو گیا)

۱۰۔ حضرت بلال بن رباح کی وفات کا وقت آیا تو ان کی بیوی نے کہا۔ واحزنا (ہائے غم) یہ سن کر حضرت بلال نے کہا:۔

واطرباه غداً القى الاحبة محمداً	وائے خوشی! میں کل دوستوں یعنی
وحزبه[2]	محمد اور آپ کے اصحاب سے ملوں گا

۱۱۔ جب ۷ھ میں قبیلہ اشعریین میں سے حضرت ابو موسیٰ وغیرہ

---

[1] الادب المفرد للبخاری۔ باب مایقول الرجل اذا خدرت رجلہ۔
[2] شفا شریف

مدینہ شریف کو آئے تو زیارت سے مشرف ہونے سے پہلے پکار پکار کر یوں کہنے لگے:۔

غدًا نلقى الاحبة محمدًا وحزبه — ہم کل دوستوں یعنی محمد اور آپ کے دوستوں سے ملیں گے۔[1]

۱۲۔ جنگ احد کے بعد قبیلۂ عضل و قارہ کے چند اشخاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، کہنے لگے کہ آپ اپنے چند اصحاب کو ہمارے ساتھ روانہ کر دیں۔ تاکہ وہ ہم کو اسلام کی تعلیم دیا کریں۔ آپ نے مرثد بن ابی مرثد۔ خالد بن بکیر۔ عاصم بن ثابت۔ خبیب بن عدی۔ زید بن مثنہ اور عبداللہ بن طارق کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ جب وہ آب رجیع پر پہنچے تو انہوں نے بے وفائی کی۔ اور قبیلۂ ہذیل کو بلا لیا اور ہذیل کے ساتھ مسلح ہو کر ان اصحاب کو گھیر لیا۔ اور کہا کہ خدا کی قسم ہم تم کو قتل کرنا نہیں چاہتے ہم تمہارے عوض میں اہلِ مکہ سے کچھ لینا چاہتے ہیں۔ حضرت مرثد و خالد و عاصم نے اپنے تئیں دشمنوں کے حوالے نہ کیا اور مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ باقی تینوں کے ہاتھ انہوں نے جکڑ لئے۔ جب ظہران میں پہنچے تو عبداللہ بن طارق نے اپنا ہاتھ نکال لیا۔ اور تلوار ہاتھ میں لی۔ دشمن پیچھے ہٹ گئے اور دور سے پتھر پھینکتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ شہید ہو گئے۔ باقی دو کو انہوں نے قریش کے ہاتھ بیچ دیا۔ چنانچہ حضرت زید کو صفوان بن امیہ نے خریدا۔ تاکہ ان کو اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے قتل کر دے۔ صفوان نے

---

[1] زرقانی علی المواہب بحوالہ امام احمد وغیرہ۔

حضرت زید کو اپنے غلام نسطاس کے ساتھ تنعیم میں بھیج دیا۔ حضرت زید کو قتل کرنے کے لئے حدِ حرم سے باہر لے گئے تو ابو سفیان نے (جو اب تک اسلام نہ لائے تھے) ان سے یوں کہا:۔

"اے زید! مَیں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اس وقت ہمارے پاس بجائے تمہارے محمد ہوں جن کو ہم قتل کر دیں اور تم آرام سے اپنے اہل میں بیٹھو؟"

حضرت زید نے جواب دیا:۔

"اللہ کی قسم! مَیں پسند نہیں کرتا کہ محمدؐ اس وقت جس مکان میں تشریف رکھتے ہیں ان کو ایک کانٹا لگنے کی تکلیف بھی ہو اور مَیں آرام سے اپنے اہل میں بیٹھا رہوں۔"

یہ سن کر ابو سفیان نے کہا:۔

"مَیں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ دوسروں سے ایسی محبت رکھتا ہو جیسا کہ محمد کے اصحاب محمد سے رکھتے ہیں۔"

اس کے غلام نسطاس نے حضرت زید کو شہید کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (سیرت ابن ہشام بروایت ابن اسحاق)

علاماتِ حُبِّ صادق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محب صادق میں علامات ذیل پائی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص حب احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرے اور اس میں یہ علامات نہ پائی جائیں تو وہ حب میں صادق و کامل نہیں۔

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال وآثار کا اقتدار، آپ کی سنت پر عمل - آپ کے اوامر کا امتثال - اور آپ کی نواہی سے اجتناب اور آپ کے آداب سے آراستہ ہونا۔

۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کثرت سے کرنا مثلاً درود شریف کثرت سے پڑھنا - حدیث شریف پڑھنا - مولود شریف کا پڑھنا یا مجالس میلاد شریف میں شامل ہونا۔

۳- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے کا نہایت اشتیاق پیدا ہونا - جیسا کہ حضرت بلال وابو موسیٰ وغیرہ کو تھا۔

۴- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرنا (تفصیل آگے آئے گی - انشاء اللہ تعالیٰ)

۵- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن سے محبت رکھتے تھے (اہل بیت عظام وصحابہ کرام (مہاجرین وانصار) ان سے محبت رکھنا - اور جو شخص ان بزرگواروں سے عداوت رکھے، اس سے عداوت رکھنا - اور جو اُن کو سبّ وشتم کرے، اس کو بُرا جاننا۔

صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ مباحات میں بھی جو اشیاء حضور کو محبوب وپسندیدہ تھیں وہی صحابہ کرام کو بھی محبوب تھیں - جیسا کہ واقعات ذیل سے ظاہر ہے:-

حضرت عبید بن جریج سے روایت ہے کہ اس نے حضرت عمر سے کہا میں نے دیکھا کہ تم بیل کے دباغت کئے ہوئے چمڑے کا بے بال جوتا پہنتے

ہو۔ حضرت فاروق نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایسا جوتا پہنا کرتے تھے جس میں بال نہ ہوں۔ اور اسی میں وضو کیا کرتے تھے۔ اس لئے میں دوست رکھتا ہوں کہ ایسا جوتا پہنوں۔ (شمائلِ ترمذی)

حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لئے بلایا جو اس نے تیار کیا تھا میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گیا۔ جَو کی روٹی اور شوربا حضور کے آگے لایا گیا۔ جس میں کدو اور خشک کیا ہوا نمکین گوشت تھا۔ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ پیالے کے اطراف سے کدو کی قاشیں تلاش کرتے تھے اس لئے میں اس دن کے بعد سے کدو ہمیشہ پسند کرتا رہا (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ کتاب الاطعمہ) امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے سامنے اس روایت کا ذکر آیا۔ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو پسند فرماتے تھے۔ ایک شخص نے کہا۔ انا ما اُحبّہٗ (میں اس کو پسند نہیں کرتا) یہ سن کر امام موصوف نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا:۔

جدّد الایمان والّا لاقتلنّك	تجدید ایمان کر ورنہ میں تجھے ضرور قتل کردونگا (مرقاۃ جزء ثانی ص۲۷)

ایک روز حضرت حسن بن علی اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب حضرت سلمٰی (خادمۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے واسطے وہ کھانا تیار کرو جسے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم پسند فرمایا کرتے اور خوش ہو کر کھایا کرتے تھے۔ اس نے (امام حسن سے) کہا۔ بیٹا! آج تم اسے پسند نہ کرو گے۔ حضرت امام نے کہا کہ تم ہمارے واسطے وہی تیار کردو۔ پس حضرت سلمیٰ نے کچھ جو کا آٹا ایک ہنڈیا میں چڑھا دیا۔ اوپر سے روغن زیتون اور کالی مرچیں اور زیرہ ڈال دیا۔ پک گیا تو ان کے آگے رکھ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کھانے کو پسند فرمایا کرتے تھے اور خوش ہو کر کھایا کرتے تھے۔ (شمائلِ ترمذی)

۶۔ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و دشمنی رکھیں ان کو اپنا دشمن سمجھنا اور مخالف سنت و مبتدع سے دور رہنا۔ مخالف شریعت سے نفرت کرنا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ (مجادلہ۔ع ۳)	تو نہ پائے گا کسی قوم کو جو اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ دوستی کریں ایسوں سے جو اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کرتے ہیں اگرچہ وہ لوگ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا انکے بھائی یا ان کے گھرانے کے ہوں۔

اس آیت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پورا پورا عمل تھا۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اعانت میں اپنی آبرو اور جان و مال سے دریغ نہ کیا۔ کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے اذیتیں برداشت کیں۔ خدا و رسول کے لئے اپنا وطن چھوڑا۔ خویش و اقارب سے رشتۂ الفت توڑا۔ اعلاءِ کلمۃ اللہ

کے لئے جہاد کیا اور خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے اعدار اسلام کو خواہ اقارب ہی ہوں قتل کیا یا کرنا چاہا۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے یوم بدر میں اپنے والد کو قتل کر دیا[۱]۔ عبداللہ بن ابی جو رأس المنافقین تھا۔ اس کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ اجازت ہو تو میں ابن ابی کو قتل کر دوں۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی[۲]۔ حضرت عمر فاروق نے جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ مخزومی کو قتل کر دیا[۳]۔ بدر کے دن حضرت ابوبکر صدیق کے لڑکے عبدالرحمٰن نے جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے مبارز طلب کیا۔ تو خود حضرت صدیق اکبر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی[۴]۔ جنگ احد میں حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا[۵]۔ حضرات علی و حمزہ و عتبہ بن حارث نے جنگِ بدر میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کو جو اُن کے گھرانے کے تھے قتل کر ڈالا۔ جنگ بدر کے خاتمہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت صدیق اکبر نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضرت فاروق نے عرض کیا کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم ان کو قتل کر دیں۔ مثلاً عقیل کو حضرت علی کے

۱۔ اصابہ بحوالہ طبرانی

۲۔ اصابہ۔ ترجمہ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی۔

۳۔ سیرت ابن ہشام۔

۴۔ استیعاب ترجمہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔

۵۔ نسیم الریاض وغیرہ۔

حوالے کردیں۔ اور میرے فلاں رشتہ دار کو میرے سپرد کردیں۔ مگر حضور رحمۃ للعلمین نے حضرت صدیق اکبر کی رائے پر عمل کیا[1]۔

۷۔ قرآن کریم سے محبت رکھنا جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خلق بنایا ہوا تھا۔ قرآن کریم سے محبت رکھنے کی نشانی یہ ہے کہ ہمیشہ اسکی تلاوت کرے۔ اور اس کے معانی سمجھے اور اس کے احکام پر عمل کرے حضرت سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں :۔

"خدا کی محبت کی نشانی قرآن سے محبت رکھنا ہے۔ اور قرآن سے محبت رکھنے کی علامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی علامت آپ کی سنت سے محبت رکھنا ہے۔ اور سنت سے محبت رکھنے کی نشانی آخرت سے محبت رکھنا ہے۔ اور آخرت سے محبت رکھنے کی نشانی دنیا سے بغض رکھنا ہے۔ اور بغضِ دنیا کی علامت یہ ہے کہ اس سے بجز کفاف و قوت لایموت ذخیرہ نہ کرے۔ جیسا کہ مسافر اپنے ساتھ اسی قدر توشہ لے جاتا ہے کہ جس سے منزل مقصود پر پہنچ جائے۔"

۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت رکھنا اور ان کی خیر خواہی کرنا۔ جیسا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا کرتے تھے۔

۹۔ دنیا میں رغبت نہ کرنا اور فقر کو غنا پر ترجیح دینا۔ حضرت عبد اللہ بن مغفل کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض

---

[1] صحیح مسلم۔ باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر

کیا۔ یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں بے شک آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ دیکھ تو کیا کہتا ہے۔ اس نے تین مرتبہ یہی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو مجھ سے محبت رکھتا ہے تو فقر و فاقے کے لئے برگستوان تیار کر لے۔ کیونکہ فقر و فاقہ میرے محب کی طرف اس سے بھی جلدی پہنچتا ہے جتنی کہ پانی کی رو اپنے منتہیٰ کی طرف پہنچتی ہے[۱]۔

اس حدیث میں برگستوان کنایہ صبر سے ہے جس طرح لڑائی میں برگستوان گھوڑے کو اذیت سے بچاتی ہے۔ اسی طرح صبر عاشق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و فاقے کی اذیت سے بچاتا ہے۔ کیونکہ صبر کے بغیر نفوس فقر کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے اور آپ کی اطاعت کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ کیا فرماتے ہیں اس شخص کی نسبت جو ایسی قوم سے محبت رکھتا ہے جن سے اسکی ملاقات نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ المرء مع من احب۔ یعنی انسان قیامت کے دن ان لوگوں کے زمرہ میں اٹھے گا جن سے وہ محبت رکھتا تھا[۲]۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱ے ترمذی۔ ابواب الزہد۔

۲ے مشکوۃ بحوالہ صحیحین۔ باب الحب فی اللہ و من اللہ۔

سے دریافت کیا کہ قیامت کب ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس! تُو نے اس دن کے لئے کیا تیار کیا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ مَیں نے کچھ تیار نہیں کیا۔ ہاں خدا اور رسُول سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو اس کے ساتھ ہوگا۔ کہ جس سے محبت رکھتا ہے[1]۔ اس حدیث کے تحت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی یوں تحریر فرماتے ہیں :۔

"چوں خدا را دوست مے داری۔ در جوار رحمت و عزت وے خواہی بود۔ وچوں رسول خدا را دوست داری نیز از مقام قربت و عنایت وے بہرہ ور باشی۔ اگرچہ مقامِ او بلند تر و عزیز تر است کہ کسے بآنجا نرسد۔ اما تو ر محبت وتبعیت وے بر محبان و تابعان وے خواہد تاخت وبمعیتِ قربت وے مشرف خواہد ساخت"

حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں[2] کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ بیشک میرے نزدیک میری جان اور میری اولاد سے زیادہ پیارے ہیں۔ مَیں اپنے گھر میں ہوتا ہوں۔ مگر جس وقت آپ یاد آجاتے ہیں تو جب تک آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپکو دیکھ نہ لوں صبر نہیں آتا۔ جب میں اپنی موت اور آپ کی موت کو یاد کرتا ہوں تو میں یقین کرتا ہوں کہ جنت میں داخل ہو کر آپ انبیائے کرام کے ساتھ بلند مرتبہ میں اٹھائے جائیں گے۔ اور مَیں جب جنت میں داخل ہونگا تو (ادنیٰ درجہ میں ہونے کے سبب سے) مجھے ڈر ہے کہ آپ کو

[1و2] در منثور بحوالہ طبرانی و ابن مردویہ و ابو نعیم فی الحلیۃ والضیاء المقدسی فی صفۃ الجنۃ۔

نہ دیکھ سکوں گا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچھ جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ حضرت جبرئیل یہ آیت لیکر نازل ہوئے :۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ (نساء۔ ع ۹)	اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے۔ پس وہ ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی پیغمبروں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ اور یہ اچھے رفیق ہیں۔

۳۔ تعظیم و توقیر

ذیل میں وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا ذکر ہے :۔

۱۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ (فتح۔ ع ۱)	ہم نے تجھے احوال بتانے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اسکی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔ اور خدا کو صبح و شام پاکی کے ساتھ یاد کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کے واجب ہونے کی تعلیم دی ہے۔

ب - ۱ - يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔ تحقیق اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

۲ - يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنی آواز نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اور اس سے بات اونچی نہ کہو۔ جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کہتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت جاویں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

۳ - اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

تحقیق جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لئے جانچا ہے۔ ان کیلئے معافی اور بڑا ثواب ہے۔

۴ - اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

تحقیق وہ لوگ جو تجھے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔

۵ - وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا

اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو ان کی طرف نکلتا تو ان کے واسطے

لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(حجرات شروع)

سورۂ حجرات کی ان پانچ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو آداب تعلیم فرمائے ہیں۔

آیہ ۱ میں بتایا گیا ہے کہ تم کسی قول یا فعل یا حکم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش دستی نہ کرو۔ مثلاً جب حضور کی مجلس میں کوئی سوال کرے تو تم حضور سے پہلے اس کا جواب نہ دو۔ جب کھانا حاضر ہو تو حضور سے پہلے کھانا شروع نہ کرو۔ جب حضور کسی جگہ کو تشریف لے جائیں تو تم بغیر کسی مصلحت کے حضور کے آگے نہ چلو۔ امام سہل بن عبداللہ تستری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ ادب سکھایا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تم بات نہ کرو۔ جب آپ فرمائیں تو تم آپ کے ارشاد کو کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔ آپ کے حق کی فروگذاشت اور آپ کے احترام و توقیر کے ضائع کرنے میں تم خدا سے ڈرو۔ خدا تمہارے قول کو سنتا اور تمہارے عمل کو جانتا ہے۔

آیہ ۲ کا شان نزول یہ ہے کہ ۹ھ میں بنی تمیم کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہم پر کسی کو امیر مقرر فرما دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ آپ قعقاع بن معبد کو امیر بنا دیں۔ حضرت عمر فاروق نے عرض کیا کہ اقرع بن حابس کو امیر بنا دیں۔ حضرت صدیق نے حضرت فاروق سے کہا کہ آپ میری مخالفت

کرتے ہیں۔ حضرت فاروق نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس طرح دونوں جھگڑ پڑے اور ان کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت فاروق اس قدر دھیمی آواز سے کلام کیا کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ دریافت کرنے کی حاجت پڑتی[1]۔ اور حضرت صدیق نے بقول حضرت ابن عباس قسم کھالی کہ مَیں رسول اللہ سے کلام نہ کیا کرونگا۔ مگر اس طرح جیسا کہ کوئی اپنے ہمراز سے پوشیدہ باتیں کرتا ہے[2]۔

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ جب آیہ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس (جو بلند آواز اور خطیب انصار تھے) گھر میں بیٹھ گئے۔ کہنے لگے کہ مَیں دوزخیوں میں سے ہوں۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ سے پوچھا کہ ثابت کا کیا حال ہے۔ کیا وہ بیمار ہے؟ حضرت سعد نے عرض کیا کہ وہ میرا ہمسایہ ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ بیمار ہے۔ اس کے بعد سعد نے حضرت ثابت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ذکر کردیا۔ حضرت ثابت نے کہا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں۔ اس لئے مَیں دوزخیوں میں سے ہوں۔ حضرت سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کردیا تو آپ نے فرمایا۔ نہیں، بلکہ وہ بہشتیوں

---

[1] بخاری تفسیر سورۂ حجرات۔

[2] اسباب نزول للواحدی۔

میں سے ہے[1]۔ اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف
میں بلند آواز سے بولنا اتنا بھاری گناہ تھا کہ اس سے اعمال اکارت و برباد
ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ کو حضرات شیخین و امثالہما رضی اللہ عنہم کا طریقِ ادب پسند
آیا۔ انکی مدح میں آیہ (۳) نازل فرمائی۔ اور ان کو متقی ہونے کی سند عطا فرمائی اور قیامت
کے دن ان کو مغفرت و اجر عظیم کی بشارت دی۔

ایک دفعہ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حجروں کے باہر
سے یا محمد یا محمد کہہ کر پکارا۔ اس پر آیہ ۴ نازل ہوئی جس میں بتا دیا گیا ہے کہ
اس طرح پکارنا سوء ادب ہے۔ ایسی جرأت وہ لوگ کرتے ہیں جن کو عقل
نہیں۔ حسن ادب اور تعظیم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس میں تھی کہ وہ لوگ
حضور کے در دولت پر بیٹھ جاتے اور انتظار کرتے۔ یہاں تک کہ حضور خود
باہر تشریف لاتے۔ اس طرح کا حسنِ ادب ان کے لئے موجب ثواب تھا
جیسا کہ آیہ ۵ میں ہے۔

ج۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ (نور۔ ع ۹)	تم اپنے درمیان رسول کا پکارنا ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ تم رسول اللہ کو نام لیکر (یا محمد یا محمد) نہ پکارا
کرو۔ جیسا کہ ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو۔ بلکہ حضور کو ادب سے یوں
پکارا کرو یا رسول اللہ۔ یا نبی اللہ۔ یا خیر خلق اللہ۔ اس کا مزید بیان پہلے آچکا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم۔ باب مخافات المومن ان یحبط عملہ۔

ے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ بقرہ ع ۱۳ — اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہو اور انظرنا کہو اور بغور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرماتے تو مسلمان عرض کیا کرتے۔ رَاعِنَا (ہماری طرف متوجہ ہو جئے، یعنی ذرا ٹھہرئیے کہ ہم سمجھ لیں عبرانی زبان میں اس لفظ کے معنی شریر کے ہیں۔ یہود اس لفظ کو بطریق استہزار استعمال کرتے تھے۔ اور تعریض و اشارہ اسی معنی کی طرف کیا کرتے تھے۔ چونکہ راعنا کا التباس عبرانی لفظ سے ہوتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تعلیم دی کہ تم بجائے راعنا کے انظرنا (ہماری طرف متوجہ ہو جئے) استعمال کیا کرو جس کے معنی وہی ہیں جو راعنا کے ہیں اور اس میں کسی قسم کی تلبیس کا احتمال نہیں۔ اور تم بغور سنا کرو تاکہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ یہود جو اس طرح تعریض و استہزار کرتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس آیت شریف سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں ایسے الفاظ محتملہ استعمال نہ کرنے چاہئیں کہ جن میں تعریض ہو اور تنقیص شان کا وہم ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور ادب کے طریقے

ذیل میں چند ایسی مثالیں درج کی جاتی ہیں جن سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کس کس طرح اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر بجالاتے، اور آپ کا ادب ملحوظ رکھتے تھے۔

۱۔ ماہ ذی قعدہ ۶ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں تھے تو بدیل بن ورقا خزاعی کے بعد عروہ بن مسعود جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لئے حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ وہ واپس جا کر قریش سے یوں کہنے لگے:۔

یا قوم واللہ لقد وفدت علی الملوک ووفدت علیٰ قیصر وکسریٰ والنجاشی واللہ ان رایت ملکا قط یعظمہ اصحابہ ما یعظم اصحاب محمد محمدا واللہ ان تنخم نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منہم فدلک بہا وجہہ وجلدہ واذا امرہم ابتدروا امرہ واذا توضأ کادوا یقتتلون علیٰ وضوئہ واذا تکلم خفضوا اصواتہم عندہ وما یحدون الیہ النظر تعظیما لہ وانہ قد عرض علیکم خطۃ رشد فاقبلوہا۔

اے میری قوم! اللہ کی قسم میں البتہ بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں اور قیصر و کسریٰ و نجاشی کے ہاں گیا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے کبھی کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ جس کے اصحاب اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم اس (محمد) نے جب کبھی کھنکار پھینکا ہے تو وہ اصحاب میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ میں گرا ہے۔ جسے انہوں نے اپنے منہ اور جسم پر مل لیا ہے۔ جب وہ اپنے اصحاب کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس کی تعمیل کے لئے دوڑتے ہیں۔ اور جب وضو کرتے ہیں تو ان کے وضو کے پانی کے لئے باہم جھگڑنے کی نوبت پہنچ جاتی

ہے۔ اور جب وہ کلام کرتے ہیں تو اصحاب ان کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کر دیتے ہیں اور از روئے تعظیم ان کی طرف تیز نگاہ نہیں کرتے۔ انہوں نے تم پر ایک نیک امر پیش کیا ہے۔ اسے قبول کر لو۔[1]

۲۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے ایک جاہل اعرابی سے کہا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ قرآن میں جو سورۃ احزاب میں آیا ہے:۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا	بعضے مسلمانوں میں سے وہ مرد ہیں کہ
مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ	سچ کیا انہوں نے وہ عہد جو اللہ سے
مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ لا	باندھا تھا پس بعض ان میں سے وہ
(احزاب۔ ع ۳)	ہے جو پورا کر چکا کام اپنا۔

اس آیت میں قضیٰ نحبہٗ کون ہے۔ اصحاب کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے کی جرأت نہ کیا کرتے تھے۔ وہ آپ کی توقیر کیا کرتے تھے۔ اور آپ سے ہیبت کھاتے تھے۔ اس اعرابی نے آپ سے سوال کیا۔ تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ دوبارہ پوچھا تو بھی آپ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر میں مسجد کے دروازے سے سبز کپڑوں میں نمودار ہوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ وہ سائل کہاں ہے۔ اعرابی نے کہا یا رسول اللہ سائل میں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میری طرف اشارہ کر کے) فرمایا۔ یہ ان میں سے ہے جس نے اپنا عہد پورا کیا۔[2]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الشرط۔ [2] ترمذی۔ کتاب التفسیر تفسیر سورۃ احزاب۔

۳۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب مہاجرین وانصار میں تشریف لاتے اور وہ بیٹھے ہوتے۔ ان کے درمیان حضرت ابوبکر و عمر بھی ہوتے۔ ان میں سے سوائے حضرت ابوبکر و عمر کے کوئی حضور کی طرف نظر نہ اٹھاتا۔ وہ دونوں حضور کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے اور حضور انکی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے۔ وہ دونوں حضور کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے اور حضور ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے۔[1]

۴۔ حضرت علی مرتضیٰ حاضرین مجلس کے ساتھ حضور کی سیرت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "جس وقت آپ کلام شروع کرتے تو آپ کے ہم نشین اس طرح سر جھکا لیتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں جس وقت آپ خاموش ہو جاتے تو وہ کلام کرتے۔ اور کلام میں آپ کے سامنے تنازع نہ کرتے اور جو آپ کے سامنے کلام کرتا اسے خاموش ہو کر سنتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کلام سے فارغ ہو جاتا"[2]

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور کی مجلس میں سب سے پہلے خود حضور ارشاد فرماتے تھے۔ حاضرین مجلس سب سکون کی حالت میں باادب بیٹھے سنا کرتے تھے۔ آپ کے بعد صحابۂ کرام عرض کرتے۔ مگر وہ کلام میں تنازع نہ فرماتے تھے۔ مجلس میں ایک وقت میں دو شخص کلام نہ کرتے۔ اور نہ کوئی دوسرے کے کلام کو قطع کرتا تھا۔ بلکہ متکلم کے کلام کو سنتے رہتے یہاں تک کہ وہ فارغ

---

[1] ترمذی ابواب المناقب۔

[2] شمائل ترمذی۔ باب ما جاء فی خُلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہو جاتا۔

۵۔ حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام (بپاس ادب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازوں کو ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے[1]۔

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ ۶ھ میں عمرہ کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ جب حدیبیہ میں پہنچے تو قریش ڈر گئے۔ اس لئے آپ نے حضرت عثمان غنی کو مکہ میں بھیجا اور ان سے فرمایا کہ تم قریش کو اطلاع دے دو کہ ہم عمرہ کے لئے آتے ہیں۔ لڑائی کے لئے نہیں آتے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ انکو دعوت اسلام دو۔ اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو جو مکہ میں ہیں فتح کی بشارت دو۔ راستے میں حضرت ابان بن سعید اموی جو اب تک ایمان نہ لائے تھے حضرت عثمان سے ملے۔ انہوں نے حضرت عثمان کو جوار دی۔ اور اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کرکے مکہ میں لے آئے۔ حضرت عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ حدیبیہ میں مسلمان کہنے لگے کہ عثمان خوش نصیب ہے جس نے بیت اللہ کا طواف کر لیا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے، کہ میرا گمان ہے کہ عثمان ہمارے بغیر طواف کعبہ نہ کریں گے۔ اسی اثنا میں یہ غلط خبر اڑی کہ حضرت عثمان مکہ میں قتل کر دیئے گئے۔ اس لئے رسول اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بیعت رضوان لی۔

---

[1] الادب المفرد للبخاری۔ باب قرع الباب۔ اس روایت سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازوں میں حلقے نہ تھے صحابہ کرام بپاس ادب بجائے دستک دینے کے ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔

حضرت عثمان چونکہ مکہ میں تھے۔ اس لئے حضور انور نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر ان کو بیعت کے شرف میں داخل کیا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ حضرت عثمان کا ہاتھ قرار پایا۔ بیعت رضوان کے بعد جب حضرت عثمان واپس تشریف لائے تو مسلمانوں نے ان سے کہا کہ آپ خوش نصیب ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کر لیا۔ اس پر حضرت عثمان نے جواب دیا کہ تم نے میری نسبت گمان بد کیا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں وہاں ایک سال ٹھہرا رہتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں ہوتے تو میں آپ کے بغیر طواف نہ کرتا۔ قریش نے مجھ سے کہا تھا کہ طواف کر لو۔ مگر میں نے انکار کر دیا تھا[1]۔

حضرت عثمان غنی کا یہ ادب قابلِ غور ہے کہ کفار مکہ آپ سے کہہ رہے ہیں کہ تم بیت اللہ کا طواف کر لو۔ مگر آپ جواب دیتے ہیں کہ مجھ سے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر اکیلا طواف کروں۔ ادھر جب مسلمانوں نے کہا کہ خوشا حال عثمان کا کہ ان کو خانہ کعبہ کا طواف نصیب ہوا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر فرماتے ہیں کہ عثمان بغیر ہمارے ایسا نہیں کر سکتا۔ آقا ہو تو ایسا۔ خادم ہو تو ایسا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ ہمزیہ میں کیا خوب فرمایا ہے:۔

وابیٰ یطوف بالبیت اذلم	اور حضرت عثمان نے بیت اللہ کے طواف سے
یدن منہ الی النبی فناء	انکار کر دیا۔ اسلئے کہ بیت اللہ کی کوئی طرف رسول اللہ کے بغیر

[1] زاد المعاد لابن قیم ۔ قصۂ حدیبیہ۔ اور در منثور للسیوطی تفسیر سورۂ فتح۔

فجزته عنها ببیعة رضوا
نَ ید من نبیه بیضاء
ادب عنده فضاعف الاعمال
بالترك حبذا الادباء

پس ان کو رسول اللہ کے ید بیضا نے بیعتِ رضوان
میں اس نیک عمل کا بدلہ دیا۔ یہ (تنہا طواف نہ
کرنا) عثمان میں ایک بڑا ادب تھا جس کے سبب
ان کو طواف سے دگنا ثواب ملا۔ اصحاب محمد
کیا خوب ادیب تھے۔

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام سب کے سب باادب تھے۔ مگر حضرت عثمان میں یہ خوبی خصوصیت سے تھی۔ کیونکہ ان میں وصفِ حیا، جو منشاءِ ادب ہے سب سے زیادہ تھا۔ آپ نے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ اپنا دایاں ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ پر نہ رکھا۔

۷۔ حضرت عمرو بن عاص کی موت کا وقت آیا تو آپ اپنے صاحبزادے سے اپنی تین حالتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ پہلی حالت یہ تھی کہ میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو دوزخی تھا۔ دوسری حالت اسلام کی تھی کہ کوئی شخص میرے نزدیک رسول اللہ سے زیادہ محبوب اور میری آنکھوں میں آپ سے زیادہ جلالت وہیبت والا نہ تھا۔ اور میں آپ کی ہیبت کے سبب سے آپ کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس واسطے اگر مجھ سے حضور کا حلیہ شریف دریافت کیا جائے تو میں بیان نہیں کرسکتا۔ اگر میں اس حال میں مرجاؤں تو امید ہے کہ اہلِ جنت میں سے ہونگا۔ تیسری حالت حکمرانی کی تھی کہ جس میں میں اپنا حال نہیں جانتا۔[1]

---

[1] صحیح مسلم باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ وکذا الحج والعمرۃ۔

۸۔حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ کا کجاوہ کسا کرتا تھا۔موسم سرما میں ایک رات مجھے غسل کی حاجت ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کا ارادہ کیا۔ میں نے حالت جنابت میں کجاوہ کسنا پسند نہ کیا۔ اور میں ڈرا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کروں تو مر جاؤں گا یا بیمار ہو جاؤں گا۔ اس لئے میں نے انصار میں سے ایک شخص سے کجاوہ کسوایا۔ پھر میں نے پانی گرم کر کے غسل کیا۔ اور رسول اللہ اور آپ کے احباب سے جا ملا۔ آپ نے فرمایا۔ اے اسلع آج کجاوہ اپنی جگہ سے کیوں ہل گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے نہیں کسا۔ ایک انصاری نے کسا ہے۔ آپ نے سبب دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا مجھے غسل کی حاجت ہو گئی تھی اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے مجھے اپنی جان کا خوف تھا، اس لئے میں نے اس سے کسوایا تھا۔ اور پھر پانی گرم کر کے میں نے غسل کیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیۂ تیمم یعنی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (نساء - ع ۷) نازل فرمائی۔[1]

۹۔ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ سے ملے۔ انکو غسل کی حاجت تھی۔ ان کا بیان ہے کہ میں پیچھے ہٹ گیا۔ پھر غسل کر کے حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ تم کہاں گئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے غسل کی حاجت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ مومن پلید نہیں ہوتا۔[2]

---

[1] اصابہ بحوالہ طبرانی۔ ترجمہ اسلع الاعرجی۔ تفسیر درمنثور بحوالہ طحاوی و دارقطنی و طبرانی و بیہقی وغیرہ
[2] ترمذی۔ کتاب الطہارت۔ باب ما جاء فی مصافحۃ الجنب۔

۱۰۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حذیفہ بن الیمان سے ملے۔ آپ حضرت حذیفہ سے مصافحہ کرنے لگے حضرت حذیفہ پیچھے ہٹ گئے اور یہ عذر کیا کہ مجھ کو غسل کی حاجت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان جب اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے تو اس کے گناہ یوں دور ہو جاتے ہیں جیسا کہ درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ جب وہ دونوں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر سو رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ جن میں ننانوے اس کے لئے ہیں جو اُن دونوں میں سے زیادہ بشاش و کشادہ رو اور نکوکار اور اپنے بھائی کی حاجت روائی میں احسن ہو[1]۔

۱۱۔حضرت عثمان بن عفان نے حضرت قباث بن اشیم سے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپؐ مجھ سے بڑے ہیں البتہ میں پیدائش میں حضور سے پہلے ہوں[2]۔

۱۲۔حضرت سعید بن یربوع قرشی مخذومی کا نام صرم تھا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ ہم میں سے کون بڑا ہے۔ میں یا تو؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ مجھ سے بڑے ہیں اور نیک ہیں۔ میں عمر میں آپ سے زیادہ ہوں۔ یہ سن کر آپ نے ان کا نام بدل دیا۔ اور فرمایا کہ تم سعید ہو[3]۔

---

[1] کشف الغمہ للشعرانی۔ جزء ثانی صفحہ
[2] جامع ترمذی۔ باب ما جاء فی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
[3] اصابہ ترجمہ سعید بن یربوع۔

۱۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے حدیث و کلام میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں دیکھا۔ جب وہ حضور کی خدمت میں آتیں تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اور مرحبا کہہ کر ان کو چومتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ اور جب حضور ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں اور آپ کا دست مبارک پکڑ کر مرحبا کہتیں اور چومتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں۔ جب مرض موت میں وہ حضور کی خدمت اقدس میں آئیں تو حضور نے مرحبا کہہ کر ان کو چوما[1]۔

۱۴۔ دو یہودی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے نو ظاہر نشانیاں دریافت کیں۔ آپ نے بیان فرما دیں۔ تو انہوں نے آپ کے دونوں ہاتھ مبارک اور دونوں پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ پیغمبر ہیں[2]۔

۱۵۔ صفوان بن عسال روایت کرتے ہیں کہ یہودیوں کی ایک قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور ہر دو پائے مبارک کو بوسہ دیا[3]۔

۱۶۔ حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ ہم کسی غزوہ میں تھے۔ لوگ پسپا ہو گئے۔

---

[1] الادب المفرد للبخاری۔ باب الرجل یقبل ابنتہ،
[2] جامع ترمذی۔ ابواب الاستیذان و الادب۔ باب ماجاء فی قبلۃ الید والرجل۔
[3] ابن ماجہ باب الرجل یقبل ید الرجل۔

ہم نے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح ملیں گے۔ حالانکہ ہم لشکر سے بھاگ آئے ہیں۔ اور خدا کا غضب لے پھرتے ہیں پس ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نماز فجر سے پہلے حاضر ہوئے۔ حضور نماز سے فارغ ہو کر نکلے اور فرمایا۔ کہ یہ لوگ کون ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم فراری ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

لا بل انتم العکارون — نہیں، بلکہ تم عکاری (ہٹ کر حملہ کرنے والے) ہو

یہ سُن کر ہم نے حضور کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں تمہارا گروہ ہوں۔ مَیں مسلمانوں کا گروہ ہوں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ — مگر ہٹنے والا لڑائی کے لئے یا پناہ ڈھونڈنے والا ایک گروہ کی طرف[1]۔ (انفال۔ ع ۲)

۱۷۔ امّ ابان بنت وازع بن زارع اپنے دادا زارع سے جو وفد عبد القیس میں تھے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جب ہم مدینہ میں پہنچے تو ہم اپنے کجاووں سے جلدی جلدی اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک اور پائے مبارک کو چومنے لگے۔ منذر الشیخ (رئیس وفد) کچھ دیر کے بعد لباس تبدیل کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے حلم و وقار منذر نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! یہ خصلتیں مجھ میں کسبی ہیں یا جبلی حضور نے فرمایا جبلی ہیں۔ یہ سُن کر منذر نے کہا۔ سب ستائش خدا کو ہے جس نے مجھے

---

[1] الادب المفرد للبخاری۔ باب تقبیل الید۔ تفسیر درمنثور بحوالہ ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ۔

ایسی دو خصلتوں پر پیدا کیا ہے جن کو اللہ اور اللہ کا رسول دوست رکھتے ہیں۔[1]
روایت بیہقی میں ہے کہ منذر نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضور کے دستِ مبارک کو پکڑ کر بوسہ دیا۔[2]

۱۸۔ حضرت بریدہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ یا رسول اللہ! میں اسلام لایا ہوں۔ مجھے کوئی ایسی چیز دکھائیے جس سے میرا یقین زیادہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ آپ اس درخت کو اپنے پاس بلا لیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو جا کر اسے بلا لا۔ وہ اس کے پاس گیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بلاتے ہیں۔ یہ سُن کر وہ ایک طرف کو جھکا اور اس کی جڑیں اکھڑیں۔ پھر دوسری طرف کو جھکا اور جڑیں اکھڑیں۔ اسی طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔ یہ دیکھ کر اعرابی نے کہا۔ مجھے کافی ہے۔ مجھے کافی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت سے فرمایا کہ اپنی جگہ پر چلا جا۔ چنانچہ وہ چلا گیا اور اپنی جڑوں پر قائم ہو گیا۔ اعرابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے سر مبارک اور ہر دو پائے مبارک کو بوسہ دوں۔ حضور نے اجازت دے دی۔ (اور اس نے سر مبارک اور ہر دو پائے مبارک کو چوما) پھر اس نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو

---

[1] ابو داؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی قبلۃ الجسد۔ الادب المفرد للبخاری۔ باب تقبیل الید
[2] زرقانی علی المواہب۔ وفد عبد القیس الادب المفرد للبخاری۔ باب التؤدۃ فی الامور۔

سجدہ کروں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص دوسرے کو سجدہ نہ کرے۔ اگر میں ایسے سجدے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ شوہر کا اس پر بڑا حق ہے[1]۔

۱۹۔ حضرت ابو بزہ مکی مخزومی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے آقا عبد اللہ بن سائب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور پائے مبارک کو بوسہ دیا (اصابہ۔ ترجمہ ابو بزہ مکی)

۲۰۔ حضرت مسور بن مخرمہ ذکر کرتے ہیں کہ میرے والد مخرمہ نے مجھ سے کہا۔ بیٹا! مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبائیں آئی ہیں۔ جنہیں وہ تقسیم فرما رہے ہیں۔ مجھے ان کے پاس لے چل۔ چنانچہ ہم وہاں حاضر ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولتخانہ میں تھے۔ والد نے مجھ سے کہا۔ بیٹا! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے واسطے بلا دو۔ مجھ پر یہ امر ناگوار گزرا۔ میں نے کہا، کیا میں تمہارے واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دوں؟ میرے والد نے کہا۔ بیٹا! وہ جبار نہیں ہیں۔ تب میں نے آپ کو آواز دی۔ آپ نکلے، اور آپ کے پاس ایک دیبا کی قبا تھی۔ جس کے تکمے سونے کے تھے۔ آپ نے فرمایا اے مخرمہ! یہ ہم نے تمہارے واسطے چھپا رکھی ہے۔ اور مخرمہ کو عطا فرما دی[2]۔

---

[1] دلائل حافظ ابی نعیم۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن صفحہ ۱۳۸

[2] صحیح بخاری کتاب اللباس۔ باب الزر بالذہب۔

۲۱۔ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غریب خانہ پر تشریف لائے۔ اور دروازے میں فرمایا السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ میرے باپ نے دھیمی آواز سے جواب دیا۔ میں نے کہا، کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا اسی طرح رہنے دیجئے تاکہ حضور ہم پر زیادہ سلام بھیجیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار اسی طرح سلام کہا۔ حضرت سعد نے دھیمی آواز سے جواب دیا۔ حضور تیسری بار سلام کہہ کر واپس ہو گئے۔ حضرت سعد آپ کے پیچھے نکلے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں آپ کا سلام سنتا رہا اور دھیمی آواز سے جواب دیتا رہا، تاکہ آپ ہم پر زیادہ سلام بھیجیں۔ یہ سنکر حضور حضرت سعد کے ساتھ واپس تشریف لائے۔ آپ نے حضرت سعد کی درخواست پر غسل فرمایا۔ حضرت سعد نے زعفران سے رنگی ہوئی چادر پیش کی جو آپ نے اوڑھ لی۔ اور پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر یوں دعا فرمائی۔ اللّٰھم اجعل صلواتك و رحمتك علیٰ اٰل سعد بن عبادة۔ بعد ازاں آپ نے کھانا تناول فرمایا۔ جب آپ واپس ہونے لگے تو میرے والد نے سواری کے لئے ایک دراز گوش پیش کیا جس پر لحاف پڑا ہوا تھا اور مجھ سے کہا کہ ساتھ ہو لو۔ میں حضور کے ساتھ ہو لیا۔ حضور نے مجھ سے فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ میں نے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سوار ہو جاؤ ورنہ واپس ہو جاؤ۔ اس لئے میں واپس چلا آیا۔ (ابو داؤد۔ کتاب اللوب)

۲۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کے والد بزرگوار بہت سا قرض

چھوڑ گئے تھے۔ جب کھجوروں کے توڑنے کا وقت آیا تو حضرت جابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یوں عرض کیا:۔

"آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد جنگ احد کے دن شہید ہو گئے۔ اور اپنے اوپر بہت سا قرض چھوڑ گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ قرضخواہ آپ کی زیارت کرلیں۔"

حضرت جابر نے یوں نہ کہا کہ آپ قرضخواہوں کے پاس چلیے۔ بلکہ بپاس ادب عرض کیا کہ قرضخواہ آپ کی زیارت کرلیں۔ (بخاری باب قضاء الوصی دیون المیت بغیر محضر من الورثۃ)

۲۳۔ ایک روز قبیلۂ اسلم کے چند صحابہ کرام تیر اندازی میں باہم مقابلہ کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر وہاں ہوا۔ جب حضرت محجن بن اورع ایک اسلمی سے مقابلہ کر رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے بنی اسمٰعیل! تم تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارا باپ تیر انداز تھا۔ تم تیر پھینکتے جاؤ۔ میں ابن اورع کے ساتھ ہوں۔ یہ سُن کر حضرت نضلہ بن عبید اسلمی نے اپنے ہاتھ سے کمان پھینک دی۔ اور عرض کیا:۔

"جب حضور ابن ورع کے ساتھ ہیں تو میں اس کے ساتھ تیر نہیں پھینکتا کیونکہ جس کے ساتھ آپ ہیں وہ مغلوب نہیں ہو سکتا۔"

یہ سُن کر حضور نے فرمایا کہ تم تیر اندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔[1]

۲۴۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں رونق افروز

---

[1] اصابہ بحوالہ ابن اسحاق۔ ترجمہ محجن بن اورع اسلمی۔ نیز مشکوٰۃ بحوالہ بخاری باب اعداد آلۃ الجہاد

ہوئے تو آپ نے حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان میں قیام فرمایا۔آپ مکان کے نیچے کے حصے میں ٹھہرے۔ اور ابو ایوب مع عیال اوپر کے حصے میں رہے۔ ایک رات ابو ایوب بیدار ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے اوپر چلتے پھرتے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اس جگہ سے ہٹ کر ایک جانب میں رات بسر کی۔ پھر صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیچے کے حصے میں میرے واسطے آسانی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس چھت پر نہیں چڑھتا جس کے نیچے آپ ہوں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوپر کے حصے میں تشریف لے گئے اور ابو ایوب نیچے کے حصے میں چلے آئے۔ ابو ایوب حضور کے لئے کھانا بھیجا کرتے۔ جو بچ کر آتا، خادم سے دریافت کرتے کہ طعام میں حضور اقدس کی انگلیاں کس جگہ تھیں۔ پھر اسی جگہ سے کھاتے۔ ایک روز کھانا تیار کیا گیا جس میں لہسن تھا۔ جب کھانا واپس آیا تو حضرت ابو ایوب نے حسب معمول خادم سے حضور انور کی انگلیوں کی جگہ دریافت کی۔ جواب ملا کہ حضور نے کھایا ہی نہیں۔ یہ سن کر ابو ایوب ڈر گئے اور اوپر جا کر عرض کیا کہ کیا یہ (لہسن) حرام ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حرام تو نہیں۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔ یہ سن کر انہوں نے عرض کیا کہ میں بھی اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جسے آپ ناپسند کرتے ہیں (حضور کی کراہت کی وجہ یہ کہ) آپ کے پاس فرشتے اور وحی آیا کرتی تھی[1]۔

---

[1] صحیح مسلم۔ باب اباحت اکل الثوم۔

۲۴۔حضرت قیلہ بنت مخرمہ عنبریہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دیکھا۔آپ اکڑوں بیٹھے ہوئے تھے۔ان کا بیان ہے کہ جب میں نے آپ کو نہایت خشوع سے اس حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو (ہیبت و جلال کے سبب سے) میں خوف سے کانپنے لگی۔(شمائل ترمذی۔باب ماجاء فی جلسۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

۲۵۔حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنا چاہتا تو اسے (آپ کی ہیبت کی وجہ سے) دو سال (یا سالوں) تاخیر میں ڈال دیتا[1]۔

۲۶۔حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریکِ طعام ہوتے تو ہم طعام میں ہاتھ نہ ڈالتے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے شروع فرماتے اور اپنا دست مبارک اس میں ڈالتے (صحیح مسلم۔باب آداب الطعام والشرب واحکامہا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر جس طرح آپ کی حیاتِ دنیوی میں واجب تھی اسی طرح وفات شریف کے بعد بھی واجب ہے۔سلف و خلف کا یہی طریقہ رہا ہے۔ذیل میں چند مثالیں بغرض توضیح درج کی جاتی ہیں:۔

۱۔حضرت اسحٰق تجیبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ذیقعدہ ۳۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد جب آپ کا ذکر آتا تو صحابۂ کرام خشوع و انکسار ظاہر کیا کرتے۔ان کے بدن پر رونگٹے کھڑے

---

[1] شفاء شریف۔علی القاری شرح میں لکھتے ہیں کہ اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔

ہو جاتے۔ اور وہ حضور کے فراق اور اشتیاقِ زیارت میں رویا کرتے۔ یہی حال بہت سے تابعین کا تھا۔ (شفار شریف)

۲۔ حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے کہ میں مسجد نبوی میں لیٹا ہوا تھا ایک شخص نے مجھ پر کنکری ماری۔ میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ان دو شخصوں کو بلا لاؤ۔ میں بُلا لایا۔ آپ نے ان سے پوچھا تم کون ہو یا کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں درے لگاتا۔ کیا تم رسول اللہ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو؟ (صحیح بخاری۔ باب رفع الصوت فی المسجد)

۳۔ حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ عشار کے وقت حضرت عمر فاروق مسجد نبوی میں تھے۔ ناگاہ ایک شخص کے ہنسنے کی آواز کان میں آئی۔ آپ نے اسے بلا کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں قبیلۂ ثقیف سے ہوں۔ پھر دریافت کیا تم اس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ بلکہ طائف کا رہنے والا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے اسے دھمکایا اور فرمایا، اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ اس مسجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں۔ (وفار الوفار جزو ثانی صفحہ ۳۵۴)

۴۔ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں امام مالک سے مناظرہ کیا۔ اور اثنائے مناظرہ میں آواز بلند کی۔ حضرت امام نے فرمایا اے امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز کو بلند مت

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو یوں ادب سکھایا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ الآیہ۔ اور ایک قوم جو آداب بجالائی ان کی یوں تعریف کی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ الآیہ۔ اور ایک قوم کی یوں مذمت کی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ الآیہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام وفات شریف کے بعد بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ حالت حیات میں تھا۔ یہ سنکر ابوجعفر دھیما پڑ گیا۔ کہنے لگا اے عبداللہ (امام مالک) کیا مَیں قبلہ رو ہو کر دعا مانگوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منہ کروں! امام مالک نے جواب دیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنا منہ کیوں پھیرتے ہو حالانکہ وہ قیامت کے دن تمہارے وسیلہ اور تمہارے باپ آدمؑ کے وسیلہ ہیں۔ بلکہ تم حضور ہی کی طرف منہ کرو اور آپ ہی کے وسیلہ سے دعا مانگو۔ اللہ تعالیٰ قبول کریگا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَ اسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝ (نساء۔ ع ۹)	اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں آپ کے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور پیغمبر اُن کیلئے بخشش مانگتا تو وہ اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔ (شفا شریف)

۵۔ شیخ الاسلام نورالدین علی بن احمد سمہودی (متوفی سنہ ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں منکرات سے ایک امر جس میں متصدیان صیغۂ تعمیر تساہل کرتے

ے وفاء الوفاء بحوالہ ابن زبالہ۔ جزء اول ص ۳۹۸

ہیں یہ ہے کہ مسجد نبوی میں آرہ کش اور بڑھئی اور سنگتراش کام کرنے کے لئے لائے جاتے ہیں۔ اشیاء کے توڑنے پھوڑنے اور چیرنے وغیرہ سے سخت شور و شغب برپا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ سب کام مسجد سے باہر تیار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عمارت کا مصالحہ خچروں اور گدھوں پر مسجد میں لایا جاتا ہے۔ حالانکہ اسے آدمی مسجد کے دروازے ہیں سے اندر لا سکتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ اگر مسجد نبوی کے گرد کسی مکان میں میخ کے ٹھونکنے کی آواز سنتیں تو کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ دو۔ اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے گھر کے دونوں کواڑ مناصع[1] میں تیار کرائے۔ کہ مبادا تیاری میں لکڑی کی آواز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچے۔ انتہیٰ (وفاء الوفاء جزء اول۔ ص ۴۷۹)

۶۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ میں ایوب سختیانی، محمد بن منکدر تیمی، امام جعفر صادق، عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق۔ عامر بن عبداللہ بن زبیر، صفوان بن سلیم اور امام محمد بن مسلم زہری سے ملا کرتا تھا۔ میں نے ان کا یہ حال دیکھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا تو ان کا رنگ زرد ہو جاتا وہ شوق زیارت میں رویا کرتے بلکہ بعضے تو بیخود ہو جایا کرتے (شفاء شریف)

۷۔ امام مالک نے اپنی تمام عمر مدینہ منورہ میں بسر کی۔ بپاس ادب کبھی مدینہ شریف کے حرم کی حد میں بول و براز نہیں کیا (شفاء شریف)

---

[1] مناصع مدینہ منورہ سے باہر ایک جگہ کا نام ہے۔ جہاں عورتیں زمانہ جاہلیت میں رات کے وقت بول و براز کے لئے جایا کرتی تھیں۔ کذا فی معجم البلدان للیاقوت۔

۸۔ امام شافعی کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک کے دروازے پر کئی ایسے خراسانی گھوڑے اور مصری خچر دیکھے کہ جن سے بہتر میں نے نہیں دیکھے۔ میں نے امام مالک سے کہا کہ یہ کیسے اچھے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ سب میری طرف سے آپ کے لئے ہدیہ ہیں۔ میں نے کہا اپنی سواری کے لئے ان میں سے کچھ رکھ لیں۔ انہوں نے کہا مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ اس زمین کو جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اپنے گھوڑے کے سموں سے پامال کروں۔ (وفاء الوفا۔ جزء ثانی صفحہ ۴۲۵)

۹۔ ایک شخص نے کہا کہ مدینہ طیبہ کی مٹی خراب ہے۔ امام مالک نے فتویٰ دیا کہ اسے تیس دُرّے مارے جائیں اور قید کیا جائے اور فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اس کی گردن ماری جائے۔ وہ زمین جسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں اس کی نسبت وہ گمان کرتا ہے کہ وہ خراب ہے۔ (شفاء شریف)

۱۰۔ حضرت احمد بن فضلویہ بڑے غازی اور تیر انداز تھے۔ انہوں نے جب سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان کو اپنے دست مبارک میں لیا ہے تو اس روز سے بپاس ادب کبھی کمان کو بے وضو نہیں چھوا۔ (شفاء شریف)

۱۱۔ حضرت عثمانؓ غنی کے ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عصا تھا۔ حضرت جہجاہ غفاری نے یوم دار سے پہلے ان کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اور اپنے گھٹنے پر رکھ کر اسے توڑنا چاہا (یا توڑ دیا)۱ اس جرأت

---

۱ تاریخ صغیر للبخاری مطبوعہ انوار احمدی الہ آباد صفحہ ۴۲

پر حاضرین چلا اٹھے - ان کے گھٹنے میں مرض اکلہ پیدا ہو گیا - انہوں نے بدیں خیال کہ مبادا مرض بدن میں سرایت کر جائے گھٹنے کو کاٹ دیا - مگر ایک سال تمام نہ ہونے پایا کہ وفات پائی -

۱۲- حضرت ابو الفضل جوہری اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے زیارت کے لئے مدینہ منورہ کا قصد کیا - جب اس کے مکانات کے قریب پہنچے تو سواری سے اتر پڑے اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے پیدل چلے -

وَلَمَّا رَأَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَمْ يَدَعْ لَنَا	جب ہم نے اس ذات شریف کے
فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُومِ وَلَا لُبًّا	آثار دیکھے جس نے آثار شریفہ کی
نَزَلْنَا عَنِ الْأَكْوَارِ نَمْشِي كَرَامَةً	پہچان کیلئے ہمارے واسطے نہ دل چھوڑا
لِمَنْ بَانَ عَنْهُ أَنْ نُلِمَّ بِهِ رَكْبًا	نہ عقل خالص - ہم پالانوں سے اتر پڑے
(شفا شریف)	اور اس ذات شریف کی تعظیم کے لئے

پیدل چلنے لگے - جس کی زیارت سواری کی حالت میں بعید از ادب ہے -

بعض مشائخ کرام پیدل حج کو گئے - ان سے سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ غلام مفرور اپنے مولا کے دروازے پر سوار ہو کر نہیں آتا - اگر ہم میں طاقت ہوتی تو سر کے بل آتے - (شفا شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں سے یہ امر بھی ہے کہ آپکی آل اطہار و ذریت طیبہ اور ازواج مطہرات کی تعظیم و تکریم اور انکے حقوق کی رعایت کی جائے - اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کی تعظیم و توقیر کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و تکریم ہے - صحابہ کرام

کے درمیان جو اختلافات و مشاجرات وقوع میں آئے، ان کی تاویل نیک کرنی چاہیے۔ وہ مجتہد تھے۔ جو کچھ انہوں نے کیا از روئے اجتہاد و خلوص کیا۔ وہ کسی طرح مورد طعن نہیں ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ تفصیل کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے

ترسم آں قوم کہ بر دُرد کشاں مے خندند
در سرِ کار خرابات کنند ایماں را

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں فرماتے ہیں کہ وہ تمام چیزیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے ان کی تعظیم و تکریم کرنا۔ حرمین شریفین میں آپ کے مشاہد و مساکن کی تعظیم کرنا۔ آپ کے منازل اور وہ چیزیں جن کو آپ کے دستِ مبارک یا کسی اور عضو نے چھوا یا آپ کے نام سے پکاری جاتی ہوں ان سب کا اکرام کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی تعظیم و تکریم میں داخل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف کا ادب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں سے ایک امر یہ ہے کہ آپ کی حدیث شریف کی تعظیم کی جائے۔ حدیث شریف کے پڑھنے یا سننے کیلئے غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔ جب حدیث شریف پڑھی جائے تو اپنی آواز کو بلند نہ کرنا چاہیئے بلکہ دھیمی کر دینی چاہیئے جیسا کہ حیات شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تکلم کے وقت ہوا کرتا تھا۔ اور مستحب ہے کہ حدیث

شریف اونچی جگہ پڑھی جائے۔ حدیث شریف پڑھتے پڑھاتے وقت کسی کی تعظیم کے لیئے اٹھنا مکروہ ہے۔

جب لوگ امام مالک کے پاس طلب علم کے لیئے آتے تو خادمہ دولتخانہ سے نکل کر ان سے دریافت کیا کرتی کہ حدیث شریف کے لیئے آئے ہو یا مسائل فقہیہ کے لیئے۔ اگر وہ کہتے کہ مسائل کے لیئے آئے ہیں تو امام موصوف فوراً نکل آتے۔ اور اگر وہ کہتے کہ ہم حدیث کے لیئے آئے ہیں تو حضرت امام غسل کر کے خوشبو لگاتے، پھر تبدیل لباس کر کے نکلتے۔ آپ کے لیئے ایک تخت بچھایا جاتا جس پر بیٹھ کر آپ روایت حدیث کرتے۔ اثنائے روایت میں مجلس میں عود جلایا جاتا۔ یہ تخت صرف روایت حدیث کے لیئے رکھا ہوا تھا۔ جب امام موصوف سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تعظیم کروں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ مَیں امام مالک کے ساتھ عقیق کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں مَیں نے ان سے ایک حدیث کی بابت پوچھا۔ انہوں نے مجھے جھڑک دیا اور فرمایا کہ مجھے تم سے توقع نہ تھی کہ راستہ چلتے ہوئے مجھ سے حدیث شریف کی بابت سوال کرو گے۔

قاضی جریر بن عبدالحمید نے امام مالک سے حالتِ قیام میں ایک حدیث کی بابت پوچھا۔ امام موصوف نے ان کے لیئے قید کا حکم دیا۔ جب حضرت امام سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ قاضی تادیب کا زیادہ سزاوار ہے۔

ہشام بن عمار نے امام مالک سے جو کھڑے تھے ایک حدیث پوچھی۔

آپ نے اس کے بیس کوڑے مارے۔ پھر ترس کھا کر بیس حدیثیں روایت کیں، یہ دیکھ کر ہشام نے کہا۔ کاش وہ اور کوڑے مارتے اور زیادہ حدیثیں روایت کرتے۔

حضرت ابن سیرین تابعی بعض وقت ہنس پڑتے۔ مگر جب ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا ذکر آتا تو ان پر خشوع طاری ہوجاتا۔

حضرت قتادہ کی نسبت مروی ہے کہ جب وہ حدیث سنتے تو ان کو گریہ و اضطراب لاحق ہوجاتا۔

حافظ عبدالرحمٰن بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ) جب حدیث پڑھتے تو حاضرین مجلس کو چپ رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ بفحوائے لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ حدیث شریف کی قرارت کے وقت سکوت واجب ہے جیسا کہ حیات شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول مبارک کے سننے کے وقت واجب تھا۔

امام مالک کا قول ہے کہ ایک شخص حضرت ابن مسیب کے پاس آیا۔ آپ اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے آپ سے ایک حدیث دریافت کی۔ آپ اٹھ بیٹھے اور حدیث بیان کی۔ اس نے کہا میں چاہتا تھا کہ آپ اٹھنے کی تکلیف نہ فرماتے۔ آپ نے فرمایا میں پسند نہیں کرتا کہ لیٹے ہوئے حدیث شریف بیان کروں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ہم سے حدیثیں بیان کر رہے تھے۔ اثنائے قرارت میں

آپ کو ایک بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا ۔ آپ کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ مگر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو قطع نہ کیا۔ جب آپ روایت حدیث سے فارغ ہوئے اور سامعین چلے گئے تو میں نے عرض کیا کہ میں نے آج آپ سے ایک عجیب بات دیکھی ہے۔ فرمایا ہاں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی عظمت و احترام کے لئے صبر کیا۔ (ماخوذ از مواہب و شفاء شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ کی تعظیم

۱۔ حضرت ابن سیرین تابعی نے حضرت عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس رسول اللہ ؐ کے کچھ بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس یا اہل انس سے ملے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبیدہ نے کہا کہ میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک کے بال منڈواتے تو حضرت ابو طلحہ سب سے پہلے آپ کے موئے مبارک لیتے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الوضو باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان)

۲۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپ کے سر مبارک کو مونڈ رہا تھا۔ صحابہ کرام آپ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے۔ وہ سب یہ چاہتے تھے کہ حضور کا جو بال مبارک گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ہو (صحیح مسلم۔ باب قربہ صلی اللہ علیہ وسلم من الناس و تبرکہم بہ)

۳۔حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (مزدلفہ سے) منی میں آئے۔اور جمرہ عقبہ میں کنکریاں پھینک کر اپنے مکان پر تشریف لائے۔پھر آپ نے حجام کو بلایا اور سر مبارک کے دہنی طرف کے بال منڈوائے۔اور ابو طلحہ انصاری کو بلا کر عطا فرمائے۔بعد ازاں حضور نے بائیں طرف کے بال منڈوا کر ابو طلحہ انصاری کو بلا کر عنایت کئے اور ان سے فرمایا کہ یہ تمام بال لوگوں میں تقسیم کردو۔(مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین کتاب المناسک۔باب الحلق)

مرا از زلفِ تو موئے بسند ہست
فضولی مے کنم بوئے بسند ہست

۴۔حضرت ام المؤمنین ام سلمہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ سرخ رنگ کے بال تھے۔جو ایک ڈبیہ بشکل جلجل میں رکھے ہوئے تھے۔لوگ ان بالوں سے نظر بد اور دیگر بیماریوں کا علاج کیا کرتے تھے۔کبھی تو ان کو پانی کے پیالہ میں رکھتے۔پھر پانی کو پی لیتے اور کبھی جلجل کو پانی کے مٹکے میں رکھ دیتے۔پھر اس پانی میں بیٹھ جاتے۔یہ ماحصل حدیث بخاری ہے۔(صحیح بخاری۔کتاب اللباس۔باب ما یذکر فی الشیب)

۵۔امام بخاری نے تاریخ میں بروایت ابو سلمہ نقل کیا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن زید نے مجھ سے بیان کیا کہ میرے والد (عبداللہ بن زید رائی الاذان) منحر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔حضور نے ضحایا تقسیم فرمائے۔اور اس کو اپنے بالوں میں سے دیا (اصابہ)

طبقات[1] ابن سعد میں اس روایت میں اتنا اور ہے کہ محمد مذکور فرماتے ہیں کہ وہ بال مہندی اور وسمہ سے رنگا ہوا ہمارے پاس موجود ہے۔

۶۔ حضرت ابو محذورہ (مؤذنِ اہلِ مکہ) کے سر کے سامنے کے حصہ میں بالوں کا ایک جوڑا تھا۔ جب وہ زمین پر بیٹھتے اور اس کو کھول دیتے تو بال زمین سے لگ جاتے۔ کسی نے ان سے کہا کہ ان بالوں کو منڈوا کیوں نہیں دیتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ان کو منڈوا نہیں سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ان کو لگا ہوا ہے۔ (شفا شریف)

۷۔ حضرت خالد بن ولید قرشی مخزومی کی ٹوپی جنگ یرموک میں گم ہو گئی۔ انہوں نے کہا کہ تلاش کرو۔ تلاش کرتے کرتے آخر کار مل گئی۔ لوگوں نے ان سے سبب پوچھا تو فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ علیہ وسلم نے عمرہ ادا فرمایا۔ جب آپ نے سر مبارک منڈوایا تو لوگ آپ کے موئے مبارک لینے کے لئے دوڑے۔ میں نے بھی آپ کی پیشانی مبارک کے بال لے کر اس ٹوپی میں رکھ لئے۔ جس لڑائی میں یہ ٹوپی میرے پاس رہی مجھے فتح نصیب ہوتی رہی۔ (اصابہ۔ ترجمہ خالد بن ولید)

شفا شریف میں اس طرح ہے کہ حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال تھے۔ وہ ٹوپی کسی غزوہ میں گر گئی۔ حضرت خالد نے اس کے لئے مڑ کر سخت حملہ کیا۔ جس میں بہت سے مسلمان کام آئے۔ صحابۂ کرام نے ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے جواب

---

[1] طبقات ابن سعد۔ جزء ثالث قسم ثانی ص۸۷

دیا کہ مَیں نے یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہیں کیا بلکہ موئے مبارک کیلئے کیا تھا جو اس ٹوپی میں تھے کہ مبادا ان کی برکت میرے پاس نہ رہے اور وہ کافروں کے ہاتھ لگ جائیں۔

۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امِ سلیم (والدہ انس رضؓ) کے ہاں چمڑے کے فرش پر قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ اٹھتے تو وہ آپ کے پسینہ مبارک کو ایک شیشی میں جمع کر لیتیں اور شانہ کرتے وقت جو بال گرتے ان کو اور پسینہ مبارک کو سُکّ[1] میں ملا دیتیں۔ حضرت ثمامہ کا قول ہے کہ جب حضرت انس بن مالک کی وفات کا وقت آیا تو مجھے وصیت کی کہ اس سُکّ میں سے کچھ میرے حنوط[2] میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (صحیح بخاری کتاب الاستیذان۔ باب من زار قوماً فقال عندہم)

۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم کے گھر میں آ کر ان کے بستر پر قیلولہ فرمایا کرتے اور وہ گھر میں نہ ہوا کرتیں۔ ایک روز حسب معمول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے بستر پر سوئے ہوئے تھے۔ جب ان کو خبر ہوئی تو آ کر دیکھا کہ حضور کا پسینہ بستر پر ایک چمڑے کے ٹکڑے پر پڑا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے ڈبے میں سے ایک شیشی نکالی اور پسینۂ مبارک کو اس میں نچوڑنے لگیں۔ حضور کی آنکھ کھلی تو پوچھا کہ ام سلیم! تم کیا کر رہی ہو؟ ام سلیم نے عرض کیا کہ ہم اپنے بچوں کے لئے آپ کے پسینے کی برکت کے امیدوار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا۔ (صحیح مسلم۔ باب طیب عرقہ صلی اللہ علیہ وسلم والتبرک بہ)

---

[1] ایک قسم کی خوشبو ہے جو مرکب ہوتی ہے۔ [2] کافور و صندل وغیرہ جو مردے کے کفن و جسم پر مل دیا جاتا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینۂ مبارک کو بچوں کے چہرے اور بدن پر مل دیا کرتے تھے جس سے وہ تمام بلاؤں سے محفوظ رہا کرتے تھے۔

۱۰۔ حضرت ثابت بنانی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس بن مالک نے مجھ سے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے ایک بال ہے۔ جب میں مر جاؤں تو اسے میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ چنانچہ میں نے حسبِ وصیت ان کی زبان کے نیچے رکھ دیا اور وہ اسی حالت میں دفن کیے گئے۔ (اصابہ۔ ترجمہ انس بن مالک)

۱۱۔ جب حضرت عمر بن عبد العزیز کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال اور ناخن منگوائے اور وصیت کی کہ یہ میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جزء خامس ص۳۰)

۱۲۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ کے خدام اپنے برتن (جن میں پانی ہوتا) لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ آپ ہر ایک برتن میں اپنا دست مبارک ڈبو دیتے۔ بعض وقت سردی ہوتی تو بھی اسی طرح کرتے۔ (صحیح مسلم باب قربہ صلی اللہ علیہ وسلم من الناس وتبرکہم بہ وتواضعہ لہم۔

۱۳۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو وضو کے پانی کے لئے حاضرین میں لڑائی تک نوبت پہنچنے لگتی۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الوضوء باب استعمال فضل وضوء الناس)

۱۴۔ حضرت ابو جحیفہ (وہب بن عبد اللہ سوائی) کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ چرمی سرخ قبہ میں تھے میں نے حضرت بلال کو دیکھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی لیا اور لوگ اس پانی کو لینے کے لئے دوڑ رہے تھے۔ جس کو اس میں سے کچھ ملتا وہ اسے اپنے ہاتھوں پر ملتا۔ اور جس کو کچھ نہ ملتا وہ دوسرے کے ہاتھ کی تری لیکر مل لیتا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب القبہ الحمراء من ادم)

۱۵۔ حضرت طلق بن علی یمامی کا بیان ہے کہ ہم اپنے وطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکلے۔ حاضر خدمت ہو کر ہم نے آپ سے بیعت کی اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور عرض کیا کہ ہمارے وطن میں ہمارا ایک گرجا ہے پھر ہم نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اپنے وضو کا بچا ہوا پانی عنایت فرمائیں۔ آپ نے پانی طلب فرمایا اور وضو کر کے بقیہ آب کی ایک کلی ہمارے واسطے چھاگل میں ڈال دی۔ اور روانگی کی اجازت دیکر فرمایا کہ جب تم اپنے وطن میں پہنچ جاؤ تو اپنے گرجا کو توڑ ڈالو اور اس کی جگہ پر اس پانی کو چھڑک دو اور گرجا کی جگہ پر مسجد بنالو۔ ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر مدینہ منورہ سے دور ہے۔ گرمی سخت ہے۔ یہ پانی خشک ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں اور پانی ڈال لینا، برکت زیادہ ہو جائے گی۔ (مشکوٰۃ بحوالہ نسائی۔ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

۱۶۔ ایک روز حضرت خداش بن ابی خداش مکی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیالے میں کھانا کھاتے دیکھا۔ انہوں نے آپ سے

وہ پیالہ بطور تبرک لے لیا۔ حضرت عمر فاروق جب حضرت خداش کے ہاں تشریف لے جاتے تو ان سے وہی پیالہ طلب فرماتے۔ اسے آب زمزم سے بھر کر پیتے اور اپنے چہرے پر چھینٹے مارتے۔ (اصابہ۔ ترجمہ خداش)

۱۷۔ حضرت اسماء بنت عمیس بیان کرتی ہیں کہ ہم نے بعض ازواج مطہرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بطور عروس بھیجا۔ جب ہم خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں تو آپ نے ایک بڑا پیالہ دودھ کا نکالا اور اس میں سے پی کر اپنی بیوی کو دیا۔ وہ بولیں کہ مجھے اشتہا نہیں۔ حضور نے فرمایا کہ تو بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کر۔ پھر مجھے عنایت فرمایا۔ میں اس پیالہ کو اپنے ہونٹوں پر پھرانے لگی حالانکہ میں پیتی نہ تھی محض بدیں غرض پھراتی تھی کہ میرے ہونٹ اس جگہ سے لگ جائیں۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ مبارک لگے تھے۔ بعد ازاں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کو چھوڑ آئے۔ (معجم صغیر طبرانی۔ اسم عبد الحمید۔)

۱۸۔ حضرت عاصم احول روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس کے پاس رسول اللہ علیہ وسلم کا پیالہ دیکھا جو عریض وعمدہ اور چوب نضار (درخت گز یا شمشاد) کا بنا ہوا تھا۔ وہ ٹوٹ گیا تھا۔ حضرت انس نے اسے چاندی کے تار سے جوڑا ہوا تھا۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ میں نے اس پیالہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا پانی پلایا ہے۔ بقول ابن سیرین اس میں لوہے کا ایک حلقہ تھا۔ حضرت انس نے چاہا کہ بجائے لوہے کے سونے یا چاندی کا حلقہ بنائیں۔ مگر ابو طلحہ نے کہا کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تے بنایا ہوا اسے تبدیل نہ کرنا چاہیئے۔ یہ سن کر ویسا ہی رہنے دیا۔ (صحیح بخاری کتاب الاشربہ۔ باب الشرب من قدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم و آنیتہ)

یہ پیالہ حضرت نضر بن انس کی میراث سے آٹھ لاکھ درہم کو خریدا گیا۔ امام بخاری سے روایت ہے کہ میں نے اس پیالہ کو بصرہ میں دیکھا اور اس میں پانی پیا ہے۔ (شرح شمائل للبیجوری۔ بحوالہ شرح مناوی)

۱۹۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سقیفہ بنی ساعدہ میں رونق افروز تھے۔ حضور نے حضرت سہل بن سعد سے فرمایا کہ ہمیں پانی پلاؤ۔ چنانچہ حضرت سہل نے ایک پیالہ میں حضور کو اور آپ کے اصحاب کو پانی پلایا۔ حضرت ابو حازم کا بیان ہے کہ حضرت سہل نے وہی پیالہ ہمارے واسطے نکالا اور ہم نے پانی پیا۔ اس پیالہ کو خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے حضرت سہل سے مانگ کر لے لیا۔ (صحیح مسلم۔ باب اباحۃ النبیذ الذی لم یشتد ولم یصر مسکرا)

۲۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن انیس کو عرفہ میں خالد بن سفیان بن نبیح ہذلی کے قتل کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت عبد اللہ نے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر ایک غار میں داخل ہوئے۔ اس غار پر مکڑی نے جالا تن دیا۔ دشمن جو تعاقب میں آئے انہوں نے وہاں کچھ نہ پایا اور ناامید واپس ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ غار سے نکل کر اٹھارہ دن کے بعد خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور خالد کے سر کو سامنے رکھ کر قصہ بیان کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک میں عصا تھا۔ آپ نے حضرت عبد اللہ کو عطا فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا:۔

تحضر بهذه فی الجنۃ بہشت میں اس پر ٹیک لگانا۔

وہ عصا حضرت عبداللہ کے پاس رہا۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو وصیت کی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ کر میرے ساتھ دفن کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[۱]

۲۱- امام ابن مامون کا بیان ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا۔ ہم اس میں بغرض شفا بیماروں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ (شفار شریف)

۲۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اونی جبہ کسروانی تھا جس کی جیب اور دونوں چاکوں پر دیبا کی سنجاف تھی۔ یہ جبہ پہلے حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس تھا۔ ان کے بعد حضرت اسمار بنت ابی بکر نے لے لیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ اس جبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنا کرتے تھے۔ ہم اسے دھو کر بغرض شفا بیماروں کو پلاتے ہیں۔[۲]

۲۳- حضرت محمد بن جابر کے دادا سیار بن طلق یمامی وفد بنی حنیفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور ایمان لائے۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے اپنی قمیص کا ایک ٹکڑا عنایت فرمائیے۔ میں اس کے ساتھ اپنا دل بہلایا کروں گا۔ حضور نے انکی درخواست منظور فرما کر اپنی قمیص کا ایک ٹکڑا عنایت فرمایا۔ محمد بن جابر کا بیان ہے کہ

۱؎ حیاۃ الحیوان للدمیری۔ تحت عنکبوت۔ زرقانی علی المواہب۔ باب ہجرۃ المصطفےٰ و اصحابہٖ الی المدینۃ

۲؎ صحیح مسلم۔ باب تحریم انار الذہب و الفضۃ علی النسار والرجال۔

میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ ٹکڑا ہمارے پاس تھا۔ ہم اسے دھو کر بغرض شفا بیماروں کو پلایا کرتے تھے۔ (اصابہ۔ ترجمہ سیار بن طلق)

۲۴۔ جب حضرت ولید بن ولید بن مغیرہ قریشی مخزومی مکہ میں قید سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ میں مرا جاتا ہوں۔ آپ مجھے اپنے کسی زائد کپڑے میں جو آپ کے جسد اطہر پر رہا ہو کفنانا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی قمیص میں کفنایا (اصابہ۔ ترجمہ ولید بن ولید بن مغیرہ)

۲۵۔ حضرت عبداللہ بن حازم کے پاس ایک سیاہ عمامہ تھا۔ جسے وہ جمعہ اور عیدین میں پہنا کرتے تھے۔ لڑائی میں جب فتح پاتے تو بطور تبرک اس عمامہ کو پہنتے اور فرماتے کہ یہ عمامہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنایا تھا۔ (اصابہ)

۲۶۔ ایوب بن نجار بروایت ابو عبداللہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے دادا کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاف تھا۔ جب حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے ان کے دادا کو کہلا بھیجا۔ چنانچہ وہ اس لحاف کو چمڑے میں لپیٹ کر لائے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز اس سے اپنے چہرے کو ملنے لگے۔ (تاریخ صغیر للبخاری ص۱۱۱)

۲۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض وقت شفا بنت عبداللہ قریشیہ عدویہ کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کے گھر میں قیلولہ فرماتے۔ حضرت شفا نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بچھونا اور ایک چادر بنوائی

تھی جس میں آپ سو جایا کرتے۔ وہ بچھونا اور چادر حضرت شفار کے خاندان میں رہی یہاں تک کہ مروان بن الحکم نے لے لی۔ (استیعاب و اصابہ)

۲۸۔ جب حضرت کعب بن زہیر نے ایمان لا کر اپنا قصیدہ بانت سعاد پڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر اڑھائی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں بروایت سعید بن مسیب نقل کیا ہے کہ یہ وہی چادر ہے جسے خلفاء عیدین میں پہنتے ہیں۔ (انتہیٰ)

ابوبکر بن انباری (متوفی ۱۰ ذی الحجہ ۳۲۸ھ) کی روایت میں ہے کہ جب حضرت کعب اس شعر پر پہنچے:۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ

مھند من سیوف اللہ مسلول

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف چادر مبارک پھینک دی۔ حضرت معاویہ نے اس چادر کے لئے دس ہزار درہم خرچ کئے۔ مگر حضرت کعب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کے لئے میں کسی کو اپنی ذات پر ترجیح نہیں دیتا۔ حضرت کعب کی وفات کے بعد حضرت معاویہ نے انکے ورثہ سے وہ چادر بیس ہزار درہم کو لے لی۔ ابن انباری کا قول ہے کہ وہی چادر آج تک سلاطین کے پاس ہے۔ (شرح قصیدہ بانت سعاد لابن ہشام المتوفی ۷۶۱ھ)

۲۹۔ حضرت سہل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت ایک چادر لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ!

یہ چادر مَیں نے اپنے ہاتھ سے بُنی ہے۔ مَیں آپ کے پہننے کے لئے لائی ہوں۔ آپ کو ضرورت تھی اس لئے آپ نے قبول فرمالی۔ پھر آپ اسے بطور تہبند باندھ کر ہماری طرف نکلے۔ صحابہ میں سے ایک نے دیکھ کر عرض کیا۔ کیا اچھی چادر ہے۔ یہ مجھے پہنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ کچھ دیر کے بعد آپ مجلس سے اٹھ گئے۔ پھر واپس آئے اور وہ چادر لپیٹ کر اس سائل صحابی کے پاس بھیج دی۔ صحابۂ کرام نے اس سے کہا کہ تو نے اچھا نہ کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چادر کا سوال کیا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ آپ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔ اس صحابی نے کہا۔ اللہ کی قسم! مَیں نے صرف اس واسطے سوال کیا کہ میرے مرنے پر یہ چادر میرا کفن بنے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ چادر اس کا کفن ہی بنی (صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب البرود والحبرۃ والشملۃ)

۳۰۔ حضرت ابوبردہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے ہمیں ایک کملی جو پیوندوں کی کثرت سے نمدہ کی مثل تھی اور ایک موٹا تہبند نکال کر دکھایا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں وصال فرمایا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب الاکسیۃ والخمائص)

۳۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم شریف جس میں تین سطریں یُوں تھیں ←

اللہ
رسول
محمد

حضرت ابوبکر کے پاس تھی۔ پھر حضرت عمر فاروق کے پاس رہی۔ بعد ازاں حضرت عثمان غنی کو ملی۔ جب ان کی خلافت کو چھ برس

ہو گئے تو ایک روز وہ چاہ اریس پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ہاتھ میں سے کوئیں میں گر پڑی۔ تین دن تلاش کرتے رہے۔ کوئیں کا تمام پانی نکالا گیا۔ مگر نہ ملی جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاتم گم ہو گئی تھی تو ان کی بادشاہت جاتی رہی تھی۔ یہی راز حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم گم ہونے میں تھا۔ چنانچہ اس کے بعد اس فتنہ کا آغاز ہوا۔ جس کا انجام حضرت عثمان غنی کی شہادت پر ہوا۔ (وفا رالوفا جزء ثانی ص ۱۲۱)

۳۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ذوالفقار حضرت امام زین العابدین کے پاس تھی۔ جب وہ حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد یزید کے ہاں سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت مسور بن مخرمہ نے حضرت امام سے وہی تلوار مانگی تھی اور عرض کیا تھا کہ "آپ سے لے لیں گے۔ جب تک میرے جسم میں جان ہے کوئی مجھ سے نہ لے سکے گا"۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب ماذکر من درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعصاہ وسیفہ الخ)

امام اصمعی (متوفی ۲۱۳ھ) ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز میں خلیفہ ہارون رشید کے ہاں گیا۔ انہوں نے مجھے رسول اللہؐ کی تلوار ذوالفقار دکھائی۔ جس سے بہتر میں نے کوئی تلوار نہیں دیکھی۔ (ازرقانی۔ جزء ثالث ص ۳۷۸)

۳۳۔ حضرت عیسیٰ بن طہمان کا بیان ہے کہ حضرت انس بن مالک نے ہمیں دو پرانے نعلین نکال کر دکھائے جن میں سے ہر ایک میں بندش کے دو دو تسمے تھے۔ اس کے بعد حضرت ثابت بنانی نے بروایت انس

مجھ سے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین ہیں۔
(صحیح بخاری - باب ماذکر من درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ)

۳۴- جنگ بدر میں حضرت زبیر نے جو برچھی عبیدہ بن سعید بن عاص کی آنکھ میں ماری تھی۔ وہ یادگار رہی بدیں طور کہ حضرت زبیر سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مستعار لی۔ پھر آپ کے چاروں خلفاء کے پاس بطور تبرک منتقل ہوتی رہی۔ بعد ازاں حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس رہی۔ یہاں تک کہ حجاج نے ان کو ۷۳ھ میں شہید کر دیا۔ (صحیح بخاری باب شہود الملائکۃ ببدر)

۳۵- جنگ احد میں حضرت عبداللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ اس تلوار کو عرجون کہتے تھے۔ یہ بطور تبرک ان کے خاندان میں رہی۔ یہاں تک کہ بغا ترکی کے ہاتھ جو معتصم باللہ ابراہیم بن ہارون رشید کے امیروں میں سے تھا بغداد میں دو سو دینار میں فروخت ہوئی (زرقانی علی المواہب۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۴۳)

۳۶- حضرت عتبان بن مالک انصاری خزرجی کا بیان ہے کہ میری بصارت جاتی رہی۔ میں نے ایک شخص کو بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ قدم رنجہ فرمائیں اور میرے مکان میں نماز پڑھیں۔ تاکہ میں آپ کی جائے نماز کو مسجد مقرر کر لوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب تشریف لائے

اور آپ نے میرے مکان میں نماز پڑھی۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الایمان)

۳۷۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو مریم جہنی کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اور وہیں میدان میں نماز پڑھ کر واپس ہو گئے قبیلہ جہینہ کے چند اشخاص نے ابو مریم سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کریں کہ حضور بنفس نفیس ہمارے واسطے ایک مسجد کی حد بندی کردیں۔ چنانچہ ابو مریم راستے ہی میں حضور سے جا ملے اور عرض کیا کہ آپ میری قوم کے لئے ایک مسجد کی حد بندی کر دیں۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس ہو کر بنو جہینہ میں ایک مسجد کی حد بندی کر دی۔ (اصابہ۔ ترجمہ ابو مریم جہنی)

۳۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے تین درجے تھے۔ حضور سب سے اوپر کے درجہ پر بیٹھتے اور درمیانی درجہ پر اپنے پاؤں مبارک رکھتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اپنے عہد خلافت میں بپاس ادب درمیانی درجہ پر کھڑے ہوتے اور جب بیٹھتے تو پاؤں سب سے نیچے کے درجہ پر رکھتے۔ حضرت عمر فاروق اپنی خلافت میں سب سے نیچے کے درجہ پر کھڑے ہوتے اور جب بیٹھتے تو پاؤں زمین پر رکھتے۔ حضرت عثمان غنی اپنی خلافت کے پہلے چھ سال حضرت عمر فاروق کی طرح کرتے رہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس کی جگہ پر چڑھے۔ (وفاء الوفاء جزء اول صـ۲۸۰)

کشف الغمہ للشعرانی (جزء اول صـ۱۲۱) میں ہے کہ جب حضرت عثمان کا عہد آیا تو انہوں نے منبر شریف کے درجات زیادہ کر دیئے۔

وہ اوپر کے تینوں درجوں کو چھوڑ کر زیادت کے پہلے درجہ پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔

۳۹۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا کہ منبر منیف میں جو جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی تھی اسے ہاتھ سے مس کیا۔ پھر اس ہاتھ کو اپنے منہ پر پھیر لیا۔ (شفار شریف وطبقات ابن سعد)

۴۰۔ یحییٰ بن سعید جو امام مالک کے استاد تھے جب عراق کو جاتے تو منبر شریف کے پاس آکر اسے مس کرتے اور دعا مانگتے۔ (وفار الوفار۔ جزر ثانی ص۴۴۲)

۴۱۔ مسجد نبوی میں پہلی آتش زدگی یکم رمضان ۶۵۴ھ میں ہوئی۔ اس میں ممبر نبوی کا بقایا بھی جل گیا۔ چنانچہ ابو الیمن بن عساکر جو آتش زدگی کے وقت زندہ تھے تحفۃ الزائر میں یوں لکھتے ہیں:۔

"منبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بقایا جل گیا۔ اس منبر کے رمانہ کو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھنے کے وقت اپنا دست مقدس رکھا کرتے تھے۔ زائرین مس کیا کرتے تھے اور دو خطبوں کے درمیان اور بیشتر حضور انور منبر کی جس جگہ پر بیٹھا کرتے تھے اس جگہ کو اور منبر پر رونق افروز ہونے کے وقت جس جگہ پر حضور کے ہر دو قدم ہوا کرتے تھے اس جگہ کو بھی زائرین مس کیا کرتے تھے۔ اب آتش زدگی سے وہ اس برکت عامہ و نفع عائد سے محروم ہو گئے۔

(وفار الوفار۔ جزر اول ص۲۸۸)

۴۲۔ حضرت اسعد بن زرارہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک چارپائی بطور ہدیہ پیش کی تھی جس کے پائے ساگوان کی لکڑی کے

تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر سویا کرتے تھے۔ جب وفات شریف ہوئی تو حضور کو اسی پر رکھا گیا۔ حضور کے بعد حضرت صدیق اکبر کو بھی وفات پانے پر اسی پر رکھا گیا۔ بعد ازاں عمر فاروق کو بھی اسی پر رکھا گیا۔ پھر لوگ بطور تبرک اپنے مُردوں کو اسی پر رکھا کرتے تھے۔ یہ چارپائی بنو امیہ کے عہد میں میراث عائشہ صدیقہ میں فروخت ہوئی۔ عبداللہ بن اسحاق نے اس کے تختوں کو چار ہزار درہم میں خرید لیا۔ (زرقانی علی المواہب بحوالہ ابن عماد جزء ثالث ص ۳۸۲)

۴۳۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات میں سے بعض چیزیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھیں۔ وہ ایک کمرے میں محفوظ تھیں۔ ابن عبدالعزیز ہر روز ایک بار ان کی زیارت کیا کرتے تھے۔ اشراف میں سے اگر کوئی ان سے ملنے آتا تو اس کو بھی ان کی زیارت کرایا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کمرے میں ایک چارپائی۔ چمڑے کا تکیہ جس میں خرما کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک جوڑہ موزہ۔ قطیفہ (لحاف) چکی اور ایک ترکش تھی جس میں چند تیر تھے۔ لحاف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے میل کا اثر تھا۔ ایک شخص کو سخت بیماری لاحق تھی جس سے شفا نہ ہوتی تھی۔ ابن عبدالعزیز کی اجازت سے اس مَیل میں سے کچھ دھو کر بیمار کی ناک میں ٹپکا دیا گیا۔ وہ چنگا ہو گیا۔ (مدارج النبوۃ۔ جزء ثانی۔ ص ۶۰۸)

۴۴۔ دلائل ابی نعیم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

سخت پتھر ایسے نرم ہو گئے کہ غار بن گئے۔ چنانچہ احد کے دن حضور نے اپنا سر مبارک پہاڑ کی طرف مائل کیا۔ تاکہ مشرکین سے اپنا جسم مبارک چھپائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے پتھر کو ایسا نرم کیا کہ آپ نے اپنا سر مبارک اس میں داخل کر دیا۔ وہ پتھر اب تک باقی ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ اسی طرح مکہ مشرفہ کے ایک درہ میں حضور نے نماز میں ایک سخت پتھر سے قرار پکڑا۔ وہ ایسا نرم ہو گیا کہ آپ کے ہر دو بازوئے مبارک نے اس میں اثر کیا۔ وہ پتھر مشہور ہے۔ جو لوگ حج کرنے کو جاتے ہیں اس کی زیارت کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے شب معراج میں صخرۂ بیت المقدس خمیر کی مانند ہو گیا۔ آپ نے اس سے اپنا براق باندھا۔ لوگ آج تک اسے اپنے ہاتھ سے چھوتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ للحافظ ابی نعیم الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ ص ۳۱۵)

۴۵۔ عبد الرحمٰن بن زید عراقی کا بیان ہے کہ ہم زبدہ میں حضرت سلمہ بن اکوع کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھایا جو ایسا ضخیم تھا کہ گویا اونٹ کا سم تھا اور فرمایا کہ میں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے۔ پس ہم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بوسہ دیا۔ (طبقات ابن سعد۔ جزء رابع قسم ثانی ص ۳۹)

۴۶۔ اسماعیل بن یعقوب تیمی روایت کرتے ہیں کہ ابن منکدر (متوفی ۲۰۵ھ) مسجد نبوی کے صحن میں ایک خاص جگہ پر لوٹتے اور لیٹتے ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس جگہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ راوی کا قول ہے کہ میرا گمان ہے کہ ابن منکدر نے کہا کہ خواب میں دیکھا ہے۔ (وفاء الوفاء۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۴۲۵)

امثلہ مذکورہ بالا کے مطالعہ کے بعد کسی مسلمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ سے تبرک کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اولیاء و علماء جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کے وارث ہیں۔ ان کے آثار شریفہ میں بھی برکت ہوتی ہے۔ اس سے انکار کرنا حرمان و بدنصیبی کی علامت ہے۔ زیادہ تفصیل کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابو الفتح تقی الدین بن دقیق العید (متوفی ۱۲ صفر ۷۰۲ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یوں فرماتے ہیں :-

یا سائراً نحو الحجاز مشمّراً	اے حجاز کی طرف تیزی سے چلنے والے!
اجهد فدیتک فی المسیر وفی السُریٰ	میں تجھ پر فدا! تو رات دن چلنے میں کوشش کرنا
واذا سهرت اللیل فی طلب العلا	اور جب تو بزرگیوں کی طلب میں رات کو جاگے
فحذاراً ثم حذاراً من خدع الکریٰ	تو اونگھ کے فریب سے بچنا پھر بچنا۔
فالقصد حیث النور یشرق ساطعاً	تو اس جگہ کا قصد کرنا جہاں نور خوب چمک رہا ہے۔
والطرف حیث تری الثریٰ متعطراً	اور جہاں خاک خوشبودار نظر آتی ہے
قف بالمنازل والمناهل من لدن	تو ان منازل اور چشموں پر ٹھہر جانا جو وادئ قبا کے
وادی قبا الیٰ حمی ام القریٰ	قریب سے ام القریٰ (مکہ معظمہ) کے سبزہ زار تک ہیں۔

وتوخ آثار النبی فضع بها — اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آثار کا قصد کرنا اور ان کی زیارت سے

متشرفًا خدیک فی عفر الثری — مشرف ہوتے ہوئے وہاں اپنے ہر دو رخسار کو روئے خاک پر رکھ دینا

واذا رأیت مهابط الوحی التی — اور جب تو وحی کے اترنے کی جگہوں کو دیکھے جنہوں نے

نشرت علی الآفاق نورا انورا — تمام دنیا پر نورانور پھیلا دیا ہے۔

فاعلم بانك ما رأیت شبیهها — تو جان لینا کہ تو نے اپنی گذشتہ عمر میں

مذ کنت فی ماضی الزمان ولا تری — ان کی مثل نہیں دیکھا اور نہ آیندہ دیکھے گا

(فوات الوفیات۔ ترجمہ ابن دقیق العید)

۴۔ درود شریف و زیارت قبر شریف

مومنوں پر واجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (احزاب۔ ع ۷) — تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔

اس آیت میں تاکید کے لئے جملہ اسمیہ لایا گیا ہے جس کے شروع

میں بغرضِ تاکید مزید حرفِ تاکید مذکور ہے۔ اس جملہ کی خبر فعل مضارع ہے جو افادۂ استمرار تجددی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اور میرے تمام فرشتے (جن کی گنتی مجھے ہی معلوم ہے) پیغمبر پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی اس وظیفہ میں میری اور میرے فرشتوں کی اقتدا کرو۔

واضح رہے کہ خدا کے درود بھیجنے سے مراد رحمت کا نازل کرنا اور فرشتوں اور مومنوں کے درود سے مراد ان کا بارگاہِ رب العزت میں تضرع و دعا کرنا ہے کہ وہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت و برکت نازل فرمائے۔

مومنوں کی طرف سے درود بھیجنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور بھیجنے والوں کا بھی فائدہ ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔ مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شانِ محبوبیت اور عظمتِ جاہ کو دیکھئے کہ امت کا ایک بندۂ حقیر ذلیل حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو اس کا بدلہ خود رب جلیل جل شانہ دیتا ہے۔ اور ایک کے مقابلہ میں دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے یہ شرف صرف اسی امت کو عطا ہوا ہے۔ کیونکہ اس امت کے سوا کسی اور امت کو اپنے پیغمبر پر درود و سلام بھیجنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

درود شریف کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ درود شریف اجابت دعا کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

دلائل الخیرات شریف میں ہے کہ حضرت ابوسلیمان عبدالرحمٰن بن عطیہ دارانی (متوفی ۲۱۵ھ) نے فرمایا کہ جب تم خدا تعالیٰ سے کچھ مانگو تو دعا سے پہلے اور پیچھے درود شریف پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دونوں طرف کے درود شریف کو تو اپنے کرم سے قبول کر ہی لیتا ہے۔ اور یہ اس کے کرم سے بعید ہے کہ درمیان کی چیز کو رد کر دے۔ علامہ فاسی شرح دلائل الخیرات میں لکھتے ہیں کہ بعض کے نزدیک امام دارانی کے قول مذکور کا تتمہ یوں ہے "اور ہر ایک عمل مقبول ہوتا ہے یا مردود سوائے درود شریف کے کہ وہ مقبول ہی ہوتا ہے، مردود نہیں ہوتا" امام باجی نے بروایت ابن عباس نقل کیا ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگو تو اپنی دعا میں درود شریف شامل کرو۔ کیونکہ درود شریف مقبول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ بعض کو قبول کرے اور بعض کو رد کرے۔ شیخ ابوطالب مکی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگو تو پہلے درود شریف پڑھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ اس سے دو حاجتیں مانگی جائیں۔ جن میں سے ایک کو پورا کر دے اور دوسری کو رد کر دے۔ اس روایت کو امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے۔ امام عراقی نے کہا کہ میں نے اس روایت کو مرفوع نہیں پایا۔ وہ ابوالدرداء پر موقوف ہے۔ شفاء شریف میں ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ درود شریف کے درمیان کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ ابو محمد جبر نے اس روایت کو کتاب شرف المصطفٰے سے منسوب کیا ہے۔ کذا فی مطالع المسرات۔

علامہ شامی نے سلف کے قول (کہ درود شریف کبھی رد نہیں ہوتا)

کی تاویل و تصحیح یوں کی ہے کہ درود شریف (اللّٰھم صلِ علیٰ محمدٍ) دعا ہے اور دعا کبھی مقبول ہوتی ہے اور کبھی مردود۔ مگر درود شریف عموم دعا سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر درود بھیجتا رہتا ہے۔ اس نے اپنے مومن بندوں پر احسان کیا ہے کہ ان کو بھی درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ ان کو زیادہ فضل و شرف حاصل ہو جائے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اپنے پروردگار کا درود ہی کافی ہے۔ پس مومن کا اپنے رب سے طلب درود کرنا قطعاً مقبول ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ خود خبر دے رہا ہے کہ میں اپنے رسول پر درود بھیجتا رہتا ہوں۔ باقی تمام دعائیں اور عبادتیں اس کے برعکس ہیں۔ لہٰذا درود شریف کے مقبول ہی ہونے کی سند نص قرآنی ہے۔ رہا اس پر ثواب کا ملنا، سو وہ چند عوارض سے مشروط ہے۔ اور وہ عوارض یہ ہیں۔ قلبِ غافل سے پڑھنا۔ ریا و سمعہ کے لئے پڑھنا۔ کسی حرام چیز پر استعمال کرنا وغیرہ۔ کذا فی رد المختار۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کی زیارت بالاجماع سنت اور فضیلت عظیمہ ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ جن میں سے چند وفا الوفا سے یہاں پیش کی جاتی ہیں:۔

۱۔ من زار قبری وجبت له شفاعتی۔	جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہوگئی۔ (دارقطنی و بیہقی وغیرہ)
۲۔ من زار قبری حلّت	جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ اسکے واسطے

له شفاعتی۔

میری شفاعت ثابت ہوگئی۔ (بزار)

٣- من جاء نی زائرًا لا تحمله حاجة الا زیارتی کان حقا علیّ ان اکون له شفیعًا یوم القیٰمة

جو میری زیارت کو اس طرح آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی اور چیز اسکو نہ لائی تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن میں اسکا شفیع ہونگا۔ (کبیر و اوسط طبرانی۔ امالی دارقطنی وغیرہ)

٤- من حج فزار قبری بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔

جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی۔ وہ مثل اس کے ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی (دارقطنی وطبرانی وغیرہ)

٥- من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی۔

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ستم کیا۔ (کامل ابن عدی)

٦- من زارنی الی المدینة کنت له شهیدًا او شفیعًا۔

جس نے مدینہ میں آکر میری زیارت کی میں اس کے لئے گواہ اور شفیع ہوں گا۔ (سنن دارقطنی)

٧- من زار قبری او من زارنی کنت له شفیعًا او شهیدًا ومن مات فی احد الحرمین بعثه الله

جس نے میری قبر کی زیارت کی (یا فرمایا) جس نے میری زیارت کی میں اس کے لئے شفیع یا گواہ ہونگا۔ اور جو شخص حرمین میں سے ایک میں مرگیا۔ اللہ عزوجل اس کو قیامت کے

عزوجل فی الآمنین یوم القیٰمۃ۔

دن امن والوں میں اٹھائے گا۔ (ابو داؤد۔ طیالسی)

۸۔ من زارنی متعمدًا کان فی جواری یوم القیٰمۃ۔

جس نے بالقصد میری زیارت کی۔ وہ قیامت کے دن میری پناہ میں ہوگا۔ (ابو جعفر عقیلی)

۹۔ من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی ومن مات باحد الحرمین بعث من الآمنین یوم القیٰمۃ۔

جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی۔ اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اور جو حرمین شریفین میں سے ایک میں مرگیا وہ قیامت کے دن امن والوں کے زمرہ میں اٹھایا جائیگا۔ (دارقطنی وغیرہ)

۱۰۔ من حج الیٰ مکۃ ثم قصدنی فی مسجدی کتبت لہ حجتان مبرورتان

جس نے مکہ میں حج کیا۔ پھر میری مسجد میں میری زیارت کی۔ اس کے لئے دو مقبول حج لکھے گئے۔ (مسند فردوس)

احادیث مذکورہ بالا کے علاوہ کتاب اللہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:—

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (نساء۔ ع ۹)

اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تیرے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے۔ اور پیغمبر انکے لئے بخشش مانگتا۔ تو وہ خدا کو معاف

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہو کر توبہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ مگر قبول توبہ کے لئے ایک تیسرے امر (گنہگاران امت کے لئے استغفارِ رسول) کی بھی ضرورت بیان ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مومنوں کے لئے طلب مغفرت فرمانا تو ثابت ہی ہے۔ کیونکہ حضور کو حکمِ الٰہی یوں ہے:۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط — اور تو اپنے گناہ کے لئے اور مومنوں اور مومنات کے لئے بخشش مانگ

ظاہر بالبداہت ہے کہ حضور نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پس اگر باقی دو امر (گنہگاروں کا بغرضِ توسل حاضر خدمت ہونا اور طلب مغفرت کرنا) پائے جائیں تو وہ مجموعہ متحقق ہو جائے گا جو موجب قبول توبہ و رحمت الٰہی ہے۔

آیت زیر بحث میں استغفر لھم کا عطف جاءوک پر ہے۔ اس لئے اس کا مقتضا یہ نہیں کہ استغفار رسول استغفار عاصیان کے بعد ہو۔ علاوہ ازیں ہم تسلیم نہیں کرتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات شریف کے بعد گنہگاران امت کے لئے طلب مغفرت نہیں فرماتے۔ کیونکہ حضور (بلکہ تمام انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) وفات شریف کے بعد زندہ ہیں اور عاصیانِ امت کے لئے طلب مغفرت فرماتے ہیں۔ چنانچہ بزار نے صحیح راویوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

حیاتی خیر لکم تحدثون — میری زندگی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم

واحدث لکم ووفاتی خیر	مجھ سے (حلال وحرام) پوچھتے ہو۔ میں تمہیں
لکم تعرض علیٰ اعمالکم	(بذریعۂ وحی) احکام سناتا ہوں۔ اور میری
فمارایت من خیر حمدت	وفات بھی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تمہارے
اللہ علیہ ومارایت من	اعمال میرے سامنے پیش ہوا کرینگے میں اچھے
شر استغفرت اللہ لکم۔	عملوں کو دیکھ کر اللہ کا شکر کروں گا اور برے

عملوں کو دیکھ کر تمہارے واسطے مغفرت کی دعا کیا کروں گا۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات شریف ہی میں عاصیانِ امت کو بشارت دیدی کہ میں وفات شریف کے بعد بھی ان کیلئے استغفار کیا کروں گا۔ اور حضور کے کمال رحمت سے معلوم ہے کہ جو شخص اپنے رب سے طلبِ مغفرت کرتا ہوا حضور کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوتا ہے آپ اس کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔ اسی واسطے علماء کرام نے تصریح فرمادی ہے کہ حضور کا یہ رتبہ آپ کی وفات شریف سے منقطع نہیں ہوا۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس آیت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت حیات شریف کے ساتھ ہی مختص ہے وہ غلطی پر ہے۔ کیونکہ یہ اصولی قاعدہ ہے کہ عمومِ الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ مورد خاص کا۔ صحابۂ کرام اور تابعین عمومِ الفاظ قرآنی سے حجت پکڑتے رہے۔ باوجودیکہ وہ آیتیں خاص خاص موقعوں پر نازل ہوئیں (اتقان للسیوطی) اسی طرح آیت زیر بحث اگرچہ ایک خاص قوم کے حق میں حالتِ حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نازل ہوئی۔ لیکن جہاں یہ وصف (عاصیانِ

امت کا حضور سید الابرار کی بارگاہ میں گناہوں کی معافی کے لئے حاضر ہونا پایا جائے گا عموم حالت کے موافق اس کا حکم بھی عام اور ہر دو حالت حیات و بعد الوفات کو شامل ہوگا۔ چنانچہ علمائے کرام نے عموم سے ہر دو حالتیں سمجھی ہیں۔ اور جو شخص قبر شریف پر حاضر ہو اس کے واسطے مستحب خیال کیا ہے کہ وہ اس آیت کو پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے۔ امام عتبی (امام شافعی کے استاد) کی حکایت اس باب میں مشہور ہے۔ اور مذاہب اربعہ کے علماء نے اسے اپنے مناسک میں نقل کیا ہے۔ اور اسے مستحسن سمجھ کر آداب زیارت میں شامل کیا ہے[1]۔ ہم اس حکایت کو انشاء اللہ تعالیٰ بحث توسل میں لائیں گے۔

صحابۂ کرام کے زمانہ میں آج تک اہلِ اسلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ شریف کی زیارت اور حضور سے توسل و استغاثہ کرتے رہے ہیں۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ بیت المقدس سے صلح کی تو کعب احبار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ حضرت فاروق اعظم ان سے خوش ہوئے اور فرمایا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ مدینہ منورہ چلو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت سے فائدہ اٹھاؤ۔ حضرت کعب احبار نے جواب دیا کہ ہاں۔ (زرقانی علی المواہب)

حافظ ابو عبد اللہ محمد بن موسیٰ بن نعمان اپنی کتاب مصباح الظلام

---

[1] دیکھو وفاء الوفاء للسمہودی اور شفاء السقام للسبکی۔

میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابو سعید سمعانی نے بروایت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن شریف کے تین دن بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا۔ اس نے اپنے آپ کو قبر شریف پر گرا دیا۔ اور قبر شریف کی کچھ مٹی اپنے سر پر ڈالی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے جو کچھ فرمایا وہ ہم نے سن لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل کیا جس میں ارشاد فرمایا۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الآیہ۔ میں نے ظلم کیا۔ میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ میرے حق میں طلب مغفرت فرمائیں۔ قبر شریف سے آواز آئی کہ تجھے بخش دیا گیا۔[1]

مسند امام ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بروایت امام منقول ہے کہ حضرت ایوب سختیانی تابعی آئے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے نزدیک پہنچے تو اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف اور منہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف کر لیا۔ اور روئے۔[2] توسل کی دیگر مثالیں عنقریب مذکور ہونگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ذیل میں چند آداب زیارت بیان کئے جاتے ہیں۔ زائرین کو چاہیئے کہ ان کو ملحوظ رکھیں۔

۱۔ زائرین کو مناسب ہے کہ زیارت روضۂ شریف کے ساتھ مسجد نبوی کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے کی بھی نیت کریں۔ اگر مجرد زیارت کی نیت کریں تو اولیٰ ہے۔ دوسری بار اگر موقع ملے تو ہر دو

---

[1] وفاء الوفاء جزء ثانی۔ ص ۴۱۲
[2] وفاء الوفاء۔ جزء ثانی ص ۴۲۴

کی نیت کریں۔

۲۔ مدینہ منورہ کے راستہ میں درود و سلام کی کثرت رکھیں۔

۳۔ راستے میں مساجد اور آثار شریفہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہیں ان کی زیارت کریں اور ان میں نماز پڑھیں۔

۴۔ جب مدینہ منورہ کے مکانات نظر آنے لگیں تو بپاس ادب پیدل ہو جائیں اور درود و سلام بھیجیں اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے یا داخل ہو کر غسل کریں اور تبدیل لباس کر کے خوشبو لگائیں۔

۵۔ پہلے مسجد نبوی میں داخل ہو کر دو رکعت تحیۃ المسجد پھر دوگانہ شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پہنچا دیا۔

۶۔ دوگانہ شکر کے بعد روضہ شریف پر حاضر ہوں۔ زیارت کے وقت اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف اور منہ حضور کے چہرۂ مبارک کی طرف کریں۔ اور جالی مبارک کے قریب کھڑے ہو کر نہایت ادب و خشوع سے سلام عرض کریں اور اگر کسی دوست وغیرہ نے حضرت نبوی میں سلام بھیجا ہو تو اس کی طرف سے سلام پہنچائیں۔

۷۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام سے فارغ ہو کر ایک ہاتھ اپنی دائیں طرف کو ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کریں۔ پھر ایک ہاتھ اور دائیں طرف کو ہٹ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کریں۔

۸- بعد ازاں اپنی پہلی جگہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر درود و سلام عرض کریں۔ پھر گناہوں سے توبہ کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے دعا مانگیں۔

۹- ایامِ قیام مدینہ منورہ میں نماز فرض ہو یا نفل مسجد نبوی میں پڑھا کریں۔

۱۰- مسجد قبا میں جا کر نماز پڑھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ و دیگر مزارات کی زیارت کریں۔

حدیث لاتشد الرحال کی بحث

بعض لوگ انبیاء کرام اور اولیاء و شہداء عظام کے مشاہد و مقابر کی طرف سفر کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور حدیث لاتشد الرحال کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہابیہ کے مورث اعلیٰ ابن تیمیہ نے تو کھلے الفاظ میں فتویٰ دے دیا کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ شریف کی زیارت کے قصد سے سفر کرنا سفرِ معصیت ہے جس میں نماز قصر نہ کرنی چاہئے۔ بنا بریں زائرین کے علاوہ فرشتے بھی جو ہر روز صبح و شام آسمان سے اتر کر روضۂ شریف پر حاضر ہوتے اور درود شریف پڑھتے ہیں اسی معصیت میں مبتلا ہیں۔ یہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کمال درجے کی گستاخی ہے۔

ابن تیمیہ کے اس فتوے سے شام و مصر میں بڑا فتنہ برپا ہوا شامیوں نے ابن تیمیہ کے بارے میں استفتار کیا۔ علامہ برہان بن الفرکاح فزاری نے قریباً چالیس سطر کا مضمون لکھ کر اسے کافر بنایا۔ علامہ شہاب بن جہبل نے اس

سے اتفاق کیا۔ مصر میں یہی فتویٰ مذاہبِ اربعہ کے چاروں قضاۃ پر پیش کیا گیا۔ بدر بن جماعہ شافعی نے لکھ دیا کہ مفتی یعنی ابنِ تیمیہ کو ایسے فتاویٰ باطلہ سے بزجر و توبیخ منع کیا جائے۔ اگر باز نہ آئے تو قید کیا جائے۔ محمد بن الجریری انصاری حنفی نے لکھا کہ اسی وقت بلا کسی شرط کے قید کیا جائے۔ محمد بن ابی بکر مالکی نے کہا کہ اسے اس قسم کی زجر و توبیخ کی جائے کہ ایسے مفاسد سے باز آجاوے۔ احمد بن عمر مقدسی حنبلی نے بھی ایسا ہی لکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابنِ تیمیہ شعبان ۷۲۶ھ میں دمشق میں قلعہ میں قید کیا گیا اور قید ہی میں ۲۰ ذیقعدۃ الحرام ۷۲۸ھ کو اس دنیا سے رخصت ہُوا۔

حدیث زیر بحث صحیح بخاری کے باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ میں بروایت ابوہریرہ وارد ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لاتشد الرحال الا الی ثلثۃ	کجاوے نہ باندھے جائیں مگر تین مسجدوں
مساجد المسجد الحرام ومسجد	یعنی مسجد حرام و مسجد رسول و مسجد
الرسول والمسجد الاقصیٰ	اقصیٰ کی طرف۔

اور باب مسجد بیت المقدس میں بروایت ابوسعید خدری بدیں الفاظ مذکور ہے۔ لاتشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد مسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ ومسجدی۔ اسی طرح امام مسلم نے حدیث ابوہریرہ کو باب فضل المساجد الثلثۃ میں اور حدیث ابوسعید خدری کو باب سفر المرأۃ مع محرم الی

۱؎ السیف الصقیل فی الرد علی ابن زخیل۔ تکملۂ علامہ کوثری۔ ص ۱۵۶

الحج وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ حدیث ابو سعید خدری مشکوٰۃ شریف میں باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ میں مذکور ہے۔

مختلف ابواب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث زیر بحث میں بہ نسبت دیگر مساجد کے مساجد ثلاثہ میں نماز کی فضیلت کا بیان ہے۔ کیونکہ یہ تینوں مساجد ان فضائل سے مختص ہیں جو دوسری مسجدوں میں نہیں پائے جاتے۔ لہٰذا اس حدیث کو مشاہد و مقابر سے کوئی تعلق نہیں۔ اس مدعا کے اثبات کے لئے ہم وجوہ ذیل پیش کرتے ہیں:۔

وجہ اول۔ حدیث زیر بحث میں استثناء مفرغ ہے۔ پس اس کے لئے ایسے عام مستثنیٰ منہ کی تقدیر کی ضرورت ہے جو مستثنیٰ اور غیر کو شامل ہو۔ اور مستثنیٰ سے مناسبت قریبہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ نوع فرد سے اور جنس نوع سے ۔ اسی واسطے ماجاءنی الا زید میں شی یا جسم یا حیوان کو مقدر نہیں کرتے بلکہ رجل یا احد کو مقدر کرتے ہیں۔ اور ماکسوتہ الا جبۃ میں کسوت کو اور ما صلیت الا فی المسجد میں فی مکان یا فی موضع کو مقدر کیا جاتا ہے (مطول وحواشی) پس صورت زیر بحث میں مستثنیٰ منہ ایسا ہونا چاہیئے جو مساجد ثلاثہ اور دیگر مساجد کو شامل اور مساجد کے ساتھ نسبت قریبہ رکھتا ہو۔ اور وہ سوائے لفظ مسجد کے اور کوئی نہیں۔

وجہ دوم۔ حدیث زیر بحث کی ترجمہ باب بخاری سے مطابقت اور اسی باب کی دوسری حدیث سے مناسبت ہے۔ یہ مناسبت و مطابقت صاف بتا رہی ہے کہ مستثنیٰ منہ مسجد ہے۔ کیونکہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے

یہ باب مسجد مکہ و مدینہ میں نماز کی فضیلت کے بارے میں باندھا ہے۔ اس باب کی پہلی حدیث (لاتشد الرحال) میں مقصود مساجد ثلاثہ میں نماز کی فضیلت بہ نسبت دیگر مساجد کے ہے تاکہ ترجمہ باب کے مطابق ہو۔ یہ نہ کہا جائے کہ پہلی حدیث میں لفظ صلوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ مساجد ثلاثہ کی طرف رحلت سے مراد ان میں نماز کا قصد ہے۔ اسی باب کی دوسری حدیث بھی حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فی ما سواہ الا المسجد الحرام (میری اس مسجد میں نماز بہتر ہے ہزار نمازوں سے دوسری مسجدوں میں سوائے مسجد حرام کے) ترجمہ باب کے مطابق ہے۔ اور پہلی حدیث کے معنی کو ظاہر کرتی ہے اور نص ہے اس امر پر کہ ادائے نماز پر تضاعف ثواب میں مساجد ثلاثہ کو دیگر تمام مساجد پر فضیلت ہے کیونکہ الا المسجد الحرام کا مستثنے منہ مساجد ہے جو بعض روایات میں صراحۃً مذکور ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔ عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فی غیرہ من المساجد الا المسجد الحرام۔ اور مسلم ہی میں حدیث میمونہ میں ہے۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول صلوۃ فیہ افضل من الف صلوۃ فیما سواہ من المساجد الا مسجد الکعبۃ۔ پس ظاہر ہوا کہ حدیث لاتشد الرحال میں مستثنےٰ منہ مسجد ہے۔ لہٰذا مساجد ثلاثہ کے سوا دنیا کی کسی مسجد کی طرف بقصد نماز سفر کرنا ممنوع ہے۔ اور جو کسی اور ضرورت کے لئے ہو

وہ ممنوع نہیں۔

وجہ سوم۔ حدیث زیر بحث کے بعض طرق پر مراد و مقصود کی تصریح اور مستثنٰی منہ کا ذکر موجود ہے۔ اور وہ مسند امام احمد میں یوں مذکور ہے۔ حدثنی هاشم حدثنی عبد الحمید حدثنی شهر سمعت اباسعید الخدری وذکر عنده صلوٰة فی الطور فقال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاینبغی للمطی ان تشد رحاله الی مسجد یبتغی فیه الصلوٰة غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصٰی ومسجدی هٰذا (قسطلان وعمدۃ القاری) **ترجمہ** (بحذف اسناد) شہر (بن حوشب) کا بیان ہے کہ میں نے سنا ابا سعید خدری کو اور ان کے پاس طور میں نماز کا ذکر آیا۔ پس کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شتران سواری کے کجاوے کسی مسجد کی طرف بقصد نماز نہ باندھے جانے چاہئیں۔ سوائے مسجد حرام اور مسجد اقصٰی اور میری اس مسجد کے۔ انتہی پس حدیث زیر بحث کی تفسیر حدیث ہی سے ہو گئی اور یہ بہترین تفسیر ہے۔

وجہ چہارم۔ حدیث زیر بحث کی شرح میں جمہور محدثین و شراح اور اکابر فقہائے حنفیہ و شافعیہ کے اقوال ہیں جو ہمارے مدعا کے مؤید ہیں نظر بر اختصار ہم ان کو یہاں نقل نہیں کرتے۔ جسے شوق ہو وہ فتح الباری۔ عمدۃ القاری۔ ارشاد الساری۔ نووی علی المسلم۔ احیاء العلوم للغزالی اور جذب القلوب للشیخ عبد الحق الدہلوی وغیرہ میں دیکھ لے۔

خلاصہ مضمون یہ ہوا کہ حدیث لاتشد الرحال مساجد کے بارے میں

ہے۔ اس کی رو سے مساجد ثلاثہ کی طرف بدیں غرض سفر کرنا کہ ان میں نماز ادا کرنے سے تضاعف ثواب حاصل ہو جائز ہے۔ دنیا کی کسی اور مسجد کی طرف اس غرض کے لئے سفر کرنا نہ چاہیئے۔ کیونکہ وہ درجہ میں متساوی ہیں۔ کسی کو کسی پر باعتبار کثرت ثواب فضیلت نہیں۔ ہاں کسی اور مطلب کے لئے دوسری مساجد کی طرف بھی سفر کرنا جائز ہے مثلاً کسی مسجد میں کوئی بزرگ رہتے ہیں ان کی زیارت یا ان سے استفاضہ کے لئے اس مسجد کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔ اسی طرح کسی مسجد کے صنائع غریبہ کو دیکھنے کے لئے سفر کرنا بھی ممنوع نہیں ہے۔ مقابر و مشاہد انبیاء کرام و اولیائے عظام کی زیارت کے لئے سفر کرنا حدیث زیر بحث کی نہی کے تحت میں داخل نہیں۔ بلکہ جائز و مشروع و مستحب اور موجب خیر و برکت ہے۔ جب حوائج دنیا کے لئے سفر کرنا بالاتفاق جائز ہے تو حوائج آخرت بالخصوص ان میں سے جو اکد ہے۔ یعنی حضور سید الاولین والآخرین امام المرسلین خاتم النبیین سیدنا و مولٰنا محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے روضۂ منورہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا بطریق اولیٰ جائز و مستحسن ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے عہد مبارک سے اس وقت تک مسلمانوں کا اسی پر عمل رہا ہے۔ اس کا انکار حرمان و شقاوت کی علامت ہے۔

خاتمہ در بحث استغاثہ و توسل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارگاہِ الٰہی میں دعا کرنا مستحسن ہے۔ اس کو مختلف الفاظ توسل و استغاثہ و تشفع و توجہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض وقت توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم یوں ہوتا ہے کہ آپ سے کوئی چیز طلب کی جائے بدیں معنیٰ کہ آپ اس میں تسبب پر قادر ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں یا شفاعت فرمائیں۔ اس کا مطلب بھی حضور سے طلب دعا ہے۔

حضور علیہ السلام سے توسل و استغاثہ فعل انبیاء و مرسلین علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام اور سیرت سلف صالحین ہے۔ اور یہ توسل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف سے پہلے۔ ولادت شریف کے بعد۔ عالمِ برزخ میں اور عرصات قیامت میں ثابت ہے جسکی توضیح ذیل میں کی جاتی ہے۔

۱۔ ولادت شریف سے پہلے توسل

جب حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لغزش سرزد ہوئی تو انہوں نے آخر کار یوں دعا کی:۔

یا رب اسألك بحق محمد لما غفرت لی	اے میرے پروردگار! میں تجھ سے بحق محمد سوال کرتا ہوں کہ میری خطا معاف کردے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تو نے محمد کو کس طرح پہچانا - حالانکہ میں نے ان کو پیدا نہیں کیا - حضرت آدم نے عرض کیا - اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا - اور عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا - لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ پس میں جان گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کو ذکر کیا ہے جو تیرے نزدیک محبوب ترین خلق ہے - اللہ تعالیٰ نے فرمایا - اے آدم! تو نے سچ کہا - وہ میرے نزدیک احب الخلق ہیں - چونکہ تم نے ان کے وسیلہ سے دعا مانگی ہے - میں نے تم کو معاف کر دیا - اگر محمد نہ ہوتے - میں تم کو پیدا نہ کرتا - (حاکم و طبرانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود اپنے دشمنوں پر فتح پانے کے لئے دعائیں حضور انور ہی کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے - چنانچہ قرآن کریم میں وارد ہے :-

وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (البقرہ - ع ۱۱)	اور وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔

حافظ ابو نعیم نے دلائل میں عطاء و ضحاک کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے - کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود بنی قریظہ و نضیر کافروں پر فتح کی دعا مانگا کرتے تھے - اور دعا میں یوں کہا کرتے تھے :-

اللّٰھم انا نستنصرک بحق	خدایا! ہم تجھ سے بحق نبی امی دعا

النبی الامی ان تنصرنا علیھم مانگتے ہیں کہ تو ہم کو ان پر فتح دے۔
اور فتح پایا کرتے تھے۔ (تفسیر در منثور للسیوطی)

۲۔ حیات شریف میں توسل

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں دیگر حاجات کی طرح آپ سے طلب دعاء طلب شفاعت بروز قیامت یا طلب دعاء مغفرت بھی کیا کرتے تھے۔ صرف چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ اگر زیادہ مطلوب ہوں تو شفاء السقام کا مطالعہ کیجئے۔

۱۔ عن انس رضی اللہ تعالیٰ	حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
عنہ قال سالت النبی صلی	روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ
اللہ علیہ وسلم ان یشفع لی	علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ قیامت
یوم القیمۃ فقال انا فاعل	کے دن میری شفاعت فرما دیجئے۔
فقلت یا رسول اللہ فاین اطلبک	فرمایا میں کر دونگا۔ میں نے عرض کیا
قال اطلبنی اول ما تطلبنی	یا رسول اللہ! میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں
علی الصراط قلت فان لم	فرمایا پہلے مجھے صراط پر ڈھونڈنا۔ میں نے
القک علی الصراط قال فاطلبنی	عرض کیا۔ اگر میں آپ کو وہاں نہ پاؤں
عند المیزان قلت فان لم القک	فرمایا کہ پھر میزان کے پاس ڈھونڈنا۔
عند المیزان قال فاطلبنی	میں نے عرض کیا اگر میزان کے پاس
عند الحوض فانی لا اخطی ھذہٖ	آپ کو نہ پاؤں۔ فرمایا تو پھر حوض کے
الثلث المواطن (مشکوٰۃ شریف بحوالہ	پاس مجھے ڈھونڈنا۔ کیونکہ میں ان

تین جگہوں کو نہ چھوڑوں گا۔ (ترمذی۔ باب الحوض والشفاعۃ)

۲۔ حضرت سواد بن قارب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایمان لاتے ہوئے عرض کرتے ہیں:۔

وکن لی شفیعًا یوم لا ذو شفاعۃ	اور آپ میرے شفیع بنیں جس دن سواد
بمغن فتیلًا عن سواد بن قارب	بن قارب کو کوئی شفاعت کرنے والا
(استیعاب لابن عبد البر)	ذرا بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔

۳۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف حسب عادت تجارت کے لیے یمن گئے ہوئے تھے۔ آپ کی غیر حاضری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے عسکلان بن عواکن حمیری نے سن کر اپنے ایمان کا اظہار اشعار میں کیا۔ وہ اشعار حضرت عبد الرحمٰن کی وساطت سے خدمت اقدس میں ارسال کیے۔ ان میں سے دو شعر یہ ہیں:۔

اشھد باللہ رب موسٰی	مَیں اللہ کی قسم کھاتا ہوں جو موسٰی کا رب ہے،
انك ارسلت بالبطاح	کہ آپ وادیٔ مکہ میں رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں
فکن شفیعی الٰی ملیك	پس آپ میرے شفیع بنیں اس بادشاہ کی طرف
یدعو البرایا الی الصلاح	جو خلائق کو نیکی کی طرف بلاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سن کر فرمایا:۔

اما ان اخا حمیر من خواص	آگاہ رہو۔ بے شک حمیری بھائی خواص
المؤمنین ورب مومن بی	مومنین سے ہیں۔ اور بعض مجھ پر ایمان لانے
ولم یرنی ومصدق بی وما	والے ہیں حالانکہ انہوں نے مجھے نہیں دیکھا

شهدني اولٰئك اخواني حقا (اصابہ - ترجمہ عسکلان - نیز کنز العمال - سادس - ص۴۲۱)

اور میری تصدیق کرنے والے حالانکہ وہ میرے پاس حاضر نہیں ہوئے - وہ حقیقت میں میرے بھائی ہیں -

۴ - حضرت ماذن بن عضوبہ طائی خطامی عمان کی ایک بستی میں ایک بت کی خدمت کیا کرتے تھے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے - آپ نے بارگاہِ رسالت میں اپنی بے اعتدالیوں کا ذکر کیا اور طالب دعا ہوئے چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے وہ رذائل مبدل بفضائل ہو گئے - اس بارے میں آپ نے یہ اشعار کہے ہیں :-

اليك رسول الله حششت مطيتي
تجرب الفيافي من عمان الى العرج
لتشفع لي يا خير من وطي الحصا
فيغفر لي ذنبي وارجع بالفلج
الى معشر جانبت في الله دينهم
فلا رأيهم رأيي ولا شرجهم شرجي
(اصابہ بحوالہ طبرانی وبیہقی وغیرہ - نیز استیعاب ابن عبدالبر)

یا رسول اللہ! میں نے اپنی اونٹنی آپکی طرف دوڑائی جو عمان سے عرج تک بیابانوں کو طے کرتی تھی - تاکہ آپ میری شفاعت فرمائیں اے بہترین انمیں کے جنہوں نے سنگریزوں کو پامال کیا پس میرا رب میرے گناہ بخش دے اور میں کامیاب ہو کر اس گروہ کی طرف جاؤں جن کے دین سے میں اللہ کے واسطے کنارہ کش ہو گیا - پس ان کی رائے میری رائے نہیں اور نہ ان کا طریق میرا طریق ہے -

۵ - حضرت عثمان بن حنیف صحابی کا بیان ہے کہ ایک نابینا پیغمبر خدا

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے عافیت بخشے۔ حضور نے فرمایا کہ اگر تو چاہے، مَیں دعا کر دیتا ہوں۔ اور اگر چاہے تو صبر کر۔ صبر تیرے واسطے اچھا ہے اس نے عرض کیا کہ خدا سے دعا فرمائیے۔ آپ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر کے یوں دعا کرنا:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّہُ	یا اللہ! مَیں تیری بارگاہ میں سوال کرتا
اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ	ہوں۔ اور تیرے نبی نبی الرحمۃ کا وسیلہ
یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ	پیش کرتا ہوں۔ یا محمد! مَیں نے اپنے پروردگا
فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ	کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کیا ہے
اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ	اپنی اس ضرورت میں تاکہ وہ پوری ہو۔

یا اللہ! تو میرے حق میں حضور کی شفاعت قبول فرما۔

اس حدیث کو ترمذی ونسائی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا۔ ھٰذا حدیث حسن صحیح غریب۔ امام بیہقی وطبرانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ مگر امام بیہقی نے اتنا اور کہا ہے کہ اس نابینا نے ایسا ہی کیا اور بینا ہو گیا[1]

۶۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی کا بیان ہے کہ مَیں رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہا کرتا تھا۔ آپ کے وضو کیلئے پانی لا دیا کرتا تھا۔ اور دیگر خدمت (جامہ ومسواک وشانہ وغیرہ) بھی بجا لایا

---

[1] وفاء الوفاء جزء ثانی صفحہ ۴۲۰

کرتا تھا۔ ایک روز آپ نے مجھ سے فرمایا۔ سَلْ (مانگ) مَیں نے عرض کیا۔

اسئلك مرافقتك فی الجنۃ مَیں آپ سے بہشت میں آپکا ساتھ مانگتا ہوں

آپ نے فرمایا کہ یہ مرتبہ بہت بڑا ہے۔ کچھ اور مانگ۔ حضرت ربیعہ نے عرض کیا کہ میرا مقصود تو یہی ہے جو عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ (اس مقصد کے حصول میں) تو میری مدد کر۔ بدیں طور کہ نماز بہت پڑھا کر اور سجدوں میں دعا کیا کر (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب السجود وفضلہ) مطلب یہ کہ مَیں کوشش کرونگا۔ تو بھی کچھ کیا کر۔ اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے تحت میں ہے۔ واز اطلاق سوال کہ فرمود سَل (بخواہ) وتخصیص نہ کرد بمطلوبے خاص۔ معلوم مے شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہرچہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔

۳۔ وفات شریف کے بعد توسل

وفات شریف کے بعد بھی آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مصائب وحروب وحاجات میں آپ کو پکارا کرتے اور آپ سے استغاثہ کیا کرتے تھے۔ دیکھو امثلۂ ذیل:۔

۱۔ صاحب مواہب لدنیہ بحوالہ ابن منیر لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہوا تو اس صدمہ سے آپ کے اصحاب کرام کا عجب حال ہو رہا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روتے ہوئے حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے کپڑا اٹھا کر یوں عرض کرنے لگے:۔

ولوان موتك كان اختيارًا — اگر آپ کی موت میں ہمیں اختیار دیا جاتا
لجدنا لموتك بالنفوس۔ اذكرنا — توہم آپ کی موت کے لئے اپنی جانیں قربان
یا محمد عند ربك ولنكن — کر دیتے۔ یا محمد اپنے پروردگار کے پاس ہمیں
من بالك۔ — یاد کرنا اور ضرور ہمارا خیال رکھنا۔

۲- وفات شریف کے تین دن بعد اعرابی کا قبر شریف پر حاضر ہونا اور آپ سے توسل کرنا بروایت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ پہلے آچکا ہے۔

۳- مالک الدار راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروق کے زمانے میں قحط پڑا ایک شخص (بلال بن حارث صحابی) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہو کر یوں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اپنی امت کیلئے بارش کی دعا فرمائیں۔ وہ ہلاک ہو رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اس شخص سے فرمایا کہ عمر کے پاس جا کر میرا سلام کہو اور بشارت دو کہ بارش ہو گی۔ اور یہ بھی کہہ دو کہ نرمی اختیار کرے۔ اس شخص نے حاضر ہو کر خبر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر روئے۔ پھر کہا۔ اے رب میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس چیز میں کہ جس سے میں عاجز ہوں۔ (وفاء الوفاء بحوالہ بیہقی وابن ابی شیبہ)

۴- ایک سال مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فریاد کی۔ حضرت ممدوحہ نے فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہو کر اس میں ایک روشندان آسمان کی طرف کھول دو۔ تا کہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل

نہ رہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ خوب بارش ہوئی اور گھاس اگی۔ اور اونٹ ایسے فربہ ہو گئے کہ چربی سے پھٹنے لگے۔ اس سال کو عام الفتق کہتے تھے۔[۱]

علامہ قاضی زین الدین مراغی فرماتے ہیں کہ قحط کے وقت روشندان کا کھولنا اس وقت تک اہل مدینہ کا طریقہ ہے۔ وہ قبۂ خضراء مقدسہ کے اسفل میں بجانب قبلہ کھول دیتے ہیں اگرچہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل رہتی ہے۔[۲] علامہ سمہودی (متوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ "آج کل اہل مدینہ کا طریقہ یہ ہے کہ حجرۂ شریف کے گرد جو مقصورہ ہے اس کا وہ دروازہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ مبارک کے سامنے ہے کھول دیتے ہیں اور وہاں جمع ہوتے ہیں۔[۳]

۵۔ ابن جریر طبری ۱۸ھ کے واقعات میں بالاسناد نقل کرتے ہیں کہ حضرت عاصم بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک سال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں امساک باراں ہوا۔ مواشی لاغر ہو گئے۔ اہل بادیہ میں سے قبیلۂ مزینہ کے ایک اہل خانہ نے اپنے صاحب (حضرت بلال بن حارث صحابی) سے کہا کہ ہمیں غایت درجہ کی تکلیف

۱ھ سنن دارمی۔ باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ۔

۲ھ قاضی زین الدین ابو بکر بن حسین بن عمر عثمانی مراغی نزیل مدینہ منورہ (متوفی ۸۱۶ھ) نے مدینہ منورہ کے حالات میں اپنی کتاب تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الہجرۃ لکھی ہے۔ جس کے مبیضہ سے وہ ۷۶۶ھ میں فارغ ہوئے۔ کشف الظنون۔

۳ھ وفاء الوفاء۔ جزء اول ص ۳۹۸

ہے۔ تو ہمارے واسطے ایک بکری ذبح کر۔ اس نے کہا کہ بکریوں میں کچھ رہا نہیں۔ اہلِ خانہ اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس نے ان کے واسطے ایک بکری ذبح کی۔ جب کھال اتاری تو سرخ ہڈیاں دکھائی دیں۔ اس پر وہ پکار اٹھا۔ یا محمداہ الخ (تاریخ الامم والملوک۔ جز رابع۔ صـ ۲۲۴ کامل ابن اثیر)

۶۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے قنسرین سے حضرت کعب بن ضمرہ کو ایک ہزار سوار دے کر فتح حلب کے لئے روانہ کیا اور فرمادیا کہ میں تمہارے پیچھے آرہا ہوں۔ اُدھر یوقنا حاکمِ حلب کو اس کے جاسوسوں نے خبر دی کہ عرب ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ تمہارے شہر کی فتح کے ارادہ سے آرہے ہیں اور وہ شہر سے چھ میل کے فاصلہ پر ہیں۔ یوقنا نے لشکر کو تیار کر کے آدھا اپنے ساتھ لیا اور آدھا کمین گاہ میں مقرر کیا۔ جب حضرت کعب کی نظر یوقنا کے لشکر پر پڑی تو اپنے لشکریوں سے کہا کہ میرے اندازہ میں دشمن کا لشکر پانچ ہزار ہے جس کا تم مقابلہ نہیں کرسکتے۔ غرض مقابلہ ہوا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو فتح مبین کا یقین ہوگیا۔ مگر اسی اثنا میں کمین گاہ سے یوقنا کا لشکر آپڑا۔ جس کے سبب سے لشکر اسلام کا ایک فرقہ بھاگنے لگا۔ دوسرے فرقہ نے اہلِ کمین کا مقابلہ کیا۔ تیسرا فرقہ حضرت کعب کے ساتھ تھا جو مسلمانوں کے لئے بڑے بے چین تھے۔ اور ان کے بچانے کے لئے کوشش کر رہے تھے اور گرداوادیتے ہوئے یوں پکار رہے تھے۔

یا محمد! یا محمد!! اے نصرت الٰہی   یا محمد یا محمد یا نصر اللّٰہ

انزل - یا معشر المسلمین اثبتوا	نزول فرما۔ اے مسلمانوں کے گروہ
انما هی ساعة ویاتی النصر و	ثابت قدم رہو۔ یہی ایک گھڑی ہے
انتم الاعلون (فتوح الشام مطبوعہ	مدد آنے والی ہے۔ تمہارا ہی بول
مصر۔ جزء اول ص۱۵۱)	بالا ہے۔

۷۔ حضرت عمر فاروق نے حضرت عبد اللہ بن قرط صحابی کے ہاتھ اپنا خط ابو عبیدہ بن الجراح کے نام یرموک بھیجا اور سلامتی کی دعا کی۔ عبد اللہ جب مسجد سے نکلے تو خیال آیا کہ مجھ سے خطا ہوئی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ شریف پر سلام عرض نہیں کیا۔ اس لئے وہ روضۂ شریف پر حاضر ہوئے۔ وہاں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرات علی ابن ابی طالب و عباس حاضر تھے۔ امام حسن حضرت علی کی گود میں اور امام حسین حضرت عباس کی گود میں تھے۔ حضرت عبد اللہ نے حضرت علی و حضرت عباس سے عرض کیا کہ کامیابی کے لئے دعا فرمائیں۔ ہر دو نے روضۂ شریف پر ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی:۔

اللهم انا نتوسل بحق النبی	یا اللہ! ہم اس نبی مصطفٰے و رسول
المصطفٰی والرسول المجتبی	مجتبٰی کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں کہ
الذی توسل به آدم فاجیبت	جن کے وسیلہ سے حضرت آدم کی دعا
دعوته وغفرت خطیئته	قبول ہو گئی اور ان کی خطا معاف
سهل علی عبد الله طریقه	ہو گئی کہ تو عبد اللہ پر اس کا راستہ
واطوله البعید وایده	آسان کر دے اور بعید کو نزدیک کر دے

اصحاب نبیک بالنصر انک — اور اپنے نبی کے اصحاب کی مدد فتح
سمیع الدعاء۔ — سے کر دے بیشک تو دعا کا سننے والا ہے

اس کے بعد حضرت علی نے عبداللہ سے فرمایا کہ اب جائیے۔ اللہ تعالیٰ حضرات عمر و عباس و علی و حسن و حسین و ازواج رسول اللہ کی دعا کو رد نہ کرے گا کیونکہ انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں اس نبی کا وسیلہ پکڑا ہے جو اکرم الخلق ہیں۔ (فتوح الشام۔ جزء اول ص ۱۰۵)

۸۔ ابن السنی (متوفی ۳۶۴ھ) کی کتاب میں ہیثم بن حنش سے روایت ہے کہ اس نے کہا۔ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھے۔ ان کا پاؤں سو گیا۔ تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ آپ یاد کیجئے اس کو جو آپ کے نزدیک سب لوگوں سے پیارا ہے۔ اس پر حضرت ابن عمر نے کہا۔ یا محمد۔ پس گویا آپ بند سے کھول دیئے گئے۔ اور کتاب ابن السنی ہی میں مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس کے پاس ایک شخص کا پاؤں سو گیا۔ آپ نے اس سے کہا۔ تُو یاد کر اس کو جو تجھے سب لوگوں سے پیارا ہے۔ یہ سنکر اس نے کہا۔ یا محمد۔ یہ کہتے ہی اس کے پاؤں کی خوابیدگی جاتی رہی۔ (کتاب الاذکار للنووی ص ۱۳۵) حضرت ابن عمر کے پاؤں سو جانے کی روایت الادب المفرد للبخاری ص ۱۱۳ میں بھی ہے۔

۹۔ ایک شخص کسی حاجت کے لئے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا۔ مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور اسکی حاجت پر غور نہ فرماتے۔ وہ ایک روز حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور

ان سے شکایت کی۔ حضرت ابنِ حنیف نے اس سے کہا کہ وضو کر کے مسجد میں جا۔ اور دو رکعت پڑھ کر یوں دعا کر۔ اللّٰھم انی اسئلك واتوجہ الیك بنبیك محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بك الیٰ ربك أن تقضی حاجتی (یہاں اپنی حاجت کا نام لینا) اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللّٰہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا۔ دربان آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔ حضرت عثمان غنی نے اسے اپنے برابر فرش پر بٹھایا۔ اور دریافت حال کر کے اس کی حاجت پوری کر دی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اتنے دنوں میں اس وقت تم نے اپنا مطلب بیان کیا۔ آیندہ جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے ہمارے پاس آکر بتا دیا کرو۔ وہ وہاں سے رخصت ہو کر ابن حنیف سے ملا اور ان کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے ایسی اچھی دعا بتائی۔ ابن حنیف نے کہا کہ میں نے اپنی طرف سے نہیں بتائی۔ ایک روز میں رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک نابینا نے اپنی بینائی کے جاتے رہنے کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم چاہو میں دعا کر دیتا ہوں۔ یا صبر کرو۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللّٰہ! مجھے بہت دشواری ہے۔ کوئی میرا عصا پکڑنے والا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دوگانہ ادا کر کے یہ دعا پڑھنا۔ اللّٰھم انی اسئلك واتوجہ الیك بنبیك محمد الخ۔ ابن حنیف کا بیان ہے کہ ہم ابھی بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ شخص آیا۔ گویا اسکو کوئی تکلیف ہی نہ ہوئی تھی[1]۔

---

[1] وفاء الوفاء۔ جزء ثانی صفحہ ۴۲۰

اس قصے میں خود حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا کو طریق توسل تعلیم فرمایا ہے۔ یہی طریق ایک صحابی سکھا رہے ہیں۔ اور یہی عمل آج تک امت میں جاری ہے۔ اس روایت کو طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۰۔ ہیثم بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ بنو عامر (قبیلہ نابغہ جعدی) بصرہ میں کھیتوں میں مواشی چرایا کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو ان کے طلب کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے ابو موسیٰ کو دیکھتے ہی یوں آواز دی۔ یا آل عامر! یہ سن کر نابغہ جعدی بھی اپنی قوم کے ساتھ نکلا۔ ابو موسیٰ نے اس سے پوچھا کہ تم کس واسطے نکلے ہو؟ نابغہ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی قوم کی دعوت قبول کی ہے۔ اس پر ابو موسیٰ لنے نابغہ کو تازیانے لگائے۔ نابغہ نے اس بارے میں یہ اشعار کہے ہیں :۔

فان تك لابن عفان امينا	اگر تو ابن عفان کا امین ہے
فلم يبعث بك البر الامينا	تو اس نے تجھے مہربان امین نہیں بھیجا
ويا قبر النبى وصاحبيه	اے قبر نبی کی اور آپ کے دو صاحب کی
الا يا غوثنا لو تسمعونا	دیکھنا اے ہمارے فریاد رس! کاش آپ سنیں۔

(استیعاب لابن عبد البر)

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے تشدد کا استغاثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیا ہے اور یا غوثنا کہہ کر پکارا ہے۔

۱۱۔ معجم کبیر و اوسط میں بروایت انس بن مالک منقول ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ کی والدہ فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سرہانے آبیٹھے اور فرمایا۔ اے میری ماں کے بعد میری ماں! اللہ تجھ پر رحم کرے۔ اور اس کی تعریف کی اور اسے اپنی چادر میں کفنایا۔ پھر حضور نے حضرات اسامہ بن زید۔ ابو ایوب انصاری عمر بن خطاب اور ایک سیاہ فام غلام کو بلایا۔ انہوں نے قبر کھود دی۔ جب لحد تک پہنچے تو خود حضور نے لحد[۱] اپنے دست مبارک سے کھودی اور آپ اس میں لیٹ گئے۔ پھر یوں دعا کی۔

اللھم اغفر لامی فاطمۃ بنت اسد ووسع علیھا مدخلھا بحق نبیك والانبیاء الذین من قبلی فانك ارحم الراحمین (وفاء الوفاء جزء ثانی صفحہ ۸۹)	یا اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ کر دے بوسیلہ اپنے نبی کے اور ان نبیوں کے جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ تو ارحم الراحمین ہے۔

---

[۱] عمر بن شبہ نے عبد العزیز بن عمران سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوائے پانچ اشخاص کی قبروں کے اور کسی کی قبر میں نہیں اترے۔ ان پانچ میں تین عورتیں اور دو مرد ہیں بدیں تفصیل۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ۔ عائشہ صدیقہ کی والدہ ام رومان۔ حضرت علی کی والدہ فاطمہ بنت اسد۔ ابن خدیجہ اور عبد اللہ بن نہم مزنی ملقب بہ ذو البجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ وفاء الوفاء جزء ثانی صفحہ ۸۷

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں ابوطالب کی کفالت میں تھے تو ابوطالب کی زوجہ فاطمہ بنت اسد نے کھلانے پلانے میں آپ کا خاص خیال رکھا تھا۔ یہ اسی احسان کا بدلہ تھا کہ آپ نے فاطمہ کو اپنی چادر میں کفنایا تاکہ آتشِ دوزخ سے محفوظ رہے۔ اور آپ اس کی لحد میں لیٹ گئے تاکہ اسے راحت و آرام ملے۔ یہ روایت نظر بر "بحق نبیک" حیات شریف میں توسل کی دلیل ہے۔ اور نظر بر "الانبیاء الذین من قبلی" بعد وفات توسل کی دلیل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آج تک یہ توسل و استغاثہ جاری ہے، اور تا قیامت جاری رہے گا۔ حضرت امام الائمہ سیدنا ابوحنیفہ نعمان بن ثابت تابعی کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا حال یوں عرض کر رہے ہیں:-

یا سید السادات جئتک قاصدًا	اے سید سادات! میں قصد کر کے آپ کے پاس آیا
ارجو رضاک واحتمی بحماک	ہوں۔ میں آپ کی خوشنودی کا امیدوار اور
انت الذی لولاک ما خلق امرء	آپ کے سبزہ زار میں پناہ گزیں ہوں۔ آپ کی وہ
کلا ولا خلق الورٰی لولاک	مقدس ذات ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو کبھی کوئی آدمی
انا طامع بالجود منک ولم یکن	پیدا نہ ہوتا۔ اور نہ کوئی مخلوق پیدا ہوتی۔ میں آپ کے
لابی حنیفۃ فی الانام سواک	جود و کرم کا امیدوار ہوں۔ آپ کے سوا خلقت
(قصیدہ نعمانیہ)	میں ابوحنیفہ کا کوئی سہارا نہیں۔ (انتہٰی)

حضرت ایوب سختیانی تابعی کے توسل کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ منصور عباسی کو جو طریق دعا بتایا اس میں بھی توسل

بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

اعرابی کا قصہ (جس کو ائمہ نے عتبی سے نقل کیا ہے) چاروں مذہب کے علماء نے مناسک میں ذکر کیا ہے۔ اور اسے آداب زیارت میں شمار کیا ہے۔ ابن عساکر نے اسے اپنی تاریخ میں اور ابن جوزی نے مثیر الغرام الساکن الیٰ اشرف الاماکن میں بروایت محمد بن حرب ہلالی اس طرح لکھا ہے کہ عتبی[1] نے کہا کہ میں مدینہ میں داخل ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کر کے حضور کے سامنے بیٹھ گیا۔ ایک اعرابی نے آ کر زیارت کی اور یوں عرض کیا۔ "یا خیر الرسل! اللہ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل کی۔ جس میں یوں ارشاد فرمایا:۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (نساء۔ ع ۹)	اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں آپ کے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور پیغمبر ان کیلئے بخشش مانگتا۔ تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔

میں آپ کی خدمت میں آپ کے پروردگار سے گناہوں کی مغفرت کا طالب اور آپ کی شفاعت کا امیدوار بن کر حاضر ہوا ہوں۔" پھر اس نے رو کر یہ اشعار پڑھے:۔

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ	اے سب سے بہتر جس کی ہڈیاں میدان میں مدفون ہیں

---

[1] محمد بن عبید اللہ بن عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عتبہ بن ابی سفیان صخر بن حرب (متوفی ۲۲۸ھ)

خطاب من طیبھن القاع والاکم — پس انکی خوشبو سے پست اور اونچی زمینیں مہک گئیں۔

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ — میری جان اس قبر پر فدا جسمیں آپ ساکن ہیں۔

فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم — اسمیں پاکیزگی ہے اور اس میں جود و کرم ہے۔

بعد ازاں اس اعرابی نے توبہ کی اور چلا گیا۔ میں سو گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں "تم اس شخص سے ملو اور اسے بشارت دو کہ اللہ نے میری شفاعت سے اس کے گناہ معاف کر دیئے"۔ میری آنکھ کھلی تو میں اس کی تلاش میں نکلا۔ مگر وہ نہ ملا[1]۔

قصۂ اعرابی میں جو آیت قرآن مذکور ہے۔ وہ باتفاق مفسرین مثبت توسل ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیت ذیل سے بھی توسل ثابت ہے:-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (مائدہ۔ ع ۶)

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو۔ اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت میں خدا کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے کا حکم ہے۔ وسیلہ سے مراد خواہ خاص شخص ہو یا عملِ صالح۔ بہر صورت توسل بہ سید الرسل ثابت ہے۔ کیونکہ اشخاص کی طرح اعمالِ صالحہ بھی مخلوق الٰہی ہیں جیسا کہ آیہ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ نے پیدا کیا تم کو اور تمہارے عمل کو) سے ظاہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشرف الخلق واکرم الخلق وافضل الخلق ہونے

---

[1] وفاء الوفاء۔ جزء ثانی ص ۴۱۱

میں کلام نہیں۔ پس آپ اشرف الوسائل واقرب الوسائل الی اللہ ہیں۔ لہٰذا آپ سے توسل بطریق اولیٰ جائز و مستحسن ہے۔

مختصر یہ کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے توسل و استغاثہ مستحسن ہے۔ اور یہی مذہب اہل سنت و جماعت ہے۔ ہم یہاں صرف علامہ ابن حاج مالکی (متوفی ۷۳۷ھ) کا قول نقل کرتے ہیں۔ جو متشددین میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب مدخل میں زیارت قبور کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

ثم یتوسل باھل تلك المقابر	پھر زائر اپنی قضائے حاجات اور اپنے
اعنی بالصّٰلحین منھم فی قضاء	گناہوں کی بخشش کیلئے ان قبر والوں
حوائجه ومغفرة ذنوبه ثم یدعو	یعنی ان میں سے صالحین سے توسل کرے پھر
لنفسه ولوالدیه ولمشائخه	اپنی ذات کیلئے اور اپنے والدین و مشائخ
ولاقاربه ولاھل تلك المقابر	واقارب واہل مقابر کے لئے اور مسلمان
ولاموات المسلمین ولاحیائھم	مُردوں اور زندوں کے لئے اور قیامت
وذریتھم الی یوم الدین ولمن	تک ان کی اولاد کے لئے اور اپنے
غاب عنه من اخوانه ویجأر	غائب بھائیوں کیلئے دعا کرے۔ اور
الی الله تعالیٰ بالدعاء عندھم	ان اہل قبور کے پاس اللہ تعالیٰ سے
ویکثر التوسل بھم الی الله تعالیٰ	عاجزی و زاری سے دعا کرے اور بار
لانه سبحانه وتعالیٰ اجتباھم	بار انکو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا وسیلہ
وشرفھم وکرمھم فکما انفع	بنائے۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے انکو

بهم في الدنيا ففي الآخرة
اكثر۔ فمن اراد حاجة
فليذهب اليهم ويتوسل
بهم فانهم الواسطة بين
الله تعالى وخلقه وقد تقرر
في الشرع وعلم ما لله تعالى
بهم من الاعتناء وذلك
كثير مشهور وما زال الناس
من العلماء والاكابر كابرا
عن كابر مشرقا ومغربا يتبركون
بزيارة قبورهم ويجدون بركة
ذلك حسا ومعنى وقد ذكر
شيخ الامام ابو عبد الله بن
النعمان رحمه الله في كتابه
المسمّى بسفينة النجاة
لاهل الالتجاء في كرامات
الشيخ ابي النجاء في اثناء كلامه
على ذلك ما هذا لفظه تحقق
لذوي البصائر والاعتبار

برگزیدہ بنایا اور بزرگ بنایا اور گرامی
بنایا۔ پس جس طرح اس نے دنیا میں
انکے ذریعہ سے فائدہ پہنچایا آخرت میں
اس سے زیادہ نفع پہنچائے گا جو شخص
کوئی حاجت چاہے اسے چاہیئے کہ
اُن کے پاس جائے اور ان سے توسل
کرے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے
بندوں کے درمیان واسطہ ہیں اور
شرع میں ثابت ومعلوم ہے کہ ان
پر اللہ تعالیٰ کی کتنی توجہ و مہربانی ہے
اور وہ کثیر و مشہور ہے۔ اور مشرق و مغرب
میں علماء و اکابر قدیم سے انکی قبروں کی
زیارت کو مبارک سمجھتے رہے ہیں اور
ظاہر و باطن میں اسکی برکت محسوس کرتے
رہے ہیں۔ امام ابو عبد اللہ بن نعمان رحمہ
اللہ اپنی کتاب سفینۃ النجاۃ میں یوں لکھتے ہیں۔
"اصحاب بصائر و اعتبار کے
نزدیک یہ امر ثابت ہے کہ صالحین
کی قبروں کی زیارت بغرض تبرک و

أن زيارة قبور الصالحين محبوبة
لاجل التبرك مع الاعتبار فان
بركة الصالحين جارية بعد
مماتهم كما كانت في حياتهم-
والدعاء عند قبور الصالحين
والتشفع بهم معمول به
عند علمائنا المحققين من
ائمة الدين - انتهى

حصول عبرت پسندیدہ ہے کیونکہ صالحین
کی برکت ان کی موت کے بعد اسی
طرح جاری ہے جیساکہ ان کی زندگی
میں تھی - اور ائمۂ دین میں سے ہمارے
علمائے محققین کے نزدیک صالحین
کی قبروں پر دعا کرنا اور ان سے طلب
شفاعت کرنا معمول بہ ہے"

واما عظيم جناب الانبياء
والرسل صلوت الله وسلامه
عليهم اجمعين فياتي اليهم
الزائر ويتعين عليه قصدهم
من الاماكن البعيدة - فاذا جاء
اليهم فليتصف بالذل والانكسار
والمسكنة والفقر والفاقة و
الحاجة والاضطرار والخضوع
ويحضر قلبه وخاطره اليهم
والى مشاهدتهم بعين قلبه
لابعين بصره لانهم لايبلون

رہا انبیاء و مرسلین صلوات اللہ
وسلامہ علیہم اجمعین کی بارگاہ عالی-
سو زائر ان کے پاس جائے اور اسے
چاہیئے کہ دور دراز مقامات سے ان کا
قصد کرے - جب ان کے پاس پہنچے تو
ذل وانکسار و مسکنت و فقر و فاقہ و
حاجت و اضطرار و خشوع ظاہر کرے
اور اپنے دل کو ان کی طرف متوجہ
کرے - اور چشم دل سے (نہ کہ چشم
بصر سے) انکے مشاہدے میں مشغول
ہو جائے - کیونکہ وہ بوسیدہ و متغیر

ولا يتغيرون - ثم يثني على
الله تعالىٰ بما هو اهله ثم يصلي
عليهم و يترضى عن اصحابهم
ثم يترحم على التابعين لهم
باحسان الىٰ يوم الدين ثم يتوسل
الى الله تعالىٰ بهم في قضاء
مأربه ومغفرة ذنوبه ويستغيث
بهم ويطلب حوائجه منهم
ويجزم بالاجابة ببركتهم ويقوي
حسن ظنه في ذلك فانهم باب
الله المفتوح - وجرت سنة الله
سبحانهٗ وتعالىٰ في قضاء الحوائج علىٰ
ايديهم وبسببهم - ومن عجز
الوصول اليهم فليرسل بالسلام
عليهم ويذكر ما يحتاج
اليه من حوائجه ومغفرة
ذنوبه وستر عيوبه الىٰ
غير ذالك فانهم السادة الكرام
والكرام لا يردون من

نہیں ہوتے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مناسب
ثناء کے بعد ان پر درود بھیجے۔ اور
ان کے اصحاب کے لئے رضائے خدا
طلب کرے۔ اور ان کے تابعین تا قیامت
کے لئے رحمت طلب کرے پھر قضائے
حاجات اور اپنے گناہوں کی بخشش
کے لئے ان کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ
بنائے۔ اور ان سے استغاثہ کرے اور اپنی
حاجتیں ان سے مانگے۔ اور انکی برکت سے اجابت
کا یقین کرے اور اس بارے میں اپنے حسن ظن
کو قوی کرے۔ کیونکہ وہ خدا کا کھلا دروازہ
ہیں۔ اور خدا کی یہ سنت جاریہ ہے کہ
وہ انکے ہاتھوں پر اور ان کے سبب سے قضائے
حاجات فرماتا ہے۔ جو شخص انکی خدمت میں
پہنچنے سے عاجز ہو اسے چاہئے کہ کسی
دوسرے کے ہاتھ اپنا سلام پہنچائے اور
اپنی حوائج و مغفرت ذنوب و ستر عیوب
وغیرہ کا ذکر کرے۔ کیونکہ وہ سادات کرام
ہیں۔ اور کرام رد نہیں کرتے اس کو

سألهم ولا من توسل بهم
ولا من قصدهم ولا من
لجأ اليهم. هذا الكلام فى زيارة
الانبياء والمرسلين عليهم
الصلوٰة والسلام عموما۔
واما فى زيارة سيد الاولين
والأخرين صلوات الله عليه
وسلامه. فكل ما ذكر
يزيد عليه اضعافه اعنى
فى الانكسار والذل والمسكنة
لانه شافع المشفع الذى
لا ترد شفاعته ولا يخيب
من قصده ولا من نزل
بساحته ولا من استعان او
استغاث به اذ انه عليه
الصلوٰة والسلام قطب
دائرة الكمال وعروس المملكة

جو ان سے سوال کرے۔ اور نہ
اس کو جو ان سے توسل کرے اور نہ
اسکو جو ان کا قصد کرے۔ اور نہ اسکو
جو انکی پناہ لے۔ یہ کلام عام انبیاء و مرسلین
علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے بارے میں ہے
رہا زیارت سید الاولین والآخرین
صلوات اللہ علیہ وسلامہ۔ سو انکسار
وذل ومسکنت جن کا ذکر اوپر ہوا انکا
اظہار اس بارگاہ عالی میں کئی گنا زیادہ
کرے۔ کیونکہ حضور شافع مشفع ہیں
کہ جن کی شفاعت رد نہیں ہوتی۔
اور وہ محروم نہیں رہتا جو آپ کا
قصد کرے یا آپ کے آنگن میں اترے۔
یا آپ سے مدد مانگے۔ یا آپ سے
استغاثہ کرے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام قطب دائرۂ کمال اور
عروس[1] مملکت ہیں۔

---

[1] عروس کے لئے سب چیزیں آراستہ کی جاتی ہیں۔ سب اس کی خدمت کرتے ہیں۔ اور اس کا حکم مانتے ہیں۔ اور اس کو خوش کرنے کے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۸۳۵)

قال الله تعالیٰ فی کتابه
العزیز (لقد رأی من اٰیٰت
ربه الکبریٰ) قال علماؤنا
رحمة الله تعالیٰ علیهم
رأی صورته علیه الصلوٰة
والسلام فاذا هو عروس
المملکة - فمن توسل به
او استغاث به او طلب حوائجه
منه فلا یرد ولا یخیب لما
شهدت به المعاینة والاٰثار
ویحتاج الی الادب الکلی
فی زیارته علیه الصلوٰة
والسلام - وقد قال علماؤنا
رحمة الله علیهم ان الزائر
یشعر نفسه بانه واقف بین
یدیه علیه الصلوٰة والسلام

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:-

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی	البتہ تحقیق دیکھا حضرتؐ نے اپنے رب کی نشانیوں سے بڑی کو

ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسکی
تاویل میں کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے شب معراج میں اپنی ذات
شریف کی صورت کو ملکوت میں دیکھا
تو ناگاہ آپ عروس مملکت تھے پس
جس نے حضور سے توسل یا استغاثہ کیا
یا حضور سے اپنی حاجتیں مانگیں اسکی
دعا رد نہیں ہوتی اور وہ محروم نہیں رہتا
جیسا کہ معاینہ و آثار اس پر شاہد ہیں۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت
میں پورے ادب کی ضرورت ہے ہمارے
علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۳۴) صلی اللہ علیہ وسلم ملک و ملکوت میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مطلق ہیں بسائط ومرکبات میں آپ کا تصرف ہے۔ اور یہ عالم آپ ہی کے لئے بنا ہے۔ پس آپ عروس مملکت ہیں۔ کذا فی مطالع المسرات۔

كما هو فی حیاته اذ لافرق بین
موته وحیاته اعنی فی مشاهدته
لامته ومعرفته باحوالهم و
نیاتهم وعزائمهم وخواطرهم
وذلك عنده جلی لاخفاء فیه
فان قال القائل هذه الصفات
مختصة بالمولیٰ سبحانه و
تعالیٰ فالجواب ان کل من
انتقل الی الاٰخرة من المؤمنین
فهم یعلمون احوال الاحیاء
غالبًا وقد وقع ذلك فی الکثرة
بحیث المنتهیٰ من حکایات
وقعت منهم - ویحتمل ان
یکون علمهم بذلك حین
عرض اعمال الاحیاء علیهم
ویحتمل غیر ذلك وهذه
الاشیاء مغیبة عنا وقد
اخبر الصادق علیه الصلوٰة
والسلام بعرض الاعمال علیهم

کہ زائر سمجھے کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے سامنے ایسا کھڑا ہوں جیسا کہ
حضور کی حیات شریف میں کیونکہ اپنی امت
کے مشاہدے اور انکے احوال و نیات و
عزائم و خواطر کی معرفت میں حضور کی موت و
حیات یکساں ہے۔ اور یہ آپ کے نزدیک ظاہر
ہے۔ اسمیں کوئی پوشیدگی نہیں۔ اگر کوئی اعتراض
کرے کہ یہ صفات تو اللہ تعالیٰ سے مختص ہیں تو
اس کا جواب یہ ہے کہ مومنوں میں سے جو عالم برزخ
میں چلے جاتے ہیں وہ زندوں کے حالات اکثر
جانتے ہیں۔ چنانچہ حکایتوں میں نہایت کثرت
سے ایسے واقعات مذکور ہیں اور احتمال ہے
کہ مردوں کو زندوں کے حالات کا علم اس وقت
ہو جاتا ہو جب کہ ان پر زندوں کے اعمال
پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کے سوا اور بھی
احتمال ہے۔ یہ چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں
حالانکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
خبر دی ہے کہ زندوں کے اعمال مُردوں
پر پیش ہوتے ہیں۔ پس اس کے وقوع

فلابد من وقوع ذالك و
الكيفية فيه غير معلومة
والله اعلم بها- وكفى فى هذا
بيانًا قوله عليه الصلوٰة و
السلام (المؤمن ينظر بنور
الله) انتهى - ونور الله لا يحجبه
شىء- هذا فى حق الاحياء
من المؤمنين فكيف من كان
منهم فى الدار الآخرة - و
قد قال الامام ابو عبد الله
القرطبى فى تذكرته ما
هذا لفظه - قال ابن المبارك
اخبرنا رجل من الانصار
عن المنهال بن عمرو انه
سمع سعيد بن المسيب يقول
ليس من يوم الا و تعرض
على النبى صلى الله عليه
وسلم اعمال امته غدوة
وعشية فيعرفهم بسيماهم

میں شک نہیں مگر ہمیں اسکی کیفیت
معلوم نہیں - خدا کو خوب معلوم ہے
اس کے بیان میں حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا یہ قول کافی ہے "مومن
خدا کے نور سے دیکھتا ہے" اور خدا
کے نور کے لئے کوئی چیز حاجب نہیں
یہ تو زندہ مومنوں کے حق میں ہے -
ان میں سے جو دار آخرت میں چلا جاتا
ہے - اس کا کیا حال ہو گا - امام
ابو عبداللہ قرطبی نے اپنی کتاب
تذکرہ میں یوں فرمایا ہے -
عبداللہ بن مبارک راوی ہیں
کہ انصار میں سے ایک شخص نے ہمیں
خبر دی کہ منہال بن عمرو نے سعید
بن مسیب کو سنا کہ فرماتے تھے کہ کوئی
دن ایسا نہیں کہ امت کے اعمال
صبح و شام نبی صلی اللہ علیہ وسلم
پر پیش نہ کئے جاتے ہوں پس حضور
ان کو ان کے چہروں سے اور ان کے

واعمالهم فلذلك يشهد
عليهم - قال الله تعالىٰ
(فكيف اذا جئنا من كل
امة بشهيد وجئنا بك
علىٰ هؤلاء شهيدا) قال
وقد تقدم ان الاعمال
تعرض على الله تبارك و
تعالىٰ يوم الخميس ويوم
الاثنين وعلى الانبياء
والاٰباء والامهات يوم
الجمعة ولا تعارض فانه
يحتمل ان يختص نبينا
عليه الصلوٰة والسلام
بعرض كل يوم ويوم الجمعة مع
الانبياء - انتهىٰ
فالتوسل به عليه الصلوٰة
والسلام هو محل حط احمال
الاوزار واثقال الذنوب
والخطايا لان بركة شفاعته

اعمال سے پہچانتے ہیں - اسی واسطے آپ
اپنی امت پر شہادت دیں گے - باری
تعالیٰ کا ارشاد ہے :-
فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا
پس کیونکر ہوگا جس وقت ہم لائینگے ہر امت سے گواہی دینے والا اور لائیں گے ہم تجھ کو ان پر گواہ -
اور پہلے آچکا ہے کہ اعمال اللہ تعالیٰ پر
پنجشنبہ اور دوشنبہ کو اور پیغمبروں اور
باپوں اور ماؤں پر جمعہ کے دن پیش
ہوتے ہیں - اس میں کوئی تعارض نہیں
کیونکہ احتمال ہے کہ اعمال کا ہر روز
پیش ہونا ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ
والسلام سے مختص ہو اور جمعہ کے دن
پیش ہونا حضور سے اور دوسرے پیغمبروں سے مخصوص ہو
پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے
توسل کرنا گناہوں اور خطاؤں کے بوجھوں
کے ساقط ہونے کا محل ہے - کیونکہ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کی برکت

علیہ الصلوٰۃ والسلام و	اور اللہ کے نزدیک آپ کی عظمت
عظمہا عند ربہ لایتعاظمہا	کے سامنے کوئی گناہ بڑا نہیں اس
ذنب اذ انہا اعظم من الجمیع	لئے کہ آپ کی شفاعت سب سے بڑھ کر
فلیستبشر من زارہ ویلجأ	ہے۔پس چاہئے کہ خوش ہووے وہ
الی اللہ تعالیٰ بشفاعۃ نبیہ	شخص جس نے حضور کی زیارت کی
علیہ الصلوٰۃ والسلام من	جو شخص زیارت کے لئے حاضر نہ ہو سکا
لم یزرہ۔ اللھم لا تحرمنا	وہ حضور کو شفیع بنا کر خدا کی پناہ لے۔
من شفاعتہ بحرمتہ عندک	اللھم لا تحرمنا من شفاعتہ بحرمتہ
اٰمین یارب العالمین۔ ومن	عندک اٰمین یارب العالمین۔
اعتقد خلاف ھٰذا فھو	جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا
المحروم۔	ہے وہ محروم ہے۔

امام محمد بن موسیٰ بن نعمان مراکشی فاسی مالکی (متوفی ۶۸۳ھ) نے ۶۳۹ھ میں حج سے واپس آکر اپنی کتاب مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام فی الیقظۃ والمنام تصنیف کی۔علامہ سمہودی نے اس میں سے چند مثالیں ایسے اشخاص کی نقل کی ہیں کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا یا حضور کی قبر شریف کے پاس آپ سے کچھ مانگا اور ان کو ان کا مطلوب حاصل ہو گیا۔ہم ذیل میں وفاء الوفاء کے علاوہ دیگر کتب سے بھی توسل و استغاثہ کے چند واقعات نقل کرتے ہیں۔

۱۔حافظ محمد بن منکدر (متوفی ۲۰۵ھ) کا بیان ہے کہ ایک شخص نے

میرے والد کے پاس اسّی ۸۰ دینار بطور امانت رکھے۔ اور وہ یہ کہہ کر جہاد پر چلا گیا کہ میری واپسی تک اگر تمہیں ضرورت پیش آئے تو خرچ کر لینا۔ والد نے قحط سالی کے سبب سے وہ دینار خرچ کر لئے۔ اس شخص نے واپس آکر اپنی امانت طلب کی۔ والد نے جواب دیا کل میرے پاس آنا۔ اور رات مسجد نبوی میں گذاری۔ کبھی قبر شریف سے لپٹتے اور کبھی منبر منیف سے۔ یہاں تک کہ قبر شریف سے استغاثہ کرتے کرتے صبح ہونے کو آئی۔ ناگاہ تاریکی میں ایک شخص نمودار ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا "اے ابو محمد! یہ لو" والد نے ہاتھ بڑھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک تھیلی ہے جس میں اسّی دینار ہیں۔ صبح کو والد نے وہی دینار اس شخص کو دے دیئے۔

۲۔ امام ابوبکر مقری کا قول ہے کہ میں طبرانی اور ابو الشیخ حرم نبوی میں فاقہ سے تھے۔ جب عشاء کا وقت آیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! ہم بھوکے ہیں"۔ یہ عرض کر کے میں لوٹا۔ ابو القاسم (طبرانی) نے مجھ سے کہا کہ بیٹھو۔ رزق آئے گا یا موت۔ ابوبکر کا بیان ہے کہ میں اور ابو الشیخ سو گئے۔ اور طبرانی بیٹھے ہوئے کچھ دیکھ رہے تھے۔ ایک علوی نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہم نے کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ دو غلام ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کے پاس کھانے سے بھری ہوئی ایک زنبیل ہے۔ ہم نے بیٹھ کر کھایا اور خیال کیا کہ بقیہ کو غلام لے لے گا۔ مگر وہ باقی کو ہمارے پاس چھوڑ گئے۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو علوی نے ہم سے کہا۔ کیا تم نے نبی صلی اللہ

علیہ وسلم سے فریاد کی تھی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے پاس کچھ لے جاؤں۔

۳۔ ابن جلاد کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور فاقہ سے تھا۔ میں نے قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ "میں آپ کا مہمان ہوں۔" اتنا عرض کر کے میں سو گیا۔ خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی۔ آدھی میں نے کھالی۔ آنکھ کھلی تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

۴۔ ابو الخیر اقطع ذکر کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور فاقہ سے تھا۔ پانچ دن اسی طرح رہا۔ پھر قبر شریف پر حاضر ہوا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین پر سلام عرض کیا اور یوں گویا ہوا۔ "یا رسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں۔" یہ عرض کر کے میں قبر شریف کے پیچھے سو گیا۔ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حضرت ابو بکر آپ کے دائیں طرف اور حضرت عمر بائیں طرف اور حضرت علی سامنے ہیں۔ مجھے حضرت علی نے ہلایا اور کہا کہ اٹھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ میں نے اٹھ کر حضور کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ حضور نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی۔ آدھی میں نے کھالی۔ آنکھ کھلی تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

۵۔ ابو عبد اللہ محمد بن زرعہ صوفی ذکر کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد اور ابو عبد اللہ بن خفیف مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ ہم رات کو بھوکے رہے۔ میں ابھی بالغ نہ ہوا تھا اور اپنے والد سے بار بار کہتا تھا کہ میں بھوکا ہوں۔ میرے والد

نے قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! آج رات میں آپ کا مہمان ہوں۔" یہ عرض کر کے والد مراقب ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے سر اٹھایا تو کبھی روتے کبھی ہنستے۔ ان سے سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے کچھ درہم میرے ہاتھ میں رکھ دیئے۔ ہاتھ جو کھولا تو اس میں وہ درہم موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان درہموں میں اتنی برکت دی کہ ہم شیراز آ گئے اور وہاں بھی ان میں سے خرچ کرتے رہے۔

۶۔ احمد بن محمد صوفی کا بیان ہے کہ میں تین مہینے بیابان میں پھرتا رہا۔ پھر مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ اور روضہ شریف پر حاضر ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور حضرات شیخین پر سلام عرض کیا۔ پھر سو گیا۔ خواب میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے احمد! تم آ گئے ہو؟" میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ میں بھوکا ہوں اور آپ کا مہمان ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کھولو۔ میں نے ہاتھ کھول دیئے۔ حضور نے میرے دونوں ہاتھ درہموں سے بھر دیئے۔ میری آنکھ کھلی تو دونوں ہاتھ درہموں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے نان میدہ اور فالودہ خریدا اور کھایا۔ پھر اسی وقت صحرا کی راہ لی۔

۷۔ حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے اپنی تاریخ میں بالاسناد نقل کیا ہے کہ ابوالقاسم ثابت بن احمد بغدادی ذکر کرتے ہیں کہ ایک شخص نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس نماز صبح کے

لئے اذان دی۔ اور اس میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہا۔ خدام مسجد میں سے ایک نے یہ سن کر اس پر تھپڑ مارا۔ اس شخص نے رو کر عرض کیا "آپ کے حضور میں میرے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے"! اسی وقت اس خادم پر فالج گرا اُسے وہاں سے اٹھا کر گھر لے گئے۔ اور وہ تین دن کے بعد مر گیا۔[1]

۸۔ منجملہ روایات ابن نعمان یہ ہے کہ مَیں نے ابو اسحاق ابراہیم بن سعید سے سنا کہ میں مدینہ منورہ میں تھا۔ میرے ساتھ تین فقیر تھے۔ ہم فاقہ میں مبتلا ہوئے۔ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ "یارسول اللہ! ہمارے پاس کچھ نہیں۔ ہمیں تین مُدّ کافی ہیں خواہ کسی چیز کے ہوں"! اس کے بعد ایک شخص مجھ سے ملا۔ اس نے مجھے تین مُدّ عمدہ کھجوریں عطا کیں۔

۹۔ امام ابن نعمان ہی بروایت ابو العباس بن نفیس مقری ضریر نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا میں مدینہ منورہ میں تین دن بھوکا رہا۔ مَیں نے قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ "یارسول اللہ! مَیں بھوکا ہوں"! یہ عرض کر کے مَیں سو گیا۔ ایک لڑکی نے پاؤں مار کر مجھے جگا دیا۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گئی اور گیہوں کی روٹی اور گھی اور کھجوریں پیش کیں۔ اور کہا۔ "ابو العباس! کھاؤ۔ میرے جد بزرگوار صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ کھانا تیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ تمہیں جب بھوک لگے ہمارے پاس

---

[1] علامہ سمہودی اسکے بعد لکھتے ہیں کہ ابو بکر مقری کا واقعہ وفار لابن الجوزی میں ہے۔ باقی واقعات مذکورہ بالا کو ابن جوزی کے علاوہ اوروں نے بھی ذکر کیا ہے

آجایاکرو۔

۱۰۱تا۱۳۱۔علامہ سمہودی اپنے مسموعات یوں بیان کرتے ہیں۔ مَیں نے شریف ابو محمد عبد السلام بن عبد الرحمٰن حسینی فاسی کو یہ فرماتے سنا کہ مَیں مدینہ منورہ میں تین دن رہا۔ مجھے کھانے کو کچھ نہ ملا۔ مَیں نے منبر شریف کے پاس دوگانہ ادا کرکے یوں عرض کیا۔ "اے میرے جد بزرگوار! مَیں بھوکا ہوں اور آپ سے ثرید مانگتا ہوں۔" یہ عرض کرکے مَیں سو گیا۔ ناگاہ ایک شخص نے مجھے جگا دیا۔ مَیں نے دیکھا کہ اس کے پاس ایک چوبی پیالہ ہے جس میں ثرید، گھی، مصالحہ اور گوشت ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ کھالو۔ مَیں نے پوچھا کہ تم یہ کہاں سے لائے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میرے بچے تین دن سے اسی کھانے کی تمنا کرتے تھے۔ آج اللہ تعالیٰ نے کچھ کشائش کر دی تو میں نے یہ کھانا تیار کیا۔ پھر مَیں سو گیا۔ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں۔ کہ تمہارا ایک بھائی مجھ سے اسی کھانے کی آرزو کرتا ہے۔ تم اس میں سے اس کو بھی کھلاؤ۔

مَیں نے شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی الامان کو یہ کہتے سنا کہ مَیں مدینہ منورہ میں محراب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عقب میں تھا۔ شریف مکثر قاسمی محراب مذکور کے پیچھے سوئے ہوئے تھے۔ وہ اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہوئے اور ہمارے پاس مسکراتے ہوئے آئے۔ شمس الدین صواب خادم روضۂ شریف نے ان سے مسکرانے کا

سبب دریافت کیا انہوں نے بیان کیا کہ میں فاقہ سے تھا۔ اپنے گھر سے نکل کر بیت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں آیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا کہ مَیں بھوکا ہوں۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دودھ کا پیالہ عطا فرمایا۔ مَیں نے پی لیا اور سیراب ہو گیا۔ دیکھ لو یہ موجود ہے۔ اور اپنے منہ میں سے اپنے ہاتھ پر تھوک کر دکھلا دیا۔ ہم نے مشاہدہ کیا کہ ان کے منہ میں دُودھ تھا۔

مَیں نے عبداللہ بن حسن دمیاطی کو بیان کرتے سنا کہ مجھ سے عبدالقادر تنیسی نے حکایت کی کہ مَیں فقیروں کی طرح سفر کر رہا تھا۔ مَیں نے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ عرض کیا اور بھوک کی شکایت کی۔ پھر مَیں وہیں سو گیا۔ ایک نوجوان نے مجھے جگا دیا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے ثرید کا ایک پیالہ اور کئی قسم کی کھجوریں اور بہت سی روٹیاں پیش کیں۔ مَیں نے کھانا کھایا۔ اس نے گوشت و نان و تمر سے میرا توشہ دان بھر دیا۔ اور بیان کیا کہ مَیں نماز چاشت کے بعد سویا ہوا تھا۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ کہ مَیں تمہیں یہ کھانا پہنچادوں۔ حضور نے مجھے تمہاری جگہ بھی بتادی اور فرمادیا کہ تم نے حضور سے یہی تمنا کی تھی۔

مَیں نے اپنے دوست علی بن ابراہیم بوصیری کو فرماتے سنا کہ عبدالسلام بن ابی القاسم صقلی ذکر کرتے تھے کہ ایک ثقہ شخص نے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا مجھ سے بیان کیا کہ میں مدینہ منورہ میں تھا۔ میرے پاس کچھ نہ تھا۔ مَیں

کمزور ہو رہا تھا۔ ایک روز حجرۂ شریف کے پاس آکر مَیں نے عرض کیا۔ "یا سید الاولین والآخرین! مَیں مصر کا رہنے والا ہوں۔ پانچ ماہ سے آپکی خدمت میں ہوں۔ کمزور ہو گیا ہوں۔ یا رسول اللہ! خدا سے دعا فرمایئے کہ میرے پاس کوئی بندہ ایسا بھیج دے جو مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا مجھے اپنے ساتھ لے جائے۔" مَیں یہ عرض کر کے منبر شریف کے پاس بیٹھ گیا۔ ناگاہ ایک شخص حجرہ میں داخل ہوا۔ اس نے کچھ کلام کیا اور کہا۔ اے جد بزرگوار! اے جد بزرگوار! پھر میری طرف آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر باب جبریلؑ سے نکلا۔ اور بقیع میں سے ہوتا ہوا ایک خیمہ میں پہنچا۔ وہاں اس نے غلام و کنیز سے کہا کہ اپنے مہمان کے لئے کھانا تیار کرو۔ چنانچہ غلام لکڑیاں چن لایا اور کنیز نے اناج پیس کر روٹی پکائی۔ روٹی کے ساتھ گھی اور کھجوریں تھیں۔ مَیں آدھی روٹی سے سیر ہو گیا۔ اس نے باقی آدھی اور دو صاع کھجوریں میرے توشہ دان میں ڈال دیں۔ جب میں فارغ ہوا تو اس نے میرا نام پوچھا۔ مَیں نے بتلا دیا۔ پھر مجھ سے کہا کہ تجھے خدا کی قسم! میرے جد بزرگوار کے پاس پھر شکایت نہ کرنا۔ کیونکہ انہیں ناگوار گزرتا ہے۔ آج سے بھوک کے وقت تیرا رزق تیرے پاس آجایا کریگا۔ یہاں تک کہ سفر کے لئے تجھے کوئی ساتھی مل جائے۔ پھر اس نے اپنے غلام سے کہا کہ ان کو حجرۂ شریف میں پہنچا دو۔ جب میں غلام کے ساتھ بقیع میں آیا تو میں نے اس سے کہا کہ اب تم لوٹ جاؤ۔ مَیں پہنچ جاؤں گا۔ اس نے کہا۔ یا سیدی! مَیں تو آپ کو حجرۂ شریف میں پہنچا کر ہی آؤں گا۔

مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے آقا کو بتادیں۔ غرض وہ مجھے حجرۂ شریف میں پہنچا کر چلا گیا۔ میں چار روز توشہ دان میں سے کھاتا رہا۔ پھر مجھے بھوک لگی تو وہی غلام مجھے کھانا دے گیا۔ بعدازاں ایسا ہی ہوتا رہا کہ جب بھی مجھے بھوک لگتی کھانا پہنچ جاتا۔ یہاں تک کہ ایک جماعت کے ساتھ میں ینبغ کی طرف نکلا۔

۱۴۔ علامہ سمہودی اپنا واقع بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں تھا۔ مصر کے حاجیوں کا قافلہ زیارت کو آیا۔ میرے ہاتھ میں خلوت کی کنجی تھی۔ جس میں میری کتابیں تھیں۔ ایک مصری عالم نے کہا کہ میرے ساتھ روضۂ شریف میں چلو۔ جب میں واپس آیا تو مجھے کنجی نہ ملی۔ میں نے ہر چند مختلف جگہ تلاش کی مگر نہ ملی۔ یہ مجھ پر بہت ناگوار گزرا۔ کیونکہ اس وقت مجھے کنجی کی سخت ضرورت تھی۔ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ "یا سیدی! یا رسول اللہ! میری خلوت کی کنجی گم ہوگئی ہے مجھے اس کی ضرورت ہے۔ مَیں آپ کے پاس دروازے سے مانگتا ہوں۔" یہ عرض کر کے میں واپس آیا تو ایک لڑکے کو جسے مَیں نہ پہچانتا تھا خلوت کے قریب دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ کنجی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں یہ کہاں سے ملی؟ اس نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ شریف کے پاس تھی۔ مَیں نے وہاں سے اٹھالی۔[1]

---

[1] وفاء الوفاء جزء ثانی ص ۴۲۹

۱۵- علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ کئی سال مجھے ایک بیماری لاحق رہی جس کے علاج سے اطبا عاجز آ گئے میں نے ۲۸ جمادی الاولیٰ ۸۹۳ھ کی رات کو مکہ مشرفہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا- خواب میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے پاس ایک کاغذ ہے- اس میں لکھا ہوا ہے کہ اذن شریف نبوی کے بعد حضرت شریفہ سے یہ احمد بن قسطلانی کی دوا ہے- جب میری آنکھ کھلی تو واللہ میں نے اس بیماری کا کوئی نشان نہ پایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے شفا حاصل ہو گئی-

۱۶- علامہ قسطلانی اپنا دوسرا واقعہ یوں ذکر کرتے ہیں کہ ۸۸۵ھ میں زیارت شریف کے بعد میں مصر کو آ رہا تھا کہ مکہ کے راستے میں ہماری خادمہ غزال حبشہ پر کئی روز آسیب کا اثر رہا- اس بارے میں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا- خواب میں ایک شخص نظر آیا- جس کے ساتھ وہ جن تھا- اس نے کہا اس جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پاس بھیجا ہے- میں نے اس جن کو ملامت کی اور اس سے حلف لیا کہ آیندہ اس خادمہ کے پاس نہ آئے گا- میری آنکھ کھلی تو خادمہ پر آسیب کا کچھ اثر نہ تھا گویا اس کو قید سے رہا کر دیا گیا ہے- وہ عافیت میں رہی- یہاں تک کہ میں نے ۸۹۴ھ میں اس کو علیٰحدہ کر دیا-

۱۷- علامہ یوسف نبہانی نقل فرماتے ہیں کہ کثیر بن محمد بن رفاعہ نے بیان کیا کہ ایک شخص عبد الملک بن سعید بن خیار بن جبر کے پاس آیا- اس نے اس شخص کا پیٹ ٹٹولا اور کہا کہ تجھے لاعلاج بیماری ہے-

اس نے پوچھا کیا بیماری ہے؟ ابن جبیر نے کہا کہ دبیلہ[1]۔ یہ سن کر وہ لوٹ آیا۔ اور اس نے تین بار یوں دعا مانگی۔

اللہ اللہ اللہ ربی لا اشرك	اللہ، اللہ، اللہ میرا پروردگار ہے۔
بہ شیئًا اللّٰھم انی اتوجہ	میں اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا
الیك بنبیك محمد صلی	یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں تیرے
اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ	نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت کے
یا محمد انی اتوجہ بك الی	وسیلے سے پیش ہوتا ہوں۔ یا محمد! میں
ربك وربی ان یرحمنی مما بی	آپ کے اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کے
رحمۃ یغنینی بھا عن رحمۃ	وسیلے سے پیش ہوتا ہوں کہ وہ اس
من سواہ۔	بیماری میں مجھ پر ایسی رحمت کہ جس سے
	کسی غیر کی رحمت سے مجھے بے نیاز کردے

اس دعا کے بعد وہ پھر ابن جبر کے پاس گیا۔ اس نے اس کا پیٹ ٹٹولا تو کہا کہ تو تندرست ہو گیا ہے۔ تجھے کوئی بیماری نہیں[2]۔

۱۸۔ ابو عبداللہ سالم معروف بہ خواجہ نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں دریائے نیل کے ایک جزیرہ میں ہوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مگرمچھ مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ میں اس سے ڈر گیا۔ ناگاہ ایک شخص نے جو میرے ذہن میں آیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مجھ سے فرمایا کہ جب تو کسی

---

[1] پیٹ کی ایک بیماری کا نام ہے۔

[2] حجۃ اللہ علی العلمین فی معجزات سید المرسلین ص ۷۹۰

سختی میں ہو تو یوں پکارا کر:-

اَنَا مُسْتَجِیْرٌ بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یارسول اللہ میں آپکی پناہ کا طلبگار ہوں۔

اتفاق سے ان ہی ایام میں ایک نابینا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ارادہ کیا۔ مَیں نے اُس سے اپنا خواب بیان کر دیا اور کہہ دیا کہ جب تو کسی سختی میں مبتلا ہو تو یوں پکارا کر انا مستجیر بك یا رسول اللہ۔ وہ روانہ ہو کر رابغ میں پہنچا۔ وہاں پانی کی قلت تھی۔ اس کا خدمتگار پانی کی تلاش میں نکلا۔ راوی کا قول ہے کہ اس نابینا نے مجھ سے ذکر کیا کہ میرے ہاتھ میں مشک خالی رہ گئی۔ مَیں پانی کی تلاش سے تنگ آگیا۔ اسی اثنا میں مجھے تمہارا قول یاد آگیا۔ میں نے کہا۔ انا مستجیر بك یا رسول اللہ۔ اسی حال میں ناگاہ ایک شخص کی آواز میرے کان میں پڑی کہ تو اپنی مشک بھر لے۔ مَیں نے مشک میں پانی کے گرنے کی آواز سنی یہاں تک کہ وہ بھر گئی۔ مَیں نہیں جانتا کہ وہ شخص کہاں سے آگیا۔[1]

۱۹۔ ابو الحسن علی بن مصطفٰے عسقلانی ذکر کرتے ہیں کہ ہم بحر عیذاب میں کشتی میں جدہ کو روانہ ہوئے۔ سمندر میں طغیانی آگئی۔ ہم نے اپنا اسباب سمندر میں پھینک دیا۔ جب ہم ڈوبنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرنے لگے اور یوں پکارنے لگے۔ یا محمداہ یا محمداہ ہمارے ساتھ مغرب کا ایک نیک دل شخص تھا۔ وہ بولا۔ حاجیو! گھبراؤ مت۔ تم بچ جاؤ گے۔ کیونکہ ابھی میں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

۱؎ حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین صـ ۷۸۶

زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ میں نے حضور سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ کی امت آپ سے استغاثہ کر رہی ہے۔ حضور نے حضرت ابوبکر صدیق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مدد کرو۔ مغربی کا قول ہے کہ میں اپنی آنکھ سے دیکھ رہا تھا کہ حضرت صدیق اکبر سمندر میں گھس گئے۔ انہوں نے کشتی کے پتوار پر اپنا ہاتھ ڈالا۔ اور کھینچتے رہے یہاں تک کہ خشکی سے جا لگے۔ چنانچہ ہم صحیح و سالم رہے۔ اور اس کے بعد بجز خیر ہم نے کچھ نہ دیکھا۔ اور صحیح و سالم خشکی پر پہنچ گئے۔[1]

۲۰۔ علامہ نبہانی شواہد الحق میں عبدالرحمٰن جزولی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ میری آنکھ ہر سال خراب ہو جایا کرتی تھی۔ ایک سال مدینہ منورہ میں میری آنکھ دکھنے لگی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فریاد کی "یارسول اللہ! میں آپکی حمایت میں ہوں اور میری آنکھ دکھ رہی ہے" پس مجھے آرام ہو گیا اور حضور کی برکت سے اب تک مجھے آنکھ کی تکلیف نہیں ہوئی۔

۲۱۔ علامہ نبہانی شواہد الحق میں کتاب الاشارات الیٰ معرفۃ الزیارات سے نقل کرتے ہیں کہ اس کے مصنف شیخ ابوالحسن علی ابن ابی بکر السائح الہروی (متوفی بحلب سنہ ۶۱۱ھ) کہتے ہیں کہ جزیرہ میں ایک شہر تونہ ہے وہاں مشہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشہد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہیں۔ میں نے جزیرہ والوں سے ان مشاہد کی نسبت دریافت کیا کہ کیا یہ نبی

---

[1] حجۃ اللہ علی العالمین ص ۸۰۷

صلی اللہ علیہ وسلم اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر بنائے گئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ قصہ تفصیل طلب ہے۔ پھر ایک خوبصورت شیخ کو بلا کر بتلایا کہ یہ شخص جذام میں مبتلا ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اسکی بیماری سے ڈر کر اسے جزیرہ کے ایک طرف نکال دیا تھا۔ ایک رات اس نے ایسا غل مچایا کہ لوگ وہاں پہنچ گئے اور اسے تندرست کھڑا دیکھا۔ جب اس کا حال دریافت کیا گیا تو اس نے بیان کیا کہ اس جگہ میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں "یہاں مسجد بنواؤ"۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں بیمار ہوں۔ لوگ میری بات کا یقین نہ کرینگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے علی! اس کا ہاتھ پکڑو۔ حضرت علی نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

امام ابن نعمان مصنف مصباح الظلام فرماتے کہ میں نے اس مسجد کو دیکھا ہے۔ ہمارے استاد حافظ دمیاطی اور دیگر شیوخ اس قصہ کا ذکر کرتے تھے۔ اور اس کو صحیح بتاتے تھے۔ یہ قصہ وہاں مشہور ہے اس مسجد کو مسجد النبی کہتے ہیں۔

۲۲۔ علامہ نبہانی اپنی کتاب سعادت الدارین میں خود اپنے استغاثہ کا قصہ یوں تحریر فرماتے ہیں کہ کسی ناخدا ترس دشمن نے میرے اوپر ایسا افترا باندھا کہ سلطان عبد الحمید خاں نے حکم دیا کہ مجھے معزول کر کے دور علاقہ میں بھیج دیا جائے۔ یہ سن کر مجھے بیقراری ہوئی۔ جمعرات کا دن تھا

جمعہ کی رات میں نے ایک ہزار دفعہ استغفار پڑھا اور تین سو پچاس بار یہ درود شریف پڑھا۔ اللّٰھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد۔ قد ضاقت حیلتی ادرکنی یا رسول اللہ۔ مجھے نیند آگئی۔ آخر رات پھر جاگا اور ہزار دفعہ درود شریف پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ جمعہ کی شام ہی کو سلطان کی طرف سے تار آگیا کہ مجھے بحال رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ سلطان کو نصرت دے اور مفتری کو رسوا کرے والحمد للہ رب العالمین۔

۲۳۔ امام شرف الدین بوصیری (متوفی ۶۹۴ھ) اپنے قصیدۂ بردہ کا سبب تصنیف یوں بیان فرماتے ہیں۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں بہت سے قصیدے لکھے۔ جن میں سے بعضے وزیر زین الدین یعقوب بن زبیر کی درخواست پر تصنیف ہوئے۔ بعد ازاں ایسا اتفاق ہوا کہ میں مرض فالج میں مبتلا ہو گیا۔ اور اس سے میر النصف بدن بے کار ہو گیا۔ میرے جی میں آیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں ایک اور قصیدہ لکھوں۔ چنانچہ میں نے یہ قصیدہ بردہ تیار کیا اور بتوسل حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ باری تعالیٰ میں اپنی عافیت کے لئے دعا کی۔ میں نے اس قصیدے کو بار بار پڑھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعا کی اور سو گیا۔ (اب دیکھیے احمد مختار کی مسیحائی اور محمد عربی کی چارہ فرمائی) خواب میں زیارت ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا دست شفا میرے مفلوج حصہ پر پھیرا۔ اور اپنی چادر (بُردہ) مبارک

مجھ پر ڈال دی۔ آنکھ کھلی تو میں نے اپنے تئیں تندرست و قوی پایا میں نے اس قصیدے کا ذکر کسی سے نہ کیا تھا۔ مگر جب میں صبح کو گھر سے نکلا تو راستے میں ایک درویش نے مجھ سے کہا کہ وہ قصیدہ مجھے عنایت فرمایئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھا ہے۔ میں نے کہا۔ آپ کون سا قصیدہ طلب فرماتے ہیں؟ وہ بولے کہ جو تم نے بحالتِ مرض لکھا ہے۔ اور اس کا مطلع بھی بتا دیا اور یہ بھی فرمایا کہ خدا کی قسم! رات کو یہی قصیدہ میں نے دربار نبوی میں سنا ہے۔ جب یہ پڑھا جا رہا تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسکو سُن سُن کر یوں جھوم رہے تھے۔ جیسا کہ بادِ نسیم کے جھونکے سے میوہ دار درخت کی شاخیں جھومتی ہیں۔ حضور انور نے ان کو پسند فرمایا اور پڑھنے والے پر ایک چادر ڈال دی۔ یہ سن کر میں نے اپنا خواب بیان کیا اور یہ قصیدہ اس درویش کو دے دیا۔ اس نے لوگوں سے ذکر کر دیا اور یہ خواب مشہور ہو گیا[1]۔

۲۴۔ شیخ شمس الدین محمد بن محمد بن محمد جزری شافعی (متوفی ۸۳۳ھ) اپنی مشہور کتاب حصن حصین من کلام سید المرسلین کے دیباچہ میں اپنے استغاثہ کا یوں ذکر کرتے ہیں:۔

"جب میں اسکی ترتیب و تہذیب پوری کر چکا تو مجھے ایسے دشمن (امیر تیمور) نے طلب کیا کہ اللہ کے سوا کوئی اس کو دفع نہیں کر سکتا تھا۔ میں اس دشمن سے چھپ کر بھاگ گیا۔ اور اس کتاب کو میں نے اپنا

---

[1] فوات الوفیات للعلامۃ محمد بن شاکر بن احمد کتبی متوفی ۷۶۴ھ۔ ترجمہ محمد بن سعید بوصیری۔

حصین بنایا۔ مَیں نے حضور سید المرسلین کو خواب میں دیکھا۔ مَیں حضور کے بائیں جانب بیٹھا ہوا ہوں۔ حضور گویا فرما رہے ہیں کہ تو کیا چاہتا ہے؟ مَیں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے لئے اور مسلمانوں کے لئے اللہ سے دعا کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے۔ مَیں دیکھ رہا تھا آپ نے دعا مانگی۔ پھر دست مبارک چہرے پر ملے۔ یہ زیارت شب پنجشنبہ کو ہوئی۔ اور شب یک شنبہ کو دشمن بھاگ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان احادیث کی برکت سے جو اس کتاب میں ہیں مجھے اور مسلمانوں کو دشمن سے نجات دی۔"

۲۵۔ فقیہ ابو محمد اشبیلی نے اپنی کتاب فضیلت حج میں لکھا ہے کہ اہل غرناطہ میں سے ایک شخص کو ایسا مرض لاحق ہو گیا کہ اس کے علاج سے اطبا عاجز ہو گئے اور شفار سے مایوس ہو گئے۔ وزیر ابو عبداللہ محمد بن ابی الخصال نے ایک نامہ بحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لکھا۔ اور اس مریض کی شفار کے لئے اشعار میں حضور سے توسل کیا۔ یہ نامہ کسی کے ہاتھ مدینہ منورہ کو بھیج دیا گیا۔ جب وہ اشعار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ شریف پر پڑھے گئے تو بیمار اپنے وطن میں اسی وقت تندرست ہو گیا۔ نامہ لے جانے والے نے واپس آکر اسے دیکھا تو ایسا تندرست پایا کہ گویا وہ کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا[1]۔

۲۶۔ ابو محمد عبداللہ بن محمد ازدی کا حال جو اندلس میں ایک نیک

---

[1] وفار الوفار جزء ثانی صہ ۴۲۳

شخص تھا۔ بیان کرتا ہے کہ اندلس میں ایک شخص کا بیٹا قید ہو گیا۔ وہ اپنے بیٹے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کرنے کے لئے اپنے شہر سے نکلا۔ راستے میں کوئی اس کا واقف ملا۔ اس نے کہا۔ کہاں جاتے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کرنے جاتا ہوں۔ کیونکہ رومیوں نے میرے بیٹے کو گرفتار کر لیا ہے۔ اور تین سو دینار زرِ فدیہ قرار دیا ہے۔ مجھ میں استطاعت نہیں۔ اس واقف نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ ہر جگہ مفید نہیں ہے۔ مگر وہ نہ مانا۔ جب مدینہ میں پہنچا تو روضۂ شریف پر حاضر ہو کر اپنا حال عرض کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے توسل کیا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔ جب وہ اپنے شہر میں واپس آیا تو اپنے بیٹے کو موجود پایا۔ اس سے حال دریافت کیا تو بیٹے نے کہا کہ فلاں رات مجھ کو اور بہت سے قیدیوں کو خدا تعالیٰ نے رہائی دی۔ وہ رات وہی تھی جس میں اس کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ (شواہد الحق)

۲۷۔ ابراہیم بن مرزوق بیانی کا بیان ہے کہ جزیرہ شقر کا ایک شخص قید ہو گیا اور بیڑیوں اور کاٹھ میں ٹھوک دیا گیا۔ وہ یا رسول اللہ پکار پکار کر فریاد کرتا تھا۔ اس کے بڑے دشمن نے طنزاً کہا کہ اس سے کہو کہ تمہیں چھڑا دے۔ جب رات ہوئی تو ایک شخص نے اسے بلایا اور کہا کہ اذان کہو۔ وہ بولا کہ تم نہیں دیکھتے کہ میں کس حال میں ہوں؟ پھر

اس نے اذان کہی۔ جس وقت وہ اشہد ان محمدا رسول اللہ پر پہنچا تو اس کی بیڑیاں وغیرہ خود بخود ٹوٹ گئیں۔ اور اس کے سامنے ایک باغ نمودار ہوا۔ وہ باغ میں پھر رہا تھا کہ اسے ایک راستہ مل گیا جس سے وہ جزیرۂ شقر میں جا پہنچا۔ اور اس کا قصہ اس کے شہر میں مشہور ہو گیا۔ (شواہد الحق)

۲۸۔ سیدی محمد بن سعید البصری الاصل قریشی شافعی (متوفی ۸۳۹ھ) کے خلاف شاہِ یمن نے کچھ طلب دنیا کے لئے لکھ دیا تھا۔ اس پر آپ نے حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں یوں توسل و استغاثہ کیا:۔

مالی سوی جاہ النبی محمد	میرے واسطے نبی محمد کے جاہ کے سوا کوئی ایسا جاہ نہیں کہ
جاہ بہ احمی وابلغ مقصدی	جس کے وسیلہ سے میں محفوظ رہوں اور اپنے مقصد کو پہنچوں
فکم بہ زال العناعنی وقد	کیونکہ بہت دفعہ آپ کے وسیلہ سے میری تکلیف دور ہو گئی حالانکہ
اعدمت فی ظن العذول المعتدی	میں ملامت کرنے والے ستمگر کے گمان میں محتاج ہو چکا تھا
یاقلب لا تجزع وکن خیر امرئ	اے دل تو بے صبری نہ کر اور اچھا مرد بن۔ جو
اضحی یرجی غارۃ من احمد	احمد سے غارت کا امیدوار ہے۔ کیونکہ
فعسی توافیك الفوائد ممسیا	قریب ہے تجھے شام کو فائدے پہنچیں گے۔
ولعل تاتیك البشائر فی غد	اور امید ہے تجھے کل بشارتیں آئیں گی۔

آپ نے اس نظم کو تمام نہ کیا تھا کہ نیند آگئی۔ خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر کی زیارت ہوئی۔ حضور نے فرمایا۔ ہم غارت کے لئے آگئے ہیں۔ تو ہر رات ہم پر ایک ہزار بار درود بھیجا کر۔ سورج غروب نہ ہونے پایا تھا کہ منصور کی بیماری کی خبر آئی۔ پھر تیسرے دن وہ

دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (جامع الکرامات للنبہانی۔ بحوالہ مناوی جزء اول ص۱۵۶)

۲۹۔ سیدی ابو العباس مری کا بیان ہے کہ میں جہاز پر سوار ہو گیا۔ تلاطم کے سبب سے ہم ڈوبنے لگے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی:۔

اللھم بحرمۃ نبیک الامی انقذنی	یا اللہ! تو اپنے نبی مصطفٰے کے طفیل
وسلمنی	مجھے بچا لے اور سلامت رکھ

میں اس دعا سے فارغ نہ ہوا تھا کہ مجھے جہاز کے گرد فرشتے نظر آئے جنہوں نے مجھے سلامتی کی بشارت دی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو خوشخبری دی کہ انشاء اللہ تعالیٰ تم کل صبح صحیح و سالم موضع مریہ میں پہنچ جاؤ گے۔

(جامع الکرامات بحوالہ مصباح الظلام۔ جزء اول ص۲۷۷)

۳۰۔ امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ ہمزیہ میں یوں فریاد کرتے ہیں:۔

واتینا الیک انضاء فقر	اور ہم گناہوں کے بوجھ سے نحیف و ناتوان ہو کر آپکے پاس آئے ہیں
حملتنا الی الغنی انضاء	دبلی اونٹنیاں ہمیں بارگاہ غنا میں لائی ہیں۔
وانطوت فی الصدور حاجات نفس	اور ہمارے دلوں میں ذاتی حاجتیں ہیں۔
مالھا عن ندی یدیک انطواء	جن کیلئے آپ کے دست مبارک کی سخاوت سے چارہ نہیں
فاغثنا یا من ھو الغوث الغیا	پس ہماری مدد کیجئے اے فریادرس و باراں
ث اذا اجھد الوری اللاواء	جب کہ خلقت قحط سے تنگ آ جائے۔

۳۱۔ شیخ الاسلام حافظ ابو الفتح تقی الدین بن دقیق العید (متوفی ۱۱ صفر ۷۰۲ھ) توسل و استغاثہ کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:۔

اقول لرکبٍ سائرین لیثرب — میں یثرب جانے والے شتر سواروں سے کہتا ہوں۔

ظفرتم بتقریب النبی المقرب — کہ تم کو نبی مقرب کی زیارت نصیب ہو۔

فبثوا الیہ کل شکوی و متعب — تم حضور سے ہر ایک مرض و مشقت عرض کر دینا۔

وقصوا علیہ کل سؤل و مطلب — اور ہر ایک درخواست و مطلب بیان کر دینا۔

وان تم بمرائی للرسول و مسمع — اس حال میں رسول اللہ تمہیں دیکھتے اور تمہاری بات سنتے ہونگے

ستحمون فی مغناہ خیر حمایۃ — اور حضور کی منزل میں تمہاری خوب حفاظت ہوگی۔

وتکفون ما تخشون ای کفایۃ — اور جس چیز سے تم ڈرتے ہو اس سے خوب بچاؤ ہوگا۔

وتبدو لکم من عندہ کل اٰیۃ — اور حضور کے ہاں سے تمہارے واسطے ہر ایک نشان ظاہر ہوگا۔

فحلوا من التعظیم ابعد غایۃ — پس تم غایت درجہ کی تعظیم سے اترنا۔

فحق رسول اللہ اکبر ما رعی — کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ان سب سے بڑا ہے
جن کی رعایت کی جانی ضروری ہے۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للتاج السبکی۔ ترجمہ ابن دقیق العید)

۳۲۔ علامہ کمال الدین بن زملکانی انصاری (متوفی ۱۶ رمضان ۷۲۷ھ)
جنہوں نے مسئلہ زیارت و استغاثہ میں اپنے ہمعصر ابن تیمیہ کی تردید میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اپنے قصیدہ مدحیہ میں یوں فرماتے ہیں:۔

یا صاحب الجاہ عند اللہ خالق — اے خدائے خالق کے نزدیک قدر و منزلت والے!

ما رد جاھک الا کل افاک — سوائے دروغ گو کے کسی نے آپ کے جاہ و منزلت کو رد نہیں کیا

انت الوجیہ علی رغم العدا ابدا — دشمنوں کی خواہش کے برعکس آپ ہمیشہ آبرو والے ہیں۔

انت الشفیع لفتاک و نساک — آپ دلیروں اور عابدوں کے شفیع ہیں۔

یا فرقۃ الزیغ لا لقیت صالحۃ	اے فرقہ کج رو! تو کسی نیکی کو نہ پائے۔
ولا سقی اللہ یوماً قلب مرضاک	اور نہ خدا کسی روز تیرے مریضوں کے دل سیراب کرے
ولا حظیت بجاہ المصطفیٰ ابداً	اور نہ تو جاہ مصطفیٰ سے کبھی فائدہ اٹھائے۔
ومن اعانک فی الدنیا ووالاک	اور نہ دنیا میں تیرے مددگار اور دوست فائدہ اٹھائیں۔
یا افضل الرسل یا مولی الانام ویا	اے افضل الرسل اے تمام مخلوقات کے آقا۔
خیر الخلائق من انس و املاک	اے تمام انس وملائک سے بہتر!
ھا قد قصدتک اشکو بعض ما صنعت	لو میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میں آپ سے
بی الذنوب وھذا ملجاء الشاکی	اپنے گناہوں کے سلوک کی شکایت کروں اور آپ کی بارگاہ ہی فریاد کرنے والے کا ملجا ہے۔
قد قیدتنی ذنوبی عن بلوغ مدی	میرے گناہوں نے مجھے میرے غایت قصد تک پہنچنے سے
قصدی الی الفوز منہا فھی اشراکی	روک کر اپنے میں پھنسا لیا پس وہ میرا جال ہیں۔
فاستغفر اللہ لی واسأل عصمتہ	پس آپ خدا سے میرے لئے مغفرت طلب کیجئے اور
فیما بقی وغنی من غیر امساک	آئندہ اس سے حفاظت اور غنا بلا امساک کی دعا کیجئے۔
علیک من ربک اللہ الصلوٰۃ کما	آپ پر آپ کے پروردگار اللہ کی طرف سے درود ہو۔
منا علیک السلام الطیب الزاکی	جیسا کہ ہماری طرف سے آپ پر عمدہ پاک سلام ہو۔

(فوات الوفیات جز ثانی ص ۲۵۱)

۳۳۔ مشہور مؤرخ قاضی عبدالرحمٰن معروف بہ ابن خلدون مالکی (متوفی ۸۰۸ھ) یوں استغاثہ کرتے ہیں:۔

ھب لی شفاعتک التی ارجو بھا	مجھے اپنی شفاعت عطا فرمائیے جس سے میں

صفحًا جمیلًا عن قبیح ذنوبی — اپنے برے گناہوں کی معافی کی امید کر سکوں

أن النجاة وان اتیحت لامرئ — اگر نجات کسی مرد کے لئے مقدر ہے

فبفضل جاهك لیس بالتشبیب — تو وہ آپ کے جاہ کے طفیل سے ہے تشبیب سے نہیں

انی دعوتك واثقًا باجابتی — میں آپ کو پکارتا ہوں۔ مجھے قبولیت کا یقین ہے

یاخیر مدعو وخیر مجیب — اے خیر مدعو، اے خیر مجیب!

(المقالات الوفیہ فی الرد علی الوہابیہ)

۳۴۔ شیخ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۳ھ) یوں عرض کرتے ہیں:۔

نبی الله یاخیر البرایا — اے اللہ کے نبی اے تمام مخلوق سے بہتر!

بجاهك اتقی فصل القضاء — حضور ہی کی قدر و منزلت کے طفیل قیامت میں میرا بچاؤ ہوگا۔

وارجو یاکریم العفو عما — اے کریم اے صاحبِ جود و عطا! میں ان گناہوں کی

جنتهُ یدای یارب الحیاء — جو مجھ سے ہوتے ہیں معافی کی امید کرتا ہوں۔

فقل یا احمد بن علی اذهب — حضور فرمادیں کہ اے احمد بن علی

الی دار النعیم بلاشقاء — جنت میں بغیر مشقت کے چلا جا

(المقالات الوفیہ)

۳۵۔ امام عمر بن الوردی یوں عرض کرتے ہیں:۔

یارب بالهادی البشیر محمد — اے میرے پروردگار ہادئ بشیر حضرت محمد کے طفیل سے

وبدینه العالی علی الادیان — اور حضور کے دین کی برکت سے جو سب دینوں پر غالب ہے،

ثبت علی الاسلام قلبی واھدنی   میرے دل کو اسلام پر ثابت رکھ اور حق کی طرف
للحق وانصرنی علی الشیطان   میری رہنمائی کر اور مجھے شیطان پر غلبہ دے۔

(المقالات الوفیہ)

۳۶۔ مولٰنا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ ہمزیہ میں اس طرح استغاثہ فرماتے ہیں:۔

رسول اللہ یا خیر البرایا   اے اللہ کے رسول اے تمام خلق سے بہتر
نوالک ابتغی یوم القضاء   قیامت کے دن میں آپ کی عطا و بخشش چاہتا ہوں۔
اذا ما حل خطب مدلھم   جب کوئی سخت مصیبت پیش آوے
فانت الحصن من کل البلاء   تو حضور ہی ہر بلا کے بچاؤ کے لئے قلعہ ہیں۔
الیک توجھی وبک استنادی   حضور ہی کی طرف میری توجہ ہے اور حضور ہی میرا سہارا ہیں
وفیک مطامعی وبک ارتجائی   اور حضور ہی سے بھلائی کی طمع اور حضور ہی سے امید ہے

۳۷۔ مولٰنا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے قصیدہ اطیب النغم کی تضمین میں یوں فرماتے ہیں:۔

مدار وجود الکون فی کل لحظۃ   آپ ہر لحظہ وجود عالم کے دارومدار ہیں
ومفتاح باب الجود فی کل عسرۃ   اور ہر مشکل میں سخاوت کے دروازے کی کنجی ہیں۔
ومتمسک الملھوف فی کل شدۃ   اور ہر شدت میں پریشان بے قرار کی پناہ ہیں۔
ومعتصم المکروب فی کل غمرۃ   اور ہر مصیبت میں آفت رسیدہ کا سہارا ہیں۔
ومنتجع الغفران من کل تائب   اور ہر ایک توبہ کرنے والے کیلئے بخشش کا وسیلہ ہیں۔
الیک تمد العین حین ضراعۃ   خشوع و خضوع کیوقت آپ ہی کی طرف آنکھ اٹھتی ہے۔

۳۸- استاد کبیر شیخ حمد اللہ شبراوی مصری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے وقت یوں عرض کرتے ہیں:-

یا رسول اللہ انی مذنب — یا رسول اللہ! میں گنہگار ہوں۔

ومن الجود قبول المذنب — گنہگار کی عرض کا قبول کرنا جود و کرم ہے۔

یا نبی اللہ مالی حیلۃ — یا نبی اللہ یا سید الانبیاء

غیر حبی لک یا خیر نبی — آپ کی محبت کے سوا میرا کوئی حیلہ نہیں

عظم الکرب ولی فیک رجاء — میرا اندوہ غم بڑا ہے۔ مجھے آپ سے امید ہے۔

فیہ یارب فرج کربی — اے پروردگار! حضور کے طفیل سے میرا غم دور کر دے

(مقالات وفیہ)

۳۹- حضرت حاجی حافظ شاہ محمد امداد اللہ رحمہ اللہ دربار نبوی میں یوں عرض کرتے ہیں:-

کرم فرماؤ ہم پر اور کرو حق سے شفاعت تم — ہمارے جرم و عصیاں پہ نہ جاؤ یا رسول اللہ

پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں نا خدا ہو کر — میری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں — بس اب چاہو تراؤ یا ڈباؤ یا رسول اللہ

(رسالہ درد نامہ غمناک)

۴۰- مولٰنا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی یوں عرض کرتے ہیں:-

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا — نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

یہ ہے اجابت حق کو تری دعا کا لحاظ — قضائے مبرم و مشروط کی نہیں ہے پکار

خدا ترا تو جہاں کا ہے واجب الطاعۃ — جہاں کو تجھ سے تجھے اپنے حق سے ہے سروکار

(قصائد قاسمی)

حدیث توسل بالعباس کی بحث

حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں سنہ ۱۸ھ میں جسے عام الرومادۃ کہتے ہیں سخت قحط پڑا۔ چوپائے اور انسان بھوک کی شدت سے مرنے لگے۔ لوگوں نے تنگ آکر حضرت فاروق اعظم سے استسقاء کے لئے درخواست کی جسے امام بخاری نے یوں نقل کیا ہے :۔

عن انس مالک ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا قحطوا استسقٰی بالعباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال اللھم نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقینا قال فیسقون۔ (باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)	انس بن مالک سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں میں قحط پڑا۔ عباس بن عبد المطلب کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی اور یوں عرض کیا۔ یا اللہ ہم تیری جناب میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے پس تو ہمیں بارش عطا کر دیتا تھا۔ اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں۔ پس ہمیں بارش عطا کر (قول راوی) پس بارش ہو رہی تھی۔

ابن تیمیہ اور اُن کے مقلدین نجدیہ کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس رضؓ سے توسل کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد وفات شریف توسل جائز نہیں۔ ورنہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ ایسا

نہ کرتے۔ ابن تیمیہ کا یہ اجتہاد ایجاد بندہ ہے۔ علماء اہل سنت میں سے آج تک
کسی نے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
کی شان میں حیات ووفات میں اس طرح فرق کرنا کمال درجہ کی شقاوت ہے۔
جیساکہ آگے بیان ہوگا۔ مسئلہ زیارت وتوسل کی مخالفت کا خمیازہ جو
ابن تیمیہ کو بھگتنا پڑا ہم اس کی طرف پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔ اب ہم حدیث
زیربحث کی نسبت بطریق اختصار حسب ذیل گذارش کرتے ہیں۔

صحابۂ کرام نے اس دعاء باراں میں نام نامی حضرت عباس رضؓ کو وسیلہ نہیں بنایا۔
بلکہ یوں عرض کیا کہ اے پروردگار ہم تیری جناب میں اپنے نبی کے چچا کا
وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ نام نامی لیکر وسیلہ پکڑنا بھی جائز تھا مگر اس
موقع پر فاروق اعظم اور دیگر صحابہ کرام کو حضرت عباس رضؓ کی قرابت نبوی جتلا کر
گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا وسیلہ پیش کرنا منظور تھا۔ چنانچہ
خود حضرت عباس رضؓ اپنی زبان مبارک سے اقرار کرتے ہیں جیساکہ عمدۃ القاری
شرح صحیح بخاری میں بدیں الفاظ مذکور ہے:۔

وفی حدیث ابی صالح فلما صعد	اور حدیث ابو صالح میں ہے کہ جب
عمر ومعہ العباس المنبر قال	حضرت عمر وحضرت عباس منبر پر
عمر اللھم انا توجھنا الیک بعم	چڑھے تو حضرت عمر نے عرض کیا یا اللہ
نبیک وصنو ابیہ فاسقنا الغیث	ہم تیری جناب میں تیرے نبی کے چچا
ولا تجعلنا من القانطین ثم	کو جو بجائے والد نبی کے ہیں پیش
قال قل یا ابا الفضل فقال	کرتے ہیں تو ہمیں بارش عطا فرما اور

العباس اللّٰھم لم ینزل بلاء الا بذنب ولم یکشف الا بتوبۃ وقد توجہ بی القوم الیک لمکانی من نبیک (الحدیث)

ہمیں نا امید نہ کر۔ پھر کہا اے عباس، تم بھی دعا کرو۔ حضرت عباس نے یوں دعا کی۔ یا اللہ! انہیں اتری کوئی بلا مگر گناہ کے سبب سے اور نہیں دور ہوئی مگر توبہ سے۔ اور قوم نے اس واسطے میرا وسیلہ پکڑا ہے کہ میرا تعلق تیرے نبی سے ہے۔

خود حضرت عمر فاروق رض کے بیان سے بھی صاف پایا جاتا ہے کہ یہاں حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہے۔ حافظ ابن عبد البر استیعاب میں حضرت عباس بن عبد المطلب کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

وروینا من وجوہ عن عمر انہ خرج یستسقی وخرج بالعباس فقال اللّٰھم انا نتقرب الیک بعم نبیک صلی اللہ علیہ وسلم ونتشفع بہ فاحفظ فیہ نبیک صلی اللہ علیہ وسلم کما حفظت الغلامین لصلاح ابیھما (الحدیث)

حضرت عمر سے ہمیں کئی وجہ سے روایت پہنچی ہے کہ وہ اپنے ساتھ حضرت عباس کو لیکر نکلے۔ اور عرض کیا۔ یا اللہ! ہم بوسیلہ تیرے نبی کے چچا کے تیری جناب میں حاضر ہوتے ہیں اور ان کو اپنا شفیع بناتے ہیں۔ پس تو اس میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت کر جیسا کہ تو نے ان دو یتیم بچوں کی رعایت ان کے باپ کی نیکی کے سبب کی (کہ ان کی گرتی دیوار کو سیدھا کھڑا کر دیا)

حضرت عباس رض میں آنحضرت کی رعایت کا مطلب یہی ہے کہ قرابت نبوی

کو ملحوظ رکھ کر بارش کی دعا کو شرفِ قبولیت عطا فرما - تاریخ کامل ابنِ اثیر میں بھی یہی مضمون تقریباً ان ہی الفاظ میں مذکور ہے۔

عمدۃ القاری میں یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے جب مرتدین کے مقابلہ میں لشکرِ اسلام کو روانہ کیا تو آپ حضرت عباس کیساتھ مشایعت کے واسطے شہر سے باہر نکلے اور کہا:-

یا عباس استنصر و انا اومن فانی	اے عباس! مدد کی دعا مانگو اور میں
ارجوان لا یخیب دعوتك لمكانك	آمین کہتا جاؤں - کیونکہ مجھے امید ہے کہ
من نبی اللہ صلی اللہ علیہ و	تمہاری دعا بیکار نہ جائیگی بوجہ اس کے
سلم۔	کہ تمہارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہے

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت عباس کو وسیلہ بنانا صرف قرابتِ نبوی کے سبب سے تھا اور یہ توسل بالنبی ہے صلی اللہ علیہ وسلم - بایں ہمہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حدیث زیرِ بحث میں حضرت فاروق اعظم نے حضرت عباسؓ کی ذات خاص سے بلا تعلق قرابت نبوی کے وسیلہ پکڑا ہے تو اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ پاک سے وسیلہ پکڑنے کا انکار نہیں نکلتا حضورؐ کے وسیلہ ہونے اور حضور کے ذریعہ سے دعا مانگنے کا ثبوت مطلقاً اسی حدیث میں موجود ہے - اب اس مطلق توسل کو کہ عام ہے حالت حیات اور وفات سے مقید بحالت حیات کرنا اور حالت وفات کی نفی کرنا کس قاعدہ سے ہے - اور دلالات اربعہ علم اصول (عبارۃ النص و اشارۃ النص و دلالۃ النص و اقتضاء النص) میں سے کونسی دلالت اس نفی توسل پر دلالت

کرتی ہے۔ ہرگز کوئی دلالت نفی توسل پر دلالت نہیں کرتی۔ یہ اجتہاد بے بنیاد کسی علمی قاعدے پر مبنی نہیں۔ کیونکہ اگر مثلاً ایک شخص میں ایک وصف پایا جائے تو وہ دوسرے شخص میں اس وصف کے نہ پائے جانے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ پس اس صورت میں حدیث زیر بحث سے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اہلِ بیت و دیگر صلحاء امت سے توسل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور حضرت فاروق اعظم نے مختلف اوقات میں ہر دو طریق پر عمل کیا ہے۔

یہاں نجدیہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس موقعہ پر صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو افضل ذریعہ ہیں) کو چھوڑ کر دوسرا وسیلہ کیوں اختیار کیا۔ اس کا جواب کئی طرح سے دیا گیا ہے۔

اولاً۔ حافظ ابن عبد البر استیعاب (ترجمہ عباس بن عبد المطلب) میں یوں لکھتے ہیں:۔

قال ابو عمر و کان سبب ذٰلك	ابو عمر نے کہا کہ اس کا سبب یہ
ان الارض اجدبت اجدابا	تھا کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں عام الرمادۃ
شدیدا علی عھد عمر زمن	میں سخت خشک سالی تھی۔ اور یہ ۱۷ھ
الرمادۃ و ذالك سنۃ سبع عشرۃ	تھا۔ حضرت کعب نے کہا۔ اے
فقال کعب یا امیر المومنین ان	امیر المومنین بنی اسرائیل میں جب ایسا
بنی اسرائیل کانوا اذا اصابھم	قحط پڑتا تھا تو وہ پیغمبروں کی ایک جماعت
مثل ھٰذا استسقوا بعصبۃ	کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے

الانبیاء فقال عمر هذا اعم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وصنو ابیہ وسید بنی هاشم
فمشی الیہ عمر وشکا الیہ ما
فیہ الناس من القحط ثم صعد
المنبر ومعہ عباس الخ

تھے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور
بمنزلہ والد نبی اور سید بنی ہاشم ہیں۔
پس حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے
قحط کی شکایت کی جس میں لوگ مبتلا
تھے پھر منبر پر چڑھے اور آپ کے ساتھ
حضرت عباسؓ بھی تھے۔

پس یہاں بھی قرابت نبوی کی وجہ سے توسل ہے، جو توسل بالنبی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

ثانیاً۔ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی جوہر منظم ص۷۷ میں فرماتے ہیں:۔

وکان حکمۃ توسلہ بہ دون
النبی صلی اللہ علیہ وسلم و
قبرہ اظہار غایۃ التواضع
لنفسہ والرفعۃ لقرابۃ النبی
ففی توسلہ بہ توسل بالنبی
صلی اللہ علیہ وسلم وزیادۃ

گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی
قبر شریف کو چھوڑ حضرت عباسؓ سے
توسل کرنے میں حکمت بمقابلہ حضرت عباسؓ
اپنی تواضع کا ظاہر کرنا اور قرابت نبوی
کی رفعت کا اظہار تھا پس حضرت عباسؓ سے
توسل توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم
ہے۔ اور زیادت ہے۔

ثالثاً۔ شیخنا العلامہ مولٰنا مشتاق احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالہ دفع التامل عن التوسل بسید الرسل ص۱۷ میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

یہ علم کلام کا مسئلہ مسلمہ ہے کہ ولی کی کرامت اس نبی کا معجزہ ہے
جس کی امت میں وہ ولی ہے۔ یہ جو کرامت حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اس موقع
استسقاء پر ظاہر ہوئی کہ ان کی دعا سے مینہ برسا، یہ معجزہ رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کا ہوا۔ یہاں افضل ذریعہ کو صحابہ نے چھوڑا نہیں بلکہ اور زیادہ
افضلیت کو جتلا دیا اور بتلا دیا کہ ہمارے پاس ایسا افضل ذریعہ ہے
جس کے ادنیٰ خادموں یا جس کے قرابت داروں کے وسیلہ بنانے سے خداوند
کریم دعا قبول فرما لیتا ہے۔ انتہیٰ

ان نجدیہ سے پوچھنا چاہیئے کہ تمہارا دعویٰ توسل بالحدیث ہے۔ اور
حدیث صحیح میں وارد ہے کہ قیامت کے دن سب لوگ بغرض شفاعت
دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس یکے بعد دیگرے جائیں گے۔ پھر
اخیر میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونگے۔
شفاعت عظمیٰ کے بعد جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مختص ہے علماء
اور شہداء امت بھی گنہگاروں کے لئے جو دوزخ میں ہونگے شفاعت
فرمائیں گے۔ پس وہاں افضل ذریعہ چھوڑ کر دوسرے وسیلے کیوں اختیار کئے
جائیں گے۔ اس حدیث سے تو ظاہر ہے کہ افضل ذریعہ کی موجودگی میں دیگر
وسائل اختیار کرنا جائز ہے۔ غرض توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز، توسل
باہل البیت والصلحاء جائز۔ ایک وقت میں ہر دو معاً جائز اور مختلف
اوقات میں علیحدہ علیحدہ بھی جائز ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد صحابہ کرام کو

کئی موقعوں پر توسل کی ضرورت پڑی ہے جن میں سے استغاثہ و توسل زیر بحث ایک مثال ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انہوں نے ایسے مواقع پر کس طرح توسل کیا ہے۔ اس کتاب میں ایسی دس مثالیں پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔ جن کا ماحصل ہم یہاں بالترتیب دہراتے ہیں:۔

۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہو چکا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ چہرۂ مبارک سے چادر اٹھا کر یوں پکارتے ہیں:۔

اذکرنا یا محمد عند ربك و لنكن من بالك۔	اے محمد ہمیں اپنے پروردگار کے پاس یاد کرنا اور ضرور ہمارا خیال رکھنا۔

۲۔ دفن شریف کے تیسرے روز ایک اعرابی مزار مقدس پر حاضر ہو کر عرض کرتا ہے۔ "یا رسول اللہ میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ میرے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں"۔ قبر شریف سے آواز آئی کہ تجھے بخش دیا گیا۔

۳۔ عہد فاروقی میں قحط پڑا۔ حضرت بلال بن حارث صحابی مزار شریف پر حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ کی امت ہلاک ہو رہی ہے۔ بارش کی دعا فرمائیں۔ حضور خواب میں حضرت بلال سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر سے میرا سلام کہو اور بارش کی بشارت دو۔ اور ان سے یہ بھی کہہ دو کہ دین میں نرمی اختیار کریں۔ چنانچہ بلال نے حضرت فاروق اعظم کو یہ خبر سنائی، آپ سن کر رو پڑے۔ اگر بعد وفات شریف توسل جائز نہ ہوتا تو امیر المومنین ضرور منع کرتے۔

۴۔ ایک سال مدینہ منورہ میں قحط پڑتا ہے۔ لوگ حضرت عائشہ صدیقہ

سے فریاد کرتے ہیں۔ حضرت ممدوحہ فرماتی ہیں کہ روضۂ شریف پر حاضر ہو کر ایک روشندان آسمان کی طرف کھول دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا جاتا ہے اور خوب بارش ہوتی ہے۔ صحابۂ کرام میں سے کسی نے اس توسل پر اعتراض نہ کیا۔ بلکہ بعد میں یہ طریق توسل اہل مدینہ میں جاری رہتا ہے۔ حضرت صدیقہ کی علمی قابلیت محتاج بیان نہیں۔ اگر وفات شریف کے بعد توسل ناجائز ہوتا تو صحابۂ کرام سکوت نہ فرماتے۔ یہ جواز توسل پر اجماعِ سکوتی ہے۔

۵۔ عہد فاروقی میں عام الرمادہ ہی کا واقعہ ہے کہ حضرت بلال بن حارث صحابی اپنے اہل خانہ کے اصرار پر ایک بکری ذبح کرتے ہیں۔ کھال اتارنے پر سرخ ہڈیاں نظر آئیں تو یوں پکارتے ہیں۔ یا محمداہ!

۶۔ عہد فاروقی ہی میں ۱۵ھ میں مسلمانوں کا مقابلہ یوقنا حاکم حلب کے لشکر جرار سے ہوتا ہے۔ حضرت کعب بن حمزہ لشکرِ اسلام کے بچانے کے لئے بے چین ہو رہے ہیں اور یوں پکار رہے ہیں۔

یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل۔	یا محمد! یا محمد! اے نصرت الٰہی! نزول فرما۔

اس لشکر اسلام میں کس قدر صحابہ شامل ہونگے۔ مگر کسی نے اس استغاثہ پر اعتراض نہیں کیا۔

۷۔ ۱۳ھ میں حضرت عمر فاروق اپنا خط عبداللہ بن قرط صحابی کے ہاتھ حضرت عبیدہ بن الجراح کے نام یرموک بھیجتے ہیں۔ اور بوسیلہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ جاتے وقت حضرت عبداللہ

روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں۔ وہاں آپ کی درخواست پر حضرت عباسؓ حضرت علیؓ روضہ شریف پر ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کرتے ہیں:۔

اللّٰھم انا نتوسل بھذا النبی المصطفیٰ والرسول المجتبیٰ الخ	یا اللہ! ہم اس نبی مصطفیٰ و رسول مجتبیٰ کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں الخ

اس موقع پر حضرات حسنین و حضرت عائشہ صدیقہ بھی اس دعا میں شریک ہیں۔ اس کے بعد حضرت علی حضرت عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ اب جانیے۔ اللہ تعالیٰ عمرؓ و عباسؓ و علیؓ و حسنؓ و حسینؓ و ازواج رسول اللہ کی دعا کو رد نہ کرے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنے نبی کا وسیلہ پکڑا ہے جو اکرم الخلق ہیں۔

۸۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سو گیا۔ آپ پکارتے ہیں یا محمدؐ! اور خوابیدگی دور ہو جاتی ہے۔

۹۔ ایک شخص کسی حاجت کے لئے بار بار حضرت عثمان غنی کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ مگر حضرت خلیفہ توجہ نہیں فرماتے۔ حضرت عثمان بن حنیف صحابی اس شخص کو وہ طریق توسل بتاتے ہیں جو خود حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو بتایا تھا جس میں یہ الفاظ ہیں۔ اللّٰھم انی اسئلك واتوجه اليك بنبيك محمد نبي الرحمة يا محمد انی اتوجه بك ان تقضی حاجتی۔ وہ شخص اس پر عمل کرتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔ یہی عمل آج تک مشائخ امت میں جاری ہے۔

۱۰۔ بنو عامر (قبیلہ حضرت نابغہ جعدی) بصرہ میں کھیتوں میں اپنے

مواشی چرایا کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی ابوموسیٰ اشعری کو ان کے طلب کرنے کے لئے بھیجتے ہیں۔ حضرت نابغہ اپنی قوم کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں حضرت ابوموسیٰ ان کو تازیانے لگاتے ہیں۔ حضرت نابغہ صحابی اس تشدد کی فریاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں کرتے ہیں:۔

فیا قبر النبی وصاحبیہ۔ الایا	پس اے قبر نبی کی اور آپ کے دو صحابی
غوثنا لو تسمعونا	کی دیکھنا اے ہمارے فریادرس!
	کاش آپ سنیں۔

میں نے یہ مثالیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس واسطے دہرائی ہیں کہ مومنوں کے ایمان کو تازگی بخشتی ہیں۔ اس عشرہ کاملہ کے علاوہ قرآن کریم کی دو آیتوں سے توسل زیر بحث کا ثبوت۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیائے سابقین علیہم السلام سے توسل۔ حضرات تابعین کا توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اعرابی کا قصہ بروایت امام عتبی (متوفی ۲۲۸ھ) جسے علماء مذاہب اربعہ نے آداب زیارت میں شمار کیا ہے۔ پھر اس زمانے تک توسل کی اور چالیس مثالیں۔ یہ سب کچھ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ زیادہ کی ضرورت نہیں۔

قارئین کرام! غور کا مقام ہے۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء آفرینش سے تا قیامت واسطہ ووسیلہ وذریعہ ہیں۔ چنانچہ خلق عالم میں آپ ہی واسطہ تھے۔ عالم ارواح میں انبیاء کرام کی روحوں نے جو

علوم و معارف حاصل کئے وہ آپ ہی کے واسطہ و ذریعہ سے کئے۔ اس عالم میں انبیاء کرام کو جو مشکلات پیش آئیں اور جو انعامات الٰہی ان پر ہوئے ان مشکلات کا حل اور ان انعامات کا حصول آپ ہی کے واسطہ سے تھا۔ دنیا میں وجود عنصری کے ساتھ تشریف لانے پر خالق و مخلوق میں واسطہ آپ ہی کی ذات اقدس تھی۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے۔ ”دیتا خدا ہے، بانٹتا میں ہوں“۔ صحابہ کرام قضاء حاجات کے لئے اللہ تعالیٰ کی جناب میں آپ ہی کا واسطہ پیش کیا کرتے تھے۔ وفات شریف کے بعد بھی زمانۂ صحابہ کرام سے آج تک ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے اور تا قیامت رہے گا۔ عرصات قیامت میں تمام امتوں کی مشکل کا حل آپ ہی کے واسطہ سے ہوگا۔ اندریں حالات منکرین کا توسل بعد الوفات سے انکار نہایت حیرت انگیز ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر شریف میں بحیات حقیقیہ دنیویہ زندہ ہیں۔ آپ کے تصرفات بدستور جاری ہیں اسی واسطے آپ کی امت میں قطب و اوتاد و ابدال تا قیامت ہوتے رہیں گے۔ آپ کی دنیوی زندگی میں جس اعلیٰ وصف کے سبب سے آپ سے توسل کیا جاتا تھا وہ وفات شریف کے بعد بھی بدستور ثابت ہے کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ اسی طرح وصف رحمۃ للعٰلمین بھی بعد الوفات آپ میں موجود ہے۔ کیونکہ آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ میری حیات اور میری ممات دونوں تمہارے واسطے بہتر ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بایں ہمہ آپ کی حیات و ممات میں فرق کرنا اور

توسل بعد الوفات کا انکار کرنا یقیناً حرمان وشقاوت کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ بجاہ حبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

۴۔ عرصاتِ قیامت میں شفاعت و توسل

اس کتاب میں شفاعت کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ شفاعت کے جس قدر انواع ہیں وہ سب حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت ہیں۔ جن میں سے بعض حضور سے مختص ہیں اور بعض میں مشارکت ہے۔ قیامت میں سب سے پہلے جو باب شفاعت کھولیں گے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہونگے۔ اس لئے حقیقت میں تمام شفاعتیں حضور ہی کی طرف راجع ہیں۔ اور حضور ہی صاحب شفاعت علی الاطلاق ہیں۔ وہ انواع حسب ذیل ہیں:۔

اول۔ شفاعت عظمیٰ ہے جو تمام خلائق کو عام ہے۔ اور حضور کو مختص ہے۔ میدان حشر میں طول وقوف کے سبب سے سب لوگ گھبرا جائیں گے اور بغرض شفاعت انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس یکے بعد دیگرے جائیں گے۔ مگر سب کی طرف سے یہی جواب ملے گا کہ ہم اس کے اہل نہیں۔ آخر کار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہونگے اور حضور انا لھا (میں اس کا اہل ہوں) فرماتے ہوئے بارگاہِ رب العزت میں طول وقوف سے نجات اور تعجیل حساب کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔

دوم - ایک جماعت کے حق میں بغیر حساب بہشت میں داخل ہونے کے لئے شفاعت ہو گی۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت سے ستر ہزار آدمی بے حساب بہشت میں جائیں گے۔ ان ستر ہزار کے ساتھ اور بہت سے بھی بے حساب جنت میں چلے جائینگے۔ بعض کے نزدیک یہ نوع بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے۔

سوم - وہ اقوام جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہیں۔ شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔

چہارم - جو لوگ دوزخ کے مستحق و مستوجب ہیں وہ حضور کی شفاعت سے بہشت میں چلے جائیں گے۔

پنجم - ایک جماعت کے رفع درجات کے لئے حضور شفاعت فرمائینگے

ششم - گنہگار لوگ جو دوزخ میں ہونگے وہ شفاعت سے نکل آئیں گے۔ یہ شفاعت تمام انبیاء و ملائکہ و شہداء میں مشترک ہے۔

ہفتم - استفتاح جنت کے لئے شفاعت ہو گی۔

ہشتم - جو لوگ عذاب دائمی کے مستحق ہونگے ان (میں سی بعض) کے عذاب میں تخفیف کے لئے ہو گی۔

نہم - خاص اہل مدینہ کے لئے ہو گی۔

دہم - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کے زائرین کے لئے ہو گی (اشعۃ اللمعات جلد رابع صہ ۲۰۴)

اب اخیر میں توکلی مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے روتا ہوا دربار رسالت

ہیں یوں عرض کر رہا ہے:-

"یا رسول اللہ! قیامت میں اس مسکین، عاجز، بے نوا، سراپا گناہ محمد نور بخش توکلی کی شفاعت فرما دیجیے گا"

ھذا آخر الکلام فی سیرۃ خیر الانام علیہ الف الف تحیۃ وسلام۔

رَبِّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ هٰذِهِ الْهَدِیَّةَ الطَّفِیْفَةَ - لِجَنَابِ حَبِیْبِكَ الْخَصِیْبِ عَلَیْهِ اُلُوْفُ الصَّلٰوةِ وَالتَّحِیَّةِ - وَاجْعَلْهَا اِلٰی حُصُوْلِ رِضَاكَ وَنَیْلِ شَفَاعَتِهٖ وَسِیْلَةً - اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَّبِعِیْنَ لِشَرِیْعَتِهِ الْمُتَّصِفِیْنَ بِمَحَبَّتِهِ الْمُهْتَدِیْنَ بِهَدْیِهٖ وَسِیْرَتِهٖ - وَتَوَفَّنِیْ عَلٰی سُنَّتِهٖ وَمِلَّتِهٖ وَلَا تَحْرِمْنِیْ فَضْلَ شَفَاعَتِهٖ - وَاحْشُرْنِیْ فِیْ اَتْبَاعِهِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ - وَاَشْیَاعِهِ السَّابِقِیْنَ وَاَصْحَابِ الْیَمِیْنِ - اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِشُیُوْخِیْ وَلِسَائِرِ الْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ - بِرَحْمَتِكَ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ یَا غَفَّارُ یَا وَهَّابُ - هٰذَا وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِیْنَ -

---

اس مقدس کتاب کی کتابت کرنے والا کاتب عبد الحمید۔ بلاک بنانے والا افضل وکیل۔ چھاپنے والا عبد العزیز۔ جلد بندی کرنے والا محمد اسحاق۔ اور سب سے آخیر میں ان سب کاموں اور تاج کمپنی لمیٹڈ کا منتظم عنایت اللہ۔ اللہ تعالے کے حضور میں التجا کرتا ہے، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اور دعا کرتا ہے رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

طبع شدہ در تاج آرٹ پریس کراچی، باہتمام عنایت اللہ منتظم تاج کمپنی لمیٹڈ

تصدیق صحت متن

ہم نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً پورے غور و امعان نظر سے پڑھا
اور ہم تصدیق کرتے ہیں کہ اس مصحف مقدس کے متن میں کوئی کمی
بیشی اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حافظ عبدالرؤف

الحافظ القاری محمد اکرم بن اللہ دتہ	الحافظ عبدالرؤف بن عبدالواحد
سند یافتہ	سند یافتہ
مدرس مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم کورنگی کراچی	مدرس جامع مسجد سابق ریاست بھوپال